اخبار الاخیار اردو

مصنف

ابو المجد شیخ عبد الحق محدث دہلوی

مترجم

مولانا اقبال الدین احمد صاحب

فاضل ادب لکھنؤ

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی مشہور تصنیف اخبار الاخیار ہند و پاک کے تقریباً تین سو اولیائے کرام و صوفیائے عظام کا مشہور و مستند تذکرہ ہے جسمیں علماء و مشائخ کی مقدس زندگیوں کی دل آویز داستانیں پورے نقد و تحقیق سے لکھی گئی ہیں، یہ کتاب ایک قابل قدر تاریخی و علمی شاہکار ہونے کے علاوہ حکمت و نصائح اور پاکیزہ تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافر خانہ، بندر روڈ کراچی

نقش اوّل جون ۱۹۶۳ء
تعداد طبع ایک ہزار
باہتمام محمد رضی عثمانی
مطبوعہ انٹرنیشنل پریس

تعداد صفحات پانچ سو بتیس ۵۳۲
قیمت مع جلد بارہ روپے
ناشر دارالاشاعت کراچی ۱

(لاہور میں ملنے کا پتہ) ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

عرض ناشر

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مشہور تصنیف اخبارالاخیار ہندو پاکستان کے تقریباً تین سو اولیائے کرام اور صوفیائے عظام، علماء اور مشائخ کا مستند ترین تذکرہ ہے جس میں علماء و مشائخ کی مقدس زندگیوں کی دل آویز داستانیں انتہائی تحقیق سے لکھی گئی ہیں۔

یہ کتاب ایک قابل قدر تاریخی و علمی شاہکار ہونے کے علاوہ حکمت و نصائح اور پاکیزہ تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ ہے۔ اخبارالاخیار حضرت شیخ کے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کی بہترین آئینہ دار ہے آپ نے جو کچھ لکھا پوری تحقیق اور تنقید کے ساتھ لکھا اور کہیں بھی عقیدت کے ہاتھوں حقیقت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ اصول اسناد کا استعمال شیخ نے نہایت سختی سے کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو جو مقبولیت عطا ہوئی وہ مقبولیت کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

اصل کتاب فارسی زبان میں تھی اور وہ بھی عرصہ سے نایاب ہوگئی تھی الحمدللہ کہ اب دارالاشاعت کراچی کے زیراہتمام اصل فارسی نسخہ حاصل کرکے اس کا نہایت مستند عام فہم اور شگفتہ اردو ترجمہ کرایا تاکہ اردو خواں حضرات بھی اس علمی ذخیرے سے بہرہ ور ہوسکیں۔ ہم نے اس بات کی خاص طور پر کوشش کی ہے کہ اصل پوری کتاب کو بعینہٖ اُردو میں منتقل کردیا جائے۔ تاکہ اصل کتاب کا پورا پورا فائدہ اس اُردو ترجمہ سے حاصل کیا جاسکے اور علمی تحقیق کرنے والے حضرات کے لئے یہ ایک تاریخی دستاویز کا کام دے سکے جو اس کتاب کی اصل خصوصیت ہے۔

دوسری خاص اور اہم بات یہ ہے کہ اصل کتاب میں علماء کے حالات کے ساتھ سن پیدائش و وفات کا اہتمام نہیں تھا۔ ہم نے مستند ترین کتب سے تلاش و تحقیق کے بعد اس کمی کو پورا کردیا ہے یعنی جس قدر حضرات کا اس میں تذکرہ ہے ان سب کے ناموں کے ساتھ سن وفات و پیدائش بھی درج کردیئے ہیں اس لحاظ سے اب یہ کتاب علمی تحقیق کرنے والے حضرات کے لئے بھی نہایت کارآمد ہوگئی ہے۔

امید ہے کہ ان پاکیزہ روحوں کے تذکرہ کے مطالعہ سے عام مسلمان پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے اور اس کتاب کی اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اشاعت فرماکر ادارہ سے تعاون فرمائیں گے۔ والسلام

بندہ محمد رضی عثمانی ۔ ۔۔۔ ۷ شعبان ۱۳۸۲ھ

مطابق یکم جنوری ۱۹۶۳ء

مقدمہ اخبار الاخیار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اولیاء اللہ کے حالات و واقعات کا مطالعہ بھی ایک عجیب کیمیا تاثیر رکھتا ہے کہ دل کی دنیا بدلنے لگتی ہے اور بہت سے وعظ ونصیحت اور ترغیب وترہیب کے مضامین کا اثر نہیں ہوتا جو ان حضرات کے تذکرہ سے حاصل ہو جاتا ہے امام محمد بن حسنؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ والوں کے حالات و مقالات کا مطالعہ بہت سی علمی اور تحقیقی حالات سے زیادہ نافع ثابت ہوتا ہے ـــــ وجہ یہ ہے کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے معمور ہوتے ہیں ان کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا ہے ذکر اللہ نے ان کو بھی قابلِ ذکر بنا دیا ہے۔ نفضلی نے خوب کہا ہے ۔ ذکر اتنا ترا کیا ہم نے: قابل ذکر ہو گئے ہم بھی

لیکن تذکرہ اولیاء اللہ کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے میں تین چیزوں کی احتیاط لازم ہے ورنہ نفع کے بجائے دینی نقصان کا خطرہ ہے۔ اول یہ کہ مطالعہ سے پہلے یہ تحقیق کرے کہ کتاب کسی مستند ماہر عالم کی تصنیف ہے غلط سلط سُنی سنائی حکایات نہیں کیونکہ ایسے غلط قصے اور حکایتیں عموماً بزرگوں کو بدنام کرنے اور عوام کو غلط راہ پر ڈالنے کا سبب بنتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ محقق مستند علماء نے بھی جو روایت کسی بزرگ کے بارہ میں نقل کی ہے اس کو بھی حدیث جیسی قابل اعتماد روایات نہ جانیں ان میں کمی بیشی یا مبالغہ کا احتمال بہرحال قائم رہتا ہے اس کی وجہ سے ان کے متعلق کوئی ایسی رائے قائم نہ کرے جس سے کتاب سنت کی ہدایات کی مخالفت پائی جائے کتاب وسنت کی واضح ہدایات کے خلاف ہو کیونکہ ایسا کرنا عموماً ان بزرگوں پر بھی افترا ہوتا ہے تیسرے یہ کہ ان حضرات کے حالات و مقالات کا وہ حصہ جو علوم معاملہ اتباع سنت و شریعت خدا ترسی، ترک دنیا تعلق مع اللہ سے متعلق ہے وہ ہر شخص کیلئے قابل تقلید و اتباع ہے اور ایک حصہ انہیں سے بعض حضرات کے مقالات کا وہ بھی ہے جس کا تعلق علوم مکاشفہ اور خصوصی حالات و واردات سے ہے نہ وہ دوسروں کیلئے واجب الاتباع ہے اور نہ اسکا مطالعہ عام لوگوں کیلئے مفید ہے بلکہ انکی مخصوص اصطلاحات سے ناواقف لوگوں کو ایسی طرح طرح کے مغالطے پیدا ہو جاتے ہیں اسلئے ایسے حالات و مقالات کے متعلق اسلم طریقہ یہ ہے کہ جن حضرات کا علم و تقویٰ و طہارت اور اتباع سنت و شریعت عام حالات معلوم ہیں ان کا اگر کوئی حال یا کوئی کلمہ ایسا ثابت ہو جو ظاہر شرع کے خلاف معلوم ہوتا ہو تو عمل شریعت کے احکام پر لازم سمجھیں اسمیں انکا اتباع نہ کریں مگر ان سے بدگمان بھی نہ ہوں تاویل کریں کہ شاید انکی بات ہم تک صحیح نہیں پہنچی یا انکا مطلب ہم نہیں سمجھے ان معاملات میں لوگ افراط و تفریط میں مبتلا ہو جاتے ہیں کوئی انکی آڑ لیکر خلاف شرع امور کا مرتکب ہو جاتا ہے اور کوئی انسے بدعقیدہ ہو کر انکی بے ادبی کرنے لگتا ہے صحیح راہ عمل وہ ہے جو عرض کی گئی کیونکہ بالفرض یہ بات انکی غلط اور بُری ہی ہو تو غلطی اور لغزش سے کونسا انسان خالی ہے مگر بقول رومیؒ بہر کیکے تو گلیمے را مسوز یعنی ایک پسو یا جوں کی وجہ سے کمبل کو جلا دینا عقلمندی نہیں ـــــ زیر نظر کتاب اخبار الاخیار حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے مصنف کا نام ہی کتاب کے مستند ہونے کی ضمانت ہے مگر جو احتیاط تیسرے نمبر میں عرض کی گئی ہے اس کا التزام اسمیں بھی ضروری ہے یہ کتاب فارسی زبان میں تھی برخوردار مولوی محمد رضی سلمہٗ ناظم دارالاشاعت بندر روڈ کراچی نے افادہ عوام کے لئے اس کا اُردو ترجمہ کرا کر شائع کیا ہے حق تعالیٰ اسکو حسنِ قبول عطا فرما دیں اور مسلمانوں کیلئے نافع و مفید بنائیں۔ واللہ الموفق والمعین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ محرم الحرام ۱۳۸۳ھ

فہرست نقول وحکایات

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار اردو

مختصر حالات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

پیدائش ۹۵۸ھ ——— وفات ۱۰۵۲ھ

شیخ کے خاندانی حالات

حضرت شیخؒ کے اجداد بخارا کے رہنے والے تھے ان کے اجداد میں سب سے پہلے آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی یعنی سلطان علاؤ الدین خلجی کے دور حکومت میں ۱۲۹۶ء۔۱۳۱۶ء ہندوستان تشریف لائے سلطان نے ان کی بڑی قدر دانی کی اور ان کو اپنے امراء کی جماعت کے ساتھ گجرات کی مہم پر روانہ کر دیا۔ آغا محمد گجرات کی فتح کے بعد وہیں مقیم ہو گئے۔ آغا محمد ترک کے ایک لنو ایک بیٹے تھے لیکن ایک حادثہ میں سو لڑکے فوت ہو گئے اور صرف ایک لڑکا معزالدین باقی بچا اور اس سے اس خاندان کا سلسلہ چلا اس صدمہ سے نڈھال ہو کر آغا محمد ترک پھر واپس دہلی تشریف لائے اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں معتکف ہو گئے۔

۱۷۔ ربیع الآخر ۷۳۹ھ کو آپ نے وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ ملک معزالدین سے ہی اس خاندان کا سلسلہ چلا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ملک موسیٰ نے بڑی عزّت و شہرت حاصل کی۔ ان کے کئی بیٹے تھے ان میں شیخ فیروز نے خاندان کو چار چاند لگا دیئے تمام علوم میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے۔ شیخ فیروز ۸۶۰ھ ۱۴۵۵ء میں بہرلخ کے کسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ جبکہ ان کی بیوی حاملہ تھیں۔ کچھ روز کے بعد ان سے شیخ سعد اللہ حضرت شیخ کے دادا پیدا ہوئے۔ اور اپنے زمانہ کے کامل شیخ ہوئے۔ ۲۲ ربیع الاول ۹۲۸ھ ۱۵۲۱ء کو ان کا انتقال ہوا۔ اور انھوں نے اپنے پیچھے ۲ دو لڑکے چھوڑے شیخ رزق اللہ۔ اور شیخ سیف الدین۔ انتقال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر ۸ سال کی تھی۔ اور پھر یہی آٹھ سالہ بچہ دہلی کا نہایت باعزت انسان کہلایا۔ اور پھر اسی کے گھر میں علم کا وہ آفتاب طلوع ہوا جس کے حالات ہم یہاں لکھنا چاہتے ہیں۔

حضرت شیخ محدثؒ کی ولادت و تعلیم و تربیت

حضرت شیخ محدثؒ اسلام شاہ سوری کے عہد ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء

میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ اور جب آپ تین سال کے ہی تھے تو آپ کے والد ماجد نے بڑی شفقت سے آپ کی پرورش اور تربیت کا اہتمام کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنے بیٹے کے دل میں علم کی لگن اور ذہن میں علم کے صحیح نظریئے بھی قائم کردیئے۔

ابتدائی تعلیم قرآن پاک کی آپ نے خود ہی دلائی جس کی برکت یہ تھی کہ صرف تین ماہ میں حضرت شیخ نے پورا کلام پاک ختم کرلیا۔ اس کے بعد ایک ماہ میں آپ لکھنا سیکھ گئے اس قدر کم عرصہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لینا حضرت شیخ کی غیر معمولی ذہانت کی دلیل ہے۔

اس کے بعد والد کی زیر سرپرستی آپ نے فارسی عربی کی تعلیم شروع کی آپ نے جس علم کی طرف بھی توجہ کی بہت جلد اس کو حاصل کرلیا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی اور پندرہ سولہ سال میں مختصر و مطول۔ غرض اٹھارہ برس کی عمر میں آپ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ حاصل فرما چکے تھے۔ اس دوران میں آپ نے علماء ماوراء النہر سے بھی اکتساب علم کیا۔

عبادت و ریاضت کی ابتداء

شیخ نے ابتدا ہی سے علوم ظاہر کے ساتھ ساتھ علوم باطن کا بھی پورا خیال رکھا۔ شیخ سیف الدین نے ان کے قلب میں عشق حقیقی کے ایسے جذبات پھونک دیئے تھے جو آخر عمر تک ان کے قلب و جگر کو گرماتے رہے۔ اور عبادات و ریاضات کے ساتھ اپنے وقت کے علماء و مشائخ کی صحبت میں رہنے لگے۔ عام لوگوں کی صحبت اور میل جول سے ہمیشہ متنفر رہے یہ شہنشاہ اکبر کا زمانہ تھا جبکہ شرع کی بے حرمتی اور بدعات اپنے عروج پر تھیں اکبر بادشاہ اور اس کے اُمراء نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ لگ جائیں لیکن جس کی قسمت میں تجدید علوم اسلامی اور ترویج شرع لکھی ہوئی تھی وہ اس ماحول میں کیسے ٹھہر سکتا تھا۔ اس دور کے مذہبی حالات سے گھبرا کر شیخ حجاز تشریف لے گئے۔

شیخ محدث کا سفر حجاز

حضرت شیخ اڑتیس سال کی عمر میں براہ مالوہ و گجرات احمد آباد ۹۹۶ھ میں حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔ اور رمضان سے کافی عرصہ قبل آپ مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے چنانچہ رمضان ۹۹۶ھ تک انھوں نے وہاں کے محدثین سے صحیح بخاری۔ و مسلم کا درس لے لیا تھا اور پھر شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں انھوں نے علم کی تکمیل کرائی اور سلوک و طریقت کی راہوں سے آشنا کیا۔ شیخ کی انتہائی خوش قسمتی تھی کہ آپ کو ایسا رہبر کامل مل گیا۔ غرض شیخ عبدالوہاب متقی سے پورا پورا

اکتساب علم کیا۔ اور اُن سے صد درجہ متاثر ہوئے۔ انہی کے ساتھ رمضان گزارا اور فریضۂ حج بھی ساتھ ہی ادا کیا۔ بعد ازاں آپ اپنے شیخ کے حکم سے اُن کے زیر نگرانی حرم کے ایک حجرہ میں عبادت وریاضت کرتے رہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شیخ کو عشق تھا جب دیارِ محبوب میں پہنچے تو برہنہ پا ہو جاتے چار بار زیارت رسول اکرم سے مشرف ہوئے اور حجاز میں تین سال قیام فرمایا۔

حجاز سے ہندوستان کو واپسی

علم وعمل کی تمام وادیوں کی سیر کرانے کے بعد شیخ عبد الوہاب متقی رح نے شیخ عبد الحق کو واپس ہندوستان جانے کا حکم فرمایا۔ لیکن حضرت شیخ ہندوستان کے حالات سے ایسے دل برداشتہ تھے کہ طبیعت واپس ہونے کو نہیں چاہتی تھی لیکن شیخ کے حکم سے مجبور ہو گئے اور یہ ارادہ کیا کہ بغداد کے راستہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رح کے مزار کی زیارت کر کے ہندوستان واپس ہوں۔ لیکن شیخ نے اس کی بھی بعض وجوہ سے اجازت نہیں دی۔

آخر شوال ۹۹۹ھ میں آنکھوں میں آنسو اور دل میں حسرت لئے اس مقدس سرزمین سے رخصت ہوئے۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد   روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

شیخ محدث رح ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔ یہاں آکر دیکھا تو اکبر کے مذہبی افکار دین الٰہی کی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اسلامی شعار کی کھلی تضحیک کی جارہی تھی ایسے روح فرسا حالات میں شیخ عبد الحق رح نے ایک دار العلوم کی بنیاد ڈالی اور قرآن وحدیث کے درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور یہ سلسلہ زندگی کے آخری لمحات تک جاری رہا۔

شیخ محدث رح کے روحانی پیشوا

شیخ نے ابتدا میں اپنے والد ماجد مولانا سیف الدین سے روحانی تعلیم وتربیت حاصل کی۔ حضرت سید موسیٰ گیلانی رح جو سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ ہیں ان سے شیخ محدث کو بہت عقیدت تھی چنانچہ ۹۸۵ھ میں سید موسیٰ سے وابستہ ہوئے اور انھوں نے اپنی خلافت سے نوازا۔ شیخ عبد الوہاب متقی رح سے مکہ معظمہ میں تعلیم حاصل کی جن سے شیخ کی ملاقات کا ذکر اوپر گذر چکا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ مشہور ترین بزرگ ہیں جن کی پوری زندگی احیاء سنت واماتت بدعت میں گزری شیخ محدث رح نے آپ کے دست حق پرست پر بھی بیعت کی۔

شیخ محدثؒ کا وصال

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے سال تک فضائے ہند کو منور رکھا غروب ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی وصیت کے مطابق حوض شمسی کے کنارے سپرد خاک کیا گیا اور شیخ نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کی تاریخ ولادت شیخ اولیاء اور تاریخ رحلت فخر عالم است

حضرت شیخ محدثؒ کی تصانیف

شیخ محدث رح کی چورانوے سال کی عمر ہوئی اس عمر کا بیشتر حصہ تصنیف و تالیف میں بسر ہوا۔ ہر علم وفن پر آپ نے کتابیں تصنیف فرمائی جن کی کل تعداد ساٹھ ہے اور اگر مکاتیب و رسائل کو شامل کیا جائے تو یہ تعداد ۱۱۶ تک پہونچتی ہے اُن میں مشہور ترین کتب جو شائع ہو چکی ہیں ان کے نام بترتیب حروف تہجی ذیل میں درج ہیں۔

نمبر شمار	نام کتاب	فن و موضوع	زبان	کیفیت
۱	اخبار الاخیار فی احوال الابرار	سیر تذکرہ	فارسی	مطبوعہ۔ ترجمہ بھی اردو شائع ہوا از اقبال الدین صاحب
۲	آداب الصالحین	اخلاق	فارسی	مطبوعہ۔ اردو ترجمہ از نواب قطب الدین دہلوی
۳	آداب اللباس	اخلاق	فارسی	مطبوعہ۔ اردو ترجمہ
۴	اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ	حدیث	فارسی	مطبوعہ۔
۵	ترجمہ زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار	سیر	فارسی	مطبوعہ۔
۶	تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان	عقائد	فارسی	مطبوعہ۔ (اردو ترجمہ بھی شائع ہو)
۷۔	توصیل المرید الی المراد بہ بیان	تصوف	مخلوطہ	مطبوعہ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۸۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	تاریخ	فارسی	مطبوعہ۔ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۹	شرح سفر السعادت		فارسی	مطبوعہ
۱۰	شرح فتوح الغیب	تصوف	فارسی	مطبوعہ
۱۱	فہرس التوالیف	ذاتی	فارسی عربی	مطبوعہ
۱۲	کتاب المکاتیب والرسائل	مکاتیب	فارسی	مطبوعہ۔ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۳	ماثبت بالسنہ فی ایام السنہ	حدیث	عربی	مطبوعہ۔
۱۴	مدارج النبوۃ	سیر	فارسی	مطبوعہ۔ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۵	مرج البحرین	تصوف	فارسی	مطبوعہ۔ (اردو ترجمہ بھی شائع ہوا)
۱۶	نکات الحق والحقیقت	تصوف	فارسی	مطبوعہ۔

حضرت شیخ محدثؒ اور اُن کے معاصرین

حضرت مجدد الف ثانیؒ	فیضی
حضرت شاہ ابو المعالیؒ	ملا عبد القادر بدایونی
شیخ عبد اللہ نیازیؒ	مرزا نظام الدین احمد بخشی
نواب مرتضیٰ خان شیخ فرید	میر سید طیب بلگرامیؒ
عبد الرحیم خان خانان	محمد غوثی شطاریؒ

شیخ محدثؒ کی اولاد

شیخ محدثؒ کے تین فرزند ہوئے۔ سب سے بڑے فرزند شیخ نور الحق مشرقی ہیں جو اپنے والد محترم کی طرح صاحب علم و فضل ہوئے۔ خود حضرت شیخ محدثؒ آپ سے بہت خوش تھے اور اپنا وجود ثانی کہتے تھے۔ شیخ نور الحق نے بہت سی مفید کتابیں تصنیف فرمائی جن میں تیسیر القاری کے نام سے چھ جلدوں میں بخاری شریف کی شرح بھی شامل ہے آپ نے اپنے والد کی حیات میں ہی شاہجہاں کے عہد میں اکبرآباد کی قضا کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔ اور جب شیخ محدثؒ کا انتقال ہوا تو شیخ نور الحق نے اپنے باپ کی مسند ارشاد کو سنبھال لیا۔ شیخ عبد الحق کے دوسرے فرزند شیخ علی محمد جید عالم اور بزرگ تھے۔ آپ نے بھی متعدد کتابیں تصنیف فرمائی تھیں۔ تیسرے فرزند شیخ محمد ہاشم ہیں۔ یہ علم حدیث میں خاص مناسبت رکھتے تھے محمد ہاشم کے لڑکے محمد عاصم سے حضرت شیخ محدثؒ کو بہت محبت تھی۔

دیباچہ اخبار الاخیار اُردو

از شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ جو پاک و بزرگ اور واہب العطیات ہے اس کا شکر ہے۔ اس کی بخشش بے حد و بے حساب ہے اور جس کی نعمتوں کا مکمل شکر ادا کرنا طاقت امکانی سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے منجملہ نعمت اول "وجود" ہے اس کے بعد دوسری نعمتوں کی فراوانی ہے وجود اور ہستی نعمت کو دوام حاصل ہے۔ اس لئے اس دوامی نعمت پر دوامی طور سے ہر لمحہ شکر کرنا ضروری ہے۔ بنا بریں اولاً اللہ کی دی ہوئی "نعمت ہستی" کا شکر ادا کر کے دوسری نعمتوں کا شکر کیا جائے۔

قطعہ

عقل در اندیشہ فرو شد مگر   شکر خداوند تعالیٰ کند
دید کہ ہرگز نتواند کہ آن   لائق آں درگہ والا کند
تا ابد الدھر ز شرمندگی   سر نتوانست کہ بالا کند

نعمت نفس (سانس) اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی مسلسل نعمتوں میں سے ایک نعمت "نفس" ہے جو ہر لمحہ بغیر کسی کمی کے جاری ہے۔ جس کی آمد و رفت میں ہزاروں نعمتیں موجود ہیں جن کے شمار کی عقل کو بھی سکت نہیں۔ اندر آنے والی سانس سے صدہا کاموں کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس کی مثال اس آب حیات کی مانند ہے جو رگوں اور پٹھوں کی نالیوں کے ذریعہ اعضاء جسمانی کو قوت دیتی ہے۔ اور شجر و برگ کو سرسبز کرتی رہتی ہے۔

سانس اولاً حلق کے میل کچیل اور اس کی خشکی وغیرہ کو دور کر کے اسے نرم کرتی ہے۔ پھر پھیپھڑے کے ذریعہ باغ قلب میں داخل ہونے کے بعد تمام پٹھوں، رگوں اور مسامات میں گھومتے ہوئے ان سب کو معتدل کرتی اور حرارت عزیزی فراہم کرتی ہے۔ یعنی نئے سرے سے زندگی دیتا اور ہر لمحہ شربت حیات پلاتی ہے۔ اور پھر واپسی میں مسامات، رگوں اور پٹھوں وغیرہ سے کثافتیں و فضلات وغیرہ نکال کر پورے جسم میں فرحت و نشاط پیدا کرتی ہے۔ اور اسی طرح مسلسل آمد و رفت

کرتی رہتی ہے۔

نفس محاسبہ کرنے والے جانتے ہیں کہ صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک سانس کتنی مرتبہ آمد و رفت کرتی ہے۔ سانس کی ہر آمد و رفت پر شکر ادا کرنا لازمی ہے۔

فسبحان مَن جلّت قُدرتہٗ و دقّت حکمتہ

مثنوی

ہر نفسے ذکر وصول آورد	مائدہ تازہ نزدل آورد
روح ازو تازہ غذائے بُرد	دل نفس باد ہوائی خورد
ہر نفست زندگی آید پدید	بل ھُم فی اللبس بخلق جدید
ہر نفسے تازہ حیاتے دگر	واسطہ صبر و ثباتے دگر
ہر یک ازاں مروحہ جنبان کشش	روح مزاج دل ازو کردہ خوش
حجرہ جاں مترنم ازو	پنجرہ دل متنسم ازو
ہر سو مو در بدن آدمی	یافت از تازگی و خرمی
آدمی بے ہنر و بے زبان	حمد خدا را چہ تواند بیاں

دوسری نعمت رزق ہے جو روزانہ صبح و شام بلا ناغہ اللہ تعالیٰ تم کو عنایت کرتا ہے سوچو اور اس کے اسباب و تدابیر پر غور و فکر کرو۔ اللہ تعالیٰ گیہوں کا ایک دانہ پیدا کرنے میں کتنے اسباب پیدا کرتا ہے۔ کھیتی باڑی کا سامان مہیا کرکے زمین کو فاسد ہونے سے بچاتا اور پھر حفاظت کرتے ہوئے گیہوں کو بالوں میں پکا کر لوگوں کے لئے بطور اناج عنایت کرتا ہے۔ اور پھر اس کی عجیب و غریب حکمتیں و نعمتیں دیکھئے کہ گیہوں کے پیسنے گوندھنے، پکانے۔ کھانے۔ چبانے۔ ہضم و جذب کرنے میں وہ یقین محکم پیدا کر دیا ہے جسے حکیم مطلق ہی خوب جانتا ہے اور جس نے گندم کو بہترین غذا بنایا ہے۔

فسبحان مَن تمّت حکمتہٗ و عمّت نعمتہٗ

قطعہ

سبحان قدیرے کہ بہ یک ذرہ شکرش	خاصاں در ش گردہ رہ عقل و خرد گم
از خرمن روواۂ گندم زرہ آدم	پروردہ لحہ خلق باں دانۂ گندم
گم در شکم دانہ دل انجم و افلاک	چوں دانۂ چند بیست فتادہ بتہ خم

اس کے علاوہ دوسری نعمتیں کھانا پینا، لباس، مکانات، آمدورفت کے مقامات، شہر اور بستیاں، سبزآسمانی و زمینی، علوی و سفلی، روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی ان نعمتوں کو دیکھو اور خدائے علیم و قدیر کی تخلیق و تقدیر، تربیت و تدبیر میں قوت فکر و شعور کو کام میں لاؤ تو سکوت و حیرت کے ساتھ اپنی عاجزی و بندگی ہی نظر آئے گی۔

عجیب و غریب طور پر آسمانوں کی تخلیق، ستاروں کی رفتار، تاروں کے حالات، ارکان و عناصر کی عجیب و غریب ترتیب، لمبی چوڑی زمین کا باضابطہ و باقاعدہ بچھونا۔ پہاڑوں کا مضبوط و بلند رہنا، چشموں کا جاری ہونا۔ نہروں کا بہنا، جمادات، نباتات، حیوانات کی تخلیق۔ بقا اور فنا اجسام کا ایجاد کرنا۔ ظاہر و باطن میں انعامات کے عطایا وغیرہ وغیرہ جن کا مجمل ذکر بھی ہر انسان کے بس کی بات نہیں اور ان اشیاء کا تذکرہ بڑی سے بڑی کتابوں میں بھی تحریر نہیں ہو سکتا۔ یہ سب کچھ اے انسان تیرے ہی واسطے ہے تاکہ تو اللہ کی یاد میں لگا رہے اور اس کی طلب میں مشغول رہے۔ فسبحان من لا حصر لاٰلائہ ولا احصاء لنعمائہ

قطعہ

احصاء و حصر نعمت حق قدرت تو نیست — فکر اندراں خیال چہ باید ترا گماشت
کار تو ایں بود کہ بدانی کہ ایں ہمہ — بہر تو آفرید و ترا بہر خود نگاشت
ایں منبسط بساط زمیں بہر تو نہاد — دین سائباں سبز فلک بہر تو فراشت
چندیں نعم بہ بزم ظہور آشکار کرد — چندیں وگر بعالم دیگر نگاہ داشت
غافلی مشو ز ذکر خدا و تدروز و شب — آندم کرا آتش شام خوری یا غذائے چاشت

غرضکہ تمام انسانوں اور جانداروں پر اللہ کی نعمتیں عام ہیں۔ اگر اللہ کے احسانات و انعامات کو ملحوظ رکھو تو ہر مشکل سے عہدہ برآ ہو کر اپنا مطلب و مقصود حاصل کر لو گے۔ قوت گویائی و فکر، فہم و فراست، علم و عشق، شوق محبت، ذوق معرفت، قرب، ولایت، نبوت، رسالت، عزم و ارادہ۔ عوام کی عزت اور مختلف طریقوں سے خواص کی تعظیم انسان کو اللہ ہی نے دی ہے اور اس کو اتنا بلند بنایا ہے کہ اس کے پاؤں تمام زمینی باشندوں کے سر پر ہیں اور اس کا سر تمام آسمانوں والوں سے بلند و بالا اور وہی سب کا سردار ہے۔

قطعہ

پاکی کہ خاک را سراز بر فلک رسید — ملکہ فلک زیر تو آں خاک نوریافت

بمود ہرچہ بود بگنج ازل نہاں | آں دم کہ نور آدم خاکی ظہور یافت
بیروں در فرشتہ بکارے موکل است | ایں آدم اختصاص بہ بزم حضور یافت
از بوئے او ریاض بہشت بریں شگفت | وز روئے او سفیدئ رخسار حور یافت
نور صفا اگرچہ زروئے صفی ظہور | چوں از درخت شعشعہ نار طور یافت
داند کہ نور کیست زرخسار او عیاں | آنکس کہ روشنائی نور شعور یافت
نور محمدی است کہ اول ز ذات بحت | در عقل و نفس آمدہ زیں جا عبور یافت
حرف نخست ابجد ایجاد ذات اوست | کاں حرف کاتب ازل اصل سطور یافت
فرقاں وصف اوست کہ توریت کردہ طے | انجیل در نوشتہ زبر بر زبور یافت
عقل از کمال اوست چو از آفتاب چشم | نزدیک خیرہ رہ نتواند ز دور یافت

جس طرح خالق موجودات کا مکمل شکر ادا کرنا انسانی قدرت اور امکان سے باہر ہے اسی طرح رسول اکرم کی مدح و تعریف تشریح و بیاں سے بلند و بالا ہے۔ مرتبہ احدیت میں جو کچھ مقرر ہے حقیقت محمدی نے اس کو برقرار رکھا اور ذات احدیت میں جو کچھ مبہم و پوشیدہ ہے صفات سرور عالم نے اسے ظاہر فرمایا۔ بلندی و پستی اور آسمان و زمین میں جو کچھ ظاہر ہے وہ سب کا سب رسول اکرم کے انوار کا پرتوا ور صدقہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عقل و شعور کی کمی و کوتاہی کے باعث صفات حق کے ادراک و معلوم کرنے میں عاجز ہونا دراصل اللہ کی ذات کامل و مطلق کی حقیقت سے آگاہی میں عاجزی درماندگی و کوتاہی ہے۔

قطعہ

حق را بچشم اگرچہ ندیدند لیکنش | از دیدن جمال محمد شناختند
اورا بچشم دیدو نشناختند ازاں | کہ صورتش غشادہ معنیش ساختند

رسول اکرم کا " مَا عَبَدْنَاکَ " کہنا کہ اے اللہ ہم نے پوری طرح تیری عبادت نہیں کی دراصل اللہ تعالیٰ کی آواز ہے۔ اور " مَا عَرَفْنَاکَ " کی صدا کے بھی یہی معنی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ رسول اکرم کا مقصود و مطلب ہر آن موجود ہے۔

رسول اکرم نے فرمایا اے اللہ مجھ سے تیری ویسی تعریف نہ ہو سکی جیسی تو نے خود اپنی صفات بیان کی ہیں۔ اور تمام کچے سچے اور صالح مسلمان کہتے ہیں اے سرور عالم! ہم آپ پر ویسا درود و سلام نہ بھیج سکے جیسے اللہ نے آپ پہ صلوٰۃ وسلام فرمایا ہے

قطعہ

خیرالوریٰ امام رسل مظہر اتم — او از خدا و ہر چہ جز او منتشی از و
او جان جملہ عالم و حق جان جان شمار — حق را بغیر واسطۂ ذات او مجو
حق در ازل برابر آئینہ وجود — آئینہ حقیقتش آمد رو برو
آئینہ را مقابل آئینہ چوں نہند — اینجا لطیفہ است اگر بشنوی نکو
ازل اول انچہ در دوم افتد بود بعکس — گردد درست باز ازیں چوں قند درو
نقش وجود راست نشید بایں طریق — بشناس ایں دقیقہ مزن دم بگفتگو

سرور عالم ابتداء میں مخلوقات کی پیدائش کا سبب اور آخر میں لوگوں کے لئے واسطۂ ہدایت و رہ نمائی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ باطن میں روحوں کے مُربّی اور ظاہر میں اجسام کی بلندی و فراخی پوری کرنے والے۔ ارکان مذاہب و ممالک غیر کے توڑنے والے۔ متفرق اقوام و قبائل کے احکام منسوخ کرنے والے۔ وجود کی انگوٹھی کے نگینہ اور معرفت و شہود کے نگینہ مُنقش کاری۔ اعتکاف کرنے والوں کے مقصود' افلاک کے مرکز سالکوں کے مقصد مطلوب' زمین والوں کے لئے کھیتہ اور تہہ خانہ۔ مکارم اخلاق کے پیشوا و دنیاوی ماہروں اور کاملوں کی تکمیل کرنے والے۔ وجود و عدم کی منزلوں کے نگہباں۔ حدوث و قدم کے سمندروں کی برزخ۔ ممکن و واجب کے جامع۔ طالب و مطلوب میں رابطہ۔ اللہ کی حکومت میں سب سے زیادہ عزیز۔ مملکتِ الٰہی کے شہنشاہ۔ حقیقت فرد کے ظاہر کرنے والے۔ صورت رحمانیت کے مظہر۔ عالم لاہوت کی پوشیدگیوں کے سربستہ راز۔ خزانہ جبروت سے واقف۔ ارواح ملکوت کے لئے پرواز کی قوت' اجسام ناسوت کو بلندی و فراخی دینے والے۔ ولایت کے بانی۔ نبوت کے خاتم۔ مکمل مظہر' رحمت عام۔ عقل و شعور اول۔ ازل کے ترجمان۔ نوروں کے نور۔ بھیدوں کے بھید۔ ہادی راہ' خالص نور۔ حبیب اعلیٰ۔ پاکیزگیوں کے پاکیزہ۔ تمام رسولوں کے سردار۔ رحمۃ للعالمین حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہیں۔ آپ پر درود وسلام ہو۔

قطعہ

شاہ رُسل شفیع اُمم خواجۂ دو کون — نور ہدیٰ حبیب خدا سید انام
مقصود ذات اوست دگرہا ہمہ طفیل — منظور اوست اگر جملگی نظام
ہر رتبہ کہ بود در امکاں بر دست ختم — ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر وتمام

برداشت از طبیعت امکان قدم کہ آں | امری بعیدہ است من المسجد الحرام
تا عرصہ وجوب کہ اقتضائے عالم است | کانجا نہ جاست نے جہت و نے نشان نام
سرے است بس شگرف دریں جا ہیچ ہاں | انا شنائے عالم جاں پرس ایں مقام

اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

درود شریف کے الفاظ کے پیش نظر سرور عالمؐ کی آلِ کامل کے کمالات، صحابہ کی مکمل صفات ائمہ بزرگ کے مختلف احسانات بیان کرنا تعداد و شمار سے بلند و بالا اور لوگوں کے امکان سے باہر ہیں۔ یہ سب حضرات دراصل رسول اللہؐ کے دربار کی لہریں اور آپؐ کے آسمان کے چاند ہیں۔ سرور عالمؐ کا فیض جاری ہے۔ اور انہی بزرگوں کی کوششوں کے ذریعہ اسلامی نور چمک رہا ہے۔ ہر نہر علیحدہ علیحدہ آب رسانی کر رہی ہے اور ہر ماہتاب الگ الگ روشنی دے رہا ہے۔ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کتاب فضیلت کی ایک ایک فصل اور ایک ایک باب ہے۔ کوئی صداقت و راستی کا مجسمہ کوئی عدل و انصاف کا پتلا۔ کوئی لباس حیا میں مشہور اور کوئی بے انتہا علوم کا جاننے والا۔ غرضکہ سرور عالم خاتم النبینؐ کے خلفاء میں سے حضرت علیؓ کی شہادت پر دور خلافت ختم ہو گیا۔

قطعہ

اصحاب پیمبر ہمہ مستغرق نور اند | در شعشعۂ ذات چہ از دور چہ نزدیک
اے دردہ ظلمات خلافت شدہ حیراں | بے نور ہدایت مرو اندر شب تاریک
خوش راہ غریبے است عجب مشکل و آساں | چوں جسر صراط است بسے روشن و باریک

حضرت علیؓ جن سے شجرۂ علم و ولایت آغاز ہونا مشہور ہے اس شجرہ سے درخت طوبیٰ کی مانند بہت زیادہ شاخیں نکلی ہیں جن کے کمالات ہر جانب سایہ فگن ہیں۔ اور پوری دنیا حضرت علیؓ کے نور جمال ولایت سے روشن ہو گئی۔ خاص کر رسول اللہ کی اولاد و عالی نژاد نے بحکم وراثت حقیقی اور مناسبت ذاتی ولایت کا پورا پورا حصہ اور مکمل فیض حاصل کیا اور اپنی معصومیت کی بنا پر ولایت معنوی کا پرچم بلند کرتے ہوئے ظاہری ریاست دوسروں کے لئے چھوڑ دی۔

قطعہ

نواب نبی بملک ایں ایشانند | حکام ولایت یقین ایشانند
از کشتی نوح و بحر موسیٰ گوئے | مقصود مراد حق ہمیں ایشانند

خاندان نبوتؐ سے نور ولایت کبھی جدا نہیں ہوا اور فلک ولایت کو ان قطب شخصیتوں سے کے بغیر

قرار نہیں ملا۔

قطعہ

ظاہر از اہل بیت نور نبی ہمچو در ماہ نور خورشید است
از ازل تا ابد بود ظاہر زانکہ ایں نور نور جاوید است

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کے ذریعہ اسلامی بزرگوں میں سے جس کو چاہا اطراف واکناف عالم کا قطب الاقطاب عام لوگوں کا غوث، جن وانس کا مرجع بناکر مشرق ومغرب میں مشہور کردیا اور آخیر میں حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی کو مذہب اسلام کا مجدد مقرر کیا۔ اگرچہ رسالتمآبؐ کا جمال تمام آل یعنی سب سچے و پکے مسلمانوں میں تاباں و درخشاں ہے لیکن حضرت شیخ سید سلطان محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ میں کچھ اور ہی جمال اور کچھ اور ہی کمال ہے۔ یعنی سرور عالمؐ کا جمال اور آپؐ کے کمال کی چند صفات حضرت شیخ میں موجود ہیں۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

اشعار

عالم ظہور نور کمال محمد است آدم مثال حسن وجمال محمد است
از آفتاب روز قیامت چہ غم بود آں راکہ در پناہ ظلال محمد است
اے غرقہ گناہ زطوفان غم مترس کشتی نوح عصمت آل محمد است

حمد وثنا کے بعد فقیر حقیر خدائے زبردست کا کمزور بندہ عبدالحق ابن سیف الدین ترک بخاری دہلوی عرض پرداز ہے کہ عقل وشعور والے اور اصحاب فکر وعمل جو اہل دل اور اہل نظر ہیں یہ امر بخوبی جانتے ہیں کہ حالات کی اثر اندازی بلکہ افضل عبادت دراصل اہل کمال کی مصاحبت اور مقبولان خداوندی کی ہم نشینی ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں کی استقامت حالات کے مشاہدہ سے سالک کی ہمت بندھتی ہے جس کے باعث راہ سلوک میں سخت سے سخت عبادتیں اور ریاضتیں بالکل آسان نظر آتی ہیں۔ ان بزرگوں کا جمال دیکھنے سے دل میں وہ نورانیت پیدا ہوتی ہے جس کی وجہ سے شک وشبہ کے سامان اور بُعد وحجاب کے اسباب زائل ہوجاتے ہیں۔ اور اگر بفرض محال کسی شخص میں استفادہ کی استعداد، کام کرنے کی قوت، اور انوار حاصل کرنے کی اتنی قابلیت ہی نہ ہو کہ بزرگوں کی صحبت اس میں اثر کرسکے یا کوئی فائدہ اس کو مل سکے لیکن دلائل اور ثبوت موجود ہیں کہ صاحبان حال جو وجد کی لذت کے ساتھ ساتھ کامل بن چکے ہیں اور ولایت کی کسی قسم کے حامل ہیں اپنے پاس آنے جانے والے ایسے نااہل کو بھی نعمت خداوندی سے محروم نہیں رکھتے۔

اشعار

اے کہ از کشمکش قال و مقال | نیستت حالتِ ارباب کمال
ہیچ نایافتہ در خود اثرے | نشنیدہ زکساں جز خبرے
قابل کار نۂ معذوری | یا خود از کوشش آں بس دوری
باش کیں راہ گدا سے اگر است | ہر کسے قابل کارے اگر است
لیکن اندر پئے انکار مرو | از جہاں منکر ایں کار مرو
بنگر ایں حالت درویشاں را | کوشش و سوزش عشق ایشاں را

لیکن اہل کمال کی صحبت اور عارفوں کے مشاہدہ جمال سے محروم رہنے کے بعد بھی ان کے حالات سے آگاہی اور ان کی پیروی کرنے سے بہت بڑھتی اور تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں اور بالکل وہی کیفیت ہوتی ہے جیسی کہ ان بزرگوں کی صحبت وہم نشینی سے حاصل ہوتی۔ غرضیکہ بزرگوں کے حالات کا مطالعہ اور ان کے آثار کی پیروی بھی ایک قسم کی صحبت وہم نشینی ہے۔ کیونکہ کدورت انسانی کے غبار اور صورت عُنصری کے حجاب سے جمال زیادہ صاف و ستھرا ہے۔ حسن عقیدت کی وجہ سے ہر چیز مشاہدہ میں آتی ہے۔ اسی لئے بزرگان دین نے سینکڑوں برس تک سرور عالم کے پاکیزہ اخلاق آپؐ کی مبارک سیرت اور دوسرے بزرگوں کے حالات ہر قسم کی مجلسوں اور محفلوں میں بیان کئے۔ اور صدہا کتابوں میں سیرت لکھ کر ان کے جمال کو اور بھی آراستہ کیا۔ تسلی و تشفی نصیحت و عبرت کے سوائے اور بھی بے انتہا فائدے ہیں جس میں سے پہلا یہ کہ اولیاء اللہ کا وجود دراصل اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور اس نعمت عام میں سبھی شامل و داخل ہیں۔ اور پروردگار کے حکم "اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کرتے رہو" کے بموجب بزرگوں کے مناقب و فضائل بیان کرنا ضروری ہیں جو دراصل نعمت عظمیٰ و عطیہ کبریٰ کا شکریہ ہے۔ اور ان پاکیزہ لوگوں سے اعتقاد و محبت رکھنا لازم و ضروری ہے۔

رباعی

ہر کس کہ کمال اولیا را نہ شناخت | ایں نعمت خاص بے بہا را نشناخت
پس شکر نگفت و جب ایشاں نگزید | میداں بہ یقیں کہ او خدا را نشناخت

یہ بھی بخوبی جان لیا جائے کہ اللہ کے دوست اور محبان بارگاہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نازل ہونے کے اسباب اور اسکے قریب ہونے کے وسیلے ہیں۔ چونکہ عاشق کو اپنے معشوق کا

ذکر اچھا معلوم ہوتا ہے اسی لئے معشوق بھی اپنے عاشق کے تذکرہ کو محبوب رکھتا ہے۔ بہرحال بزرگوں کا ذکر دہ عبادت ہے جو ہر حالت میں بغیر کسی مشقت و محنت کے ہر شخص کرسکتا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قرب جو سب سے بڑا اجر ہے حاصل ہوجاتا ہے۔ اور چونکہ ماضی وحال کی قصہ کہانیاں کہنہ داستانیں سننا اور اپنا عزیز وقت برباد کرنا لوگوں کی عادت ہوگئی ہے۔ اس فطرت مانوس کے بموجب صاحبان کمال کے حالات سننا یا دیکھنا زیادہ بہتر ہے جس کی وجہ سے دین اور دنیا والوں کا فائدہ ہے اور سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ بزرگوں کے حالات معلوم ہونے سے عادتیں اور خصلتیں درست ہوجاتی ہیں اور اطاعت وعبادت میں مشغول ہوکر لطف آتا ہے۔ ذاکر و مذکور میں ایسی محبت ونسبت ہونا چاہیئے جس کی وجہ سے ذکر کیا جارہا ہے۔ صالحین کی حکایتیں اس لئے بیان کی جاتی ہیں کہ ان سے باطن میں ایک خاص نسبت ہوتی ہے جسے ذاکر اپنے بیان میں ظاہر کرتا ہے۔ اور اُن کے کارناموں کو صلاحیت وکامیابی کے زیور سے آراستہ دکھاتا ہے۔

بزرگوں کے مناقب وفضائل سننے والے پر فرض ہے کہ وہ ضرور بالضرور اس چیز کا خیال رکھے کہ اتنے پرانے زمانہ اور برسوں پہلے کے بزرگوں کی فضیلتیں جو بیان کی جارہی ہیں یہ صرف اُن کے حسن عمل اور نیک کرداری کی وجہ سے ہیں۔ اور پھر یقین کرے کہ حیات ابدی اور سعادت ازلی صرف حسن عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس تصور کے پیش نظر اس کو خبریں دی جاکر مزید نیک اور اچھے کام کرنے کی توفیق دیجائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی یقین کرلو کہ اچھے لوگوں کی روحیں اُن کو اچھی طرح یاد کرنے سے خوش ہوتی ہیں۔ تم اپنی اس دنیا کی تھوڑی دیر کے لئے جو اچھائی سے یاد کرتے ہو اس کے عوض یہ پاک روحیں تم کو عالم بالا میں بحکم الٰہی اچھے الفاظ میں یاد کرتی ہیں۔ اور قلب گداز کو اس کے مطلب پورے کرنے کی راہ دکھاتی ہیں رسول کریمؐ کے حکم "جیسا کروگے ویسا پاؤگے" کے بموجب جبکہ تم اپنے بزرگوں کے عمدہ کارنامہ بیان کرتے اور ان کو اچھائیوں سے یاد کرتے ہو تو یقین کرلو کہ تمہارے بعد والے تم کو بھی اچھی طرح یاد کریں گے۔ رب ھب لی حکما والحقنی بالصالحین واجعل لی لسان صدق فی الاٰخرین۔

ترجمہ:۔ (اے اللہ مجھے حکم عطا فرما صالحین کے ساتھ رکھ اور دین دنیا کے اندر مجھے صداقت بیانی عنایت فرما۔ آمین)

قطعہ

چو من بخیر کنم یاد رفتگان دارم امید آنکه مرا ہم بخیر یاد کنند

چو شاد میکنم ارواح دیگران شاید　　　کساں رسند و مرا نیز روح شاد کنند

امور بالا کی نسبت کے مدنظر مجھ ابجد خوان کو خواہش ہوئی کہ بزرگوں کے مناقب و فضائل بیان کرنے کی ہمت کروں اور ارواح مشائخین سے مدد لیتے ہوئے ان کو پیر دستگیر قطب عالم غوث بنو آدم کی مدحت میں وسیلہ بناؤں کیونکہ میری امداد و استعانت کا مبداء و معاد اور دنیا و آخرت میں وسیلہ ان کی عنایتیں اور مہربانیاں ہیں۔ مجھ گنہگار و بدکردار کو یہ سکت کہاں کہ خداشناس و خدانما حضرات کا نام گرامی اپنی آلودہ زبان پر لاسکوں اور خود کو اُن کے تعریف و توصیف کرنے والوں کی جماعت میں شریک کرسکوں۔

رباعی

ہیہات من از کجا و این کار کجا　　　درخورد من ضعیف این بار کجا
اوصاف بزرگان زشمار افزوں است　　　در طاقت تقریر من زار کجا

چونکہ مملکت عرب و عجم کے مشائخین کے حالات ارباب معارف کی کتابوں میں موجود ہیں اس لئے مجھے خیال ہوا کہ پیر دستگیر، شیخ الانام، غوث اعظم، فرد احباب، قطب الاقطاب، غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر الحسنی جیلانی رح کے حالات لکھنے کے بعد ہندوستانی مشائخین کے مخصوص حالات تحریر کئے جائیں کیونکہ ہمارا ملک غرباء، محبان اور دوستان خدا کا قیام گاہ رہا ہے۔ اگرچہ بعض مشاہیر کے حالات تحریر کئے جاچکے ہیں لیکن اکثر مشائخین، علماء اور متقی جو فتح اسلام کے ابتدائی زمانہ سے ہمارے ملک میں ظاہر ہوتے۔ اور ہر زمانہ میں مشہور رہے جن کے حالات کسی خاص کتاب میں تفصیل سے تحریر نہیں ہیں بلکہ کسی بیان کے ضمن میں ان قدیم و مشہور بزرگوں کا چیدہ چیدہ تذکرہ ملتا ہے یا عام و خاص کی زبانوں پر ہیں۔ ان قدیم بزرگوں کے علاوہ متاخرین مشائخ و بزرگ جو قریبی زمانہ میں تھے ان کے حالات و اوصاف بھی اب تک سپرد قلم نہیں ہوئے ہیں بلکہ صرف ہم عصر لوگوں کی زبانوں پر ہیں ان سب کے حالات و اوصاف ایک جا کردوں۔ اس لئے خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی رح کے ابتدائی زمانہ سے [illegible]ھ کے ختم تک (جو اس کتاب کی تاریخ تحریر ہے) تمام اولیاء و اصفیاء، عرفاء و مشائخ بزرگان دین و صاحبان یقین کے حالات جو ملفوظات مشائخین چشت میں تحریر ہیں اور ان ثقہ راویوں کے بیان جن کی صداقت مسلمہ ہے۔ پوری کوشش تحقیق و تفتیش، کدوکاوش اور جانچ پڑتال کے ساتھ اس کتاب میں یکجا تحریر کررہا ہوں۔ نیز ان عالموں اور صالحوں کے حالات، جو اپنی امتیازی شان کے

اچھے مشہور تھے خاص کر صالحین طبقہ اسکندریہ جنھوں نے اپنے زمانہ میں صلاحیت، تقویٰ یانت و امانت کے پورے پورے حقوق ادا کئے اور عرب و عجم و اطراف و اکناف عالم کے ہ علماء جو ہندوستان آئے اور یہیں کے ہو گئے اور ایسے لوگ جن کی ولایت و کرامت مشہور تھی لیکن مجلسوں اور محفلوں میں ان کا ذکر خیر کیا جاتا ہے اور یہ وہ شخصیتیں ہیں جو کسی نہ کسی سبب سے ممتاز و یکتا سمجھی گئی ہیں۔ غرضکہ ان تمام بزرگوں کے حالات میں نے اس کتاب میں یکجا کئے اور اس مناسبت سے اس کتاب کا نام "اخیار الاخیار فی اسرار الابرار" رکھا۔ ہر بزرگ کی تعریف و توصیف اُن کے مناسب حال حد و اندازہ کے مدنظر بغیر کسی مبالغہ کے تحریر کی گئی ان حضرات کی تصنیفات و تالیفات۔ خطوط و رسائل میں سے معاملات طریقت و مکاشفات حقیقت و وعظ و نصیحت، ہدایت و رہبری اور تربیت سے متعلق جو کچھ نظر آیا وہ بھی تھوڑا سا تحریر کر دیا ہے اگرچہ بعض اوقات منافع و فوائد کے پیش نظر مضمون طویل ہو گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بات پوری کئے بغیر چارہ ہی نہ تھا اور بعض مقامات پر مختصر کیونکہ مقصود پیش منظر موجود ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد صرف سالکین راہ و طلبگاران حق کو فائدہ پہونچانا ہے اس لئے ادبی تحریر جس سے کام کرنے والوں کا وقت برباد ہوتا ہے یا اپنی فضیلت جتانے کے لئے جو امانت و حفاظت کا شیوہ نہیں۔ اگر کسی قصہ و حکایت کو اس کے سیاق اسباق کے پیش نظر دیکھا جائے تو یہ چند اوراق کا ایک بڑا دفتر بن جاتا۔ اور ورق گردانی سے مطلب برآری میں وقت ہوتی۔ اس لئے لکھنے وقت مختصر تحریر کا خیال رکھا اور نفس مقصد بیان کرنے میں اختصار سے کام لیا۔ اور پڑھنے والوں کے عزیز و کارآمد وقت کا خیال رکھنا کوئی کنجوسی نہیں ہے۔ ناظرین اس کتاب میں جہاں کہیں سہو اور غلطی دیکھیں تو براہ اصلاح اس کی صحت کر دیں۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ اللہ تعالیٰ مجھ مولف کتاب کو تفرقہ و فتور سے محفوظ رکھے۔ بزرگان دین جن کے درجات و مراتب کا تعین کرنا اس مسکین کی طاقت سے باہر ہے لیکن جبکہ انہی حضرات کا یہ تذکرہ ہے تو ادب و احتیاط کے مدنظر مناسب یہ معلوم دیا کہ زمانہ و وقت کے لحاظ سے ان حضرات عظام کے طبقات مقرر کئے جائیں اگرچہ بعض اوقات بعض مقامات پر تقدم و تاخر زمانہ کی رعایت باقی نہیں رہی۔

طبقہ اوّل

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ (جو ہمارے ملک کے سرحلقہ مشائخ عظام اور سلسلہ چشت کے اوّل شخصیت ہیں)۔ آپ کے ہم زمانہ۔ آپ

کے خلفاء اور مریدوں وغیرہ کے حالات کے لئے مخصوص کیا گیا۔

طبقہ دوم حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اور آپ کے ہم عصر اور آپ کے مریدوں کے حالات کے لئے خاص کیا گیا ہے۔

طبقہ سوم شیخ زماں حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلوی اور آپ کے ہم عصر لوگوں کے لئے متعین کیا گیا اور پھر اسی ترتیب سے اپنے زمانہ تک کے بزرگوں کے حالات کے لئے خاص رکھا گیا ہے۔ اس کے بعد مجذوبوں پھر نیک بی بیوں کے حالات تقدم وتاخر زمانہ کی خصوصیت کے بغیر لکھے ہیں اور خاتمہ میں اپنے چند اسلافؒ کے مختصر حالات اور والد ماجد کا مفصل حال لکھ کر آخر میں خود اپنی آپ بیتی اور مجیب الدعوات کے حضور میں مناجات لکھ کر سرورِ عالمؐ کی نعت پر کتاب ختم و مکمل کی ہے۔

الحق۔ یہ ایسا مجموعہ ہے کہ اگر کوئی فقیر اس میں دلچسپی لے تو درست و صحیح اور جو سالک اپنے مقصود کا طالب ہو وہ اس کے مطالعہ کے ذریعہ مطلب برآری سے مایوس نہیں رہ سکتا امید ہے کہ میری یہ کوشش درگاہ مستجیب الدعوات میں مقبول ہوگی اور انشاءاللہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اشعار

دارم امید از خدائے جہاں — کہ دہد از قبول خویش نشاں
کند ایں را بلطف خویش قبول — بقبول خودش کند موصول
سوئے اہل دلش روان سازد — جائے او درمیان جہاں سازد
ایخدا زار و دلفگارم من — بیکس و بے نوائے زارم من
بفقیرے چومن ضریری نیست — جز تو ام ہیچ دستگیرے نیست
مفلس و کمترین گدائے تو ام — آرزومند یک عطائے تو ام
نظر رحمتے بمن فرما — بردلم لطف خویشتن فرما
نیست جز لطف تو کسے مارا — انت نعم الوکیل و المولیٰ

مجھ اندھے فقیر کا تیرے سوائے کوئی اور دستگیر نہیں ہے۔ میں تیرا کمترین اور مفلس فقیر تیری مہربانیوں کا آرزومند ہوں۔ اے اللہ مجھ پر رحمت کی نظر کر اور میرے دل پہ اپنا لطف وکرم فرما۔ اے اللہ مجھ کو صرف تیرا ہی لطف وکرم درکار

ہے کیونکہ تو بہترین آقا اور بہترین کارساز ہے۔ وَصلی اللہُ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ محمدٍ و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین الطّیّبِیْنَ الطّاہِرِیْن۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

۴۷۰ھ / ۱۰۷۷ء ——— ۵۶۱ ہجری

قطب الاقطاب فرد الاحباب، غوث اعظم استاذ شیوخ عالم۔ شیخ الاسلام حضرت شیخ سید سلطان محی الدین ابو محمد عبدالقادر الحسنی والحسینی جیلانیؒ اہل بیت نبیؐ میں سے کامل ولی اور سادات حسنینؓ میں سے بزرگ شخصیت کے مالک ہیں۔ سلسلہ نسب کے اعتبار سے عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن حسن بن حضرت علیؓ کی اولاد ہیں۔ چونکہ آپ کو قصبہ "جیل" کی طرف نسبت ہے اس لئے آپ کو جیلانی اور گیلانی بھی کہتے ہیں۔ آپ کی ولادت ۴۷۰ھ مطابق ۱۰۹۲ء کی ہے لیکن بعض لوگوں نے آپ کا سن ولادت ۴۷۱ھ لکھا ہے۔ آپ نے اپنی عمر کے (۳۳) سال پڑھانے اور فتویٰ دینے میں اور چالیس سال مخلوق خدا کو صحیح راستہ دکھانے اور نصیحت میں صرف کئے[1] اور بہ عمر (۹۰) سال ۵۶۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

۴۸۸ھ میں جبکہ آپ کی عمر (۸۰) سال کی تھی آپ بغداد تشریف لائے۔ شیوخ، ائمہ، بزرگان اسلام، علمائے سنت اور پیشوایان مذہب سے آپ کی صحبتیں جاری رہیں۔ آپ نے پہلے ہی قرآن کریم کو روایت و درایت اور رموز و اسرار تجوید و قرأت کے ساتھ پڑھا تھا اور وقت کے بڑے بڑے محدثین اور عالم فاضل مستند متقن علماء سے حدیث کا دور ختم کیا۔ پھر دوسرے علوم اصول و فروعی مذہبی و اخلاق وغیرہ میں کمال حاصل کیا۔ بغداد میں پہونچنے پر بغداد کے تمام مشاہیر بلکہ دوسرے

---

[1] حضرت غوث الاعظمؒ ایران کے مشہور قصبہ جیل میں یکم رمضان ۴۷۰ھ کو پیدا ہوئے آپ کی پیدائش کے وقت آپکی والدہ ماجدہ ام الخیر فاطمہ بنت ابوعبداللہ صومعی الحسینی کی عمر (۶۰) سال کی تھی آپکے والد بزرگوار کا اسم گرامی حضرت ابوصالح الحسنی تھا۔ آپ ماں کی طرف سے حسینی اور باپ کی جانب سے حسنی سید ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ایران کی حکومت خاندان سلجوقیہ کے تیسرے سلطان معزالدین ابوالفتح ملک شاہ ابن الپ ارسلان کے ہاتھ میں تھی[2] آپنے (۹۰) سال کی عمر میں بتاریخ ۱۱۔ ربیع الاول ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۲ء داعی اجل کو لبیک کہا۔ کثرت ہجوم کے باعث رات کے وقت آپکے مدرسہ میں سائبان کے نیچے آپکا جسم سپرد خاک کیا گیا۔ بغداد میں آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔

مالک کے تمام علماء سے آپ بازی لے گئے اور سب پر آپ کو فوقیت حاصل ہوگئی۔ اور آپ کو تمام لوگوں نے اپنا مرجع بنالیا۔ تحصیل علوم کے بعد اللہ نے آپ کو لوگوں میں بلند کیا عام وخاص تمام لوگوں کے دلوں میں آپ کی عظمت وبرتری قائم ہوگئی۔ اللہ نے آپ کو قطبیت کُبریٰ اور ولایت عُظمیٰ کا مرتبہ عنایت کیا۔ دنیا کے ہر گوشہ کے فقیہہ، عالم، طلباء اور فقراء آپ کی جانب متوجہ ہو گئے۔ آپ نے اپنے محیط قلب سے حکمت و دانائی کے چشمے اپنی زبان کے ذریعہ جاری کئے۔ فرشتوں سے لے کر زمینی مخلوقات تک آپ کے کمال وجلال وجمال کا شہرہ ہوگیا۔ آپ نے علامات قدرت، امارت ولایت، خصوصی مشاہدات اور ثبوت کرامات کو آفتاب نصف النہار سے زیادہ روشن طور پر ظاہر کر دکھایا اللہ نے بخشش کے خزانوں کی کنجیاں اور جسمانی تصرفات کے لوازم واسباب۔ آپ کے اقتدار و اختیار میں دیدیئے تھے۔ تمام مخلوق کے دل آپ کے مسخر و فرماں بردار بن گئے تھے۔ آپ کو اللہ نے باشان وشوکت مہربان وقہرباں پر ہیبت سلطان جیسا بنادیا تھا۔ اللہ نے اُس وقت کے تمام اولیاء اللہ کو آپ کے قدوم میمنت لزوم پر سایہ فگن اور آپ کا مطیع وفرمانبردار بنا دیا تھا۔ اللہ نے آپ کو اپنی طرف سے مامور و مقرر فرمایا تھا جیسا کہ حضرت غوث اعظمؓ خود فرماتے ہیں "میرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہے" غرضکہ تمام اولیائے وقت حاضر و غائب، قریب وبعید، ظاہر و باطن سب کے سب آپ کے فرمانبردار و اطاعت گزار تھے۔ جس کا سبب یہ تھا کہ انھیں تنزل اور نیچے گرنے کا خوف اور آگے بڑھنے کا لالچ دامن گیر تھا۔ اور حضرت غوث اعظمؓ کی حالت یہ تھی کہ آپ تمام اولیاء اللہ کے سردار و سالار تھے۔ کیونکہ آپ قطب وقت، سلطان الوجود، امام صدیقین، حجت عارفین روح معرفت، قطب حقیقت، زمین پر اللہ کے خلیفہ، وارث کتاب، نائب رسالت مآب جن کا وجود نورانی ہے۔ اور سلطان طریقت ہیں۔ اور حقیقی نور سے وجود وجسم پر تصرف وقبضہ رکھتے تھے۔

حُلیہ نحیف البدن، میانہ قد، کشادہ سینہ، لمبی چوڑی داڑھی۔ گندمی رنگ ابرو پیوستہ بلند آواز۔ علم کامل اور اثر غالب کے حامل تھے۔ آپ کے کلام میں اس قسم کی جلدی اور تیزی تھی جس سے سننے والے کے دل میں رعب وہیبت پیدا ہو جاتی۔ آپ کی آواز میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ مجلس میں دور ونزدیک کے سننے والوں کو آپ کی گفتگو بغیر کسی کمی وبیشی کے پوری کی پوری سُنائی دیتی تھی یعنی جس طرح قریب کا شخص سنتا تھا ویسے ہی مجلس میں دور بیٹھنے والا بھی بہ آسانی آپ کی باتیں سن لیا کرتا۔ اور قرب وبُعد مکان کے سبب سننے میں کوئی فرق نہ آتا۔ آپ کے

کلام کرتے وقت ہر شخص پر سکوت وخاموشی کا عالم طاری رہتا۔ آپ کے حکم کی تعمیل میں ہر شخص عت سر وجلدی دکھاتا۔ اور بڑے سے بڑا سخت دل جب آپ کو دیکھتا تو خشوع وخضوع، عاجزی و لاچاری کے ساتھ آپ کا مطیع وفرمانبردار ہو جاتا۔ آپ جب مسجد میں آتے تو حاجت مند لوگ آپ سے اپنے لئے دعا کراتے اس وقت آپ سب کے لئے درگاہ قاضی الحاجات میں دعا مانگتے۔

حکایت ایک دن آپ کو جامع مسجد میں چھینک آئی لوگوں نے یرحمک اللہ اور یرحمہ تک کی آوازیں خوب بلند کیں۔ خلیفہ وقت المستنجد باللہ نے جو اتفاقاً مسجد کے کمرہ میں تھا پریشان ہو کر پوچھا یہ شور وغوغا کیسا؟ لوگوں نے کہا شیخ عبد القادر جیلانیؒ کو چھینک آئی تھی جس پر لوگوں نے ان کو دعا دی ہے۔

تبحر علمی حکایت ہے کہ ایک دن ایک قاری نے آپ کی مجلس میں قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت کی۔ آپ نے اس کی ایک تفسیر بیان کی پھر دوسری اور تیسری یہاں تک کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس ایک آیت کی گیارہ تفسیریں فرمائیں پھر حقائق بیان کرتے ہوئے اس کی چالیس حقیقتیں بیان فرمائیں اور ہر معنی وتفسیر کی علیحدہ علیحدہ تفصیل سے سند ودلیل اس طرح دی کہ حاضرین مجلس دم بخود رہ گئے۔ اس کے بعد فرمایا۔ حال کو چھوڑ کر اب ہم قال میں آتے ہیں۔ پھر آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اس کلمہ توحید کا زبان سے نکلنا ہی تھا کہ حاضرین مجلس کے دل میں شورش واضطراب کی لہریں دوڑ گئیں اور وہ اپنے کپڑے پھاڑ کر جنگل کی طرف بھاگنے لگے۔

حکایت ہے کہ تمام علمائے عراق بلکہ دنیا کے تمام طلب گاراں حال وقال کے حضرت غوث الاعظم مرجع ووسیلہ تھے۔ دنیا کے ہر کونہ سے آپ کے پاس فتوی آتے جن پر فوراً بغیر مطالعہ کتب وغور وفکر جواب لکھتے۔ کسی بڑے سے بڑے حاذق عالم کو آپ کے جواب کے خلاف لکھنے یا کہنے کی طاقت نہ تھی۔ ایک مرتبہ عجم سے آپ کے پاس فتویٰ آیا جس میں لکھا تھا کیا فرماتے ہیں سرداراں علماء اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی نے یہ قسم کھائی کہ اگر میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ اس مقام عبادت میں کوئی انسان شریک نہ ہو تو مجھ پر زن طلاق ہیں اب فرمایئے کہ یہ شخص کون سی عبادت کرے کہ اس کی قسم نہ ٹوٹے۔ اس فتوی کے لکھنے میں تمام علمائے عراق سرگشتہ وحیران اور عاجز ہو گئے ہیں۔ غرضکہ آپ کے سامنے یہ استفتاء پیش ہوا

آپ نے غور و فکر کے بغیر فوراً فرمایا اس شخص کے لئے خانہ کعبہ میں اس طرح جگہ چھوڑی جائے کہ یہ تنہا طواف کعبہ کرے اور اپنی قسم سے عہدہ برآ ہو سکے یعنی طواف کعبہ ہی وہ عبادت ہے جس میں کوئی آدمی ایک دوسرے کے ساتھ تا بجد عبادت طواف شریک کار نہیں ہوتا۔

ریاضت و عبادت حضرت غوث الاعظم رضؓ کا طریقۂ سلوک بے انتہا مشکل اور بے نظیر تھا۔ آپ کے کسی ہم عصر شیخ میں اتنی مجال نہ تھی کہ آپ جیسی ریاضت یا مجاہدہ میں ہمسری کر سکے آپ کا قاعدہ تھا کہ اپنے ہر عضو کو اس کی طاقت کے موافق عبادت سپرد کر دیا کرتے اور قوت قلب کے موافق جہاں تک اقدار میں روح و نفس کا ظاہرا و پوشیدہ ذکر کیا کرتے غائب و حاضر دونوں حالتوں میں نفس کی صفات کو علیحدہ کر کے نفع و نقصان اور دور و نزدیک کا فرق مٹا دیا کرتے۔ فراغت قلب کی خاطر سر اور دھڑ کو بغیر شک و شبہ الگ کر دیا کرتے جس میں کسی کو تنازعہ و تفرقہ کرنے یا حیرانی و پریشانی کا کوئی وخدغہ نہ رہے۔ آپ کا قول و فعل میں اتحاد، تسلیم و خلوص میں یکجائی۔ کتاب و سنت کی پیروی میں مطابقت ایسی تھی کہ آپ ہر حالت میں ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہتے۔ اور حضور قلب کے ساتھ توحید الٰہی میں مشغول رہتے۔ آپ اس مقام عبودیت میں تھے جہاں کمال ربوبیت ہر لحظہ آپ کی امداد کیا کرتا۔ آپ احکام شریعت کی پوری پوری حفاظت کے ساتھ اسرار حقیقت کا مشاہدہ فرماتے تھے۔

حکایت ہے۔ ایک مرتبہ حضرت غوث الاعظم رضؓ نے فرمایا پچیس سال تک ترک دنیا کئے ہوئے میں عراق کے جنگلوں اور میدانوں میں اس طرح پھرتا رہا کہ میں کسی کو نہ پہچانتا اور کوئی مجھے بھی نہ جانتا۔ اجال غیب اور جنات میرے پاس آمد و رفت کرتے اور میں ان کو حق کی تعلیم دیا کرتا۔

چالیس سال تک فجر کی نماز میں نے عشاء کے وضو سے ادا کی ہے۔ پندرہ سال تک عشاء کی نماز کے بعد ایک قرآن شریف ختم کرتا رہا ایک پاؤں پہ کھڑے ہو کر ایک ہاتھ سے دیوار کی کھونٹی پکڑ کے عبادت میں صبح کر دیتا۔ تین دن سے چالیس دن تک کا ایسا بہت سا زمانہ گزرا ہے کہ کھانے پینے اور سونے سے علیحدہ رہا۔

گیارہ سال تک "برج بغداد" کے اندر عبادت الٰہی میں مشغول رہا۔ میری طویل اقامت کی وجہ سے لوگ اُسے "برج عجمی" بھی کہتے ہیں۔ برج بغداد کے قیام عبادت کے زمانہ میں اللہ سے عہد کرتا رہا کہ جب تک غیب سے کھانا نہ ملے گا نہ کھاؤں گا۔ اس حالت کو کافی عرصہ گزر

جاتا لیکن میں عہد شکنی نہ کرتا۔ اسکے علاوہ میں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اُس کی خلاف ورزی کبھی نہیں کی۔

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا ایک سفر میں ایک شخص نے میرے پاس آکر کہا مجھے اپنے ساتھ اس شرط پر شریک صحبت کر لیجئے کہ کسی حالت میں بھی دامن صبر اور میری مخالفت چھوٹنے نہ پائے۔ ایک مرتبہ وہ مجھے ایک جگہ بٹھا کر اور یہ وعدہ لے کر کہ جب تک میں نہ آؤں آپ یہاں سے نہ جائیں کہیں گیا اس کے انتظار میں ایک سال تک میں وہاں بیٹھا رہا ایک سال بعد وہ لوٹا اور پھر یہی وعدہ لے کے چلا گیا یہاں تک کہ تیسری مرتبہ میں بھی یہی واقعہ در پیش رہا۔ آخری مرتبہ اپنے ساتھ دودھ روٹی لایا اور کہا میں "خضر" ہوں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں۔ چنانچہ ہم نے کھانا کھایا بعد فراغت طعام اُس نے کہا اُٹھئے اور بغداد جاکر قیام فرمایئے۔ سفر و سیاحت ختم کیجئے لوگوں نے پوچھا اس تین سال کی مدت میں غذا کی کیا صورت رہی؟ جواب دیا غیب سے زمین پر پڑا مل جاتا۔

حکایت شیخ ضیاء الدین ابونصر موسی کا بیان ہے میں نے اپنے والد ماجد حضرت غوث اعظم کی زبانی خود سُنا ہے آپ فرماتے تھے ایک سفر کے دوران میں اُس جنگل میں پہونچا جہاں پانی نہ تھا۔ میں نے کئی دن وہاں قیام کیا لیکن پانی نہ ملا جب پیاس کی شدت ہوئی تو اللہ نے بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا جس نے میرے سر پر سایہ کر لیا پھر اس میں سے چند بوندیں ٹپکیں جنھیں پی کر تسکین ہوئی اس کے بعد ایک روشنی پیدا ہوئی جس نے پورے آسمان کو گھیر لیا پھر اس میں سے ایک عجیب صورت نظر آئی اور اس نے کہا "اے عبدالقادر میں تیرا پروردگار ہوں جو کچھ میں نے دوسروں پہ حرام کیا ہے وہ تیرے لئے حلال کرتا ہوں۔ تو جو چاہے مانگ اور جو چاہے کر" یہ سُن کر میں نے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر کہا بھاگ جا ملعون۔ کیا بک رہا ہے۔ اس کے بعد فوراً ہی وہ روشنی اندھیرے سے بدل گئی۔ اور وہ صورت دھواں بن کر کہنے لگا "اے عبدالقادر تم احکام پروردگار جاننے کی وجہ اور حالات منازل کی واقفیت کے سبب سے بچ گئے۔ میں نے اس ترکیب کے ذریعہ ستر اہل طریقت کو راستہ سے ایسا بھٹکایا کہ کہیں کے نہ رہے۔ بتایئے یہ کون سا علم و ہدایت ہے جو اللہ تعالے نے آپ کو عنایت کیا۔ میں نے جواب دیا یہ اللہ کا فضل و کرم ہے اور وہی ابتداء و انتہا میں رہبری کرتا ہے۔

وعظ و نصیحت حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں ابتدائی زمانہ میں سوتے جاگتے مجھے کرنے کے کام بتلائے جاتے اور مخلوقات سے علیحدہ رہنے کا حکم الہی ملتا رہتا تھا ایک مرتبہ قوتِ گویائی نے مجھ پر اتنا غلبہ کیا کہ میں بے اختیار ہو گیا اور خاموش رہنے کی قوت میرے ہاتھ سے جاتی رہی۔ پھر میرے پاس دو تین آدمیوں نے آکر مجھ سے بات چیت کی جو پس پردہ میری گفتگو سنا کرتے تھے۔ اس کے بعد میرے پاس لوگوں کا اتنا بڑا ہجوم ہو گیا کہ میری نشست گاہ میں ان کے بیٹھنے کے لئے گنجائش نہ رہی پھر میں شہر کی جامع مسجد میں جاتا اور لوگوں کو احکام الہی سناتا۔ یہاں بھی اتنا مجمع بڑھنے لگا کہ مسجد میں بیٹھنے کی گنجائش نہ رہتی۔ آخر کار میں شہر سے باہر جاتا جہاں بے شمار لوگوں کا اجتماع ہونے لگا۔ پیدل چلنے والے اور سوار سب ہی قسم کے لوگ جمع ہو جاتے اور مجلس کی شکل بنا کر اس کے اطراف و اکناف میں دور دور تک کھڑے وعظ و نصیحت سنتے۔ بعض اوقات تو نصیحت سننے والوں کی تعداد ستر ہزار تک ہو جاتی تھی۔

حکایت ہے کہ آپ کی مجلس وعظ میں چار سو اشخاص قلم دوات لئے آپ کی نصیحتیں قلمبند کرتے رہتے تھے۔ آپؒ نے فرمایا ہے ابتدائی زمانہ میں سرورِ عالمؐ اور حضرت علیؓ کو میں نے خواب میں دیکھا جنھوں نے مجھے کلام کرنے کا حکم دیا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ٹپکایا اور مجھ پر ابوابِ سخن کھول دیئے۔

حاضرین وعظ ایک شیخ کا بیان ہے کہ غوث الاعظم جب وعظ کے لئے منبر پہ بیٹھتے تو پہلے الحمد للہ کہتے تاکہ اللہ کا ہر ایک ولی جو غائب ہو یا حاضر خاموش ہو جائے۔ اور پھر دوسری مرتبہ الحمد للہ کہتے اور دونوں کے درمیان تھوڑی دیر کے لئے وقفہ کرتے۔ اس عرصہ میں فرشتے اور تمام اولیاء اللہ آپ کی مجلس میں آجاتے۔ جتنے لوگ آپ کی مجلس میں دکھائی دیتے اس سے زیادہ نظر نہ آنے والے جنات ہوتے۔ آپؒ کے ہم عصر ایک شیخ کا بیان ہے میں نے اپنی عادت کے موافق جنات کی حاضری کے لئے عزیمت پڑھی لیکن کوئی جن حاضر نہ ہوا۔ میں بہت دیر تک عزیمت پڑھتا رہا۔ پھر حیران ہو گیا کہ جنات کی حاضری کیوں نہیں ہو رہی ہے۔ ان کے نہ آنے کا کیا سبب ہے۔ تھوڑی دیر بعد جب تھوڑے سے جن آئے میں نے دیر سے حاضری کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وعظ کر رہے تھے اور ہم سب جنات وہاں حاضر تھے۔ آپ آئندہ ہم کو اس وقت طلب کریں

جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ وعظ کر رہے ہوں ورنہ ہماری حاضری میں تاخیر ہوگی۔ میں نے پھر پوچھا کیا تم لوگ حضرت شیخ کی مجلس وعظ میں حاضر رہتے ہو۔ اس پر ان جنات نے جواب دیا شیخ کی مجلس وعظ میں آدمیوں کی بہ نسبت ہماری تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہم جنات میں سے اکثر قبائل حضرت شیخ کے ہاتھ پر اسلام لائے ہیں اور توبہ و استغفار میں مشغول ہیں۔

حکایت ہے وہ یہودی و عیسائی وغیرہ جو آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے اور قزاق، لٹیرے ڈاکو۔ بدعتی۔ فسادی۔ مذہب و اعتقاد کے کچے جو آپ کے سامنے اپنی بدافعالیوں سے توبہ کر چکے تھے یہ سب آپ کی مجلس میں حاضر رہا کرتے۔ پانچ سو سے زیادہ یہودی و عیسائی اور ایک لاکھ سے زیادہ دوسرے مشرب و گروہ کے لوگ آپ کے ہاتھ پر توبہ کر کے بدکرداریوں سے باز آئے اس کے علاوہ عام مخلوق کی فیض یابی کی تعداد بے انتہا و بے شمار ہے۔

حکایت جب آپ منبر پر آتے تو مختلف قسم کی باتیں کرتے اور حاضرین مجلس آپ کی ہیبت و عظمت دیکھ کر دم بخود ہو جاتے۔ کبھی دوران گفتگو میں فرماتے قال کو چھوڑو اب ہم "حال و وجد میں آ گئے ہیں" یہ سنتے ہی حاضرین مجلس مضطرب و بے چین ہو جاتے اور ان پر وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ کوئی گریہ و فریاد کرتا۔ کوئی اپنے کپڑے پھاڑ جنگل کی راہ لیتا۔ کوئی بیہوش ہو کر جان دیدیتا۔ آپ کی مجلس وعظ سے اکثر لوگوں کے جنازے نکلے جس کا سبب یہ تھا کہ وہ آپ کے ذوق و شوق، ہیبت و تصرف، عظمت و جلال کی تاب نہ لا سکتے اور دم توڑ دیتے تھے۔

غرض کہ حضرت غوث الاعظمؓ کی عجیب و غریب کرامات و تجلیات جو خرق عادت کے طور پر اکثر ظاہر ہوا کرتی تھیں بے شمار ہیں جن کے لکھنے کے لئے تمام درختوں کو قلم اور تمام سمندری پانیوں کو روشنائی بنانے کی ضرورت ہوگی۔

بعض مورخین کا بیان ہے حضرت غوث الاعظمؓ کی مجلس وعظ میں تمام اولیاء۔ انبیاء۔ زندہ اپنے جسموں کے ساتھ اور مردہ اپنی روحوں کے ساتھ۔ جنات اور فرشتے شریک ہوتے تھے۔ اور سرور عالم ﷺ بھی تربیت و تائید کے لئے تجلی فرماتے تھے۔ اکثر اوقات حضرت خضرؑ بھی شریک مجلس رہتے۔ آپ جب اپنے ہم عصر مشائخین سے ملاقات کرتے تو فرماتے مجلس وعظ میں ضرور آنا۔ اور کبھی فرماتے جس کو فلاح و کامیابی کی طلب ہو اس پر واجب ہے کہ ہماری مجلس وعظ میں شرکت کیا کرے۔

حکایت ایک دن حضرت غوث اعظم مصروف گفتگو تھے اچانک چند ہوائی اجسام کی آمد محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ اے اسرائیلی ٹھہر اور کلام محمدیؐ سن۔ جب آپ اپنے گھر لوٹنے لگے تو راستہ میں لوگوں نے پوچھا اے شیخ الاعظم۔ ہوا پر آنے والا کون تھا؟ آپ نے فرمایا حضرت ابوالعباس حضرؑ جا رہے تھے اور ہماری مجلس وعظ پر سے تیز رفتاری کے ساتھ گذر رہے تھے۔ اس لئے میں نے اُن کی جانب متوجہ ہو کے کہا اتنی تیز رفتاری نہ کرو اور وعظ سنتے جاؤ۔

حکایت حضرت غوث الاعظم اپنی مسند پر آنے کے بعد فرماتے اے غلام! ہماری نشست وعظ کے بعد حاضری میں دیر نہ کیا کر۔

ولایت یہاں ملتی ہے۔ درجات اعلیٰ یہاں سے سرفراز ہوتے ہیں اے توبہ کے خواہشمند و۔ بسم اللہ میرے پاس آؤ۔ اے بخشش کے طلبگار و۔ بسم اللہ میرے پاس آؤ۔ اے اخلاص وخلوص کے چاہنے والو۔ بسم اللہ میرے پاس آؤ۔ ہفتہ میں ایک دفعہ آؤ اگر نہ ہو سکے تو ماہانہ آؤ۔ یہ بھی نہ کر سکو تو سالانہ آؤ۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو عمر میں ایک مرتبہ ضرور میرے پاس آؤ اور ہزاروں نعمتیں لے جاؤ۔ اے عالمو! ہزار مہینہ کی مسافت طے کر کے آؤ اور میری ایک بات سن جاؤ۔ جب تم یہاں آؤ اس وقت اپنے اعمال زہد، تقویٰ اور اپنی حیثیت کو نظر انداز کر دینا تاکہ تم اپنی قسمت کے موافق مجھ سے اپنا حصہ حاصل کر سکو۔ میری مجلس میں پوشیدہ فرشتے، خاص اولیاء اور رجال الغیب اس لئے آتے ہیں تاکہ درگاہ الٰہی میں آداب کے طریقے سیکھ لیں۔ اللہ نے جتنے نبی اور ولی پیدا کئے ہیں ان میں سے ہر ایک نے بصورت زندگی اپنے جسم کے ساتھ اور بصورت موت اپنی روح کے ساتھ لازمی طور پر میری مجلس میں حاضری دی ہے۔ نیز فرمایا ہے۔ رجال غیب سے میری گفتگو ہوتی ہے جو کوہ قاف کے پیچھے سے آتے ہیں۔ ان کے قدم ہوا پر ہوتے ہیں اور اُن کے دل میں اللہ کی آتش شوق اور اشتیاق کی لپٹیں موجزن رہتی ہیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس مجلس میں جبکہ غوث الاعظمؓ یہ بیان کر رہے تھے آپ کے صاحبزادے سید عبدالرزاق آپ کے منبر کے قریب آپکے پانوؤں کے پاس بیٹھے تھے۔ انھوں نے سر اٹھایا۔ پھر حیران ہو کر بے ہوش ہو گئے اور ان کے کپڑے وعمامہ کو آگ لگ گئی۔ حضرت غوث الاعظم نے اپنے منبر سے فوراً نیچے آ کر آگ بجھائی اور فرمایا اے عبدالرزاق تم بھی ان ہی میں سے ہو جن کے دل کی آتش شوق بھڑک اٹھی ہے۔ مجلس برخاست ہونے کے بعد دریافت پر شیخ عبدالرزاق نے کہا میں نے آسمان کی جانب سر اٹھا کر دیکھا ہوا میں رجال غیب خاموش مدہوش کھڑے ہیں اور پورا آسمان ان سے بھرا ہوا ہے۔ اد

اُن کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ ان میں سے بعض شور و غوغا کر رہے ہیں۔ بعض وجد و حال کی کیفیت میں ہیں۔ بعض دم بخود ہیں اور بعض زمین پہ گر پڑے ہیں۔

حکایت ایک شیخ وقت جن کا نام "شیخ صدقہ" تھا حضرت غوث پاک کی خانقاہ میں آئے جہاں اور دوسرے مشائخ بھی غوث الاعظم کے منتظر بیٹھے تھے۔ حضرت غوث الاعظم گھر میں سے برآمد ہو کر سیدھے اپنے منبر پہ گئے معزز قاری سے کسی قرآنی آیت کے پڑھنے کو نہیں کہا اس کے باوجود جو لوگ جمع تھے اُن پہ وجد کی کیفیت طاری ہو گئی ان سب لوگوں کی عجیب و غریب حالت دیکھ کر شیخ صدقہ نے اپنے دل میں کہا غوث الاعظمؓ نے نہ تو کوئی بات کی اور نہ قاری صاحب نے کوئی آیت تلاوت کی پھر ان کو یہ وجد کیسے آگیا اور کیونکر آگیا؟ شیخ صدقہ کے دل میں اتنا خیال آیا ہی تھا کہ حضرت غوث الاعظم نے شیخ صدقہ کی طرف دیکھ کر کہا اے شخص۔ یہ لوگ میرے مرید ہیں اسی وقت بیت المقدس سے ایک قدم میں یہاں آکر میرے ہاتھ پہ توبہ کی ہے۔ اور حاضرین مجلس نے اُن کے لئے ضیافت کی ہے۔ شیخ صدقہ نے پھر اپنے دل میں کہا۔ ایک قدم میں جو بیت المقدس سے یہاں آسکتے ہیں وہ کس چیز سے توبہ کرتے ہیں اور ان کو پیر و مرشد کی ضرورت کیا؟ غوث پاک نے پھر شیخ صدقہ کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ ہوا میں اڑنے والے بھی اس لئے توبہ کرتے ہیں تاکہ پھر کوئی بُرا کام نہ کریں۔ اور ضرورت ہے کہ میں اُن کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا طریقہ سکھاؤں۔ پھر فرمایا۔ میں وہ ہوں کہ میری تلوار مشہور ہے۔ میری کمان کھنچاؤ میں نایاب میرا تیر نشانہ پہ پہونچتا ہے۔ میرا برچھا بے خطا۔ میرا گھوڑا زینی پیٹھ والا ہے۔ میں سوزش الہٰی کی آگ ہوں حال و قال سلب کر لیتا ہوں۔ میں دریائے بے کراں رہنمائے وقت۔ اپنے غیروں سے بھی باتیں کرتا ہوں۔

حضرت غوث الاعظم نے ایک دفعہ وجد و حال کی کیفیت میں فرمایا اے روزہ دارو اور اے شب بیدارو میں محفوظ و لحوظ ہوں۔ اے پہاڑوں پہ بیٹھ کر عبادت کرنے والو تمہارے پہاڑ پست ہو جائیں اے گرجوں اور بت خانوں کے باشندو! تمہارے عبادت خانے منہدم و مسمار ہو جائیں۔ احکام الہٰی کو مانو میں اللہ کے احکام بیان کر رہا ہوں۔ اے طلب گاران حق۔ ابدال و اقطاب۔ اے پہلوانو اور نوجوانو! آؤ اور اللہ تعالیٰ کے بے ساحل دریائے فیض سے جو چاہو لے لو۔

نیک بخت اور بد قسمت سب ہی میرے پاس اپنی آرزوئیں لاتے ہیں۔ میں لوح محفوظ کی عبارتیں

پڑھتا رہتا ہوں۔ میں دریائے علم کا غوطہ خور ہوں اور مشاہدہ تجلیات الٰہی میں مستغرق ہوں۔ تم سب پر میں اللہ کی حجت ہوں رسول اکرم کا نائب اور آپ کا زمینی وارث ہوں۔ اس کے بعد فرمایا۔ آدمیوں کے پیر، جنات کے پیر اور فرشتوں کے پیر ہیں اور میں ان سب پیروں کا پیرو مرشد ہوں۔

حکایت ہے۔ حضرت غوث پاک رضی نے اپنے مرض الموت میں فرمایا۔ لوگو! مجھ میں تم میں کوئی نسبت نہیں۔ مجھ میں اور دوسری مخلوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مجھ کو دوسروں پر اور دوسروں کو مجھ پر قیاس نہ کرو۔ میری تخلیق سب کاموں سے بالا۔ اور لوگوں کی عقل سے برتر ہے۔ اے زمین و آسمان کے مشرق و مغرب کے رہنے والو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (میں وہ سب کچھ جانتا ہوں جسے تم نہیں جانتے)

میں وہ ہوں جسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ مجھ سے شب و روز میں ستر مرتبہ کہا جاتا ہے

اَنَا اخْتَرْتُكَ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ (میں نے تجھے منتخب کیا تو آنکھوں کی ٹھنڈک ہے) مجھ سے کہا جاتا ہے۔ اے عبدالقادر ہمارے حق کے برابر ہم سے بات کرتا کہ تیری بات دوسرے لوگ نہیں۔ اور مجھ سے یہ بھی کہا گیا اے عبدالقادر تیرا حق ہماری بارگاہ میں یہ ہے کہ ہمارے پاس سے کھا پی اور پہن۔ اور ہم نے تیری تردید سے تجھے محفوظ بنا دیا ہے۔ اور قسم بخدا جب میں نے بارگاہ الٰہی سے فیض الٰہی حاصل کر لیا تو اللہ نے مجھے مامور و مقرر فرمایا۔ ایک دفعہ حضرت غوث اعظم رح نے فرمایا۔ اے لوگو جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو اس کو بالکل سچا مانو۔ کیونکہ میری بات بالکل یقینی ہے جس میں شک و شبہ کا کوئی شائبہ نہیں ہے واقعہ یہ ہے کہ مجھے جو حکم دیا جاتا ہے وہ میں اپنی زبان سے ادا کر دیتا ہوں۔ مجھے جو چیزیں دی جاتی ہیں وہ میں لوگوں کو بخشش کر دیتا ہوں۔ اور مجھے جو حکم دیا جاتا ہے میں اس کی تعمیل کرتا ہوں۔ ہر شخص یقین کرے کہ میں منجانب اللہ مامور و مقرر ہوں عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے۔ مجھے جھٹلانا تمہارے لئے زہر قاتل ہے۔ مجھے جھٹلانے سے تمہاری دین دنیا اور آخرت سب کچھ خراب ہو جائے گی۔ اللہ تمہاری جانوں کو بچائے میں سب سے زیادہ تلوار کا دھنی اور سب سے بڑا قتال و جان لیوا ہوں۔ اگر شریعت نے میری زبان میں لگام نہ لگادی ہوتی تو میں نازی طور پر تمہیں بتادیتا کہ تم اپنے گھر میں کیا کھاتے اور کیا رکھتے ہو۔ میں تم لوگوں کے ظاہر و باطن سے واقف ہوں۔ اور تمہارا رنگ تمہارے شیشوں میں سے مجھے نظر آرہا ہے۔

حکایت ہے کہ حضرت غوث پاک اپنے آخری زمانہ میں بہت ہی نفیس کپڑے پہنتے تھے۔ ایک

دن آپؒ کا ایک خادم ابو الفضل بزاز کے پاس گیا اور کہا مجھے وہ کپڑا درکار ہے جو ایک اشرفی فی گز ہو۔ کم نہ زیادہ۔ بزاز نے پوچھا کس کے لئے خریدتے ہو؟ خادم نے جواب دیا اپنے آقا حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے لئے درکار ہے۔ یہ سن کر بزاز کے دل میں آیا کہ شیخ نے بادشاہ وقت کے لئے بھی کپڑا نہ چھوڑا اور سب لے لیا۔ بزاز کے دل میں ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ غیب سے اس کے پاؤں میں ایک کیل چبھی اور ایسی چبھی کہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ لوگوں نے پاؤں سے کیل نکالنے کی بہت کوشش کی لیکن مطلب برآری نہ ہو سکی۔ آخر کار لوگ بزاز کو اٹھا کر غوث اعظم کے پاس لائے۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اے ابو الفضل تم نے اپنے دل میں ہم پر اعتراض کیوں کیا؟ اسے اللہ میرے حقوق کی بنا پر قسم بخدا جب تک تو نے یہ نہ کہا اس وقت تک میں لے کپڑا نہ پہنا کہ اے عبد القادر وہ کپڑا پہنو جس کی قیمت فی گز ایک اشرفی ہو۔ اور اے ابو الفضل یہ کپڑا میت کا کفن ہے۔ اور میت کا کفن عمدہ و نفیس ہونا چاہیئے جو ہزار موت کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپؒ نے اپنا دست مبارک ابو الفضل کے تکلیف کے مقام پر رکھا۔ آپ کے ہاتھ رکھتے ہی تکلیف اس طرح جاتی رہی گویا بالکل تھی ہی نہیں۔ پھر اس کے بعد فرمایا ابو الفضل کا اعتراض ہمارے پاس پہونچا اور کیل کی صورت میں اس کے پاس لوٹ کر جو کچھ چلا گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ اعظم اور تمام اولیاء اللہ کو پسند کرتا ہے۔ اس کے علاوہ غوث الاعظمؒ کی کرامتیں اور خرق عادات جو ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی تھیں ان کا شمار کرنا قوت تقریر و تحریر سے خارج ہے۔ اچھی طرح یقین کر لیا جائے کہ ان باتوں میں کوئی تصنع بناوٹ اور مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ غوث الاعظمؒ کی بچپن اور آغاز جوانی ہی سے کرامتیں اور خلاف عادات عوام باتیں ظہور میں آتی رہیں اور نوے سال کی عمر تک آپ سے ہمیشہ کرامات کے ظہور کا سلسلہ جاری رہا۔

حکایت ہے کہ غوث پاک نے پیدا ہونے کے بعد رمضان کے مہینہ میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیا۔ اور یہ بات لوگوں میں پھیل گئی کہ فلاں شریف گھرانے میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا۔

حکایت ہے ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت غوث پاکؒ سے پوچھا آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں؟ جواب دیا میں دس برس کا تھا گھر سے مدرسے جاتے وقت دیکھتا کہ فرشتے میرے ساتھ چل رہے ہیں پھر مدرسہ میں پہونچنے کے بعد وہ فرشتے دوسرے لڑکوں سے کہتے "ولی اللہ کے لئے جگہ دو" ایک دن مجھے ایک ایسا شخص نظر آیا جسے میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا

اُس نے ایک فرشتہ سے پوچھا یہ کون لڑکا ہے جس کی اتنی عزت کرتے ہو؟ اُس فرشتہ نے جواباً کہا یہ ایک ولی اللہ ہے جو بہت بڑے مرتبہ کا مالک ہوگا۔ راہ طریقت میں یہ وہ شخصیت ہے جسے بغیر روک ٹوک کے نعمتیں دی جارہی ہیں۔ اور بغیر کسی حجاب کے تمکین و قرار عنایت ہو رہا ہے اور بغیر کسی تہمت کے تقرب الٰہی مل رہا ہے۔ الغرض چالیس سال کی عمر میں میں نے پہچان لیا کہ پوچھنے والا اپنے وقت کا ایک ابدال تھا۔ نیز آپ نے فرمایا ہے۔ میں اپنے بچپن میں ایک دفعہ عرفہ کے دن شہر سے باہر کسانوں کے جانوروں کے پیچھے دوڑنے لگا۔ ان میں سے ایک گائے نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا اے عبدالقادر آپ کو اس کے لئے پیدا نہیں کیا گیا اور آپ کو یہ کام نہیں دیا گیا۔ یہ سن کر میں دوڑتا ہوا ہانپتا کانپتا اپنے گھر آیا اور کوٹھے پر چڑھ گیا جہاں دیکھا کہ لوگ میدان عرفات میں کھڑے ہیں۔ میں وہاں سے اُتر کر سیدھا والدہ ماجدہ کے پاس آیا اور اُن سے کہا میں بغداد جا کر پڑھنا چاہتا ہوں وہاں اچھے اچھے لوگوں سے ملاقات ہوگی۔ مجھے اجازت روانگی دیدیجئے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ بچپن میں جب میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھیلنا چاہتا تو آواز آتی "اے مبارک ہماری طرف آؤ" یہ ڈراؤنی آواز سن کر میں سیدھا وہاں سے اپنی والدہ کی گود میں آکر چھپ جاتا تھا۔ اور یہ آواز اب میں اپنی خلوت میں سنتا ہوں۔

شیخ علی بن ہیتی کا بیان ہے میں نے اپنے زمانہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے زیادہ کسی کو صاحب کرامت نہیں پایا۔ ہم لوگوں میں سے جو کوئی جس وقت چاہتا اُن کی کرامت کا مشاہدہ کر لیتا۔ خرق عادات جو ظاہر ہوتی تھیں وہ کبھی خود آپ سے متعلق کبھی آپ کی بابت اور کبھی آپ کے ذریعے ہوتی تھیں۔

شیخ ابومسعود احمد بن ابی بکر حزیمی اور شیخ ابوعثمان صرفینی کا مشترکہ بیان ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامتوں کی مثال اس جواہرات کی تسبیح کی طرح ہے جس کے ہر دانہ کو ہر روز اور ہر وقت دیکھا اور شمار کیا جا سکتا ہے

شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کا بیان ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ طریقت کے سلطان تھے اور در حقیقت وجود و جسم پر ان کو تصرف و غلبہ حاصل تھا۔ منجانب اللہ آپ کو ہر چیز پہ تصرف کرنے کا اختیار تھا۔ اور آپ کی کرامتیں ہمیشہ ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔

امام عبداللہ یافعیؒ کا بیان ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامتیں مسلسل ظاہر ہوتی رہیں اور ہم جانتے ہیں کہ آپ جیسی شخصیت یا آپ کی جیسی کرامتیں دنیا کے کسی شیخ میں پائی نہیں گئیں۔

غرضیکہ آپ سے ہر طرح کی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ مخلوقات کے ظاہر و باطن میں آپ تصرف کرتے۔ انسانوں اور جنات پر آپ کا حکم چلتا تھا۔ لوگوں کے دل کی باتوں اور بھیدوں سے آپ واقف تھے فرشتوں کے ظاہری و باطنی خیالات جانتے تھے۔ عالم جبروت کے حقائق اور عالم لاہوت کے راز ہائے سربستہ معلوم کر لیتے۔ پروردگار کے غیبی عطیے زمانہ کے انقلابات، موت و حیات کی صفات، تشکیک، تحقیق و تصدیق کی حقیقت، اچھے اور برے۔ اندھے اور کوڑھی، بیماروں کی صحت، مقام وزمانہ سے روانگی، زمینی و آسمانی کاموں میں اجرائی احکام، پانی پر چلنے، ہوا میں اڑنے، لوگوں کے تخیل بدلنے، اشیاء کی طبیعت پلٹنے، غیبی چیزیں حاضر کرنے، ماضی و مستقبل کے صحیح حالات بتانے کی خاطر آپ کی کرامتیں عام و خاص سب کے لئے ہمیشہ لگاتار ظاہر ہوتی رہیں۔ حق کے اظہار کے لئے آپ بارادہ و اختیار کرامتیں ظاہر کرتے تھے جس میں کسی قسم کا کسی کو کوئی شک و شبہ نہ رہتا۔ آپ کی کرامتیں اتنی زیادہ ہیں جن کے مکمل بیان کرنے سے قلم و زبان دونوں عاجز و قاصر ہیں۔ آپ کی کرامتیں اکثر مشائخین نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں لیکن امام عبداللہ یافعی رح کی کتابیں آپ کی کرامات سے پُر ہیں۔

مشائخ متقدمین جنھوں نے آپ کے آنے کی اطلاعات دی ہیں وہ اپنی عظمت و شان کے باوجود غوث الاعظم کی عزت و بلندی مقام کے قائل ہیں ان کے سوا تمام مشائخ و اقطاب وقت آپ کی اطاعت و فرمانبرداری اور آپ کے احکام و نواہی پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے صاف صاف اقرار اور اعلان کرتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رح کا یہ حکم کہ "میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے" بالکل درست اور سچ ہے۔ وہ من جانب اللہ مامور و مقرر کئے گئے۔ غرضیکہ مشائخین و اقطاب نے آپ کی رفعت مکانی اور بلندی مقام کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا تصور بھی آج لوگوں کو نہیں ہو سکتا جسے قدرے قلیل میں نے مکمل کتاب زبدۃ الآثار میں جو بہجۃ الاسرار کا منتخب ہے تحریر کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ میری محنت قبول کر لے اور اس تک رسائی کا وسیلہ بن جائے۔

اخلاق آپ نہایت پاکیزہ اور خوش اخلاق تھے۔ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم اور اِنَّکَ لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْم کے مصداق تھے۔

آپ اپنی ظاہری شان و شوکت اور وسیع علم کے باوجود کمزوروں اور ضعیفوں میں بیٹھتے، فقیروں سے عاجزی کے ساتھ پیش آتے۔ بڑوں کی عزت کرتے اور چھوٹوں پر شفقت و مہربانی فرماتے، سلام کرنے میں پہل کرتے۔ مہمانوں اور طالب علموں کی مجلسوں میں نشست کرتے اور اُن کی لغزش

سے درگزر کرتے۔ جو کوئی آپ کے سامنے کتنی ہی جھوٹی قسم کیوں نہ کھاتا آپ اس کا یقین کر لیتے اور اپنے علم و کشف کو اس پر ظاہر نہ فرماتے۔ اپنے مہمان اور ہم نشیں کے ساتھ دوسروں کی بہ نسبت بے انتہا خوش خلقی اور کشادہ روی سے پیش آتے۔ سرکشوں ظالموں، مالداروں، فاسقوں اور اللہ کے نافرمانوں کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوتے۔ کسی امیر وزیر کے گھر نہ جاتے۔ آپ کے کسی ہم عصر مشائخ کو آپ جیسا حسن خُلق، کشادگی سینہ، کرم نفس، مہربانی قلب، حفاظت و امانت میں برابری کی قوت و طاقت نہ تھی۔

حکایت ایک دن آپ خلوت میں کچھ لکھ رہے تھے۔ کمرہ کی چھت میں سے دو تین مرتبہ آپ کے کپڑوں اور عمامہ پر مٹی گری آپ اُس کو جھٹکتے رہے۔ چوتھی مرتبہ مٹی گرنے پر نظر اٹھا کر دیکھا کہ ایک چوہا چھت کاٹ رہا ہے۔ آپ کے ایک نظر دیکھتے ہی اس کا سر کٹ کر ایک طرف گرا اور دھڑ دوسری طرف۔ آپ لکھنا چھوڑ کر رونے لگے۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا اے آقا! آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ ارشاد ہوا مجھے خوف ہے کہ کسی مسلمان سے میرے دل کو تکلیف پہونچے اور اُس کی وہی حالت ہو جو اس چوہے کی ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ مدرسہ میں وضو کر رہے تھے ایک چڑیا نے ہوا میں اُڑتے ہوئے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ کے سر اٹھا کر دیکھتے ہی وہ چڑیا زمین پر آرہی۔ کپڑے پر پیشاب کے چھینٹوں کی جگہ دھوئی پھر وہ لباس اُتار کر کہا اسے لیجا کر فروخت کر دو اور اس کی قیمت فقیروں میں بانٹ دو کیونکہ یہ اس چڑیا کے مارنے کی سزا اور بدلہ ہے۔

حکایت ہے اپنی شہرت کے زمانہ میں آپ ایک مرتبہ حج کے لئے روانہ ہوئے جب موضع حِلّہ پہونچے (جو بغداد کے قریب ہی تھا) فرمایا یہاں ایک مکان تلاش کرو جو غیر مشہور، ٹوٹا پھوٹا اور اجڑا ہوا سا ہو۔ میں اس میں ٹھہروں گا۔ وہاں کے معززین، رئیسوں، سرداروں نے آپ کے قیام کے لئے شاندار انتظام کیا اور آپ کو شاندار طریقے سے ٹھہرانا چاہا لیکن آپ نے اُن کی نہ مانی۔ آخر کار بدرجہ مجبوری ایسا مکان مل سکا جس میں ایک بڈھا بوڑھیا اور اس کی ایک لڑکی رہا کرتے تھے۔ تو آپ نے اس بوڑھے سے اجازت لے کر رات کو وہاں قیام کیا۔ بے انتہا ہدیے و نذرانے جو زر نقد، غلہ اور حیوانات کی صورت میں آئے ان کی بابت فرمایا میں نے یہ سب اس بوڑھے کو دیدیئے۔ آپ کی دیکھا دیکھی حاضرین نے اپنا تمام مال و اسباب بھی اس بوڑھے کے حوالہ کر دیا۔ اللہ نے آپ کے قدموں کی برکت سے اس بوڑھے کو اتنا سرمایہ و دولت اور اسباب وغیرہ دیا جو اس کے اطراف میں کسی اور کو نصیب نہ ہوا تھا۔

حکایت ہے آپ کے پاس ایک تاجر نے آکر کہا میں اپنی کچھ دولت جو مال زکوٰۃ نہیں فقیروں اور مسکینوں کو دینا چاہتا ہوں لیکن مستحق اور غیر مستحق کو پہچانتا نہیں۔ آپ جس کو مستحق سمجھیں دیدیں ارشاد ہوا مستحق و غیر مستحق دیکھے بغیر جس کو چاہو دیدو تاکہ اللہ تعالیٰ تجھے وہ سب کچھ دیدے جس کا تو مستحق ہے یا نہیں۔

حکایت ہے آپ نے ایک دن ایک فقیر کو جو شکستہ خاطر ایک کونہ میں بیٹھا تھا۔ دیکھ کر کہا تو کس حال و خیال میں بیٹھا ہے؟ اُس نے کہا میں دریا پر گیا تھا کہ پار چلا جاؤں لیکن میرے پاس پیسے نہ تھے کہ ملاح کو دیتا اور کشتی میں بیٹھ کر پار اُتر جاتا۔ ابھی فقیر پوری بات کہنے بھی نہ پایا تھا کہ ایک آدمی ایک تھیلی لایا جس میں تیس اشرفیاں تھیں اور وہ تھیلی آپ کی نذر کی۔ آپ نے وہ تھیلی فوراً ہی اس فقیر کو دی اور فرمایا جاؤ ملاح کو کرایہ دیدو۔

آپ کے بعض ہم عصر مشائخین نے آپ کے اوصاف میں لکھا ہے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بڑے ہنس مکھ، فراخ چہرہ، بڑے سخی، بے انتہا شرمیلے، اللہ کی محبت میں غرق۔ بآسانی صلح کرنے والے۔ خوش اخلاق۔ پاکیزہ اوصاف، مہربان، شفیق، نرم دل۔ ہم نشیں کی عزت کرنے والے۔ غم زدہ اور معیبت کے مارے ہوئے کی امداد کرنے والے تھے۔ ہم نے اِن جیسا شیریں زبان، فصیح و بلیغ اور الفاظ کا ذخیرہ رکھنے والا کوئی دوسرا آدمی نہیں دیکھا۔

کچھ آدمیوں نے یہ لکھا ہے آقائی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی آنکھیں ہمیشہ ڈبڈباتی رہتی تھیں۔ وہ اللہ سے بے انتہا ڈرتے تھے۔ پُرجلال و پُرہیبت تھے۔ ان کی دعا فوراً قبول ہوتی تھی۔ بڑے خوش اخلاق اندرونی بیماری کے ماہر و کامل طبیب۔ لوگوں کی فحش کاریوں سے بہت دور، حق سے بالکل قریب، احکام الٰہی کی تعمیل نہ کرنے والے پر بے انتہا سخت گیر۔ غیر اللہ یا اپنے نفس کے لئے کبھی غضبناک نہ ہوتے کسی سائل کو محروم نہ لوٹاتے۔ اگر کوئی سائل خوب اچھے کپڑے پہنے اگر ایک کپڑے کا سوال کرتا اور آپ کے پاس کوئی کپڑا نہ ہوتا تو آپ اپنے پاس آنے جانے والوں میں سے کسی سے کہہ کر اس سائل کو کپڑا ابھی دلا دیتے۔ آپ کے دست بازو پہ اللہ کی تائید تھی علم نے آپ کو مہذب کیا۔ قرب الٰہی نے آپ کو ادب سکھایا۔ اللہ کی مخاطبت آپ کو مشورہ دیتی۔ ملاحظہ الٰہی آپ سے سفارت کے کام لیتا۔ انس و محبت آپ کے ساتھی خوش روئی آپ کو ہوا دیتی۔ صداقت و سچائی آپ کی مقررہ و ماموره۔ فتوحات آپ کا سرمایہ۔ بُردباری آپ کی کاریگری۔ یادِ الٰہی اور ذکر آپ کا وزیر۔ غور و فکر آپ کا افسانہ گو۔ مکاشفہ آپ کی غذا۔ آپ کے

مشاہدہ سے لوگوں کو شفا ہوتی۔ ظاہر میں آپ احکام شریعت کا مجسمہ اور باطن میں حقیقت کے رازہائے سربستہ تھے۔

آپ کے دوستوں، مریدوں، محبت کرنے والوں اور آپ سے نسبت رکھنے والوں کی فضیلت و برتری بہت زیادہ ہے، فضیلت و برتری کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مطبوع و مطاع و مرشد کی خیریت کے ساتھ تابع، مطیع اور مرید کا بخیریت رہنا لازمی ہے۔

ایک شیخ نے سرکار کائنات ﷺ کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دعا فرمایئے کہ میرا خاتمہ قرآن اور آپ کی سنت پر ہو۔ ارشاد گرامی ہوا انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا اور کیوں نہ ہوگا جبکہ تمہارے پیر و مرشد شیخ عبدالقادر جیلانی ہیں۔ ان شیخ کا بیان ہے کہ تین مرتبہ میں نے سرور عالم ﷺ سے یہی درخواست کی قرآن کریم اور آپ کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے میرے خاتمہ کی دعا فرمایئے تینوں مرتبہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے پہلے والا ہی جواب سرفراز فرمایا۔ یہ حکایت طویل ہے جس کا واقعہ بڑا ہی عجیب و غریب ہے جسے اختصار کے طور پر لکھنا ہی ہم نے مناسب تصور کیا۔

مشائخین کی ایک جماعت کا بیان ہے حضرت غوث الاعظم نے فرمایا ہے قیامت تک میں اپنے ان تمام مریدوں کا ضامن ہوں جن کی وفات توبہ پر ہوئی ہو۔

حکایت ہے۔ چند مشائخ نے آپؒ سے پوچھا اگر کوئی شخص آپ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے سب کو آپ کے ہاتھ سے خرقہ نہ پہنچے بلکہ صرف آپ کا ارادتمند ہو اور آپ کی طرف خود کو منسوب کرے تو کیا ایسے شخص کو آپ کے اصحاب میں شمار کیا جا سکتا ہے؟ اور آیا ایسا شخص ان فضیلتوں میں شریک ہوگا جو آپ کے مریدوں کو حاصل ہوں گی؟ غوث الاعظمؒ نے جواباً کہا جس نے خود کو میری طرف منسوب کیا اور مجھ سے ارادت رکھی تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرے گا اس پر اپنی رحمتیں بھیجے گا اور اس کو توبہ کی توفیق دے گا اگرچہ اس کے طریق کار مکروہ ہوں ایسے شخص کا شمار میرے مریدوں اور اصحاب میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کے صدقہ وعدہ کیا ہے کہ میرے دوستوں، میرے اہل مذہب، میری راہ پر چلنے والے، میرے مرید اور مجھ سے محبت کرنے والوں کو جنت دے گا۔ اس کے علاوہ آپ نے فرمایا ہے۔ ہم سے ہزاروں انڈے لے سکتے ہو لیکن چوزہ اپنی قیمت آپ نہیں پہچان سکتا۔

نیز آپ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ رجسٹر عنایت کیا ہے جس میں میرے تمام ان دوستوں اور مریدوں کے نام درج ہیں جو قیامت تک میری ارادت میں آتے رہیں گے۔ یہ رجسٹر اللہ نے عنایت

کر کے فرمایا میں نے ان سب کو تیری وجہ سے بخش دیا حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں ایک ملک الموت کے نگہبان سے جس کا نام مالک ہے میں نے پوچھا۔ کیا تیرے آس پاس ہمارا کوئی دوست ہے؟ اس نے جواب دیا قسم بخدا۔ کوئی نہیں۔ یاد رکھو میرے مریدوں پر میرے ہاتھ کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر آسمان۔ اگر میرا کوئی مرید بزرگ نہیں تو کیا مضائقہ میں توحید و بزرگ موجود ہوں۔ پروردگار کے جلال کی قسم۔ جب تک میرے تمام مرید جنت میں داخل نہ ہو جائیں گے اس وقت تک میں بارگاہ الہیٰ میں نہیں جاؤں گا۔ اگر میرے کسی مرید کی مشرق میں پردہ دری کی جارہی ہو اور میں مغرب میں ہوں تب بھی اس کی پردہ پوشی کروں گا۔

شیخ عدی بن مسافر کا بیان ہے جو شیخ مجھ سے خرقہ طلب کرتا ہے میں غور و فکر کئے بغیر اسے خرقہ پہنا دیتا ہوں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی کے اصحاب دریائے رحمت الہیٰ میں مستغرق ہیں اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ کوئی شخص دریا کو چھوڑ کر سقادہ اور سبیل کی طرف نہیں آتا۔

حکایت ہے۔ ایک مرتبہ غوث پاک نے فرمایا حسین بن منصور حلاج کے زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی دستگیری کرتا اور اس کی لغزشوں سے اسے روکتا۔ اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو لازماً اس کی دستگیری کرتا اور نوبت یہاں تک نہ پہونچتی۔ اور میں قیامت تک اپنے ہر مرید کی دستگیری کروں گا اگرچہ وہ مرکب سے پھسل کر گر پڑے ہر طویلہ میں میرا وہ نر گھوڑا بندھا ہوا ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ وہ ایسا گھوڑا ہے جس سے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہر فوج پہ میری بادشاہت ہے۔ جس کی کوئی مخالفت نہیں کرسکتا۔ اور ہر عہدہ کا ایک حاکم ہوتا ہے جسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ سے تم جو کچھ مانگنا چاہتے ہو وہ میرے وسیلہ سے مانگو تاکہ تمہاری مراد پوری ہو سکے۔ (بعض لوگ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ کہتے ہیں جس میں بعض اہل شریعت کو اختلاف ہے) حضرت غوث پاک نے فرمایا ہے جو کسی تکلیف میں مجھ سے امداد چاہے یا مجھے آواز دے اس کی تکلیف دور کی جائے گی۔ جو کوئی میرے وسیلے کے ذریعہ اللہ سے مانگے اس کی ضرورت پوری کی جائیگی۔ اور جو کوئی دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے اور پھر سرور عالم پر درود بھیجے۔ اس طرح دونوں رکعتیں ختم کر کے سلام پھیرنے کے بعد درود شریف پڑھ کر عراق کی جانب منہ کر کے میرا نام لے کر اپنی مراد اللہ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی مراد اپنے فضل و کرم سے پوری کرے گا (ایک روایت میں ہے کہ عراق کی جانب منہ کر کے گیارہ قدم چلے" لیکن یہ روایت کہیں سے ثابت نہیں اور عراق ہمارے پاکستان سے شمال مغرب

میں ہے از اقبال الدین احمد مترجم (مختصر یہ کہ غوث الاعظم کا کلام پروردگار کے علم غیر متناہی کا ایک دریا ہے جس کی عبارت اور اشاروں کو پوری طرح احاطہ کرنا غیر ممکن ہے آپ کے چند خطوط فارسی زبان کے جو سلطان نصیحت و دانائی میں اپنی اصل عبارت کے ساتھ جس میں قرآن کریم کی آیات بھی ہیں ان کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ آپ اپنی قدیم عجمی نسبت کے لحاظ سے بھی فارسی میں کلام فرماتے تھے عام طور پہ مجالس وعظ میں عربی زبان بولتے تھے۔ اسی لئے آپ کو ذوالبیانین، ذواللسانین دوزبان دان اور امام الفریقین بھی کہتے ہیں۔ آپ کے خطوط کے چند نمونے درج ذیل ہیں۔

خط عزیز من! خرق عادات سے آسمان شہود پہ جب یهدی الله لنوره من یشاء (اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یافتہ کرتا ہے) چمکتا ہے اور واہب عنایات کی ہوائیں اس کی اپنی ذات پروردگار تک رسائی کے لئے چلتی ہیں جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَن يَشَاءُ (جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کر لیتا ہے) الفت ومحبت کے پھول دل کے باغ میں کھلتے ہیں۔ گلستان ارواح میں شوق کے بلبلے یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوسُفَ (ہائے یوسف) کے نغموں کے ساتھ بلبل ہزار داستان کی مانند ترنم ریزی کرتے ہیں۔ رازوں کی دنیا میں اشتیاق کی آگ شعلہ زنی کرتی ہے۔ غور وفکر کے پرندے اپنی بلند پروازی کے ساتھ فضا کے بسیط میں اس طرح چھا جاتے ہیں کہ تل رکھنے کو جگہ نہ رہے۔ بڑے بڑے ماہر عقلمند وادی معرفت میں مسلسل گم ہو جاتے ہیں۔ اس کی ہیبت وجلال سے سمجھ بوجھ کے قواعد اسباب وارکان متزلزل ہو جاتے ہیں۔ ارادوں کی کشتیاں مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (اللہ کی قدرت کے موافق اس کی عظمت نہیں کی) کے سمندر میں وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ (وہ بڑے بڑے پہاڑوں کے مانند ایک ہی موج میں بہالیجاتا ہے) کی ہواؤں کے ساتھ حیران وپریشان ہو جاتی ہیں۔

دریائے عشق ومحبت يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهٗ (باہم ایک دوسرے سے محبت الفت رکھتے ہیں) کی موجوں میں طغیانی ہوتی ہے۔ ہر ایک زبان حال سے التجا کرتا ہے رَبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ (اے اللہ مجھے بہترین مقام پر متمکن کر کیونکہ تو بہترین مقام عنایت کیا کرتا ہے) تب اللہ کی عنایت کے سبب اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى (جنھوں نے ہماری راہ میں سبقت کی ان کو ہم اچھائیوں سے مالامال کریں گے) تک پہونچتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالے ایسے لوگوں کو اپنے جود وکرم کی بدولت فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ (صداقت کے منبروں پر) جلوہ افروز کرتا ہے۔ اور بادۂ الست کے مستوں کی مجلس میں جگہ دیتا ہے۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ

(جنھوں نے اچھائیاں کی ہیں ان کو اور زیادہ) کے نعمتوں کے دسترخوان اِن آنے والوں کے لئے بچھائے جاتے ہیں۔ پھر بِاَیْدِیْ سَفَرَۃٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (پروردگار ان کو گھوم پھر کر پلانے والوں کے ہاتھوں شراب طہور پلاتا ہے) کے جام قرب الٰہی کی گردش ہوگی۔ اور پھر اِذَا رَأَیْتَ ثَمَّ رَأَیْتَ نَعِیْمًا وَّمُلْکًا کَبِیْرًا (جدھر رخ کروگے نعمتیں ہی نعمتیں اور بڑی بڑی مملکت کے مالک و وارث ہوگے) کی ابدی مملکت اور سرمدی دولت کا مشاہدہ ہوتا ہے)

خط۔ اے عزیز! قلب سلیم پیدا کرو تاکہ فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ (آنکھ والو عبرت حاصل کرو) کے رازوں کو معلوم کرسکو۔ مکمل آخرت درکار ہے تو سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ (ہم ان کو اپنی نشانیاں دنیا میں اور اُن کے نفوس میں دکھاتے ہیں) کے دقیق اسرار کا ادراک کرو۔ یقین صادق کی طلب ہے تو شواہد معرفت وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (ہر چیز پروردگار کی تسبیح کر رہی ہے جسے تم سمجھتے نہیں) کو دل کی آنکھوں سے مشاہدہ کرو وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (جب میرا کوئی بندہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کے قریب ہوجاتا ہوں اور اس کی دعا کو قبول کرلیتا ہوں) کے اصول و قواعد کے پیش نظر دعا مانگو' قبول ہوگی۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (تم نے یہ خیال کیوں کرلیا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار پیدا کیا ہے اور تم کو اپنی طرف لوٹائیں گے نہیں) کی ظاہر سخت تنبیہ کے باوجود تم دنیاوی آرزوؤں میں گرفتار ہو اس لئے وَیُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ (جب آرزوئیں ان کو چھوڑ دیں گے تب جانیں گے) سے چونک کر خواب غفلت سے بیدار ہو۔ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ (اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور دوست نہیں ہے) کی مضبوط زنجیر کو مضبوطی سے پکڑ لو فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰهِ (اللہ کی طرف دوڑو) کی کشتی پر سوار ہوجاؤ۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (جنات و انسانوں کی تخلیق ہم نے صرف عبادت کے لئے کی ہے) کے دریائے معرفت میں مردانہ وار غوطہ زنی کرو۔ اگر گوہر مطلوب ہاتھ آجائے فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا (تو زبردست کامیابی حاصل کی) اور اگر اسی طلب میں جان نکل جائے فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَی اللّٰهِ تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ دے گا۔

خط اے عزیز! جب جذبات کی فوجیں اَللّٰهُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْهِ مَنْ یَّشَآءُ (اللہ جسے چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے) ولایت دل پر حملہ کرتی ہیں اور نفس امارہ کی خواہشات کو دریا صفت

لی نگام جاھدوا فی اللہ حق جہادہ (اللہ کی راہ میں مکمل طور پہ جہاد کرو) سے فرمانبردار بنالیتی ہیں اور ظالم فرعونوں کو مجاہدہ کی زنجیروں سے باندھ کر مجلس زہد و تقوی میں لے آتی ہیں۔ ان کی آمد ول کے طوق کو اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول (اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کی اطاعت کرو) کے تحت نکال پھینکتی ہیں۔ اور اعمال ارادی و اختیاری کو من یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ (جو کوئی ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کا اس کو انعاماً بدلہ دیا جائے گا) سے مزین کرتی ہیں۔ جاہلیت کے رسم و رواج شیطانیت کے قواعد اور سرکشی کے ارکان بالکل ان میں سے نکال کر ان کی زبان حال سے ان الملوک اذا دخلوا قریۃ (بادشاہ جب کبھی حملہ کرتا ہے تو وہاں کے باشندوں کو نہس نہس کر کے عزت داروں کو ذلیل و محتاج کر دیتے ہیں) کی صداقت قولی کا اعلان کراتی ہیں پھر جب صفائی قلب کی پسندیدہ خواہشات و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ (جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کو تلاش کرے گا تو وہ ناقابل قبول ہے) کے ذریعہ بالکل پاکیزہ ہو جاتی ہیں۔ پھر روح کے باغوں میں من یھد اللہ فھو المھتد (جسے اللہ سیدھا راستہ چلاتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے) کی نسیم الطاف رکرم سرسراتی اور عطر بیزی کرتی ہیں۔ راہداری کے پتوں پہ ایمان کے ہر جہتی نقشے تحریر کئے جاتے ہیں۔ یوم تبدل الارض غیر الارض کے مشاہدہ مشہود کو "حال" کی صورت مل جاتی ہے۔ شوق کے پہاڑ ھباء منثورا کی مانند ہوا ہو جاتے ہیں۔ اسرافیل عشق کا صور پھونکتا ہے جس کی ہولناک آواز کے اثر سے صعق من فی السموات والارض (زمین و آسمان کی ہر چیز مدہوش ہو جاتی ہے) کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر اقبال سرمدی خوشخبری کا نقیب آکر ان کو صبر و قرار دیتا اور مقام علیین میں پہنچاتا رضوان جنت بشرٰکم الیوم (آج کا دن مبارک ہو) کی صدا لگا کر جنات نعیم کے دروازے کھول کر کہتا ہے سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔ آپ پر سلامتی ہو۔ اچھے رہے خوش رہے اور ہمیشہ ہمیشہ یہاں قیام کیجئے۔ جس کے جواب میں اچھے لوگ کہتے ہیں الحمد للہ (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور ہم کو جنت دی ہے جس میں جہاں چاہیں رہیں۔ اچھے کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیا جاتا ہے۔

خط

اے عزیز خواہشات نفسانی سے پرہیز کرو ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیلہ (خواہشات نفسانی سے پرہیز کرو ورنہ راہ الٰہی سے بھٹک جاؤ گے) اللہ کے ذکر سے غفلت نہ کرو۔ فاسق و فاجر جن کے دل سخت ہو گئے ہیں اور وہ یاد الٰہی نہیں کرتے ان سے علیحدہ رہو

فَوَیْلٌ لِلْقَاسِیَۃِ قُلُوبُھُمْ مِنْ ذِکْرِاللّٰہ (سخت دل لوگوں پر لعنت ہے جو اللہ کی یاد نہیں کرتے)
وقت جسے کوئی ٹال نہیں سکتا اس کے آنے سے پہلے اللہ کے احکام کی تعمیل کرو اور منادی
کا یہ اعلان اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللّٰہ (مسلمانوں کے دل ذکر
الٰہی کے لئے جھکتے کیوں نہیں) کو ہوش کے کانوں سے سنو۔ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ
سُدًی (لوگوں کو کیوں خیال ہوگیا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیئے جائیں گے) کی تنبیہ پر کسی رات
تو خواب غرور تکبر سے بیدار رہو۔ اور اہل دل و اہل حضور رِجَالٌ لَّا تُلْھِیْھِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا
بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہ۔ (جو ایسے لوگ ہیں کہ خرید و فروخت وغیرہ ان کو ذکر الٰہی سے باز نہیں رکھتی)
سے مقامات عالیہ کی خبریں دریافت کرو۔ کعبہ مقصود کے حصول میں سر پہ پاؤں رکھ کر جنگلوں کی
مسافت طے کرو۔ پھر اللہ کی یکتائی کو لئے ہوئے اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہ (میں نے اپنا سب کچھ
اللہ کے حوالہ کر دیا ہے) کے سامان کوچ کی معیت میں قافلہ اہل صداقت کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْن
(سچوں کے ساتھ ہو جاؤ) کے ساتھ سفر کرو دنیا کی آرائشوں و زینتوں سے عبور کرتے ہوئے
اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ (تمہاری اولاد اور مال و دولت سب سامان فتنہ ہیں) کے
مہلک راستہ سے سلامت رہ کر فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا (جس کا جی چاہے قرآن کریم
کو اصل قانون عمل بنا کر اللہ تک رسائی کا سبب بنا لے) کے صاف راستہ پر گامزن رہو۔ اضطرار
و بے چینی کی زبان سے گریہ وزاری کے ساتھ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم (اے اللہ ہمیں سیدھی راہ
دکھا) کی خواہش سے۔ اللہ تعالیٰ کی قدیم خوشخبری اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا
ھُمْ یَحْزَنُوْن (اچھی طرح سن لو اولیاء اللہ کو کوئی خوف و غم نہیں ہے) کے پیش نظر سَلَامٌ قَوْلًا
مِّنْ رَّبٍّ الرَّحِیْم (اللہ تعالیٰ ان کو مبارکباد دے گا) کو بشارت حاصل کرنے کی خاطر آگے
بڑھو۔ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْب وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْن (مسلمانوں کو خوشخبری دیدیجئے کہ اللہ
کی مدد سے فتح و کامیابی تمہاری پابوس ہوگی) کی سواری پر سوار ہو کر پروردگار کے دربار فضل و
نعمت کی جانب روانہ ہو۔ جہاں عزت و وصال کی ہوائیں ہر طرف سے چلتی ہیں۔ اور غیبی ساقیوں
کے ہاتھوں شراب محبت کے جام پیتے نظر آؤ۔ جہاں اِنَّ ھٰذَا کَانَ لَکُمْ جَزَاءً وَّکَانَ سَعْیُکُمْ
مَّشْکُوْرًا (یہ تمہارے اچھے کاموں کا بدلہ ہے تمہاری کوشش اور کاوشیں قبول کی گئی ہیں) کی صدائیں
بلند ہوتی ہیں۔ پھر اس مقام محبت میں کَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا (اللہ نے حضرت موسیٰ کو کلام
کرنے کی عزت بخشی) کی فسانہ گوئی آغاز کرو تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ (اللہ نے پہاڑ پہ اپنی تجلی فرمائی) کے دیباچہ

کی طنابیں کھینچ لو۔ آنکھوں کے دیکھنے کی قوت کے مناظر پھر سکرات کی حالت میں موسیٰ علیہ السلام کے بیہوش ہو کر گر جانے کے حالات بیان کریں۔ اس وقت تم وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (جس دن بشاش بشاش لوگ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے) کو مشاہدہ کے طور پر معائنہ کرو گے۔ اپنی عاجزی کا ہمیشہ اقرار کرتے رہو۔ اپنی زبان اور حال سے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہتے اور مانتے رہو لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (ان کو ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کو دکھلائے گا۔ اور اس بصارت کی روشنی سے بینائی حاصل کرنے کی کوشش کر کے آنکھ والے بن جاؤ۔

اب ہم مشائخین ہند کا تذکرہ شروع کرتے ہیں۔ ابتداء وانتہا میں اللہ ہی مدد گار و کارساز ہے

طبقہ اوّل

خواجہ معین الدین چشتی سنجری رح

۵۲۷ ——— ۶۳۳ھ

ہندوستان میں سلسلہ چشتی کے بانی اور بزرگ مشائخین کے پیشوا تھے۔ آپ کی زندگی میں آپ کے خلفاء و مریدوں وغیرہ کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ بیس[1] سال تک آپ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رح کی خدمت میں رہے۔ سفر و حضر کی ہر حالت میں خواجہ عثمان ہرونی رح کے سونے کے کپڑوں کی نگرانی کرنا آپ کا کام تھا۔ بیس برس کی مقررہ خدمت انجام دینے کے بعد خواجہ عثمان ہرونی رح نے آپ کو خلافت سے نوازا۔ رائے پتھورا کے عہد حکومت میں آپ اجمیر (ہندوستان) آئے اور عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ رائے پتھورا اس زمانہ میں اجمیر ہی میں مقیم تھا اُس نے آپ کے ایک عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا۔ وہ مظلوم مسلمان سیدھا آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کی سفارش کیلئے رائے پتھورا کے پاس ایک پیغام بر بھیجا۔ لیکن آپ کی سفارش رائے پتھورا نے قبول نہ کی۔ اور کہا

---

[1] حضرت خواجہ عثمان ہرونی رح ملک خراسان (مقبوضہ روس) کے قصبہ ہرون میں پیدا ہوئے۔ آپ خواجہ اجمیری کے پیر و مرشد تھے۔ آپ نے ۶ شوال ۶۰۶ھ مطابق ۱۲۰۹ء کو رحلت کی اور مکہ معظمہ میں مدفون ہوئے۔ ہرونی کو لوگ ہارونی کہتے ہیں جو بالکل غلط ہے۔

یہ شخص یہاں آکر بیٹھ گیا ہے اور بیٹھے بیٹھے غیب کی باتیں کہتا ہے۔ یہ بات جب آپ تک پہونچی تو ارشاد فرمایا "ہم نے پتھورا کو زندہ پکڑ کے حوالہ کر دیا"

اسی زمانہ میں سلطان معز الدین سام کی فوج غزنین سے یہاں پہونچی۔ پتھورا نے اسلامی فوج کا مقابلہ کیا اور آخر کار سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوا۔ اس تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر و فساد کی جڑیں کٹ گئیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ خواجہ اجمیری رح کی وفات کے بعد آپ کی پیشانی پر نقش ابھرا ہوا تھا۔ حَبِیبُ اللّٰہِ مَاتَ فِی حُبِّ اللّٰہِ۔ (اللہ کا حبیب اللہ کی محبت میں چل بسا) بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ۶ رجب ۶۳۳ھ اور بعض کا بیان ہے کہ سنہ مذکور میں۔ ذی الحجۃ کے مہینہ میں آپ نے انتقال فرمایا۔ لیکن وہی تاریخ درست ہے جسے ہم نے پہلے لکھا ہے یعنی ۶ رجب ۶۳۳ھ اور اجمیر ہی میں جہاں آپ رہا کرتے تھے وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا[1] آپ کی قبر اینٹوں کی بنی ہوئی تھی۔ آپ کی قبر کو حسب حال بحال رکھ کر اس کے اوپر سے پتھر کا ایک صندوق بنوایا گیا۔ اس لئے آپ کا مزار بلند معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے مقبرہ کی عمارت سب سے پہلے خواجہ حسین ناگوری نے بنوائی پھر مندو کے حکمرانوں نے دروازہ خانقاہ کی تعمیر کرائی۔ آپ کے ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار اوشی نے اپنی کتاب "دلیل العارفین" میں جمع کئے ہیں جس میں تحریر ہے آپ نے فرمایا۔

عاشق کا دل آتش محبت سے دہکتا رہتا ہے۔ اس میں جو خیال آتا ہے خاکستر ہو جاتا ہے اور آنے والی چیز نابود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آتش محبت سے زیادہ کسی اور آگ میں اتنی تیزی نہیں۔ بہتی ندیوں کے پانی کی آواز سنتے ہو۔ کیسا شور ہوتا ہے لیکن جب دریا میں پہونچتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے۔

میں نے خواجہ عثمان ہرونی رح کی زبانی خود سنا ہے اللہ کے دوست اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی اس دنیا میں اس سے غفلت کریں تو نابود ہو جائیں۔

نیز میں نے حضرت خواجہ عثمان ہرونی رح سے خود سنا ہے جس آدمی میں حسب ذیل تین خصلتیں

---

[1] خواجہ معین الدین چشتی رح مسلمانان ہند کے روحانی مقتدر بمقام سجستان ۵۲۷ھ مطابق ۱۱۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ بحکم سرور عالم صلعم اجمیر آئے جہاں (۱۰۵) سال کی عمر میں ۶ رجب ۶۳۱ھ مطابق ۱۲۵۴ء کو واصل حق ہوئے۔ از سید الاولیاء حکیم مسیح الدین احمد خان۔

۲) یقین کرو کہ اللہ اسے دوست رکھتا ہے۔ سخاوتؔ جو سمندر کی سخاوت کی طرح ہو۔ شفقتؔ جو آفتاب
۳) شفقت و مہربانی کی مانند ہو۔ تواضعؔ جو زمین کی خاکساری و عاجزی کی سی ہو۔

اچھے لوگوں کی صحبت اچھے کام سے بہتر اور بُرے لوگوں کا ساتھ ہر بُرے کام سے بدتر ہے مرید اپنی توبہ میں اس وقت ثابت قدم ہوتا ہے جبکہ اس کے داہنے جانب کے فرشتہ نے بیس سال تک اس کا کوئی جرم و گناہ تحریر نہ کیا ہو۔

راقم سطور کہتا ہے کہ یہ بات پہلے کے بزرگوں نے بھی بیان کی ہے۔ اور اس معنی کی حقیقت بعض متاخرین علمائے صوفیا نے یہ لکھی ہے مرید کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہر وقت توبہ و استغفار کرتا ہے کیونکہ توبہ و استغفار کی موجودگی میں گناہ و جرم تحریر نہیں کئے جاتے۔ اور اس طریقہ عمل سے یہ ضروری نہیں کہ کوئی گناہ بالکل اس سے سرزد ہی نہ ہو۔ اس لئے وصیت کی گئی ہے کہ سونے وقت ہمیشہ توبہ و استغفار کی جائے تاکہ رحمت الٰہی کے سبب دن بھر کے گناہوں کی تحریر جواب تک ملتوی رہی ہے عملی صورت اختیار نہ کرے۔

خواجہ اجمیریؒ کا بیان ہے کہ میں نے خواجہ عثمان ہرونی کو کہتے خود سنا ہے وہ آدمی فقر کا حقدار ہوتا ہے جس کی اس عالم فانی میں کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ محبت کی نشانی یہ ہے کہ تم فرمانبردار رہو نیز ڈرتے رہو کہ محبوب تم کو اپنی دوستی سے الگ نہ کر دے۔

عارفوں کا درجہ بہت اونچا ہے۔ جب وہ اس مرتبہ پہ پہونچ جاتے ہیں تو دنیا اور دنیا کی ہر چیز کو اپنی دو انگلیوں کے بیچ میں پاتے ہیں۔

عارف وہ ہے کہ وہ جو کچھ چاہے فوراً اس کو مل جائے۔ اور جس سے بات کرے اس کا جواب سن سکے۔

محبت میں کم سے کم درجہ عارف کا یہ ہے کہ صداقت و حق کی صفات اس میں پیدا ہو جائیں اور الفت میں بلند مرتبہ اُس کا یہ ہے کہ اگر اس کے مقابلے میں کوئی دعویٰ کرے تو اپنی کرامت کی قوت سے اُسے گرفتار کر لے۔

ہم برسوں یہ کام کرتے رہے لیکن آخر کار ہیبت کے سوا ہمیں کچھ اور نہ ملا۔ تمہارہ خود کردہ گناہ تمہیں اتنا نقصان نہیں پہونچائے گا۔ جتنا کہ مسلمان بھائی کی بے عزتی و ذلت دہی سے تم کو نقصان پہونچے گا۔

نفس کی نگہبانی کرنا اہل معرفت کی عبادت ہے حق شناسی کی علامت یہ ہے کہ عام لوگوں سے

علیحدہ اور امور معرفت میں خاموش رہو۔

جب تک معارف و عرفان معلوم نہ کرتے جائیں اس وقت تک کوئی شخص معرفت کا عارف نہیں ہوسکتا۔ عارف وہ ہے جو اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال باہر کرے اور یکتا ہوجائے کیونکہ حقیقی دوست بھی یکتا و تنہا ہی ہے۔

بد بخت کی نشانی یہ ہے کہ گناہ کرتا رہے ساتھ ہی مقبول بارگاہ ہونے کا امیدوار بھی رہے۔

عارف کی نشانی یہ ہے کہ غمگین و خاموش رہے۔

جس نے نعمت پائی سخاوت کی وجہ سے پائی۔

درویش وہ ہے کہ اس کے پاس جو کوئی اپنی ضرورت پیش کرے اسے محروم مایوس اور خالی ہاتھ نہ لوٹائے۔

عارف در اصل محبت الٰہی کے راستہ میں گام زن ہے اسلئے اسے چاہئیے کہ دو عالم سے اپنا دل ہٹا لے۔

دنیا میں سب سے زیادہ اچھی چیز یہ ہے کہ درویش باہم ایک دوسرے کے پاس نشست و برخاست کریں اور بدترین بات یہ ہے کہ درویش آپس میں ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں۔ اور علیحدہ رہنے کی لازمی طور پہ کوئی علت اور وجہ ہوا کرتی ہے۔

درحقیقت متوکل وہ ہے جس کو لوگوں سے کوئی تکلیف پہونچے تو وہ اس تکلیف کی کسی سے شکایت اور حکایت نہ کرے۔

مخلوقات میں بہترین عارفِ حق وہ ہے جو سب سے زیادہ متحیر و حیران نظر آئے۔ عارف کی نشانی یہ ہے کہ وہ موت کو دوست رکھتا، راحت و آرام سے گریز کرتا اور ذکر الٰہی سے محبت رکھتا ہے۔

روایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے انوار سے زندہ رکھتا ہے۔

اہل محبت وہ لوگ ہیں جو استاد کے بغیر دوست کی باتیں سنتے ہیں۔

عارف وہ ہے جو صبح اُٹھ کر رات کی یاد نہیں کرتا۔

سب سے بہتر وقت وہ ہے جبکہ دل وسوسوں سے پاک ہو۔

علم ایک بے انتہا سمندر ہے اور معرفت اس کی ایک نہر۔ کہاں اللہ اور کہاں بندہ؟

علم اللہ کو سزاوار ہے۔ اور معرفت بندہ حاصل کرتا ہے۔

عارف سورج کی طرح ہیں تمام دنیا کو منور کرتے ہیں۔ جن کے نور سے تمام عالم روشن ہے۔

لوگ اللہ کا قرب اس وقت حاصل کر سکتے ہیں جبکہ پوری شرائط کے ساتھ مکمل طور پر نماز ادا کریں کیونکہ مسلمانوں کی معراج بھی نماز ہے۔

اجمیر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا ایک راجہ جس کی غزنین کی سرحد تک راج دھانی تھی اس کا نام "آجا" تھا۔ اس کے علاوہ "آجا" کے معنی آفتاب کے بھی ہیں۔ اور ہندی زبان میں "میر" کہتے ہیں پہاڑ کو۔ ہندوؤں کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے پہاڑوں پہ جو دیواریں بنائی گئیں ان میں سے یہی وہ دیوار ہے جو کوہ اجمیر کے اوپر ہے۔ ہندوستان کی سرزمین میں جو سب سے پہلا حوض بنایا گیا وہ "پہکر" کا حوض ہے جو اجمیر سے آٹھ میل پہ ہے اور عام ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں اور ہر سال چھ دن تک "تحویل مغرب" کے وقت یہاں اکٹھے ہو کر نہاتے رہتے ہیں۔ اپنی اور اپنے بال بچوں کی عمر باطل دھرم کی بدولت برباد کرتے ہیں۔ ان میں سے جو لوگ قیامت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ قیامت اسی حوض پر سے شروع ہوگی۔

رائے پتھورا سے پہلے کے اکثر ہندو باشندے اپنا نام "آجا" رکھا کرتے تھے۔ رائے پتھورا وہ آخری راجہ ہے جس کے قبضہ سے مسلمانوں نے ہندوستان حاصل کیا۔

"ناگور" بھی رائے پتھورا سے پہلے کی آبادی ہے۔ رائے پتھورا نے اپنے ایک آفیسر کو جو اس کے جانوروں کے گھاس دانہ کا حاکم تھا کہا گھوڑوں کے طویلوں کے لئے ایک عمدہ جگہ تلاش کرو تاکہ وہاں ایک شہر بھی آباد کیا جائے۔ راجہ کے حکم پہ جانوروں کے افسر نے بہت کچھ ڈھونڈا آخر کار اس مقام پہ پہونچا جہاں "ناگور" کی آبادی تھی وہاں ایک بھینس کو دیکھا جس نے بچہ دیا تھا اور ایک بھیڑیا اس بچہ پہ حملہ کرنا چاہتا تھا۔ بھینس نے اپنے بچہ کو پیچھے کر کے اس بھیڑیے پہ حملہ کر دیا۔ جانوروں کے افسر نے یہ حالت دیکھ کر کہا یہ جگہ مردانہ وار ہے۔ اس جنگل کا پانی چارہ گھوڑوں کے لئے مفید ہوگا۔ چنانچہ وہاں ایک شہر آباد کر کے اس کا نام "نوانگر" یعنی نیا شہر رکھا۔

سلطان معز الدین سام معروف بہ سلطان شہاب الدین غوری جب یہاں پہونچا اور رائے پتھورا کو قتل کر دیا گیا تو اس کی ترکی فوجوں کے زمانہ میں "نوانگر" لفظ ناگور سے بدل گیا۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

15308

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ

۵۰۵ ـــــــ ۶۳۳ھ

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بڑے خلیفہ تھے۔ آپ ایک بڑے ولی اور جلیل القدر صوفی ہے۔ بہت مشہور بزرگ ہوئے ترکِ دنیا اور فقر و فاقہ میں بے نظیر تھے۔ ہر وقت یادِ الٰہی میں مشغول ہتے جب کوئی آپ سے ملنے آتا تو تھوڑی دیر بعد آپ اپنے آپ میں آتے اور آنے والے سے نتگو کرتے۔ آنے والے کی حالت سن کر اور اپنی سنا کر فرماتے اب مجھے معذور رکھیے اور پھر یادِ الٰہی ں مشغول ہو جاتے۔ اگر آپ کی کوئی اولاد فوت ہو جاتی تو آپ کو اس کی وفات کے وقت مطلق خبر ہوتی البتہ تھوڑے عرصہ بعد اس واقعہ سے آگاہ ہوتے۔

حکایت ہے کہ آپ کے ہمسایہ میں ایک بنیا رہا کرتا تھا۔ شروع شروع میں اس سے قرض لیا رتے تھے اور اس سے برابر فرمایا کرتے کہ جب تمہارا قرضہ تیس درم تک ہو جائے تو پھر اس سے یادہ نہ دینا۔ اس دوران میں جب فتوحات حاصل ہوتے اس میں سے لالہ کا قرض ادا کر دیتے تھے پھر ایک مرتبہ آپ نے اپنے دل میں عہد کیا کہ اب آیندہ قرض نہیں لوں گا۔ تو اللہ کے فضل و کرم سے بانماز کے نیچے سے آپ کو ایک روٹی مل جاتی جس پر گھر کے سب لوگ گذر کرتے۔ لالہ نے خیال کیا کہ خواجہ صاحب مجھ سے خفا ہو گئے ہیں جب ہی تو قرض نہیں لیتے یہ سوچ کر اس نے اپنی بیوی کو خواجہ صاحب کے گھر اصل واقعہ کی کھوج لگانے کے لئے بھیجا۔ اور خواجہ صاحب کے اہلیہ محترمہ نے اصل واقعہ اس کو کہہ سنایا۔ اس دن سے وہ روٹی ملنا بند ہو گئی۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنے لوگوں کو حکم دیدیا تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیاری کاکیؒ کا پانسو درم تک ہمیشہ قرض چکا دیا کریں۔ ادائیگی قرض کی یہ رسم ایک مدت تک جاری رہی لیکن خواجہ قطب الدینؒ جب درجہ کمال کو پہونچ گئے تو آپ نے اس سے بھی دست برداری کر لی۔

حکایت ہے کہ خواجہ قطب الدینؒ اپنے ابتدائی زمانہ میں نیند کے غلبہ سے تھوڑی دیر کے لئے آنکھ لگا لیتے۔ لیکن عمر کے آخری حصہ میں یہ حالت بھی بیداری سے بدل گئی۔

شیخ محمد نور بخشؒ نے اپنی کتاب "سلسلۃ الذہب" میں لکھا ہے "بختیار اوشیؒ بڑے زبردست ولی، سالک اور عبادت گذار تھے۔ خلوت وجلوت میں ہمیشہ یادِ الٰہی کرتے۔ تھوڑے کھانے تھوڑے سونے اور تھوڑی سی بات کہنے کے عادی تھے۔ ہمیشہ یادِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ باطنی حالات اور مکاشفہ میں بلند پایہ تھے۔

حکایت ہے کہ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد آرام کیا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے شادی کی جس کی وجہ تین رات درود شریف پڑھنے میں فروگذاشت ہوئی۔ جس پر ایک شخص نے جس کا نام "رئیس" تھا رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا بختیار کاکیؒ سے ہمارے سلام کے بعد کہنا ہر رات جو تحفہ تم ہمارے پاس بھیجا کرتے تھے وہ تین راتوں سے ہمارے پاس نہیں پہونچا۔

حکایت ہے شیخ علی سکزی (سجزی) کی خانقاہ میں ایک دن صحبت احباب گرم تھی جس میں بختیار کاکیؒ بھی شریک محفل سماع تھے۔ یہ شیخ علی سجزی حضرت معین الدین حسن سجزی کے عزیز اور خواجہ بختیار کاکی کے ہمسایہ تھے۔ ان کی قبر بھی خواجہ صاحب کے مزار کے قریب ہے۔

قوال اس محفل سماع میں شیخ احمد جامؒ کی غزل گا رہے تھے جب اُن کا یہ شعر پڑھا۔

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانِ دیگر است

(تسلیم ورضا کے خنجر کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عنایت ہوتی ہے) تو خواجہ صاحب پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور چار شبانہ روز اسی شعر کے نشۂ ذوق میں مست اور متحیر رہے آخرکار پانچویں رات اسی حالت میں عالم جاودانی کی جانب رحلت کر گئے۔[لہ]

لہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ علاقہ ماوراء النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے قطب الدین لقب اور بختیار نام تھا۔ کاک افغانی زبان میں روٹی کو کہتے ہیں چونکہ عرصہ تک آپ کی جانماز کے نیچے سے آپ کو روزانہ منجانب اللہ روٹیاں ملا کرتی تھیں جس پر آپ کے گھر بار کی گذر بسر تھی۔ منجانب اللہ اس طریقہ پر آپ کو روٹیاں ملتی رہنے کی وجہ سے آپ کاکی (روٹیوں والے) مشہور ہو گئے۔ سیر الاولیاء اور سیر الاقطاب ہر دو کی تحریر کی بناء پر کہ رجب ۵۲۲ھ میں جبکہ آپ کو خرقہ پہنایا گیا آپ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اس حساب سے آپ کی پیدائش ۵۰۴ھ مطابق ۱۱۲۷ء قرار پاتی ہے۔ سمرقند، غزنی، بغداد اور اجمیر ہوتے ہوئے آپ دہلی پہونچے اس وقت سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا شہنشاہ تھا جو آپ کا ارادتمند تھا۔ غرضکہ بہ عمر (۱۲۸) سال ۱۴۔ ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۵۶ء کو رحلت کی آپ کا مزار دہلی میں مرجع خاص وعام ہے۔
از سیر الاولیاء۔ حکیم مسیح الدین احمد خان شاہ آبادی (رامپور)

میرحسن دہلوی نے اپنی اس زمین کی غزل میں آپ کے واقعہ انتقال کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

جاں برایں یک بیت دادہ است آں بزرگ۔ آرے ایں گوہر زکانِ دیگر است۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(اُس بزرگ یعنی خواجہ بختیار کاکی نے اس ایک شعر پر اپنی جان دیدی۔ بیشک یہ موتی کسی اور ہی کان کا ہے۔

واقعی بات یہی ہے کہ تسلیم ورضا کے خنجر کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عنایت ہوتی ہے۔

یہ واقعہ ۶۳۳ھ کی ربیع الاول کی چودھویں رات کا ہے اور اسی سال ۲۰ شعبان کو سلطان شمس الدین التمش کی وفات ہوئی۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے اپنی کتاب دلیل العارفین میں لکھا ہے ایک مرتبہ جمعرات کے دن اجمیر کی جامع مسجد میں مجھے اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے شرف پابوسی حاصل ہوا۔ اس وقت آپ کی مجلس میں درویش، مرید اور صوفیوں کے رشتہ دار حاضر تھے۔ اور ملک الموت کے بارے میں گفتگو ہورہی تھی۔ پیرومرشد نے فرمایا موت کے بغیر دنیا کی رتی برابر بھی قیمت نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کیوں تو ارشاد فرمایا "موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے۔" پھر فرمایا دوستی وہ چیز ہے جسے زبان سے نہیں بلکہ دل سے پوری کرو اور جن چیزوں سے تم کو تعلق ہو ان کو بالکل چھوڑ دو تب تم عرش کے اطراف طواف کرنے لگو گے۔

عارف کی مثال تاباں و درخشاں آفتاب کی مانند ہے جس کے انوار سے پوری دنیا روشن ہے۔

پھر فرمایا۔ اے درویشو! ہمیں یہاں لایا گیا ہے اور ہمارا مدفن بھی یہیں ہوگا۔ اور چند دن بعد ہم سفر آخرت کریں گے۔ اس کے بعد شیخ علی سنجری سے مخاطب ہو کے فرمایا۔ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے نام حکمنامہ جاری کرو کہ وہ دہلی چلے جائیں وہاں کی سجادہ نشینی ہم نے ان کے حوالہ کر دی اور وہ دہلی میں قیام کریں گے۔ حکمنامہ تحریر ہو نے کے بعد وہ مجھ فقیر (قطب الدین) کو عنایت فرمایا اور میں فقیر سر تسلیم خم کرتے ہوئے آداب بجالایا۔ پھر ارشاد ہوا نزدیک آؤ جب میں آپ کے قریب ہوگیا تو کلاہ و دستار میرے سر پر رکھی، حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ کا ڈنڈا میرے ہاتھ میں دیا۔ اور خرقہ پہنا کر قرآن کریم، جانماز اور نعلین مبارک عنایت کر کے فرمایا یہ رسول اللہ کی امانت ہے جو خواجگان چشت کے ذریعہ ہم تک پہنچی تھی۔ تم اسے جاری رکھنا تاکہ کل قیامت کے دن مجھے اپنے مشائخین کے روبرو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ فقیر

(قطب الدین) نے سرِ تسلیم خم کیا (یعنی زبانِ حال سے اقرار قبول کیا) پھر دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد پیر و مرشد خواجہ چشت رحؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کے میرا منہ آسمان کی طرف کیا اور فرمایا جاؤ۔ اللہ کے حوالہ ہم نے تمہیں تمہارے مقام پہ پہونچا دیا۔ پھر ارشاد ہوا نفسِ انسان کی عظمت چار چیزوں سے ہے اول یہ کہ فقیری میں تونگری کرے۔ دوم یہ کہ بھوک میں سیر نظر آئے۔ سوم یہ کہ غم و تکلیف میں مسرور رہے اور چہارم یہ کہ دشمن سے بھی دوستی ظاہر کرے۔ پھر فرمایا: جہاں جانا دل آزاری نہ کرنا۔ اور جہاں رہنا مردانہ وار رہنا اس کے بعد میں دہلی آکر مقیم ہو گیا۔ اور تمام حاکم و امراء و عوام مجھ فقیر کی جانب رجوع ہونے لگے۔ دہلی آئے چالیس دن بھی نہ ہوئے تھے کہ اجمیر سے ایک قاصد نے آکر بیان کیا کہ آپ کے اجمیر سے روانہ ہونے کے بعد پیر و مرشد خواجہ چشت رحؒ بیس دن تک زندہ رہے پھر رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے۔

شیخ بہاؤ الدین ابو محمد زکریا رحؒ

۵۶۰ـــــــــ ۶۶۱ھ

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی رحؒ کے خلیفہ تھے۔ ہندوستان کے اکابر اولیاء میں آپ کا شمار ہے۔ ظاہری و باطنی کمالات و برکات سے آراستہ تھے نزھت الارواح کے مصنف میر حسینی سادات اور کتاب "لمعات" کے مصنف شیخ فرید الدین عراقی ہر دو نے آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا اور آپ کی تربیت سے فیض پایا ہے۔

حکایت ہے کہ آپ بحصول کمالات و برکات جب بغداد شریف سے ملتان (پنجاب) آئے تو ملتانی صوفیا نے آپ کی آمد پہ اپنے حسد کو بدیں طور ظاہر کیا کہ آپ کے پاس لب ریز دودھ کا ایک پیالہ روانہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ شہر ملتان میں ہمارے سوائے کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہے شیخ نے ان حاسدوں کے اشارہ کنایہ سے واقف ہو کر اس دودھ کے پیالے پر گلاب کا ایک پھول کھڑا کر کے وہ دودھ بھرا پیالہ بھیجنے والے صوفیوں کے پاس لوٹا دیا۔ اس عمل کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا وجود شہر ملتان میں اس طرح ہے جس طرح دودھ بھرے پیالہ پر پھول کھڑا ہے۔ غرضکہ اکابر صوفیا آپ کی اس ادائگی حسن لطافت پہ متحیر ہو گئے۔ اور آپ کی کرامات کے قائل و مطیع ہو گئے۔

شیخ اس قسم کے غنی اور شاکر لوگوں میں سے تھے جن کی بابتہ اللہ نے کہا ہے۔ "ہم نے ان کو

دنیا میں اچھائیاں دی ہیں اور آخرت کے دن یہ بلاشک وشبہ صالحین کے زمرہ میں ہیں۔ اور یہ حکم الٰہی آپ پر بھی صادق آتا ہے۔ ایک مرتبہ بعض مشائخین وقت آپ سے فقر و غنا کے بارے میں مصروف کلام تھے۔ آپ نے ان کو جواب دیا۔ دنیا اپنی تمام دلچسپیوں کے ساتھ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنیا قَلِیلٌ یعنی اے سرورِ عالم فرما دیجئے۔ (دنیاوی سرمایہ بالکل قلیل ہے۔ جو کوئی وقعت نہیں رکھتا)

اور ظاہر ہے کہ دنیا کا تمام سرمایہ کسی فرد واحد کو ہمدست نہیں ہو سکتا۔ نیز فرمایا سانپ کا ساتھ رکھنا اس کے لئے تکلیف رساں ہے جو سانپ کا منتر نہ جانے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ دولت اور سرمایہ داری دراصل ہمارے رخسارہ حال کا ایک تِل ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ آپ اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ میں بڑی گہری محبت تھی۔ دونوں کئی سال تک ایک ساتھ رہے ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کی طرف سے بابا گنج شکر کو ایسا پیغام بھیجا جو بابا گنج شکرؒ کی مجلس کے موافق حال نہ تھا۔ اس کی اطلاع جب شیخ کو ہوئی تو انھوں نے خود بابا گنج شکر کو خط لکھا جس میں ایک بات یہ بھی لکھی کہ ہمارے آپ کے درمیان عشق بازی ہے جس کے جواب میں بابا گنج شکر نے شیخ بہاءالدین زکریاؒ کو لکھا ہم دونوں میں عشق ہے مگر "بازی" نہیں ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیاءؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ فریدالدین کو اگر بخار آتا یا فصد کھلوانا چاہتے تب بھی وہ روزہ ہی رکھتے۔ اور شیخ بہاءالدین زکریاؒ جو زیادہ روزے دار تو نہ تھے البتہ بیحد عبادت گزار اور احکام الٰہی کی تعمیل کا مجسمہ تھے۔ اور یہ آیت قرآنی پڑھا کرتے تھے کُلُوا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحاً (اچھی پاک چیزیں کھاؤ اور خوب عمل صالح کرو) اور اس آیت کے وہ مصداق تھے۔

شیخ محمد نور بخش نے اپنی کتاب "سلسلۃ الذہب" میں لکھا ہے۔

بہاؤالدین زکریا الملتانیؒ ہندوستان کے رئیس اولیاءؒ تھے۔ وہ علوم ظاہری کے زبردست عالم۔ اور مقاماتِ مکاشفات و مشاہدات کے صاحب حال مرشد تھے آپ سے اکثر اولیاء کے سلسلے نکلے ہیں۔ آپ نے اکثر لوگوں کو رشد و ہدایت فرمائی۔ کفر سے ایمان کی، گناہ گاری سے اطاعت کی اور نفسانیت سے روحانیت کی راہ لوگوں کو دکھائی۔ غرضکہ شیخ زکریاؒ عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ مجمع الاخیار میں لکھا ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ یہ نصیحت فرماتے تھے۔

ہر آدمی پر لازم ہے کہ وہ مکمل سچائی اور خلوص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کرے۔ اللہ کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ ذکر و عبادت الٰہی میں ایسے مستغرق رہو کہ کسی دوسری چیز خیال تک نہ آنے پائے۔ اللہ تک رسائی کا طریقہ یہی ہے کہ اپنے حال کو درست کر لو۔ اپنے اقوال و افعال میں ہر وقت نفس سے محاسبہ کرتے رہو۔ ضرورت کے وقت بقدر ضرورت قول فعل کو کام میں لاؤ۔ ہر قول و فعل سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرو اس سے مدد کی درخواست کرو تاکہ اللہ تم کو نیک عمل کرنے کی توفیق دے۔

ایک مرتبہ اپنے مریدوں کو یہ نصیحت کی ہے تم لوگ ہمیشہ ذکر الٰہی کرتے رہو کیونکہ ذکر الٰہی کی وجہ سے طالب اپنے محبوب تک رسائی کرلیتا ہے۔ اور محبت وہ آگ ہے جو سب میل کچیل بھسم کردیتی ہے۔ اور محبت جب پختہ ہوجاتی ہے تب مشاہدۂ مذکور کے ساتھ یاد الٰہی کرنا "ذکر الٰہی" ہے۔ اور یہی وہ ذکر ہے جس پہ فلاح و کامیابی کا انحصار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (بکثرت اللہ کا ذکر کرو تاکہ تم کامیاب اور فلاح یافتہ ہوجاؤ)

آپ نے اپنے کسی مرید کو ایک خط میں لکھا ہے میں نے سنا ہے کہ شیخ شہاب الدین ابوعبداللہ عمر بن محمد سہروردیؒ اپنے پیرو مرشد ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر کے ساتھ حرم کعبہ میں بیٹھے تھے ابوالنجیب پر وجد و حال طاری ہوا وہ اسرار کی دنیا میں تھے کہ اتنے میں حضرت خضرؑ آپ کے پاس آئے لیکن ابوالنجیب ان کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔ خضرؑ تھوڑی دیر کھڑے رہ کر لوٹ گئے۔ ابوالنجیب جب ہوش میں آئے تو شیخ شہاب الدین سہروردی نے جرأت کرکے پوچھا پیرو مرشد کو کیا ہوگیا ہے کہ حضرت خضرؑ نبی آپ سے ملنے آئے اور آپ نے ان کی جانب التفات نہیں فرمایا۔ یہ سنتے ہی ابوالنجیب کا چہرہ سرخ ہوگیا اور غصہ سے کہا افسوس! تجھے کیا معلوم۔ خضر آکر لوٹ گئے تو پھر آجائیں گے۔ لیکن وہ ایسا وقت تھا جبکہ میں حق میں مشغول تھا۔ اگر وہ وقت ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر ہاتھ نہ آتا۔ اور قیامت تک پشیمانی رہتی۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خضرؑ تشریف لائے اور پیرو مرشد ابوالنجیب نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور خاطر تواضع کی۔ اللہ تعالیٰ سے ان حضرات کی مانند برکتیں اور فیض حاصل کرنے کے ہم امیدوار ہیں۔ اور اسی حوالہ کے ذریعہ ہر مرید کو چاہیے کہ اپنے وقت کی حفاظت کرے اور اس کی نگرانی کرتا رہے۔ اور غیر اللہ کو اپنے دل سے دور نکال پھینکے۔ دنیا والوں سے میل جول کو اپنے اُوپر

حرام کرلے اور ذکرِ حق میں ہمیشہ مشغول رہے۔ اگر کسی کو ذکرِ حق سے کوئی تعلق نہ ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کی بوئے محبت کو کبھی نہ سونگھ سکے گا۔

نیز آپ نے اپنے ایک مرید کو لکھا ہے۔ کم خوری میں جسم کی سلامتی ہے۔ گناہوں سے دُور رہنے کے سبب روح کو سلامتی ملتی ہے اور سرکارِ کائنات ﷺ پر درود و سلام بھیجنے سے دین کی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔

شیخ زکریا نے ۷۔ صفر ۶۶۱ھ کو جام بقا نوش کیا۔[1]

سیّد نور الدین مبارک غزنویؒ

۵۵۵ ——— ۶۳۲ھ

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ تھے۔ دہلی والوں کے روحانی پیشوا اور شیخ الاسلام تھے

---

[1] شیخ بہاؤ الدین ابو محمد زکریا ملتانیؒ کے دادا کا نام کمال الدین علی شاہ قریشی تھا جو مکہ معظمہ سے عہد چنگیزی میں خوارزم آئے اور وہاں سے ملتان آکر سکونت پذیر ہوئے جہاں آپ کے فرزند شیخ وجیہہ الدین پیدا ہوئے۔ جن کی شادی مولوی حسام الدین تبریزی کی صاحبزادی سے کردی گئی۔ شیخ وجیہہ الدین اپنے خسر مولوی حسام الدین تبریزی کے ساتھ ملتان کے قریب "قلعہ کوٹ" میں رہا کرتے تھے جہاں اُن کے بیٹے شیخ بہاء الدین ابو محمد زکریا ملتانیؒ کی ۵۶۰ھ مطابق ۱۱۶۲ء میں ولادت ہوئی۔ بیس سال کی عمر سے پہلے ہی آپ قرآن کریم کے حافظ، سات قرأتوں کے ماہر، علوم ظاہری و باطنی کے کامل مشہور ہوگئے تھے۔ بخارا، بغداد، بیت المقدس سے ہوتے ہوئے حج کے بعد ملتان واپس ہوئے آپ کی خانقاہ علوم ظاہری و باطنی کا بڑا مرکز تھی۔ میر حسینی اور شیخ فخر الدین عراقی جیسے عالم و فاضل کامل بزرگ آپ کے مرید تھے۔ عبادت و ریاضت میں تلاوت قرآن کریم کا بے انتہا شوق تھا اکثر دو رکعت نماز کی نیت باندھ کر کھڑے ہوتے اور پہلی ہی رکعت میں پورا قرآن شریف ختم کرلیا کرتے۔ غرضکہ روحانی امداد کے آپ پیشوا تھے بوقت رحلت آپکی عمر سو سال کی ہوچکی تھی آپنے اپنے گھر کے ایک خاص کمرہ میں بتاریخ ۷۔ صفر ۶۶۱ھ مطابق ۱۲۶۲ء بمقام ملتان وفات پائی آپکے صاحبزادہ شیخ صدر الدین عارف باللہ کا بیان ہے پدر بزرگوار کے انتقال کے وقت ان کے کمرے سے آواز بھی بلند ہوئی۔ دوست دوست کے پاس چلا گیا

لطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں لوگ آپ کو "امیر دہلی" کہتے تھے۔ "فوائد الفواد" میں لکھا ہے شیخ
ظام الدین اولیاءؒ کی بزرگی کے بارے میں آپ نے ایک دن کہا۔ ایک مرتبہ عرصہ تک بارش نہیں ہوئی
وئی تھی۔ قحط پڑ گیا تھا۔ لوگوں نے شیخ کو بارش کی دعا کے لئے مجبور کیا تو آپ نے برسر منبر چڑھ کر
رش کے لئے دعا کی پھر آسمان کی طرف منہ کر کے کہا اے اللہ اگر تو مینہ نہ برسائے گا تو میں آبادی میں
ہنا چھوڑ دوں گا۔ اتنا کہہ کے منبر پر سے اترے فوراً ہی اللہ کے فضل و کرم سے خوب پانی برسا۔
تھوڑے دنوں بعد سید قطب الدین نے شیخ نظام الدین اولیاء سے دوران ملاقات میں کہا آپ
کے بارے میں ہمیں کامل اعتقاد ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی کے آپ نیاز مند ہیں لیکن
گزشتہ آپ نے یہ کیوں کہا تھا کہ اے اللہ اگر تو مینہ نہ برسائے گا تو میں آبادی چھوڑ دوں گا۔
حضرت نظام الدین نے جواباً کہا چونکہ مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور مینہ برسائے گا اس لئے
میں نے یہ بات کہہ دی تھی۔ سید قطب الدین نے پھر کہا آپ نے کیسے جان لیا کہ وہ بارش بھیجے گا؟
نظام الدین اولیاء نے کہا ایک مرتبہ ہمارا اور سید نور الدین مبارک غزنوی کے جنگل میں سیر کرنے
کا مقدمہ سلطان شمس الدین براذی کے دربار میں پیش ہوا۔ میں نے ایک ایسی بات کہہ دی تھی جس
سے سید مبارکؒ کوفتہ ہوگئے تھے اور اسی سبب سے انھوں نے مجھ سے دعائے بارش کے لئے کہا۔ میں نے
جواب دیا آپ مجھ سے رنجیدہ ہو گئے ہیں اگر صلح وصفائی کرلیں تو دعائے بارش کروں گا۔ اور اگر
صلح صفائی نہ کرو گے تو میں بھی دعائے بارش نہ کروں گا۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ان کے خلوت
خانہ سے غیبی آواز آئی ہم نے تم سے دوستی کرلی جاؤ اور دعائے بارش کرو۔

شیخ نصیر الدین محمودؒ کا بیان ہے کہ شیخ محمد اجل شیرازی ایک بڑے بزرگ تھے جن سے سید
مبارک غزنوی نے بھی فیض نعمت حاصل کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ شیرازیؒ کا ایک سوداگر
مرید تھا۔ اُس نے پیر و مرشد شیرازی کے پاس حاضری دی اور کہا میرے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے جو
آپ کا غلام زادہ ہے۔ اسے فیض نعمت سے سرفراز فرمایئے۔ شیخ شیرازی نے جواب دیا اچھا کل
جب میں نماز فجر سے فارغ ہو جاؤں اس وقت اپنے لڑکے کو لے آنا اور میری داہنی جانب سے لے
میرے سامنے رکھ دینا اسی روز اتفاق سے سید مبارک کی ولادت ہوئی تھی ان کے والد شیخ
شیرازی کی محفل میں حاضر تھے انھوں نے شیخ اور سوداگر کی گفتگو سنی تھی۔ اپنے دل میں کہا میں بھی
اپنے لڑکے کو لا کر شیخ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ دوسرے دن نماز فجر کے بعد سوداگر کو آنے
میں دیر ہوئی۔ سید مبارک کے والد لڑکے کو لئے بیٹھے تھے۔ موذن نے اذان دی شیخ نے نماز فجر

اداکی اور سید مبارک کے والد شیخ کی داہنی طرف سے نکل کر اپنے بیٹے سید مبارک غزنوی کو شیخ پیر و مرشد کے حضور میں پیش کر دیا۔ پیر و مرشد نے ایک نظر اس نومولود لڑکے سید مبارک کو دیکھا اور تمام فیوض و برکات ایک نظر ہی میں اس کے حوالہ کر دیں۔ اس کے بعد سودا گر آیا شیخ نے اس سے کہا فیض تو سید زادہ کی قسمت میں تھا وہ لے گیا۔

سید صاحب کا بیان ہے کہ غزنی میں ایک مرتبہ پانی کا قحط پڑا۔ لوگ شیخ محمد اجل شیرازیؒ کے پاس آئے اور کہا بارش کے لئے دعا کیجئے۔ شیخ یہ سن کر گھر سے نکل کر ایک باغ میں گئے۔ مخلوق آپ کے پیچھے پیچھے تھی۔ باغ میں پہونچکر آپ نے باغبان کو تلاش کیا جو ایک درخت کے نیچے سو رہا تھا آپ نے اُسے بیدار کیا اور اس سے کہا۔ درخت سوکھ رہے ہیں اٹھو اور آب پاشی کرو۔ باغبان نے جواب دیا باغ میرا ہے اور درخت میرے ہیں جب ضرورت ہوگی آب رسانی کروں گا۔ شیخ نے یہ سن کر اس باغبان سے کہا ان لوگوں کو شیخ کردو کہ میرا پیچھا نہ کریں اور کہدو ہم اللہ کے بندے ہیں اور یہ زمین اللہ کی بستی ہے۔ وہ جب چاہے بارش برسا دے گا۔ اتنا کہہ کر لوٹے تھے کہ اتنی زور دار بارش ہوئی جس کی حد نہ تھی۔

سید نورالدین مبارک غزنوی کا مقبرہ دہلی میں شمسی حوض کے مشرقی طرف ہے۔ آپ نے ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۵ء میں وفات پائی۔

شیخ حمید الدین صوفی ناگوری

۵۷۰ــــــ ۶۷۳ھ

آپ کو سعید ناگوری سوری بھی کہتے ہیں سلطان التارکین آپ کا لقب تھا اور ابو احمد کنیت تھی حضرت معین الدین چشتی کے خلفائے اعظم میں سے تھے۔ ترک دنیا اور تنہا پسندی میں ثابت قدم مشہور تھے۔ اللہ کے خاص بندے تھے۔ آپ کی بلند ہمتی دنیا و آخرت سے برتر تھی۔ آپ کی نظر انتفا موالید ثلاثہ پر رہتی تھی۔ تصوف میں عالی شان اور قواعد طریقت کے بیان میں بلند مقام کے مالک تھے۔ آپ سلسلہ نسب کے اعتبار سے سعید بن زید کی اولاد میں سے ہیں جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے۔ صوفی صاحب ہندوستان کے قدیم شیخ ہیں۔ آپ نے کافی عمر پائی۔ فرماتے تھے فتح دہلی

کے بعد مسلمان گھرانے میں سب سے پہلے میری ہی ولادت ہوئی ہے

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے زمانہ سے شیخ نظام الدین اولیاء کے ابتدائی زمانہ تک آپ باقی تھے ممکن ہے نظام الدین اولیاء سے آپ نے ملاقات کی ہوگی۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ نظام الدین اولیاء نے آپ کی تصنیفات سے آپ کے ملفوظات منتخب کرکے خود اپنے ہاتھ سے نقل کئے تھے۔ اور سیر الاولیاء کے مولف نے صوفی صاحب کے ملفوظات کو سلطان المشائخ کی نقل سے نقل کیا ہے۔

حکایت ہے خواجہ معین الدین چشتیؒ ایک دن بے انتہا خوش تھے اس مسرت کے عالم میں کہا جو کوئی جو کچھ مانگنا چاہتا ہے مانگ لے کیونکہ مقبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ مجلس میں سے کسی نے دنیا چاہی اور کسی نے آخرت۔ آپ نے شیخ حمید الدین ناگوری کی جانب متوجہ ہو کے کہا تم دنیا و آخرت میں عزت دار و بزرگ ہونا چاہتے ہو؟ شیخ ناگوری نے جواب دیا۔ میری کوئی خواہش نہیں۔ خواہش دراصل اللہ کی خواہش ہے۔ اس کے بعد خواجہ چشتؒ نے خواجہ قطب الدین کی طرف مخاطب ہوکے یہی کلمے فرمائے انھوں نے عرض کیا۔ بندہ کو کوئی اختیار نہیں جو کچھ ارشاد ہو آپ کو اختیار ہے۔ تب خواجہ چشتؒ نے ارشاد فرمایا حمید الدین صوفی جو تارک الدنیا اور مستغنی آخرت ہے۔ یہ سلطان التارکین ہے۔ اسی دن سے صوفی صاحب کا سلطان التارکین لقب مشہور ہوگیا۔

حکایت ہے کہ ناگور شہر کے ایک گاؤں سوالی میں شیخ حمید الدین صوفیؒ کے پاس ایک دو گز زمین مدد معاش کے طور پر تھی جسے اپنے ہاتھ سے کھودتے اور خود ہی تخم ریزی کرتے تھے اور اس سے اپنے اہل وعیال کی روزی کا سامان فراہم کرتے تھے۔ آپ نے ۲۹۔ ربیع الاول ۶۷۳ھ میں وفات پائی اور آپ کا مزار ناگور میں ہے۔

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ سے فقر وغنا کے بارے میں آپ کی اکثر خط وکتابت رہی جن میں سے ایک خط کا مضمون یہ ہے مشائخ کے خیال کے مطابق نیز قرآن کریم و حدیث شریف کے اعتبار سے دنیا اور سامان دنیا دراصل اللہ تک رسائی کرنے میں مانع ومزاحم ہیں۔ جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے بعض مشائخ کے پاس دنیا کا بہت کافی حصہ ہے اور ساتھ ہی ان سے کرامات بھی ظاہر ہوتی ہیں تو فقیر حقیر کو بے انتہا حیرت ہوتی ہے۔ والا جناب ازراہ کرم اس عُقدہ کی وضاحت کریں، عین عنایت ہوگی۔

ایک دوسرے خط کا مضمون یہ ہے احقر نے حضور والا شیخ بہاء الدین کی خدمت میں ایک عریضہ روانہ کیا تھا احقر کو جو مشکلات درپیش تھیں اس کے جواب کی استدعا کی تھی والا جناب نے نہ معلوم کیوں مکمل جواب نہیں دیا۔ اور جو جواب آیا وہ تشفی بخش نہیں تھا آخر کار احقر نے بارگاہ رب العزت میں منت وزاری کی کہ اپنے بندہ کی مشکل آسان کردے اور حصول مقصود کی علامت ظاہر کردے۔ چنانچہ خدائے مجیب الدعوات نے بندہ کی دعا قبول فرمائی اور معلوم ہوا کہ اہل شریعت جن کو آخرت کا ثواب درکار ہے وہ حصول ثواب کے لئے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ اچھے سلوک کرکے خیرات میرات کرتے رہتے ہیں۔ لیکن تقوی و پرہیزگاری کی حقیقتوں کے انکشاف اور روحانی اسرار و باریک بینیوں کے قاعدوں سے محروم رہتے ہیں حالانکہ اہل طریقت کو یہ اسرار حاصل ہو جاتے ہیں لیکن یہ طریقت والے اسرار قرب اور انوار تجلی الہٰی جو طالبان حق کے لئے مخصوص ہیں اس کے حصول سے معذور رہتے ہیں کیونکہ طلبگاراں حق کے نزدیک جن کے سوائے ہر وہ چیز جو کشف و مشاہدہ کے ذریعہ حاصل ہو وہ بھی حجاب ذات کا موجب ہے۔ اسی لئے یہ قاعدہ مقرر کیا گیا ہے کہ جو کوئی حق کے سوائے کسی اور چیز کے حصول میں عاجز ہو وہ درحقیقت پردہ حجاب میں مستور یعنی محجوب ہے اگرچہ اس کو اپنے تئیں یہ علم نہ ہو کہ وہ محجوب ہے۔

آپ نے اپنے ایک خط میں شیخ فریدالدین گنج شکر کو لکھا ہے۔ ذکرالٰہی میں مشغول لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ نے اپنا تھوڑا سا قرب اُن سے دور کرلیا ہے تو وہ لوگ ہنسیں گے کم اور روئیں گے زیادہ۔ اور اگر مشغول ذاکرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ قرب الٰہی ان سے دُور ہو گیا ہے تو وہ خون کے آنسو روئیں گے۔ اور اگر مشغول ذاکرین کو یہ علم ہو جائے کہ اللہ کی وہ محبت نہیں رہی جو مجھ سے دُور ہو گئی تو وہ اپنی جان دیدیں۔ الغرض شیخ حمیدالدین صوفی ناگوری کے خطوط و تصانیف اور اشعار بکثرت موجود ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف "اصول الطریقت" ہے جس میں ایک جگہ لکھا ہے۔ راہ سکوں کے جوانمردوں کا مقصد رسائی بارگاہ الٰہی ہے تین طرح کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرَاتِ (ہم نے اپنے جن بندوں کو منتخب کرلیا ہے ان میں بعض وہ ظالم ہیں جو اپنے نفس پہ ظلم کرتے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو بہت محتاط ہیں اور بعض وہ ہیں جو نکوکاری میں سبقت لے گئے ہیں۔)

یعنی ایک وہ ظالم ہیں جن کو معذور کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ محتاط ہیں جن کو مشکور کا نام دیا گیا ہے اور تیسرے وہ نکوکار ہیں جن کو فائق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اب تفصیل سے سمجھ لو معذور

لوگ ہیں جو اللہ و رسول پر ایمان لانے اور توحید کا اقرار کرنے کے بعد بارگاہ الٰہی میں حاضری نہیں دیتے اگر آتے ہیں تو آہستہ آہستہ بہت دیر میں آتے ہیں۔ اور نیکیوں کی طرف جلدی کرنے کی مخالطیت سے غافل ہیں۔ مشکور وہ ہیں جو ایمان سے ہمعنان اور اقرار سے ہمرکاب ہیں۔ اور فائق وہ ہیں جنھوں نے اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) کے خطاب کو یاد رکھتے ہوئے قالوا بلیٰ (ہاں آپ رب ہیں) کے اقرار کو طاق نسیاں نہیں بنایا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس دنیا میں دعوت اسلام سے پہلے ہی خطاب ازل اور جواب لم یزل کے حکم کو قبول کر چکے ہیں۔ اور ابتداہی میں اسرار الٰہی کی طلب کے لئے میدان عمل میں آگئے ہیں۔ ان میں کے اکثر لوگ ایسے تھے جو پوشیدہ طریقہ سے چلے گئے جن کا نام کسی کو معلوم نہ ہوسکا اور ان کا کوئی نشان بھی موجود نہیں۔ البتہ وہ لوگ جن سے شناسائی ہے وہ ایسی شخصیتیں ہیں جن کا رسول اکرم ؐ نے تعارف کرایا ہے ورنہ ان کا نام و نشان بھی کوئی نہ جانتا ان شناسا شخصیتوں میں سے پہلے امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ہیں جو دعوت اسلام سے قبل ہی رسول اللہ ؐ کی طلب میں آگے بڑھے اور اپنے درد کا درمن کیا۔ اور ایک حضرت علی رضؓ تھے جو جوان ہونے سے پہلے ہی قبول اسلام کے لئے تیار ہوگئے۔

ایک حضرت اویس قرنی رضؓ تھے اگر ان کی تعریف سرور عالم ؐ نہ فرماتے تو اس کا نام کسی کتاب میں نہ آتا اور ان کے حالات کسی کتاب میں درج نہ ہوتے زہے نصیب بارگاہ رسالت ؐ میں آپ عزت دار تھے۔ انھوں نے دنیا میں کچھ رکھا اور نہ کچھ لے گئے۔ آزاد آئے اور مسرور گئے۔ ایک حضرت سلمان فارسی رضؓ تھے جو اعلان اسلام سے پہلے ہی طلب ہدایت کے کوشاں تھے جنھوں نے ازلی عہد کی پختگی کے لئے صداقت کو تلاش کیا۔ ان حالات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ "فائق" لوگوں کو جب علم ہوا کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کو فنا نہیں ہے تو یہ "فائق" لوگ اُس فنا کے طلبگار بن گئے جس کو فنا نہیں ہے۔ اس طرح راہ عدم میں قدم رکھا اور سرگرداں بن گئے۔ انھوں نے یاس و ناامیدی کا وہ ورق پڑھا جو پڑھنے کے لائق نہ تھا۔ اور راہ فنا میں الف کی مانند اس طرح یگانہ و یکتا ہوگئے کہ اپنا وجود و فنا کچھ نہ رہا۔ بلکہ عین فنا میں باقی رہے۔ جو کوئی فنا میں باقی رہے اسے "بقائے ابد" کہتے ہیں۔ اسی لئے فقرا کہتے ہیں ہمارے ملک درویشی کو زوال نہیں۔ کیونکہ درویشی جو امر سلبی و منفی ہے یہ کوئی ایجابی وا ثباتی صورت نہیں رکھتا۔ اثبات کی منفی ہوتی ہے لیکن نفی کی نفی جائز نہیں ہے۔ اور یہ ایک گہرا بھید ہے جو بمشکل سمجھ میں آسکتا ہے۔ اعتقاد رکھو کہ آزاد سینے اور قبروں کے بھید دراصل بھرے ہوئے خزانے تھے اور ہیں۔ اور یہ سب خزانے آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ اور جو خزانہ تباہ

ا تا ہے اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کی دولت برباد ہوجاتی ہے۔

نیز شیخ فرماتے ہیں کہ پیٹ کا بچہ یا تو پیدا ہوتا ہے یا گر جاتا ہے۔ مگر گرتا ہے تو درست قدرت
محفوظ۔ اور اگر پیدا ہوتا ہے تو دو حال سے خالی نہیں یا زندہ پیدا ہوگا یا مردہ۔ اور اگر مُردہ پیدا ہوا ہے
یا مرگ طبعی پہ پہونچ کر فوت ہوا ہے یا اس سے پہلے اگر مرگ طبعی پر پہونچکر مُردہ پیدا ہوا ہے تو وہ
ں ہوگا یا ناقص اگر ناقص طور پر مردہ پیدا ہوا ہے تو اس کا ٹھکانہ اس کی کمی ونقصان کے لحاظ
، دوزخ ہے۔ اور اگر کامل مردہ ہوا تو وہ موتِ اجتہادِ باطنی کے طور پر مردہ ہوگا یا موتِ اجتہا دِ
ہری کے طریقہ پر مردہ ہوگا۔ بصورت اوّل وہ جنت کے اعلیٰ مقامات میں جائے گا۔ اور بصورت دوم
، بلندی کے مبداء و مرکز تک کسی مقام پہ ٹھیرے بغیر پہونچ جائے گا۔ بعض محققین کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
طلب کرنا چاہیئے اور بعض محققین کا کہنا ہے اللہ کو طلب نہ کرنا چاہیئے۔ سنو! تم ان دونوں اقوال
باطل و فرسودہ نہ سمجھو بلکہ دونوں کو حق و سچا مانو۔ یہ دونوں باتیں تمہاری نظر میں تم کو ایک دوسرے
، مخالف وضد دکھائی نہ دینا چاہیئے۔ البتہ یہ دونوں اس وقت باہم مخالف ہو سکتے ہیں۔ جبکہ ایک ہی
نہ میں ان کا ایک ہی سبب ہو۔ "اللہ کو طلب کرنا چاہیئے" کا مطلب یہ ہوا کہ اگر طلب نہ کرو گے تو
ں کا معطل ہونا لازم آتا ہے۔ اور "طلب نہ کرنا چاہیئے" کا مطلب یہ ہوا کہ اگر طلب کرو گے تو اس سے
شبیہ" لازم آتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ذات یکتا ان دونوں معانی وصفات سے منزہ پاک اور برتر ہے۔
ب کرنے کا کام یہ ہے کہ تشبیہ اور تشبیہ دینے والوں کی طرح طلب نہ کرو نیز تعطل اور معطل رکھنے
، صفت کے ساتھ ترک طلب نہ چھوڑو یعنی اللہ کی طلب اور ترک طلب سے دست برداری نہ کرو۔ اللہ
عالیٰ کسی خاص سمت میں نہیں ہے کہ اس کی طرف حرکت کرو۔ وہ کسی خاص مقام میں بھی نہیں ہے کہ
س مقام کو جاکر پکڑ لو۔ وہ آنے والا بھی نہیں ہے کہ دعا اور گریہ وزاری کے ذریعہ اسے اپنے پاس
الو۔ وہ دُور بھی نہیں ہے کہ اس کے قریب پہونچنے کی کوشش کرو۔ وہ کھویا ہوا بھی نہیں ہے کہ اس کی
لاش کرو وہ کوئی زمانہ نہیں ہے کہ اس زمانہ کے منتظر رہو۔ وہ کسی مکاں میں نہیں ہے کہ اس مکاں کے
بکر لگاؤ۔ یہ تمام صورتیں نفی طلب کی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ اس کے ثبوت
کا ایک طریقہ یہ ہے کہ تم خود اپنی اور اپنے اوصاف کی نفی کرو۔ بشریت کے تمام اوصاف کو ترک
رتے ہوئے ملکوتیت کی صفات سے کنارہ کشی کر کے تمام اشیاء سے علیحدہ و بیگانہ ہوجاؤ۔ تاکہ
اللہ تعالیٰ جس طرح لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اللہ کی مانند کوئی شئے نہیں ہے) ہے اسی طرح تمہاری طلب بھی
بے مثال و بے نظیر بن جائے۔ یہ صورت "اثبات طلب" کی ہے۔ جس کا جی چاہے کر دیکھے۔ لیکن جو

نہ اپنا عکس دیکھنے کے لئے آئینہ صاف نہ کرے تو اس کی طلب کی تکمیل محال و ناممکن ہو گی اسی طرح
وئی طلب حق میں اپنے دل کے چہرہ کو اوصاف بشریت سے صاف نہ کرے وہ ایک امر محال و
ممکن کی تلاش کرتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے لوح سینہ کو پاک و صاف نہ کر کے یہ کہے کہ وہ راہ وصال
کا گامزن ہے تو درحقیقت وہ بیہودہ بکواس کرتا ہے۔ طلب کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق تعالیٰ کا
بات کرکے اس کا ثبوت بہم پہنچاؤ بلکہ طلب کے معنی یہ ہیں کہ خود کو محو و فنا کر دو۔ طلب اسے
ہیں کہتے کہ اس کے لئے دوڑتے جاؤ بلکہ طلب یہ ہے کہ اپنے وجود سے ہاتھ دھولو۔ طلب
نہیں کہ اسے ڈھونڈ نکالو بلکہ طلب یہ ہے کہ "انا" "خود" اور "میں" چھوڑ دو الغرض تم اپنا آئینہ صاف
رو اور جب تمہارا آئینہ صاف ہو جائے گا تو اس میں لازمی طور سے "وجود" کا عکس پڑے گا۔

رباعی

رہرو باید کہ در رہ راست رود   وانگہ دراں راہ چو زہ راست بود
کج رو کہ بگویمت ہمیں راست بشنو   کج آں باشد کہ بر پئے خواست رود

(طلب گار کو سیدھی راہ چلنا چاہیئے۔ اور اس راہ میں غلیل کے چلہ کی طرح سیدھا رہے کج
رو اپنے راستے کو ٹھیک بنا ہے اچھی طرح سن لو کج رو وہ ہے جو اپنی خواہشوں پر چلتا ہے۔)

شیخ صوفی نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے اول یہ کہ درجات راہ سلوک میں پہلا درجہ علم ہے۔
علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل درست نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ درجات طریقت
میں عمل ضروری ہے کیونکہ عمل کے بغیر نیت کا وجود بیکار ہے۔ تیسرے یہ کہ مراتب درگاہ میں نیت
مقدم ہے۔ نیت صحیح و درست ہونا چاہیے کیونکہ صحیح نیت کے بغیر صحیح عمل کے بجائے باطل عمل ہی وجود
میں آتا ہے۔ چوتھے یہ کہ مرتبہ صداقت حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ صداقت کے بغیر عشق حاصل نہیں
ہوتا۔ پانچویں مرتبہ عشق ہے جس کا حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ ٹھیک طرح توجہ ہو سکے۔
چھٹے مرتبہ توجہ ہے جس کا حصول اس لئے ضروری ہے کہ بغیر توجہ کے راہ سلوک نہیں ملتی۔ ساتویں
مرتبہ سلوک ہے جس کا حاصل کرنا اس لئے ضروری ہے کہ سلوک کے بغیر در حضوری بار گاہ کھلتا
نہیں۔ آٹھویں مرتبہ حضوری ہے جو اس لئے ضروری ہے تاکہ روئے مقصود حاصل ہو جائے۔ مرتبہ
سلوک کی ابتدائی منزل یہ ہے کہ دو عالم سے اپنے مقصود کو متعلق نہ کرو کیونکہ کل شیئٍ ھالکٌ
(پروردگار کے سوا ہر چیز ہلاک ہو جائے گی) اور ذکر الٰہی کو اپنا ورد بنالو۔

رباعی

کارے است ورائے علم رو آنرا باش — دربند گہر مباش روکاں ملا باش
دل ہست مقام گاہ بگذار و بیا — جاں منزل آخرست رو جاں را باش

(علم سے بالاتر ایک کام ہے اس میں مشغول ہو جاؤ۔ موتیوں کی لڑی میں نہ رہو بلکہ موتیوں کی کان میں چلے جاؤ۔ دل کو مقام و مستقر بنا کر آمد و رفت کرتے رہو اور منزل آخرت کو پہچان کر اسکی فکر کرو۔)
تمہارے لئے ایک راستہ مقرر کر دیا گیا ہے جو بہت ہی باریک اور بڑا ہی طویل ہے اور تم کو جو عمر دی گئی ہے وہ بہت ہی تھوڑی اور باریک ہے۔ نیز تم کو اس تھوڑی سی عمر میں اس طویل راستہ پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے۔ شب دنیا اگرچہ تاریک ہے جس کی بابت کہا گیا ہے کہ دنیا تاریکیوں سے بھری ہوئی ہے لیکن اس تاریکی میں تمہارے لئے عنایت الٰہی سے ایک ماہتاب طلوع کر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے ابتداءً مخلوقات کو تاریکی میں پیدا کیا لیکن پھر اپنے نور کا ان پر چھڑکاؤ کیا۔ اللّٰہُ نُورُ السمٰوٰتِ والارض واَشرقتِ الارضُ بِنُورِ رَبِّھا۔ (زمینوں اور آسمانوں میں اللہ ہی کا نور جلوہ گری کر رہا ہے اور تمام زمینیں اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہیں) اٹھو۔ دوڑو اور اس ماہتاب کو حرز جان و غنیمت سمجھ لو اپنی اس تھوڑی سی عمر میں خود کو گذشتہ جاں کر مردہ یقین کر لو۔ اور اگر مردہ یقین کرنے کی سکت نہ ہو تو مرنے والا لازماً یقین کر لو اور ہمیشہ یہ شعر دل سے پڑھتے رہو۔

بیت

جانی است ہر آئینہ بخواہد رفتن — اندر غم عشق تو رود اولےٰ تر

(جان ایک دن لازماً چلی جائے گی۔ دریں صورت تم غم عشق میں گامزنی کرو تو زیادہ بہتر ہے)
لیکن بے فکرا اپنے بستر غفلت پر بڑا خوش آیند خواب میں مسرور ہے اور یہ نہیں جانتا کہ محبت کا دعویٰ کس نے کیا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ مدعی محبت رات کو محبوب کے پاس سوتا نہیں اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں اس کو جھوٹوں کے دفتر میں نہ لکھ لیا جائے۔ اور حکم بھی یہی ہے کہ جو کوئی ہماری محبت کا مدعی ہو اور پھر رات کے وقت وہ ہم سے غافل ہو کر سو رہے تو وہ پکا جھوٹا ہے۔

کسی نے شیخ موصوف سے دریافت کیا جب کوئی مر جائے اور اس کی جان اس کے جسم سے نکل جائے تو وہ پھر اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے یا نہیں؟ شیخ نے جواب دیا اُس وقت اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے جبکہ اس کا نام زندگی میں حیات طبعی ہو۔ یہ حیات طبعی اپنے مرجع کو پہچانتی اس کے عجائبات کو جانتی اور اپنے خلائق سے واقف رہتی ہے۔ پھر اُس دنیا کا عشق اس میں ظاہر ہو کر اس کے شوق

کو مہمیز لگانا اور مدد کرتا ہے جس کے باعث حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔ یہ تمام واقعات سے گزرتی ہوئی تمام موجودات سے بلند ہو کر اپنے موجد کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتی ہے جہاں پروردگار اس کو اس کے مقام پر جیسے کہ اس نے عمل کئے تھے بھیجے دیتا ہے۔ اور مرگ طبعی سے پہلے ہی مرگ حقیقی کو موت آجاتی ہے لیکن جب کوئی مندرجہ بالا عمل کی طرح زندہ رہے اور اسی طرح وفات پائے تو وہ اپنی اصل کی طرف لوٹتا ہے جہاں وصل کی لذتوں سے سرشار رہتا ہے۔

کسی نے پوچھا دُنیا کیا ہے؟ شیخ نے جواب دیا۔ اللہ کے سوائے جو کچھ ہے وہ دُنیا ہے حق کے علاوہ جو کچھ ہے وہ دُنیا ہے۔ تمہارا نفس تم سے قریب ہے اور جو کچھ تمہارے نفس سے قریب ہے وہ دنیا ہے۔ آج کی دنیا تمہارے نفس سے نزدیک ہے اور کل کے دن آخرت کی دُنیا کل ہوگی۔ جیسے اس شعر میں بیان کیا گیا ہے

بیت

امروز۔ پری و دے و فردا   ہر چہار یکے بود تو فرد آ

(آج کل پرسوں اور گزشتہ کل یہ سب دن ایک ہو جائیں گے۔ اور تو تنہا ہوگا)

تنہا رہ جانے کی بابت اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ لَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (ہم تم کو ایک ایک کر کے تنہا اسی طرح بلائیں گے جس طرح تم کو پہلے مرتبہ ایک ایک کر کے پیدا کیا ہے) اور جب نتیجہ ظاہر ہے کہ وہاں بے یار و مددگار تنہا ہوں گے تو یہاں پہلے ہی سے تنہا کیوں نہیں ہو جاتے تا کہ خوش نصیبی حاصل کر سکو۔ جس کی صورت یہ ہے کہ دنیا جو نفس کا گھر ہے جس میں آلاتِ جنگ کھلے اور اسباب جنگ تیار رکھے ہیں۔ اور اپنے اس گھر میں خود کو قوت کے ساز و سامان سے لیس اور اپنے دوستوں کی مدد سے تیار ہے۔ اب رہی تمہاری روح جو اس دنیا میں اپنے دوستوں سے خود کو علیحدہ کئے ہوئے اپنے مرکز سے دُور ہے۔ کیسے کچھ کر سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جب تک اللہ کی مدد ساتھ نہیں ہوتی اس وقت تک کوئی کام تکمیل تک نہیں پہونچ سکتا۔

کسی نے پوچھا اللہ کی مدد کب اور کسے ملتی ہے؟ ارشاد ہوا جس کے لئے مقرر کر دی گئی ہے اور جو مدد کے خواہاں ہوتے ہیں ان کی اسی وقت مدد کی جاتی ہے۔ کسی نے پوچھا اللہ تعالیٰ جس کی صفت جواد مطلق ہے کیا اس کا فیض دائم الوجود اور ہمیشہ ہے؟

شیخ نے جواب دیا۔ فیض اور فیض دینے والے میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ فیض قبول کرنے والے اور اس کے قبول کرنے میں تفاوت و فرق ہے یعنی جس میں جتنی قوت ہوتی ہے وہ اتنا ہی فیض قبول

کر دیتا ہے۔ اس پر پوچھنے والے نے پھر کہا آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فیضان بخشش میں کوئی فرق نہیں بلکہ جو کچھ فرق ہے وہ قابل اور قبول کرلے والے میں ہے۔ یہ فرق ہم کس طرح جان سکتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا اسی طرح جس طرح پتھروں میں فرق ہے۔ حقیقت یہ ہے ایک میں مادہ صاف ہوتا ہے اور دوسرے میں مکدر۔ اور جس میں مادہ صاف ہوتا ہے وہ بغیر کسی واسطہ کے قبولیت کی قوت رکھتا ہے جیسے ارواح انبیا۔ مگر دوسرا قبولیت کے لئے ایک واسطہ چاہتا ہے جو انبیاء اولیاء حکماءٔ و علمائے کامل کا ہو یا مجاہدہ و ریاضت کا۔ اور جس میں مادہ مکدر ہوتا ہے وہ کسی طرح سے بھی قبولیت کی قوت نہیں رکھتا۔ بعض لوگ اگرچہ تقلیداً قبول کر لیتے ہیں لیکن حقیقت تک نہیں پہونچتے۔

کسی نے پوچھا۔ جن میں مادہ مکدر ہوتا ہے وہ اپنے اختیار و ارادہ قلبی سے کام کرتے ہیں یا نہیں؟ شیخ نے جواب دیا بے اختیار و بے ارادہ درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا اور زمین سے گھانس تک نہیں نکلتی۔ پھر سائل نے پوچھا۔ آفرینش و ازل میں کیا حکمت تھی کہ بعض کو مادۂ صاف و صرف اور بعض کو مادۂ مکدر و ممزوج عنایت کیا گیا؟ شیخ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خارج نہیں نیز کسی مخلوق کو "کیوں اور کیسے" کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ اس نے خود ہی فرما دیا ہے۔ لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ (اللہ پوچھ گچھ سے بلند ہے البتہ بندے ہی مسئول ہیں) اس لے ازل میں جس کو شایان قرب و کرامت دیکھا ویسا ہی وجود میں آیا۔ اس میں کسی قسم کا کوئی ظلم و جور نہیں ہے۔ اس معاملہ سے ہاتھ اٹھاؤ اور پائے ہمت فلک پہ لے جاؤ۔

رباعی

دنیا نہ خوش است رو بہ عقبی خوش باش　　آخر کہ ترا گفت بہ دنیا خوش باش

در ہمت عالیت برآید روزے　　بگذر تو ہر دو را بمولی خوش باش

(اگر دنیا نہیں بھاتی تو عقبی کے کام کرکے ہی خوش رہو۔ تم سے کہا کس نے کہ دنیا میں خوش رہو۔ اگر تم میں ہمت عالی ہے تو دو عالم سے وورہ کر اللہ کو خوش کرو)

ایک ظالم دنیاوی مرادیں حاصل کرکے خوش ہوتا ہے۔ ایک مقتصد اور درمیانی راہ چلنے والا مراد عقبی کے حصول سے مسرت حاصل کرتا ہے۔ اور مشتاق رضا کی حالت یہ ہے کہ اللہ کے وصول سے مسرور و شادان ہوتا ہے۔

سوال۔ دو چیزیں ہیں دین اور دنیا۔ دنیا کی بابت تو آپ نے بیان کر دیا یہ فرمائیے کہ دین کیا چیز ہے؟ جواب شیخ۔ ظالموں کے لئے دین یہ ہے کہ گناہوں سے بھاگیں اور اطاعت میں مشغول

ہوجائیں۔ اوسط درجہ کے لوگوں کا دین یہ ہے کہ امور دنیاوی سے علیحدہ رہنا اور عقبیٰ میں آرام کرنا۔ اور سبقت لے جانے والوں کا دین یہ ہے کہ غیراللہ سے کٹ کر اللہ کو دوست بنا لینا۔ جیسا کہ اللہ نے خود فرمایا ہے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ۔ (تم اللہ اللہ کہتے رہو اور ناکارہ لوگوں کو ان کے غور و خوض کے میدان میں ٹانگ ٹوئیاں لگانے دو)

سوال۔ اس بیان سے تو دین کئی قسم کا ہوگیا۔

جواب شیخؒ۔ دین ایک ہی ہے جس میں کوئی قسم و فرق نہیں ہے۔ اور جو فرق تمہیں نظر آرہا ہے وہ دین کا فرق نہیں بلکہ لوگوں کا فرق ہے۔ بہرحال دین ایک ہی ہے اور بظاہر ان تینوں رخوں کا سبب سمت ظاہر کرنا ہے لیکن باطن کے جاننے والے جانتے ہیں۔ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (تم جدھر منہ کروگے اُدھر اللہ تعالیٰ موجود ہے)

سوال۔ شریعت و طریقت کو ہم ایک کس طرح سمجھیں ؟

جواب شیخؒ۔ جس طرح تم اپنی جان و تن کو ایک سمجھتے ہو اسی طرح یقین کرلو کہ طریقت دراصل شریعت کی جان ہے۔

سوال۔ جب اللہ ہی اللہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں تو امر و نہی کس کے لئے ہے ؟

جواب شیخؒ۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ (سنو تخلیق و امر صرف اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے) اپنے احکام کی تعمیل کے لئے اُس نے اَمر حکم دیا ہے اور مخلوق کو منہیات و بُرے کام کرنے سے روکا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ برائیاں موجود نہیں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اچھے اور بُرے دونوں موجود ہیں۔ اور سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی لئے سب کچھ اُسی کا ہے علاوہ وہ ہر جگہ ہر وقت موجود ہے۔

سوال۔ دین و دنیا دونوں کی تعریف آپ نے بیان کردی اب دوزخ و جنت کی تعریف فرمائیے۔

جواب شیخؒ۔ جنت دوزخ تمہارے اعمال ہیں۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (جو کوئی ذرہ برابر بھلائی کرے گا اس کو دیکھے گا اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا اس کو دیکھے گا) تمہارے دنیاوی اعمال قیامت میں صورت بن کر تمہیں دکھائے جائیں گے۔ اگر تم نے اچھے کام کئے ہیں تو وہ کل قیامت میں عمدہ و ملائم کرداری صورتوں میں تمہارے سامنے لائے جائیں گے۔

سوال۔ راہ کسے کہتے ہیں اور منزل کیا چیز ہے ؟

جواب شیخؒ۔ تم نے بہت پُر اسرار سوال کیا ہے اور یہ راز جملہ طالبان راہ کو درکار ہے۔ اس کا

جواب۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وہ موتی ہے جسے پرونے سے دنیا کے تمام عقلمند عاجز رہے۔ اسے گفتگو کے ذریعہ بیندھا نہیں جا سکتا۔ اس کے بیان کے لئے حال کی زبان درکار ہے جس کے بیان کو حال کے کان سن سکتے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو کم از کم کہنے والا دل اور سننے والا دل ہونا چاہیے۔ اور ہم تم ایسے نہیں ہیں۔ اور یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ ہم کہنے سننے سے انکار کردیں۔

سوال۔ اگر پورا کہنے میں وقت ہے تو کم از کم اس میں سے تھوڑا ہی سا فرما دیجئے تاکہ اسے سن کر دل کا اضطراب جاتا رہے اور جان مایوسی کی سختی نہ بڑھے۔

جواب۔ اللہ کی مدد و اجازت سے ہم بیان کریں گے لیکن تم کون سی راہ و منزل دریافت کرتے ہو آیا منزل اہل شریعت یا منزل وراہ اہل طریقت؟

سوال۔ دونوں کو۔

جواب۔ اہل شریعت کی منزل وراہ یہ ہے کہ جان و مال کو خرچ کر کے جنت میں داخل ہو جانا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے) اور اہل طریقت کی منزل وراہ یہ ہے کہ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا (اس کی جناب میں ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا) یعنی دل و جان حوالہ کر دینا اور إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهَىٰ (منتہا و مرکز پروردگار ہی ہے) کے پیش نظر اعلائے وحدت کی چوٹی تک جا پہونچنا۔ اور میں درویش تجھ سے اس لئے کہہ رہا ہوں کہ تو مسافر ہے اور دوسرے مقیم ہیں۔ مسافر شریعت کو نیت اقامت جائز نہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنے مال و ملکیت سے روکشی نہیں کر سکتا اور مسافر طریقت کا منہ مالک الملک کی طرف لگا رہتا ہے۔

سوال۔ مالک الملک کہاں ہے تاکہ اس کی طرف دل کا رخ کیا جائے۔

جواب۔ وہ کون سا مقام ہے جہاں وہ نہیں ہے۔ تم جدھر رخ کرو گے وہاں وہ موجود ہے۔ جوانمرد وہ ہے جو دنیا و آخرت کے مقررہ حصہ سے دست برداری کر کے نفسانی خوشیوں سے بھی آگے بڑھ جائے جہاں رہے اللہ کے ساتھ رہے۔ جہاں جائے اللہ کے جانب رخ کئے رہے۔ جو کچھ کہے اس سے کہے، جو کچھ چاہے اس سے چاہے بلکہ خود اس کو ہی چاہے۔ ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ تم سے دور ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تم اس سے دور ہو گئے ہو۔ اور جب تم اپنے وجود کے بغیر اپنے میں محو ہو جاؤ گے تو دروازہ کھل جائے گا اور یہ وہ دروازہ ہے جسے کسی نے کھولا نہیں ہے تم پر کھولا جائے گا اور تم کو تمہارا مقصود دکھایا جائے گا۔

سوال۔ جس نے دیکھا ہوا سے مجھے دکھادو۔

جواب۔ اُس نے دیکھا ہے جو آنکھ والا ہے۔ نہیں نہیں اس نے دیکھا ہے جو بے دیدا ہے۔

رباعی

تادیدہ نرود دیدہ کجا آید دوست — خواہی کہ شود بروں آئی ز پوست

آن دیدہ دیدنی ہم زنو بگذ شتی — دانی کہ کسے نیست بہ بینی ہمہ اوست

(تادیدہ دیدہ ہوجائے اے دوست یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اور اگر تم دیدہ ور بننا چاہتے ہو تو اپنی کھال نکال کر الگ آجاؤ۔ پھر جب اس دیکھنے والی مادی آنکھ سے دور ہوجاؤ گے۔ اس وقت تم کو معلوم ہوگا کہ کوئی دیکھنے والا ایسا نہیں جس نے دیکھا ہو یا جس میں دیکھنے کی سکت بھی ہو۔ ہرطرف اللہ ہی اللہ ہے)

سوال۔ یہ معنی سخت مشکل ہیں سمجھ میں نہیں آتے۔

جواب۔ معانی جزئیہ محسوسہ کے ادراک کی قوت (وہم) کے ختم ہوئے بغیر یہ معنی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ وحدت الٰہی مطلق ہے اور وحدت نقش و صورت سے مقدس و منزہ ہے۔ اور معانی جزئیہ محسوسہ کے ادراک کی قوت جسے ہم کہتے ہیں یہ نقش پذیر و صورت انگیز ہے۔ اور وحدت و کثرت دونوں باہم ضد ہیں۔ اور دو مخالف و متضاد چیزیں کبھی باہم یک جا جمع نہیں ہوتیں۔ اسی مطلب کو امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رح نے یوں فرمایا ہے۔ جس نے قوت وہم میں داخل ہونے والی چیز کی عبادت کی وہ کافر ہے۔ تا آنکہ اس کی عبادت کی جائے جہاں قوتِ وہم داخل نہیں ہوسکتی۔ یہ مقام ہے جسے واضح طور پر بیان کرنے کی کسی میں سکت نہیں بجز اس کے جسے اللہ چاہے۔ راہ اتنی پتلی، رات اتنی اندھیری اور تم سور ہے ہو۔ اب کہو میں حضرت ابوحنیفہ رح کے مذہب پر ہوں۔ افعال و کردار کو کام میں لاؤ۔ آگے نہ بڑھو۔ اقبال مندی کو سامنے رکھو تاکہ کل قیامت میں تمہارے کا مل کا اچھا بدلہ مل سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب والا کا کیا مذہب ہے یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ فَمَالَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ (روز محشر تمام راز افشا ہوں گے اس وقت کوئی قوت اور مددگار کام نہ آئیگا

سوال۔ اللہ تعالیٰ پردہ پوش ہے۔ کل قیامت کے دن کیا وہ انسان کی پردہ دری کرے گا؟

جواب۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے مَنْ اَلْقٰی جِلْبَابَ الْحَيَاءِ فَلَا غِيْبَةَ لَهٗ (جس نے لباس حیا پہن لیا اس کی غیبت نہ کرو) اس حدیث میں تمہارے سوال کا پورا پورا جواب موجود ہے۔ اگر سمجھ گئے فبہا۔ وگرنہ یقین کرلو کہ کل روز قیامت اس دنیا کے مخالف کارروائی ہوگی ظاہر

نا بن جائے گا اور باطن ظاہر کی صورت میں ہویدا ہوگا۔ اوپری چیز نیچے کے بدلہ ہوگی اور نیچے کی
بصورت بلند و بالا پیش ہوگی۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے روز محشر ظالموں کا حشر چونٹیوں کی
ورت میں ہوگا۔ اس لئے اپنے باطن کو توبۃ نصوح کے ذریعہ آراستہ کرو تاکہ میدان قیامت
، شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ کیونکہ دنیا کی رسوائی سے آخرت کی رسوائی زیادہ سخت اور بُری ہے۔

سوال۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے موت کفارہ ہے۔ جب موت کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہوجاتا
ے تو آخرت کی رسوائی کے کیا معنی؟

جواب۔ ایک گناہ وہ ہے کہ موت سے اس کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ ایک گناہ وہ ہے کہ قبر میں
ویل عرصہ تک رہنے کے بعد اس کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ ایک گناہ وہ ہے کہ عذاب قبر کے ذریعہ
س کا کفارہ ہوجاتا ہے۔ ایک گناہ وہ ہے کہ جب تک دوزخ میں نہ جائے اور آتش دوزخ
س کو سوختہ نہ کرے اس کا کفارہ نہیں ہوتا۔ اس آخری کفارہ سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہر جوانمرد کو
ا ہیئے کہ اس دنیا سے وہ نور اپنے ساتھ لے جائے جو آتش دوزخ کو بالکل ٹھنڈا کردے۔ اس لئے
ے مسلمان! اس دنیا میں اچھے کام کرو تاکہ اچھے کاموں کے نور کے ذریعہ تم دوزخ کی بھڑکتی
ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرسکو۔

سوال۔ دنیا کی بھوک اور افلاس کی آگ میں پھنس کر دوزخ ہمارے مقدر میں ہوگئی ہے
اس کا علاج کیا ہے؟

من سوختہ ام بآتش بریانی ــــ ہر سوختہ را دوبارہ بریاں نہ کنند

(میں آتش بریانی میں جل گیا ہوں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جلے ہوئے کو دوبارہ نہیں بھونتے)

جواب۔ آتش بریانی پلاؤ زردہ اور عمدہ غذا کی طلب میں جینا کوئی قیمت نہیں رکھتا بلکہ آتش
جانی میں سوختہ ہونا اور جل جانا چاہیئے۔ یاد رکھو آگ کے جلے ہوئے کو اور آگ جلدی سے پکڑ
لیتی ہے۔ اور سوختۂ آتش عشق وہ لوگ ہیں جن کے دیدار ہی سے آتش دوزخ خود ٹھنڈی
پڑجاتی ہے۔

سوال۔ آتش دوزخ کو درویشوں سے کیا سروکار؟ دوزخ تو مغرور اور فرعون صفت لوگوں
کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ کیونکہ حکم ہے۔ اَلنَّارُ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ (مغرور لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے)

جواب۔ درویشوں سے آتش دوزخ کو کوئی دوستی اور دشمنی نہیں۔ آگ کی کیا طاقت ہے
کہ ان کو کسی قسم کی کوئی تکلیف پہونچائے۔ درویش جب جنت و دنیا دی ہی نہیں رکھتا تو آتش دوزخ

ں کے پاس کہاں سے آئے گی۔ فقر کس کے پاس ہے اور فقیری کہاں ہے ۔ فقر جیہو کی سیاہی ہے۔ فقیر
دو نیا کی سیاہ روئی سے علیحدہ رہنا چاہیے تاکہ اس کے سرائے سینہ میں فقر کی جلوہ گری ہو جائے۔
یزا سے پوشیدہ صفات کا حامل ہونا چاہیے تاکہ فقر کا جمال اس کی رونمائی کرے اور افلاس و
ناجی کے بابت تو صاف حکم ہے کہ افلاس کے ڈانڈے کفر سے ملتے ہیں۔

سوال۔ درویش کس طرح کا کسی صفت میں ہو کیا وہ درویش ہے ؟

جواب۔ ہرگز نہیں۔ ہر فقیر کو درویش نہ کہو۔ اور ہر کمتر کو حقیر نہ سمجھو کیونکہ بُری صفات دراصل عدم امکان میں پوشیدہ ہیں۔ جیسا کہ مولانا نصیرالدین نے عدم قوی و قوت کا شکر مولانا شمس الدین یحیٰی سے اس طرح بیان کیا۔ الحمد للّٰہ علی عدم الامکان (تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں اس کے عدم امکان پر) اور فارسی زبان میں کہا (جس کا ترجمہ یہ ہے) کوئی آدمی اپنے ناخن بڑے بڑے نہ رکھے اگر وہ اپنے ناخون بڑے بڑے دیکھے گا تو ان سے اپنے مسلمان بھائی کا پیٹ پھاڑ ڈالے گا اس حالت میں بتاؤ کہ فقر کی کس میں قوت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ برسوں تک کسی چیز پر صبر کر لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ فقر کے ساتھ صبر کیا جائے۔ باوجود امکان فقر کرنے یا فقر کے اظہار کے لیے بڑی قوت و طاقت درکار ہے اور احتیاج و افلاس و فقر کے عیوب سے فخر پیدا ہوتا ہے

سوال۔ فخر و غرور کیا ہر حالت میں بُرا ہے۔

جواب۔ فقر ایک معدوم چیز ہے وجود پر فخر و غرور کرنا مذموم و بُرا ہے۔ اور عدم پر فخر و غرور کرنا قابل ستائش و عمدہ ہے۔ اسی لیے رسول اکرمؐ نے دنیا و آخرت کے مالک ہونے کے باوجود ان کے وجود پر فخر نہیں کیا۔ اور جب فقر کا معاملہ درپیش ہوا تو ارشاد فرمایا الفقر فخری (مجھے اپنے فقر پر فخر ہے)

قاضی حمید الدین ناگوریؒ

۵۱۵ ـــــ ۶۲۵ھ

آپ کا نام محمد بن عطا ہے۔ ہندوستان کے قدیم مشائخین میں سے علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے اگرچہ خواجہ قطب الدین کے مصاحب تھے لیکن سلسلۂ سہروردیہ سے آپ کو نسبت تھی اور شیخ

شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اپنے خطوط میں خود لکھا ہے۔ ہندوستان میں میرے اکثر خلفاء میں سے قاضی حمید الدین ناگوری بھی میرے ایک خلیفہ ہیں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ آپ کے مسلک میں وجد و سماع کو غلبہ تھا سماع کے آپ بہت شوقین تھے۔ آپ کے زمانہ میں آپ کی طرح کسی اور کو سماع کا اتنا ذوق وشوق نہ تھا۔ علمائے وقت نے آپ کے خلاف ایک محضر تیار کر کے بادشاہ کو دیا آپ کے بعد شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی سماع میں ذوق وشوق ظاہر کیا تو علمائے وقت نے آپ کے خلاف بھی تغلق شاہ بادشاہ وقت کے حضور میں محضر پیش کرتے ہوئے وہ محضر بھی پیش کئے جو قاضی حمید الدین کے خلاف لوگوں نے پیش کئے تھے[۱]

قاضی حمید الدین کی تصانیف بہت زیادہ ہیں۔ عشق و مستی کی زبان میں گفتگو کرتے تھے "طوالع شموس" آپ کی مشہور تصنیف ہے جس میں اسمائے الٰہی کی تشریح کی ہے۔ اور بہت اونچی باتیں بیان کی ہیں جو دل سے زیادہ نزدیک ہیں۔ علوم شریعت و طریقت و حقیقت میں کامل تھے۔ ظرافت طبعی کی وجہ کبھی کبھی اپنے دوستوں سے خوش طبعی کیا کرتے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ایک دن قاضی حمید الدین، شیخ برہان الدین مشہور زمانہ قاضی کبیر اور دوسرے دوست گھوڑوں پر سوار جا رہے تھے قاضی صاحب جس گھوڑے پر سوار تھے وہ بہت ہی چھوٹا تھا۔ دوسرے گھوڑوں کی برابری نہیں کرسکتا تھا قاضی کبیر نے قاضی حمید الدین ناگوریؒ سے کہا آپ کا گھوڑا بہت ہی چھوٹا ہے جس کے جواب میں قاضی صاحب نے کہا لیکن کبیر (بڑے) سے بہتر ہے۔ (کبیر کے معنی بڑا) قاضی صاحب کو شیخ فرید الدین گنج شکر سے بڑی محبت تھی۔

فوائد الفوائد (مصنفہ میر حسن دہلوی) میں شیخ فرید الدین کے ذوق کی ایک چھوٹی سی حکایت لکھی ہے کہ آپ نے سماع کی خواہش کی تاکہ قوال سنیں لیکن اتفاق سے اس وقت قوال موجود نہ تھے۔ تو آپ نے بدر الدین اسحٰقؒ سے کہا قاضی حمید الدین ناگوری نے جو خط بھیجا ہے وہ لے آؤ۔ بدر الدین گئے اور وہ بیگ (تھیلی) جس میں بہت سے خطوط تھے اٹھا لائے اور شیخ کے سامنے رکھ کر اس میں ہاتھ

---

[۱] تاریخ اسلام مرتبہ اعلحضرت حکیم سیع الدین احمد خاں میں ہے کہ تغلق بادشاہ نے محبوب الٰہی کو اجازت سماع دے دی تھی کیونکہ لیٹرا تعا مقررہ آپ محفل سماع مقرر کرتے جس میں خصوصی حضرات شامل ہوتے تھے۔

ڈالا۔ سب سے پہلے اُن کے ہاتھ میں قاضی صاحب کا خط پڑا۔ انھوں نے شیخ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ جس پر شیخ فریدالدین ؒ نے حکم دیا اسے کھڑے ہو کر پڑھو چنانچہ بدرالدین نے وہ خط پڑھنا شروع کیا جس میں لکھا تھا فقیر، حقیر، کمزور و ناتوان محمد عطا جو درویشوں کا غلام ہے اور ان کی خاک قدم کو اپنے سر و آنکھوں سے ملتا ہے بدرالدین نے ابھی اتنا ہی مضمون خط پڑھا تھا کہ شیخ گنج شکر پر ذوق و وجدان کی حالت طاری ہو گئی۔ پھر خط کی یہ رباعی بار بار پڑھی۔

رباعی

آن عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد   آن روح کجا کہ در جلالِ تو رسد
گیرم کہ تو پردہ برگرفتی ز جمال   آن دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

(ترجمہ۔ وہ عقل کہاں سے لاؤں جو تیرے کمال تک پہونچ سکے۔ وہ روح کہاں سے لاؤں جو تیرے جلال تک رسائی کر سکے۔ میں مانتا ہوں کہ تو نے اپنے جمال پر سے پردہ اٹھا لیا ہے۔ لیکن وہ قوتِ دید کہاں سے لاؤں جو حقیقت جمال تک رسائی کر سکے)

قاضی صاحب کا مزار خواجہ قطب الدین کی پائین میں ایک اونچے چبوترہ پر ہے لوگوں کا بیان ہے کہ آپ نے خواجہ قطب الدین کے پائیں میں ان کی عظمت کے مدنظر اُن کے مزار سے اپنا مزار نیچا رکھنا چاہا لیکن آپ کی اولاد کو یہ بات پسند نہ آئی اور انھوں نے آپ کے مزار کا چبوترہ خواجہ قطب الدین کے مزار سے اُونچا تعمیر کر دیا۔ آپ کی وفات ۶۲۵ھ کو ہوئی۔

حکایت ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا اس شہر میں حمیدالدین ناگوری ؒ نے سماع کا سکہ بٹھایا۔ اور جب قاضی منہاج الدین جوزجانی شہر کے قاضی مقرر ہوئے تو چونکہ وہ خود قوالیاں سنتے تھے اس لئے کار سماع کو بہت زیادہ تقویت پہونچی۔ حمیدالدین ناگوری ؒ سے ان کا مخالف گروہ سخت برہم اور عداوت رکھتا تھا اور ناگوریؒ اپنے مسلک سماع پر ثابت قدم و مُصر تھے جس پر قاضی شہر نے فیصلہ دیا کہ بحیریوں نے قاضی حمیدالدین ناگوری سے تنازعہ کیا ہے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا اشرف الدین بحیری شیخ ناگوری سے مغموم و رنجیدہ ہو گئے۔ مولانا اشرف الدین بُحیری کی علالت کے زمانہ میں قاضی حمید الدین ناگوری درویشوں کی صفائی قلب کے پیش نظر اُن کی عیادت کو گئے مولانا بحیری کو اندر اطلاع دی گئی کہ قاضی حمیدالدین ناگوریؒ آئے بیٹھے ہیں جس پر مولانا بحیری نے کہا اچھا وہ آئے ہیں جو اللہ کو معشوق کہتے ہیں۔ میں اُن سے ملنا نہیں چاہتا۔ اس وقت مولانا بحیری کے پاس مشہور شاعر امیر حسن بیٹھے تھے انھوں نے کہا معشوق سے مُرادِ محبوب ہے۔ غرضکہ سلطان المشائخ کہتے ہیں یہ قصہ

بڑا طویل ہے۔ نیز حکایت ہے شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا قاضی حمید الدین ناگوری ایک مرتبہ ہماری مجلس قوالی میں آئے۔ باوجودیکہ قوال باکمال تھے لیکن کسی کو وجد وحال نہ آیا تو صاحب سماع نے کہا اگر آپ میں سے کسی کو باہمی آویزش ہو تو وہ اٹھ کر باہم صلح صفائی کرلیں۔ یہ بھی ہوا لیکن پھر بھی قوالی میں کسی کو وجد نہ آیا۔ تو صاحب سماع نے پھر کہا اگر کوئی بیگانہ آگیا ہے تو وہ باہر چلا جائے۔ یہ بھی کیا گیا لیکن پھر بھی سماع میں لطف نہ آیا۔ آخرکار قوالی ختم کرکے توبہ واستغفار میں سب مشغول ہوگئے اسی اثنا میں ایک درویش وہاں آگیا جس نے ایک شعر پڑھا جس کے سنتے ہی سب پر کیفیت طاری ہوگئی اسی محفل میں ایک عزیز اسی حالت میں اُسی وقت جان بحق ہوگیا۔

قاضی حمید الدین ناگوریؒ کی مشہور تصنیف "طوالع شموس" درحقیقت رمز کتاب ہے جس میں مضامین اسرار طریقت موج در موج اور معانی طریقت فوج در فوج لکھے ہوئے ہیں اس میں سے اختصار وانتخاب کرنا نہایت مشکل ہے۔ اس کے تمام مضامین اپنی متانت وحرارت اور ہم شکل ومشابہت میں خاص خاص موضوع رکھتے ہیں۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں اسم "ھو" کی تشریح کی گئی ہے۔ اور اتنے زیادہ معنی لکھے ہیں کہ میں انھیں دُہرا نہیں سکتا۔ اس میں سے کچھ لکھے جاتے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ مفید وکارآمد ہوسکیں۔

مصنفؒ نے لکھا ہے "ہو" حرف اشارہ ہے۔ اور اشارہ اس وقت کیا جاتا ہے جبکہ مشارٌ الیہ نظر آئے یا اس کی بابت کوئی اطلاع وخبر دی جارہی ہو۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا ہر فعل ایسا ہوگا کہ اسے دیکھ لیا جائے۔ جیسے عرف عام میں کہتے ہیں اُس نے کیا اور اچھا کیا۔ اور جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے دو عالم سے روگردانی کرتے ہوئے تمام ظواہر سے علیحدگی اور برأت کرلی تو اِنِّیْ بَرِیْءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ (میں تمہارے شرک سے علیحدہ اور بری ہوں) کہا محبوب از جان وقلب کی جانب روئے دل متوجہ کیا جیسے کہ فرمایا ہے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (میں نے اس ذات کی جانب رُخ کیا ہے جس نے زمین وآسمان پیدا کئے ہیں) دو عالم سے علیحدگی کے بعد اپنی برأت اور پوری دوستی کے ساتھ انھوں نے اللہ کی جانب رُخ کیا۔ لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ سے پوچھا آپ نے کس کی جانب رُخ کیا تو انھوں نے جواب دیا اِلٰی رَبِّی الَّذِیْ هُوَ يُطْعِمُنِیْ وَيَسْقِيْنِ (اپنے پروردگار کی جانب وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) اس اشارہ "ھو" میں اگرچہ کئی متفرق مقامات ہیں لیکن حروف اضافات اس امر کی دلیل ہیں کہ یہ سب مشارٌ الیہ کے لئے آئے ہیں اسی لئے حضرت ابراہیمؑ بارگاہ الٰہی کی شمع کے حال وسلوک کی دونوں حالتوں میں ایسے خلیل ہوگئے کہ انھوں

نے صاف صاف کہدیا اِنِّی ذَاھِبٌ اِلیٰ رَبِّی (میں اپنے رب سے ملنے جارہا ہوں)۔

نیز مصنفؒ نے لکھا ہے دنیا کے تمام ذرّے عالم سلوک میں اللہ ہی کی جانب متوجہ رہتے ہیں، کیونکہ ہر ایک اپنے کمال کا خواہشمند ہے۔ اور کمال اس دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ اسی لئے اُس نے ہر چیز کو عدم سے پیدا کیا اور سب کو اپنے نور کی جانب متوجہ کیا۔ لوگوں نے کسی حکیم سے کہا بتایئے دنیا کے تمام ذرّات کا رُخ کس کی طرف ہے۔ تو حکیم نے جواب دیا۔ اُس ہستی کی جانب جو تمام اشیاء کو وجود میں لاتا ہے۔

رباعی

گر روئے دلم بسوئے او خواہد شد حالِ دلِ خستہ ام نکو خواہد شد
قصہ چہ کنم رشتۂ امیدِ دلم با او چو یکے شود دو تو خواہد شد

(اگر میرے دل کا رُخ اس کی جانب ہوجائے تو میرے دل خستہ کا حال درست ہوجائے قصہ کیا بیان کروں واقعہ یہ ہے کہ رشتہ اُمید میرے دل میں ہے اور جب اس سے مل کر ایک ہوجائے گا تو دو تہ ہوجائے گا۔ میں نہ رہوں گا)

شعر

لِی حَبِیبٌ خیالُہ نَصبُ عینی وَاسمُہٗ فی ضمائری مکنون
اِن تَذَکَّرتُہٗ فکلی قلوب وَاِن تأمّلتُہٗ فکلی عیون

(یہ ایک دوست ہے اور اس کا خیال ہی میرا نصب العین ہے اس کا نام میرے ضمیر (CONSCIENCE) میں محفوظ ہے۔ اگر میں اس کا ذکر کروں تو دل بے چین ہوجائیں اور اگر اس کے بارے میں غور کروں تو آنکھیں بے نور ہوجائیں)

اے بھائی دنیا تے سلوک میں اجتماع سالک و اللہ محال ہے جس کی دلیل اِنِّی ذَاھِبٌ اِلیٰ رَبِّی سَیَھْدِیْنِ ہے۔ اگر کوئی سالک اللہ کے ساتھ جمع ہو سکتا ہو تو "سَیَھْدِیْنِ" (وہی ہدایت کرے گا) کیوں کہتے؟ اور وجد و حال کی کیفیت میں اللہ تک رسائی نہ ہونا یہ حال نہیں بلکہ تفرقہ و گمراہی ہے۔ اَنا الحق و اَنا سبحانی دونوں ہم معنی ہیں جس کے قائل کا درجہ بہت بلند ہے۔

قسم بخدا "انا" کہنے کے مقام پر ھُو کہنا گمراہی و تفرقہ ہے اور جس مقام پر "ھو" کہنا چاہیئے وہاں اَنَا کہنا ناجائز و محال ہے۔

نیز مصنفؒ نے لکھا ہے "اَنَا خیر" کے مقام پر اگر کوئی "ھُوَ خیر" کہے تو وہ خبطی و پاگل ہے

اور جب ھُوَ کے بجائے أنا کہا تو سولی پر چڑھ گیا اور تمام حاصل کردہ سرمایہ جاتا رہا۔ حسین اگر أنا کے بجائے ھُوَ کہتے تو سر دینے کے علاوہ سرمایہ توحید سے بھی ننگے ہو جاتے۔ اُن کے أنا (میں حسین ہوں) کہنے سے حقیقتاً جیت گئے اور ہزاروں درجہ بلند و برتر ہو گئے۔

قسم بخدا کسی کی جانب اشارہ کرتے وقت اشارہ، مشارٌ الیہ اور اشارہ کرنے والے ہر سہ کا وجود ضروری ہے تاکہ اشارہ کرنا درست ہو اور یہ حالت کثرت کی ہو جاتی ہے جو عیسائیوں کی تثلیث کے قریب ہے جس کی وجہ مقام توحید سے دوری ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کی طرف اشارہ کرنا شرک اور اس کے غیر کی عبادت کرنا جرم و گناہ ہے۔ اس کلام کا راز اس رباعی میں ہے

رباعی

آنرا کہ بسوئے تو اشارت باشد   وز معنی عزّتت عبارت باشد

با مایۂ بسیار ز سود توحید   بیچارہ ہمیشہ در خسارت باشد

(جو کوئی تیری طرف اشارہ کرے اور اس سے تیری عزت کے الفاظ مراد ہوں تو بے حد سرمایہ دار فائدہ توحید کے باوجود بھی وہ بیچارہ خسارے میں رہے گا)

اے بھائی سنو! اشارہ حسی محسوسات کے ساتھ۔ اشارہ وہمی موہومات کے ساتھ اور اشارہ عقلی معقولات کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ اور مرتبہ عزت و کبریائی جو ہم کو اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے اُسے دنیاوی علاقوں سے کوئی نسبت نہیں۔ اس صورت میں اُس کی جانب اشارہ کرنے سے شرک کے سوائے اور کیا ہوگا۔ اور اگر اشارہ غائب یا اشارہ حاضر کرتے ہو تو بتاؤ کہ کس کی جانب اشارہ کرتے ہو کیونکہ مشارٌ الیہ یا غائب ہوتا ہے یا حاضر۔ اور اللہ تعالیٰ کی صفت یہ ہے کہ ہم اُسے دیکھ نہیں سکتے۔ بلکہ اس نے ہم کو دیکھنے کی قوت دی ہے اور وہی ہم کو دکھاتا اور سمجھاتا ہے۔ غرضکہ اس کی طرف اشارہ کرنا دل کی غفلت ہے۔ ۱۷۱ھ ۱۷۱ دلہ۔ جس دل پر اُس کی عظمت کی تجلیات ہوتی ہیں اس کو یاد داشت کی پرواہ نہیں رہتی۔ اور جب دل سے اللہ کی یاد نہ کی جائے تو لازماً زبان سے بھی اس کی یاد نہیں ہوتی جس کی وجہ سے ایسے شخص کی ہلاکت و ذلت کا ظہور لازمی ہے کیونکہ جو ذکر سے دور ہوگا وہ اللہ سے دور ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ اللہ کی یاد کی جائے۔

مصرعہ

کیسے سرش نمی داند زباں درکش زباں درکش

(کوئی اس کا بھید نہیں جانتا اس لئے زبان بند رکھو)
اے بھائی۔ تم خود کو خاموش کرو اور بھول جاؤ۔ اس فراموشی کی یاد میں عجیب لذت ہے۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ (اپنے نفس کو فراموش کر کے پروردگار کا ذکر کرو) ایک دن شبلی نے خود کو فراموش کر کے لب بند خاموشی اختیار کی اسی کیفیت میں وقت نماز گذر گیا جب ہوش میں آئے تو اس کا درد پر لطف تھا جیسا کہ وہ کہتے ہیں۔

نَسِيتُ الْيَوْمَ مِنْ عِشْقٍ صَلَاتِي — فَلَا أَدْرِي غَدَائِي مِنْ عِشَائِي
فَذِكْرُكَ سَيِّدِي أَكْلِي وَشُرْبِي — وَوَجْهُكَ إِنْ رَأَيْتُ شِفَاءُ دَائِي

(عشق کی سرمستی کی وجہ آج میں نماز بھول گیا مجھے صبح و شام کا ہوش نہ رہا۔ اے آقا آپ کا ذکر میری غذا ہے۔ اگر میں آپ کا چہرہ مبارک دیکھ لوں تو وہ میرے تمام امراض کے لئے شفاء کل ہے)
سنو! اسم "ھو" ایک حرف ہے۔ اس میں جو حرف "واؤ" نظر آتا ہے وہ پیش کو کھینچ کر پڑھنے کے سبب پیدا ہوا ہے۔ اس لئے بھی یہ اسم مقدس دراصل وحدت مسمی کی دلیل ہے اس کے سوائے کسی دوسرے اسم میں ایسی مشابہت نہیں ہے۔
قسم بخدا۔ یکتا شہنشاہ کا اسم اعظم بھی یکتا و یگانہ ہی ہونا چاہیئے تاکہ اس کے بے حد و بے حساب معانی کا ادراک ہو سکے۔ حرف (ھ) جب حرف الف سے ملتا ہے تو ندائے محبوب کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ یعنی "ھا" وہ آواز ہے جس کے ذریعہ محبوب اپنے سے محبت رکھنے والے کو آواز دیتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اے مسلمانو!) حرف (ھ) کے بعد جب کوئی حرف علت آتا ہے تو وہ ندائے محبوب کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے ھُوَ۔ جس کے ذریعہ سے دوست اپنے محبوب کو آواز دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ندا وہ ندا ہے جو فناوہ کار عاشقوں کو بلانے کے لئے ہوتی ہے تاکہ وہ اللہ کے احکام کی طرف لپک کر دوڑیں جس کے لئے عام طور پر اسم "ھُا" آتا ہے۔
عاشق اپنے دل میں جب اللہ کو یاد کرتے ہیں تاکہ اس کے وصل کی خوشبو سے مستفید ہوں تو اُن کے دل سے ھُو نکلتا ہے اور جب عالم عشق میں شوق و ذوق کی طرفین سے زیادتی ہوتی ہے تو "ہائے وہو" کی آوازیں بلند ہوتی ہیں جو فطری طور پر بھی بڑی معتبر ہیں۔

رباعی

آنرا کہ زعشق یار بوئے باشد — لابدّ باشد کہ گفتگوئے باشد

و آنجا کہ ز شوق جستجوئے باشد   بے شبہ زھرہ و ہای ہوئی باشد
(جس میں عشق یار کی بو ہوگی تو فقرہ ہی ہے کہ اُس سے گفتگو ہوئی ہوگی اور جہاں شوق کی جستجو ہوگی وہاں دو طرفہ سے ہاد ہو لازماً ہوگی)

اے عزیز! اچھی طرح یاد رکھو اسم "ھو" اشارہ ہے موجود ازلی و ہستِ لم یزل کی جانب جو تمام اوصاف کمال سے موصوف اور نقائص وزوال سے پاک ومنزلہ ہے۔ ایسا موجود ہے جس کے ازلی ہونے کی ابتدا نہیں۔ اور ایسی ہستی ہے جس کی ہمیشگی کی انتہا نہیں ہے۔ اور یہی وہ پہلا اسم ہے جو اسرار اوقات غیب سے دنیا میں ظہور پذیر ہوا ہے جیسا کہ سورۂ اخلاص میں ھُوَاللّٰہ اَحَدٌ سے ظاہر ہے۔ ھُوَ وہ اسم اعظم ہے جس کے انوار کی تجلیات سے پروردگار کے خصوصی اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جبکہ یہ اسم اشارہ ہے تو بیان کی وضاحت کے لئے اسم اللہ کو اس کے ساتھ لگا دیا جو "ھُوَ اللّٰہ" ہو گیا۔ خاص ارواح پہ انوار الٰہی کی تجلیاں ہوتی ہیں اور جبکہ انسانی عقل وشعور کی نورانیت پہ انوار الٰہی قاہرہ غائب ہے تو بیان کی وضاحت کے لئے "اسم اَحَد" اُس کے آگے بڑھا دیا تاکہ اہل تحقیق ومحققین کے دلوں پر انوار احدیت کی تجلیات ہوتی رہیں۔ اور جبکہ لوگوں کی انانیت 'میں پن' اور سرکشی کو انوار احدیث جلا کر خاکستر کر دیتی ہیں تو اس کی وضاحت کے لئے اسم "صمد" کا اضافہ کر دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر انوار صمدیت کی تجلیات ہوتی رہتی ہیں۔ اور جبکہ لوگوں کے علم رسم مٹانے کے لئے انوار صمدیت کارفرما ہیں تو اس کی مزید وضاحت کے لئے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ (وہ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہم پلہ وہمسر نہیں ہے) کی صفات کا خود اُس نے اضافہ کر دیا ہے۔ اور جبکہ صفات بالا کی تجلیات انوار نے تمام مخلوق کو دائرہ عبودیت میں لا کر ہنسی خوشی یا زبردستی بارگاہ الوہیت میں پہونچا دیا تو سب کی منتہائے نظر ابتدا پر پڑی اور انھوں نے ھا (ہ) کا دائرہ دیکھا جو تمام کو لپٹے احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ اگرچہ اسم اپنی عبارت وتحریر کے لحاظ سے تمام اسمائے حسنیٰ میں موجود ہے لیکن بظاہر اسے (ہ) کے دائرہ میں دیکھ کر کہا یہ اسم اعظم ہے جو تمام اسماء کی اصل ہے۔ اور جس طرح سورۂ فاتحہ کو اُم الکتاب کہتے ہیں اسی طرح یہ اسم دراصل اُم اسماء ہے۔

آخری بار پھر ہم کہتے ہیں کہ اسم "ھو" پروردگار کے پُرجلال خطاب کا دیباچہ ہے اور سورۂ فاتحہ اس کے اوصاف کمال سے لبریز ہے۔ اسم "ھو" کا ذاکر اگر صاحب نظر ہو تو اسے تمام اسرار کی خبر ہو جاتی ہے۔ سلطان ہویت کے غلبہ کے باعث وہ بظاہر حیران و پریشان نظر آتا اور عشق

کی سرزمین میں اتنا سرگرداں رہتا ہے۔ کہ خود اپنا شعور تک نہیں رکھتا۔ بلکہ حاضر و غائب کی صفات سے بلند ہو کر اُس سے اشارہ کرتا ہے اور اُس کے اسرار کی نظریں اس کی طرف لگی رہتی ہیں۔

لا الہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ ؐ ایک بڑے بزرگ اہل طریقت کا بیان ہے ایک سرمست عشق خداوندی کو دیکھکر میں اس کے پاس پہونچا میں نے اسے دیکھا کہ وہ بحرِ شہود میں غرق اور شہود میں مستغرق ہے۔ میں نے اُن سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ جواب دیا ھُو۔ میں نے کہا آپ ہیں کون؟ جواب دیا ھُو۔ پھر میں نے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں؟ جواب دیا ھُو۔ میں نے پوچھا اب کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ جواب دیا ھُو۔ آخر ش میں نے کہا ھو کہنے سے آپ کا مطلب کیا؟ کیا پروردگار عالم ہے جس کا ملک ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔ یہ سنتے ہی اُن بزرگ نے ایک چیخ ماری اور مردہ کی مانند اس طرح گرے کہ پھر نعرہ نہ لگا سکے۔ اور ان کی جان دیدار شہنشاہ کے استقبال کے لئے روانہ ہوگئی۔

سرکار دو عالمؐ جب بحرِ نور کی تسبیح و تہلیل کرتے تو عالم بیخودی کے ساتھ انوارِ محبوب میں مستور و مستغرق ہو جاتے۔ اور تلاطم امواج سے جب "مشہود" میں آتے تو سلطانِ غیریت آپ کے وجود سے ظاہر ہوتی اس وقت آپؐ دعا فرماتے۔ اے اللہ میرے دل میں نور کر دے۔ میری آنکھوں میں نور بھر دے۔ میرے کانوں میں نور دیدے۔ میرے اُوپر نیچے، آگے پیچھے نور کر دے اور مجھے نور کا نور بنا دے۔

مصرعہ

سرتا پایم خدائے سرتا پایت

(میں سرتا پا تیرے سرتا پا پر قربان ہوں)

یعنی سرور کائنات معین باد و حضرت جبریل معین باد

(رسول اکرمؐ معاون رہیں اور حضرت جبریلؑ میں مددگاری کرتے رہیں)

اے اللہ اپنا و پرِ رحمانیت کھول اور "ماراَنی" (تم مجھے نہیں دیکھ سکتے) پر خود نظر ڈال تاکہ تیرے انوار جلال کے پرتو سے جلنے کے پہلے ہی ہم تیرے دیدار کی تسبیح سے مشرف ہو جائیں۔ اور قبل اس کے کہ بحالت بیخودی تیرے حضور میں حاضر ہوں تیرے صفو جمال کی چمک دمک سے نور بن جائیں۔ یہ وہ الفاظ ہیں جن کے معنی پہ غور کرنے کے لئے اُس ادراک کی ضرورت ہے جو عقل سلیم سے پیدا ہوتا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے جمال سے منور کر دے۔

اے عزیز جس طرح اسم ھُو کا مُسَمّیٰ تمام کیفیات سے منزہ اور ابتدا و انتہا سے بالاتر ہے اسی طرح یہ اسم ھُو بھی مخارج ابتداء و انتہا سے بالاتر و مقدس ہے۔ کوئی ابتدا اس تک نہیں پہونچ سکتی اور کسی انتہا کی اس تک رسائی نہیں۔ اللہ کی سب سے بڑی صفت یہی ہے کہ اس کی اولیت سے ابتدا عاجز اور اس کے آخری ہونے سے نہایت و انتہا قاصر ہے۔

ھُو کی (ھ) کا دائرہ بے بدایتی اور بے نہایتی سے ملا ہوا ہے اسی لئے پروردگار کی ہُوِیَّت ہستی کا پتہ دیتا ہے۔ اور اے بھائی اس وقت تک ظہور کرتا رہے گا جب تک کہ اس دائرہ (ھاوھو) کی ابتدا و انتہا ظاہر نہ ہوجائے۔

اور جب (ہ) کے نقش کو بغور دیکھو گے تو اس کے ہر جزو میں دوسرے دائرے بنانے کی صلاحیت اُجاگر نظر آئے گی اور اُسی جزو میں انتہا بھی موجود ہے۔ اس لئے ہا (ہ) کا پورا دائرہ اپنی صلاحیت کے لحاظ سے اوّلیت کا حقدار اور نہایت و انتہا کا مستحق ہے۔ اس نسبت کے اعتبار سے اول بھی ہے اور آخر بھی۔ اور حقیقت اجتماع کے مدنظر غیر اللہ میں اولیت و انتہا کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرز پر بھی اسم ھُو اصل وعین مُسَمّیٰ ہے اور یہ راز کی بات ہر ایک پہ ظاہر نہیں ہوتی۔

رباعی

آن حلقہ کہ اول است و آخر   وان نقطہ کہ باطن است و ظاہر
خواہی کہ ببینی اے نکو روئے   در حلقہ ہا نظر کن آخر

(وہ حلقہ جو اول و آخر ہے اور وہ نقطہ جو ظاہر و باطن میں موجود ہے۔ اے نیک بخت اگر اسے دیکھنا چاہتے ہو تو دائرہ (ہ) کو دیکھ لو)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ ہم اوّل میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت تک ہمارے ساتھ ہے اور آخر میں بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ اوّل سے ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے جس کے انوار کی چمک دمک عالم شہود میں ظاہر ہے ہا کا دائرہ اپنی صفت صلاحیت میں وہی "ھو" ہے جو اوّل و آخر میں موجود ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے بھی اسم "ھو" کی عظمت ظاہر ہے عالم بیخودی میں مضمون طویل ہو گیا اور مراد ہاتھ نہ آئی اس کا کیا علاج کیا جائے۔ پھر حرف مطلب کی طرف لوٹتا ہوں اے عزیز اچھی طرح سن حرف ہُو اگرچہ حلق سے نکلتا ہے لیکن حلق سے چھوتا نہیں اس لئے اس اسم کے پڑھنے والے کو چاہیئے کہ وہ عالم ممکنات میں پیوستہ و مشغول نہ ہے جس کا انجام شکست و ریخت

ہے تاکہ عالم امکان سے علیحدہ رہنے کی بدولت عالم وحدت میں داخلہ مل جائے۔ اور سترا حدیت کا دیدار کرسکے۔ اے بھائی۔ عربی کلام میں کوئی اسم دو حرفوں سے کم کا پایا نہیں جاتا۔ اسی لئے ہماری دنیا میں فردِ مطلق کا کوئی نام نہیں ہے۔ اہل بصیرت نے احدیت کے معنی جب حرف ہا (ہ) میں دیکھے تو اپنے دل کو اس جانب متوجہ کیا اور کہنے لگے کہ اس اسم کے معنی وہی ھُو اللہ ہے۔

بیت

حرفے کہ مراد ما ازو او باشد　　　بردار نظر ز حرف تا او باشد

(جس حرف سے ہمارا مطلب وہ ہو تو حرفوں پر سے نظر اٹھا لو تاکہ وہ نظر آئے)

اس تعلق سے ثابت ہوتا ہے کہ اسم اور مُسمّیٰ دونوں کے دونوں بغیر کسی شک و شبہ کے وہی ایک اللہ ہے۔

اے بھائی۔ حرف ہا (ہ) ہماری جان سے نکل کر اوپر جاتا ہے اور پھر پوشیدہ اسرار کے ذریعہ ہماری اس دنیا میں آتا ہے۔ اس کا کسی جگہ حلول اور کسی مقام میں نزول نہیں ہوتا۔ لب و زبان جو سلطانِ دل کے وکیل ہیں۔ زبانہ گفت لامحل مرا سے اس وقت آگاہ ہوتے ہیں جب کہ اسرار احدیت کے رازداں معلومات فراہم کر لیتے ہیں۔

انوار صمدیت کے شناسا لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اسم ہر قسم کی تبدیلی سے منزہ ہے۔ اور کسی حالت میں بھی اس کا کسی دوسرے کی طرف منتقل ہونا یا بدلنا محال ہے۔ اسی طرح اس اسم کا مسمیٰ بھی کسی مکان کی آلائش یا کسی زبان کی زیبائش سے منزہ ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا راز ہے۔

اے بھائی۔ ھُوَ اسم اشارہ ہے جس کا رُخ ہمیشہ مشارٌ الیہ کی ذات کی طرف رہتا ہے اس کے عمدہ صفات پر اسم اشارہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ اس راز کے معنی ہیں جیسے کہ واصلانِ حق نے بیان کیا ہے۔ کہ عشق ذات سے ہوتا ہے صفات سے نہیں۔ خاص کر وہ ذات جس کا کمال اس کی ذات سے زائد پر موقوف نہیں ہوتا۔ اور یہ دقیق و باریک معنی اہل تحقیق کے نزدیک صفات پر ذات کے مقدم ہونے کی دلیل ہے۔ کہ یہ افضلیت و مقدم ہونا اس نوعیت کا ہے جس سے کوئی غیریت اور دوئی پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ تقدم دراصل وحدت کا ثبوت دیتا ہے تاکہ اسرار توحید کے ذریعہ اضافی ... اشخاص ظاہر ہو جائے۔ اے بھائی اسم ھُو وہ اسم ذات ہے جو مطلق معلوم اور مشتق نہیں ہے ... اسم ہے جو غیر کے اشتراک سے خالی ہو۔ اور جس چیز میں اشتراک غیر ہوتا ہے تو وحدت ... وہ اس کے ذریعہ بلند و مضبوط نہیں ہوتی۔ تمام عاشقوں

اتفاق ہے کہ اسم اعظم مشتق نہیں ہے اور وحدت کی بناء پر مطلق بھی نہیں ہے۔ اس نسبت سے بھی اسم اعظم ھُو ہی ہوا۔ جیسے ہوا اور خوشبو۔ یہ بھی ایک پُر لطف لطیف راز ہے۔

اے بھائی فرد مطلق وہ ہوتا ہے جس کی کسی چیز کے ذریعہ صفت بیان نہ کی جا سکے۔ جلی اصل ہے کہ ہر چیز اپنی صفت بناء پر دوسری سے مختلف ہوتی ہے۔ اور اسی وجہ سے موصوف وصفت میں یہ فرق ہے کہ موصوف اپنی صفت سے مستغنی ہوتا ہے اور صفت اپنے موصوف کی محتاج ہوتی ہے۔ الحاصل کسی چیز کی عین ذات سے اس کے حالات بیان نہیں کئے جا سکتے۔ اسی وجہ سے ایک چیز کو دوسری چیز سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں تعدُّد وکثرت لازم آتی ہے۔ اور تعدد نفی وحدت کا سبب ہے۔ اے عزیز جب یہ معنی ذہن میں آجائیں تب معلوم کر سکو گے کہ اللہ تعالیٰ ذاتِ بے کیف کی اطلاع دہی سے تمام اسمائے مشتق اور علم عاجز وقاصر ہیں۔ اور اسم اعظم "ھُو" فرد مطلق کی احدیت کی حقیقت کی خبر رسانی کر رہا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے برحق صمد و بے نیاز ہونے کا یہی اسم ھُو مظہر ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔

اے بھائی۔ تمام اسمائے مشتق صفات پر دلالت کرتے ہیں اور صفات کو صرف اضافت کے ذریعہ ہی پہچانا جا سکتا ہے۔ اور کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ تمام اضافتوں کو توحید ختم کر دیتی ہے

بیت

نکو گوئے نکو گفت است در ذات کہ التوحید اسقاط الاضافات

(کسی اچھے کہنے والے نے ذات الٰہی کی بابت خوب کہا ہے کہ توحید ہی وہ چیز ہے جو تمام اضافتوں کو ساقط اور ختم کر دیتی ہے) پر لطف بات یہ ہے کہ جو اسم کسی سے مشتق ہوتا ہے ان دونوں پہ بزمانہ طلب، طلبگار کی نظریں پڑتی رہتی ہیں۔ اور عقل کا حق یہ ہے کہ جب کسی چیز پہ نظر پڑے تو جب تک اس کی حقیقت کا ادراک نہ کر لیا جائے دوسری چیز کی طرف رُخ نہ کیا جائے اور اس دوسری چیز کو ذریعہ نجات نہ بنایا جائے۔ وگرنہ غیر میں مشغول ہو جانے سے اصلی شئے پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ اسم "ھُو" کسی سے مشتق نہیں ہے جو طلب گار کو دوربینی سکھائے اور خود اپنے وہم و گمان پہ یقین کرنے لگے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسم "ھو" فرد مطلق ہے اشتقاق سے منزہ ہے۔ طلبگار کے اتش اشتیاق کو بھڑکاتا اور غیر اللہ سے منقطع کر کے گوہر مقصود تک پہونچاتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ پروردگار عالم نے حکم دیا ہے قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (تین نام بیان کئے ہیں۔ راہ عشق کے طلبگاروں کے بھی تین ہی مرتبے ہیں۔ ظالم، مقتصد

اورسابق بالخیرات اور نفس کے بھی تین درجے ہیں۔ امارہ۔ لوامہ۔ مطمئنہ اور اسم ھو مقربان سابق بالخیرات کے نصیب میں آیا ہے جو نفس مطمئنہ کے اہل ہیں اور پر تو انوار احدیت میں سوختہ ہو رہے ہیں نیز غیر کو دیکھنے سے انھوں نے اپنی آنکھیں سی لی ہیں۔ تمام دنیا سے بے شعور ہو کر استغراق میں ہیں۔ اور نور خداوندی کی لطافتوں اور مہربانیوں سے استفادہ کر رہے ان میں سے ہر ایک فرد اپنے غیر سے بے تعلق ہے وہ عزیزوں تمام آدمیوں دنیا اور دنیا کی چیزوں کو معدوم فانی اور ختم ہونے والی سمجھتا اور جانتا ہے۔ کیونکہ عالم امکان کی یہ تمام اشیا، حادث اور نابود ہونے والی ہیں۔

اے بھائی ہمیشہ "ھو" کہتے رہنا یہ منتہی اور سابق بالخیرات لوگوں کا کام ہے جو ہزار جان سے اللہ کی عزت کے عاشق ہیں۔ کیونکہ اسم "ھو" اسم اللہ کا منتہا ہے۔ اس راز سے وہی واقف ہے جس کی جان اللہ کے عشق میں مستغرق ہے۔

اے عزیز جس کو عالم ہیبت میں محبوب نے اجازت دیدی وہ اپنی انانیت اور خودی قبول نہیں کرتا وہ مشاہدہ جلال کے غلبوں سے خود کو پگھلاتا اور اپنے شعور میں نہیں رہتا۔ بلکہ الٰہی نور کے سایہ میں آجاتا ہے۔ مقامات و کرامات، بے ہوشی اور ہوش، محو و اثبات، فنا و بقا۔ اُمید و خوف، بسط و قبض نقل و مرض محبت و ہیبت، خوف و مسرت کی اُس کی طرف اضافت نہیں کی جاسکتی۔ محبوب جب بے نشاں ہے تو بے نشاں ہو جاؤ اور پھول کی خوشبو کی طرح پھول میں پوشیدہ و ظاہر نظر آؤ۔

میرے ایک عزیز جو راہ طریقت کے گامزن اور حقیقت کا دم بھرتے تھے مجھ کمزور و ناتوان سے کہتے تھے میں ایک بت خانہ میں گیا جہاں ایک دور بیں جوگی سے ملاقات ہوئی جو مجھ پہ مہربانی کرتا اور میری سرکار کے حالات جانتا تھا وہ مجھے ایک جگہ لے گیا جہاں میں نے ایک آدمی دیکھا جو عاجزی و انکساری کرنے والوں کی مانند کھڑا ہے اور مشہود کو دیکھنے کے لئے آمادہ ہے۔ یہ خوفناک منظر دیکھ کر میرا دل سہم گیا میرے ساتھی جوگی نے مجھ سے کہا اے عزیز! بارہ برس سے یہ شخص مشاہدہ جلال پروردگار کے لئے منتظر کھڑا ہے۔ اور اپنی دعاؤں کے قبول ہو جانے کا انتظار کر رہا ہے۔ کبھی کبھی صبح کے وقت اس کے اسم ھُو کہنے کی آواز مجھے سنائی دیتی ہے۔ جب یہ اسم ھُو کہتا ہے تو اس کے منہ سے ایک روشنی نکلتی ہے اور آفتاب کی مانند اُونچی ہوتی جاتی ہے۔ اے عزیز۔ ہر قدم پہ ہر وقت یہ حیران و پریشان رہتا ہے۔ جب محبوب بے نشاں کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو محبوب کی ہستی و ہویت اس کی انانیت اور میں پن کو مضمحل و پریشان کرتی ہوگی۔ اور وہ اپنی تسبیحات کی وجہ سے اس کو سوختہ کر دیتا ہوگا یہ طلبگار اگر مقام استغراق سے مقام طلب ہلاکت میں پہونچ جائے تو محبوب میں گم ہو جائے اور بے نشان

بن جائے۔ اور پھر سارے بھید اس پہ کھل جائیں جس طرح بحرِ عشق کی موجوں میں ایک قطرہ اُس سے لازمی طور پر اشارے نہیں کرسکتا اسی طرح اللہ کے اسرار کو الفاظ کے لباس میں بیان نہیں کیا جاسکتا منتظرِ مشاہدۂ جلال اگر مقام استہلاک[۱] سے مقام اصطلام میں گر پڑے تو دو عالم کی مملکت لازماً اس کے قبضہ میں ہوگی۔

بیت

بندہ جائے رسد کہ محو شود — بعد ازاں کار جز خدائی نیست

(بندہ اس مقام پہ پہونچ جاتا ہے جہاں تمام کام کاج ختم ہو جاتے ہیں اور اُس کے بعد صرف خدا کی خدائی باقی رہتی ہے)

عزیز کے اس قصہ سے یہ ثابت ہوا کہ اس مقام میں طلبگاروں سے جو کچھ سُنا جائے وہ "انا" ہوگا اور ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ جو کوئی از خود اس کی طرف اشارہ کرکے "ھو" کہے تو اس سے وہ خود ہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

آں عزیزے کہ رازِ مطلق گفت — راست جنید کو انا الحق گفت

(اُس عزیز کو رازِ مطلق بیان کرنا سزاوار ہے کہ جس نے انا الحق کہا) بعض مشائخین کا بیان ہے کہ مَنْ عَرَفَ (جس نے پہچانا) کے معنی یہ ہیں کہ اسم "ھُوَ" کے سوائے دوسرے تمام نام بھول گیا مطلب یہ کہ جو کوئی معنی فردیت الٰہی سے واقف ہونا چاہے تو وہ عالم وحدت پہ نظر میں ڈالے۔ کثرت و اضافت سے پرہیز کرے اور یگانگی کے دامن سے چمٹ جائے اور جب یک بہ یک دیکھے تو وحدت کے شامیانہ اور پویلین پر اس طرح حاضری دے کہ لاشعوری کیفیات کا حامل ہو۔ پھر فرد وحدت میں مستغرق ہو جاتے ہیں اُس وقت طالب کو اس مقام ہیبت میں کسی نام کی یادداشت کی کیسے سکت رہ سکتی ہے؟

اے بھائی اس کو جو کوئی پہچانتا ہے ہمیشہ بے چوں پہچانتا ہے بے چوں کی جانب اشارہ کرنا محال ہے نیز بے چوں کو لفظی معنی پہنانا گمراہی کا سبب ہے اور یہ ایک اہم راز ہے۔ لا الٰہ الا اللہ۔

---

[۱] استہلاک کے معنی ہیں خود کو ہلاکت میں ڈالنا۔ اور صوفیاء کی اصطلاح میں یہ وہ مقام ہے جہاں لذت دنیاوی ترک کرکے نفس کو ہلاک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اصطلام اس اصطلاح کے یہ معنی ہیں کہ اپنا ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ کر خود کو لاچار بنا لینا تاکہ دوسرے اس پہ مہربان کریں۔ از مترجم اقبال الدین احمد۔

امدہ ہے کہ جس کو زیادہ چاہا جاتا ہے اس کا ذکر زیادہ کیا جاتا ہے۔ لیکن ابتدائے عشق میں جب س کے کوچہ کی گفتگو ہو تو ٹھہر جاؤ اور اگر عالم فاضل بن کر اس تک جانا چاہو گے تو علمی قول کے موافق جو زیادہ یاد کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور نہیں رہتے اپنا جمال دکھائے گا اور بے چارہ عاشق اپنے درد دل کے ساتھ ہمیشہ یہ کہتا رہتا ہے۔

گر عاقلے حدیث تو کم کنمے　　راہ سر گفتگوئے محکم کنمے
پس سوختۂ چند فراہم کنمے　　بر گفتۂ بگریے و ماتم کنمے

(اگر میں عقلمند ہوتا تو آپ کی یاد کم کرتا۔ کاش اسرار الٰہی کی میں نے محکم گفتگو کی ہوتی۔ چند سوختہ فراہم کر لیتا۔ کاش میں نے اپنے کہے پر گریہ وزاری اور ماتم کیا ہوتا۔)

واہ! انتہائے کام کی یہ حالت ہے۔ اے اللہ جیسی تو نے اپنی تعریف خود کی ہے۔ ویسی تیری تعریف میں کس طرح کر سکتا ہوں۔ کہنا بھی ایک طرح کا ایک راز ہے۔

قسم بخدا۔ اگر ابتدا میں یہ معنی جن کا اظہار کشف کی انتہا میں بھی تھکا دیتا ہے ظہور پذیر ہوں تو روزانہ سو مرتبہ استغفار پڑھنا چاہیئے۔ اور میں خود سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں۔ ننانوے مرتبہ تو ننانوے نالوں کے لئے اور ایک مرتبہ استغفار کے لئے۔ اور یہ بھی ایک بھید ہے۔

اے بھائی۔ مقام حمد میں جس کو چلنے کی سکت نہ ہو اس کو مقام توحید ہی میں ٹھہر جانا چاہیئے تاکہ وہ کہہ سکے اے اللہ میں تیری تعریفیں پوری طرح بیان نہیں کر سکتا۔ لا الٰہ الا اللہ

شعر

اَحبُّ مناجاتِ الحبیب باوجہٍ
وَ لکن لسانُ العاشقین کلیل

(میں دربار حبیب میں مختلف صورتوں سے مناجات کرنا چاہتا ہوں لیکن کیا کیا جائے عاشقوں کی زبان کی گویائی جاتی رہی ہے)

شیخ جلال الدین تبریزیؒ

۵۳۲ھ ——— ۶۲۳ھ

بہت کامل شیخ تھے۔[1] مشائخ چشت کی کتابوں میں آپ کے مناقب لکھے ہیں جو مطالعہ کیے جا سکتے

---

[1] سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ بابا فرید گنج شکر سے آپکا مکالمہ ہوا ہے اس لحاظ سے آپ ۶۰۲ھ میں موجود تھے۔

ہیں۔ فوائد الفواد میں سلطان المشائخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جلال الدین تبریزی کے پیر و مرشد شیخ ابوسعید تبریزی تھے پیرو مرشد کی وفات کے بعد آپؒ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں گئے اور ان کی اتنی خدمت کی جو ان کے کسی مُرید یا ارادت مند کو نصیب نہیں ہوئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ شہاب الدینؒ ہر سال حج کے لئے جایا کرتے تھے چونکہ بوڑھے اور کمزور ہو گئے تھے۔ اور کھانے پینے کی جو چیزیں آپ کے ساتھ جاتی تھیں وہ (باسی اور ٹھنڈی ہوجانے کے سبب) آپ کے مزاج کے موافق نہ رہتی تھیں۔ اس لئے شیخ جلال الدین تبریزی نے یہ ترکیب کی کہ چولھا اور پتیلا اپنے سر پر اٹھائے چلا کرتے چولہے میں اتنی آگ جلائے رکھتے جس سے سر نہ جلے۔ پیرو مرشد جب کھانا طلب کرتے تو گرم گرم کھانا اُن کے سامنے پیش کر دیتے۔

خواجہ قطب الدین اور شیخ بہاؤ الدین سے آپ کے دوستانہ تعلقات تھے جن کا تذکرہ کتب مشائخ چشتؒ میں بکثرت موجود ہے۔ شیخ جلال الدین تبریزی اپنے دوست خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے قیام دہلی کے زمانہ ہی میں دہلی آئے تھے۔

شیخ الاسلام دہلی شیخ نجم الدین صُغریٰ جن کی قبر برہان الدین بلخیؒ کی قبر کے پاس ہے۔ یہ شیخ الاسلام نمعلوم کیوں آپ کے مخالف ہو گئے اور آپ پر ایک بہت ہی بُرے کام کی تہمت لگائی۔ اور ایسی سازش کی جس کی وجہ سے آپ کو بنگال جانا پڑا۔ بنگال پہونچنے کے بعد آپ ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے تھے کہ اچانک اُٹھ کر آپ نے تازہ وضو کیا اور حاضرین سے کہا آؤ شیخ الاسلام دہلی کی نماز جنازہ پڑھ لیں جنھوں نے ابھی ابھی انتقال کیا ہے۔ دہلی اور بنگال کے مقامی طور پر دُور ہونے کے باوجود بھی شیخ جلال الدین تبریزی نے اپنی زبان سے شیخ الاسلام کی وفات کی اطلاع بیان کی۔ پھر شیخ الاسلام کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد آپ نے حاضرین کی جانب رُخ کر کے کہا شیخ الاسلام نے ہم کو دہلی سے نکالا اور ہمارے پیر شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان کو دنیا سے نکال باہر کیا۔

نیز فوائد الفواد میں بحوالہ سلطان المشائخ لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی دہلی آکر تھوڑے ہی دن رہے اور پھر یہاں سے چلے گئے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں جب دہلی آیا تو خالص سونا تھا لیکن اب چاندی ہو گیا اور معلوم نہیں آئندہ کیا بن جاؤں۔ اسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی اپنے قیام بدایوں کے زمانہ میں ایک دن اپنے گھر کی دہلیز پر بیٹھے تھے ایک دہی بیچنے والا دہی کا مٹکا اپنے سر پر رکھے آپ کے سامنے سے گذرا جو حقیقت میں ڈاکو اور ڈاکہ ....

اور اس کا گروہ بدایوں کے آس پاس رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک نظر شیخ جلال الدین تبریزی کے چہرہ کو دیکھا تو ایک ہی جھلک میں اس کا باطن بدل گیا۔ اور جب شیخ نے اس کو غور سے دیکھا تو وہ کہنے لگا۔ رسول اکرمؐ کی امت میں اس قسم کے لوگ بھی ہیں (جن کے دیدار سے باطن کی صفائی ہو جاتی ہے) پھر وہ فوراً ہی آپ کے ہاتھ پہ ایمان لایا اور آپ نے اس کا نام علی رکھ دیا۔ وہ مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر گیا جہاں سے ایک لاکھ جیتل (۵۵۲ھ مطابق ۱۱۵۷ء میں حکومت کا چاندی سکہ) لا کر آپ کی خدمت میں پیش کئے آپ نے نذرانہ قبول کرتے ہوئے فرمایا اچھا ان نقری سکوں کو اپنے پاس رکھ لو اور جیسے کہوں اسے دیتے جاؤ۔ غرضکہ آپ نے یہ نقری سکے تقسیم کرنا شروع کئے کسی کو سو کسی کو پچاس۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ آپ پانچ جیتل سے کسی کو کم دینے کے لئے حکم نہ دیتے تھوڑی ہی دیر میں پوری رقم خرچ ہو گئی اور صرف ایک جیتل باقی بچا۔ اس نو مسلم علی کا بیان ہے میرے جی میں آیا کہ میرے پاس صرف ایک جیتل ہی بچا ہے اور شیخ کسی کو پانچ سے کم دینے کا حکم نہیں دے رہے ہیں اگر اب کسی کو کچھ دینے کے لئے کہیں گے تو میں کیا کروں گا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک فقیر نے سوال کیا اور شیخ نے مجھے (علی) کو حکم دیا کہ اسے ایک جیتل دیدو۔

اس کتاب میں لکھا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ جب حج سے واپس آئے تو اہل بغداد کا آپ کے پاس جمگھٹا لگ گیا۔ اور ہر ایک نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق بہت کچھ زر نقد و اجناس آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسی سمے ایک بڑھیا بھی آئی اور اس نے آپ کی خدمت میں ایک درہم پیش کیا جو اس نے آپ کے سامنے اپنی پرانی چادر کی گرہ میں سے کھول کر نکالا تھا شیخ شہاب الدینؒ نے بڑھیا کا پیش کیا ہوا درہم لے کر تمام تحفوں اور نذرانوں کے اوپر نمایاں طور سے رکھا پھر تمام حاضرین سے کہا۔ آپ میں سے ہر ایک اپنی پسند کے موافق اس تحفہ کے ڈھیر میں سے جو چاہے لے لے۔ چنانچہ سب آدمیوں نے اپنی اپنی پسند کے موافق زر نقد، روپیوں کی تھیلیاں۔ اور دیگر اسباب اٹھا لیا۔ اس موقع پہ شیخ جلال الدین تبریزیؒ بھی موجود تھے آپ کی جانب شیخ سہروردیؒ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تم بھی کچھ لے لو چنانچہ شیخ تبریزیؒ نے اٹھ کر وہ درہم جو بڑھیا لائی تھی اٹھا لیا۔ شیخ سہروردیؒ نے یہ دیکھ کر کہا اے شیخ جلال الدین تبریزی تم نے سب کچھ لے لیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاء الدین زکریاؒ نے باہم بے انتہا

سفر کئے ہیں۔ ایک مرتبہ اس شہر میں پہونچے جہاں اس وقت شیخ فریدالدین عطارؒ موجود تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی نئے مقام میں جاتے تو عبادت الٰہی میں مشغول ہوجاتے اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ شہر کی سیر و سیاحت کو نکل جاتے۔ شیخ تبریزی شیخ فریدالدین عطارؒ کو ایک جگہ بیٹھا دیکھکر اُن کے انوار کمالات سے از خود رفتہ ہوگئے۔ پھر اپنی قیام گاہ پہ واپس آکر شیخ بہاء الدین سے کہا آج میں نے ایک شاہباز دیکھا ہے جس نے مجھے از خود رفتہ کردیا ہے۔ جس کے جواب میں شیخ بہاؤ الدین نے پوچھا کیا اس وقت تم نے اپنے پیرو مرشد کے جمالِ باکمال کو سامنے رکھا تھا؟ تو شیخ جلال الدین تبریزی نے جواب دیا شیخ عطار کو دیکھکر میں سب کچھ بھول گیا۔ اس دن کے بعد شیخ جلال الدین تبریزی اور شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ باہم ایک دوسرے سے الگ ہوگئے۔

اس کتاب فوائد الفوائد میں ہے کہ شیخ جلال الدین تبریزی نے شیخ بہاء الدین زکریاؒ کو ایک خط میں لکھا ہے۔

جو زیادہ عورتیں رکھنا پسند کرتا ہے وہ کبھی بامراد نہ ہوگا۔ اور جس کا دل صنعت گری میں لگا رہے وہ دنیا کا غلام ہے۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ نے اپنے ملفوظات "جوامع الکلم" میں لکھا ہے کہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اپنے لڑکپن میں زیادہ سے زیادہ یادِ حق میں مشغول رہتے تھے آپ کے اسی استغراق کی وجہ سے لوگ آپؒ کو دیوانہ قاضی بچہ کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ جلال الدین تبریزی ملتان پہونچے اور وہاں لوگوں سے پوچھا کیا یہاں کوئی درویش ہے؟ لوگوں نے کہا دیوانہ سا ایک لڑکا تو ہے جو جامع مسجد میں پڑا رہتا ہے شیخ تبریزی اس کے دیکھنے کے لئے جامع مسجد آئے اور اپنے پاس سے ایک انار اس لڑکے کے ہاتھ میں دیدیا۔ یہ لڑکا چونکہ روزہ دار تھا اس لئے اس نے انار کے سب دانے لوگوں میں بانٹ دیئے۔ جس میں سے ایک دانہ جو زمین پر گر گیا تھا اس سے شام کو افطار کیا۔ اس دن سے اس لڑکے کے مراتب روحانی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اُس نے خود کہا ہے کہ اگر میں پورا انار کھا لیتا تو بے انتہا فائدے حاصل ہوجاتے۔ وہ لڑکا جوان ہونے پر جب شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مرید ہوگیا تو یہ واقعہ اپنے شیخ کو سنایا شیخ الاسلام نے فرمایا بابا فرید (فریدالدین مسعود گنج شکر) جو کچھ تھا صرف اُسی

لے ۱۲ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے (در ۱۶۔ ذی قعدہ ۸۲۵ھ مطابق سنہ میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار شہر گلبرگہ علاقہ دکن میں ہے۔ احمد شاہ بہمنی بادشاہ وقت نے آپ کی صحبت کے اثر سے احکام اسلامی کو بطور قانون رائج کیا اور شریعت کو خوب پھیلایا تھا (تاریخ فیروز شاہی)

ایک دانہ میں تھا جو تمہارے لئے رہ گیا تھا۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے جس زمانہ میں شیخ فریدالدین گنج شکر اور شیخ جلال الدین تبریزی میں مکالمہ ہوا اس وقت شیخ گنج شکر کا لباس بے انتہا پھٹا ہوا تھا۔ جب ہوا تیز چلتی تو شیخ گنج شکرؒ اپنے عبا کے دامن سے اپنے پھٹے ہوئے پاجامہ کو ڈھانک لیتے تھے۔ شیخ تبریزیؒ نے وجہ دریافت کی تو بابا فریدؒ نے جواب کہا یہ فقیر جب بخارا میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو وہاں سات سال تک کوئی کپڑا نہیں پہنا البتہ ایک تولیہ سے جسم چھپائے رکھا۔ دل کو ایک مرکز پہ لاؤ اور دیکھو آئندہ کیا ہوگا سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ بابا فرید گنج شکر درویش سے شیخ جلال الدین تبریزی کی دلی مرادیں پوری ہوئیں۔ شیخ تبریزیؒ کا مزار بنگال میں مرجع خاص و عام ہے۔

شیخ نظام الدین ابوالمؤیدؒ

۶۷۲ ـــــــــــ ۷۲۵ھ

سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ کے مشہور بزرگ اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ہم عصر[1] تھے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے بھی آپ کو دیکھا ہے۔ میر حسن اپنی کتاب فوائد الفواد میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے کہا کیا آپ کبھی ابوالمؤید کی مجلس وعظ میں تشریف لے گئے؟ تو انھوں نے جواب دیا ہاں۔ لیکن اس زمانہ میں میں کم سن تھا اور مطالب اچھی طرح نہ سمجھتا تھا۔ ایک دن ان کی مجلس میں گیا۔ دیکھا کہ وہ جوتے پہنے مسجد کے دروازہ پہ کھڑے ہیں پھر انھوں نے اپنا جوتا اتار کر اپنے ہاتھ میں لیا اور مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھی میں نے اُن کی طرح کسی کو سکون سے نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ انھوں نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ دو رکعت پڑھیں پھر منبر پہ آئے۔ اور مشہور قاری قاسم نے خوش الحانی سے قرأت کی اس کے بعد ابوالمؤید نے کلام اس طرح آغاز کیا کہ میں نے اپنے بابا کے ہاتھ کی تحریر خود دیکھی ہے۔ ابوالمؤید ابھی کچھ اور کہنے نہ پائے تھے کہ آپ کی اس بات سے حاضرین کے دل پہ اثر ہوا اور وہ

---

[1] اس لحاظ سے آپ سنہ میں موجود تھے۔

سب گریہ وزاری کرنے لگے تب ابو المؤیدؒ نے یہ دو مصرعے پڑھے۔

برعشق تو و بر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

(میں تمہیں اور تمہارے عشق کو ایک نظر دیکھوں گا۔ پھر تمہارے غم میں اپنی زندگی برباد کردوں گا) آپ نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ تمام حاضرین نعرے لگانے لگے۔ اسی دوران میں آپ نے دو تین مرتبہ یہی دونوں مصرعے پڑھے پھر کہا "اے مسلمانو! اس رباعی کے باقی دو مصرعے یاد نہیں پڑتے۔ کیا کروں" یہ جملے انھوں نے کچھ اس طرح عاجزی کے پیرایہ میں کہے جس سے سامعین پر ایک خاص اثر ہوا۔ اس کے بعد مقررہ قاری قاسم نے وہ دونوں مصرعے یاد دلائے۔

پر درد دلے بخاک در خواہم شد پُر عشق سرے زگور بر خواہم کرد

(درد بھرے دل کے ساتھ خاک میں مل جاؤں گا اور عشق کا سودائے قبر سے نکلوں گا)

آخرش آپ یہ پوری رباعی پڑھ کے منبر سے نیچے آگئے۔ شیخ نظام الدین ابو المؤید کے دادا کا لقب شمس العارفین تھا۔ اور شیخ جمال کوویؒ جن کا مزار "کول" میں ہے آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ جن کی وفات ــــــ ھ میں ہوئی۔

شیخ برہان الدین محمودؒ

۱۲۰۹ء ــــــ ۱۲۸۸ء

آپ کے والد کا نام ابوالخیر اسعد بلخیؒ تھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ کے آپ بہت بڑے عالم تھے۔ علم و دانش میں کامل اور وجد و سماع کے شوقین تھے۔ علوم شریعت و طریقت کے جامع اور شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے تھے۔ فقر و درویشی سے متعلق آپ کے اشعار میں سے ایک شعر یہ ہے۔

گر کرمت عام شد رفت ز برہان عذاب ور بعمل حکم شد وہ کہ چہا دید نیست

(اگر تیرا کرم عام ہو گیا تو برہان عذاب سے چھٹکارا پائے گا اگر کوئی اور حکم دینا چاہتا ہے تو دیدے دیکھنا کیا ہے۔

شیخ برہان الدین محمود وہ بزرگ عالم تھے جنھوں نے مشارق حدیث اس کے مصنفؒ

ہی سے پڑھی تھی۔
حکایت ہے کہ شیخ برہان الدین محمود کہا کرتے تھے ایک مرتبہ جب کہ میری عمر تقریباً چھ سات سال کی تھی میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ جارہا تھا۔ اتفاقاً راستہ میں "صاحب ہدایہ" مولانا برہان الدین مرغینانی کی آمد کی آواز سنائی دی تو والد صاحب مجھ کو چھوڑ کر قریب کی ایک گلی میں چلے گئے ابھی میں وہیں کھڑا تھا کہ مولانا برہان الدین مرغینانی کی سواری آئی۔ میں نے آگے بڑھ کر انھیں سلام کیا۔ انھوں نے مجھے ذرا غور سے دیکھ کر فرمایا "اللہ تعالیٰ مجھ سے کہلوا رہا ہے کہ یہ بچہ آیندہ اپنے زمانہ میں بڑا عالم فاضل ہوگا" یہ سن کر میں تھوڑی دور اُن کے ساتھ چلا پھر انھوں نے فرمایا "اللہ مجھ سے کہلوا رہا ہے یہ بچہ آیندہ اتنا بڑا ہوگا کہ بادشاہ اس کے دروازہ پہ آیا کریں گے"۔
حکایت ہے۔ شیخ برہان الدین محمودؒ اکثر فرمایا کرتے تھے اللہ تعالیٰ میرے کسی کبیرہ گناہ کی دریافت و تفتیش نہیں کرے گا البتہ ایک گناہ کبیرہ کی ضرور پرسش کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا وہ گناہ کبیرہ کونسا ہے؟ جواب دیا "ستار سننا" اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے ستار بہت سُنا ہے۔ اگر اب بھی قابو پاؤں تو ضرور سنوں۔
آپ کا مزار حوض شمسی کے مشرقی جانب ہے جسے عام لوگ "تختۂ نور" کہتے ہیں اور متبرک سمجھ کر زیارت کرتے رہتے ہیں۔ نیز یہاں کے باشندے اپنے بچوں کو آپ کے مزار کی خاک چٹاتے ہیں تاکہ حصول علم مزید میں خیر و برکت ہو۔ اسی سبب سے آپ کی قبر نیچے کی طرف سے ٹوٹ پھوٹ کر صفا ہوجاتی جسے پھر ازسرنو بنایا جاتا ہے

شیخ احمد نہروانیؒ

۵۷۹ ——— ۶۶۱

قاضی حمید الدین محمد بن عطا ناگوریؒ کے مرید اور کامل بزرگ تھے پیشہ بافندگی تھا۔
شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا نے (جو بہت کم لوگوں کی تعریف کرتے تھے) فرمایا ہے۔ اگر شیخ احمد نہروانی کے مشغولی بحق ہونے کا اندازہ لگائیں تو دس صوفیوں کی عبادت کے برابر ہوگا۔
سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا جس قوالی میں بختیار کاکیؒ کو واقعہ خاص پیش

آیا اس مجلس میں شیخ احمد نہروانی بھی موجود تھے۔[1]

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کا بیان ہے کہ شیخ احمد نہروانی کو کبھی کبھی کرگھے پہ کام کرتے کرتے حالت طاری ہوجاتی اور وہ اس بیخودی کی حالت میں کپڑا بننا چھوڑ دیتے لیکن کرگھا چلتا رہتا اور کپڑا ازخود تیار ہوتا رہتا۔

ایک مرتبہ قاضی حمید الدین ناگوری آپ سے ملنے آئے۔ اور ملاقات کے بعد جاتے ہوئے کہا شیخ احمد اکب تک اس کام میں مشغول رہوگے؟ یہ کہہ کے قاضی صاحب تو چلے گئے اور شیخ احمد نہروانی میخیں کسنے کے لئے اٹھے جو ڈھیلی پڑ گئی تھیں ابھی ایک میخ کسنا ہی چاہتے تھے کہ اُن کا ہاتھ ٹوٹ گیا جس پہ شیخ احمد نہروانی نے اُردو زبان میں کہا اس پیر قاضی حمید الدین نے میرا ہاتھ توڑ ڈالا پھر اس واقعہ کے بعد انھوں نے بافندگی کا پیشہ بالکل چھوڑ دیا اور مکمل طور پر یادالہٰی میں مشغول و معروف ہوگئے۔ ان کا مزار بدایوں میں ہے۔

شیخ محمد ترک نارنولیؒ

۵۶۷ھ ——————— ۶۴۲ھ

اصلی وطن ترکستان تھا جہاں سے آکر "نارنول" میں سکونت اختیار کی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ آپ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید تھے۔ ملفوظات مشائخین میں آپ کا کوئی تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ نارنولی آپ کو پیر ترک اور ترک سلطان کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ کا مزار عام وخاص کا مرجع ہے۔ نارنول میں ایک حوض کے کنارہ آپ کا مزار تھا۔ وہ حوض ٹوٹ پھوٹ گیا اب اُس جگہ شہری آبادی ہے آپ جب نارنول پہونچے تو اس وقت آپ مجرد متوکل عورتوں کی صحبت سے الگ تھے۔ آپ کے کوئی بال بچے بھی نہ تھا۔ کسی شخص کو بیعت میں نہیں لیا اور کسی کو مرید نہیں بنایا۔

حکایت ہے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں نارنول میں کافروں کی بڑی قوت تھی۔ مسلمان تھوڑے سے تھے۔ ہندو موقع کی تاک میں رہتے تھے۔ عید کے دن جبکہ مسلمان نماز عید پڑھ رہے تھے ہندوؤں

---

[1] اس لحاظ سے آپ ۷۱۰ھ میں موجود تھے جو سلطان محمد تغلق کا زمانہ تھا۔

نے یک دم سے حملہ کر دیا اور مسلمانوں پہ ٹوٹ پڑے اس حملہ میں اکثر مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا اور شیخ محمد ترک بھی اسی دن شہید ہوئے۔ اکثر شہیدوں کو تہذ پال کے حوض کے کنارہ دفن کیا گیا اور شیخ کو ان کی جائے سکونت میں سپرد خاک کیا گیا۔ اس گنج شہیداں میں دو شہید اور بھی دفن ہیں ایک کا مزار بلندی پہ ہے جس کو بلند شہید کہتے ہیں اور دوسرے کا مزار نیچے کی طرف ہے جنہیں نشیب شہید کہتے ہیں۔ دونوں قرآن کریم کے حافظ تھے۔ بعض بزرگوں نے ان دونوں کی قبروں سے تلاوت قرآن پاک کی آواز سنی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے دونوں قرآن کریم کا دور کر رہے ہیں ایک پڑھ رہا ہے اور دوسرا سُن رہا ہے اور دونوں کے دونوں دُھرا رہے ہیں۔

حکایت ہے ایک مرتبہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کو کسی بادشاہ نے زبردستی ٹھٹھہ کی جانب چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نارنول سے جانب ٹھٹھہ روانہ ہو گئے نارنول سے تقریباً دو میل گئے تھے کہ محافظان حکومت کے دائرہ میں سے نکل کر شیخ محمد ترک کے مقبرہ کی جانب متوجہ ہوئے مقبرہ میں ان کی قبر کے سامنے ہی ایک پتھر نصب ہے۔ پہلے تھوڑی دیر تک اس پتھر کی جانب متوجہ رہے پھر شیخ محمد ترک کی قبر کی طرف رُخ کیا۔ جب زیارت سے فارغ ہو گئے۔ تو لوگوں نے پوچھا یہ کیا بھید تھا کہ پہلے آپ اس کھڑے ہوئے پتھر کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر قبر کی جانب۔ جواب دیا وہ خادم بڑا ہی خوش قسمت ہے جسے نوازنے کے لئے آقا و مخدوم خود اس کے گھر میں آئے۔ اور اسے سرفراز کرے۔ میں نے اس پتھر کے اُوپر سرکار دوعالم ﷺ کی روحانیت جلوہ فگن دیکھی اور جب تک کشف معانی رہا میں اس پتھر کی جانب رُخ کئے رہا پھر جب وہ کشف معانی میری چشم بصیرت سے دُور ہو گئے تو میں شیخ کی تُربت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے بعد چراغ دہلوی سر جھکا کر مراقبہ میں مصروف ہو گئے پھر مراقبہ سے سر اُٹھا کر کہا جس کو کوئی مشکل کام درپیش ہو اور وہ اس روضہ کی جانب متوجہ ہو تو اُمید ہے کہ اس کی مشکل آسان ہو جائے گی۔ ان نگران سپاہیوں میں سے ایک گستاخ نے کہا۔ اب آپ خود مشکل میں گرفتار ہیں۔ جواب دیا ہاں میرے کہنے کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے میری مشکل آسان کر دے گا۔ (غرضکہ آپ مزار شیخ محمد ترک سے روانہ ہو گئے) ابھی نارنول سے پانچ میل ہی آگے بڑھے تھے کہ بادشاہ وقت کی موت کی اطلاع ملی اور شیخ چراغ دہلوی پھر دہلی روانہ ہو گئے۔

وہ پتھر اب تک شیخ محمد ترک کے مزار کے سامنے موجود ہے اور لوگ اس کی زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں۔

شیخ ترک بیابانی رحمۃ اللہ علیہ

۶۱۸ ——— ۶۷۱

شاہ ترکمان کے لقب سے مشہور ہیں لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدوں میں سے ہیں۔ (باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے) آپ کے کچھ بھی حالات معلوم نہ ہو سکے جو تحریر کئے جاتے۔ آپ کی قبر دہلی میں قلعہ کے پاس فیروز آباد کی طرف ہے۔

شیخ شاہی موئے تاب رحمۃ اللہ علیہ

۵۰۲ ——— ۶۵۸

بدایوں میں تھے۔ قاضی حمید الدین ناگوری آپ کو "شاہ روشن ضمیر" کہا کرتے تھے۔ آپ کو قاضی صاحب نے خرقہ پہنا کر "شیخ محمود موئینہ دوز" کی خدمت میں روانہ کیا اور کہلا بھیجا آج میں نے یہ کام کیا ہے کہ ایک بادشاہ کو گدڑی پہنا دی ہے۔ اُمید کہ یہ بات آپ کو پسند آئے گی۔ شیخ محمود موئینہ دوز نے جواب دیا آپ جو کچھ کریں وہ قابل پسندیدگی ہے[1]۔

حکایت ہے کہ شیخ شاہی موئے تاب کے کچھ دوست ایک دن دھوپ میں اتنی دیر تک کھڑے رہے کہ ان کا پسینہ بہنے لگا۔ یہ حالت دیکھ کر شیخ موئے تاب نے اسی وقت خون نکالنے والے کو بلوایا۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیا کریں گے؟ جواب دیا میرے دوستوں کا جتنا پسینہ بہا ہے اتنا ہی خون اپنے جسم سے نکلوا دوں گا۔

خیر المجالس میں یہ پورا واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے دوست آپ کو کہیں باہر لے گئے جہاں انھوں نے کھیر پکائی۔ اور دسترخوان چنا شیخ نے کھانے کی طرف دیکھ کر کہا۔ اس کھانے

---

[1] شاہ روشن ضمیر جن کو شیخ شاہ موئے تاب بھی کہتے تھے بڑے پایہ کے بزرگ تھے مقام تدفین غیر معلوم لیکن اکثر کتب قدیم میں ہے کہ شاہ صاحب سے قاضی حمید الدین ناگوری نے ساتویں صدی کے وسط میں علمی مراسلہ کیا ہے۔ از سیر الاقطاب۔

میں خیانت کی بو آرہی ہے۔ ہم یہ نہیں کھائیں گے۔ دوستوں نے حیران و پریشان ہو کر کہا ہم میں سے کسی نے خیانت نہیں کی ہے۔ لیکن وہ دو دوست جنھوں نے کھیر پکائی تھی آگے آئے اور کہا دودھ میں اُبال آرہا تھا اور جھاگ بہہ نکلے تھے۔ ہمارے پاس کوئی دوسرا ایسا برتن نہ تھا جس میں تھوڑا سا دودھ الگ کر لیتے۔ ہم نے سوچا زمین پہ دودھ گرنے سے اچھا یہ ہے کہ ہم ہی کھالیں۔ چنانچہ بقدر ضرورت اس میں سے ہم نے کھالیا۔ اس پہ شیخ شاہی موئے تاب نے فرمایا۔ دوستوں کے سامنے کھانا رکھنے سے پہلے جو کوئی اس میں سے کھالے وہ خیانت کرتا ہے۔ ان دونوں دوستوں کی عذرخواہی آپ نے قبول نہ کی ان کو شرمندہ ہی رہنا پڑا۔ چونکہ گرمی کا زمانہ تھا اس لئے کھڑے کھڑے ان کو اتنا پسینہ آیا کہ بہنے لگا۔ یہ دیکھ کے آپ نے فرمایا۔ جاؤ اس مرتبہ معاف کیا آئندہ کبھی ایسا نہ کرنا۔ اس کے بعد خون نکالنے والے کو بلوایا اور فرمایا کہ میرے دوستوں کا جتنا پسینہ بہا ہے اتنا خون میرے جسم سے نکال کر زمین پہ بہادو۔

شیخ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں محبت اتنی کہ اپنا خون نکال کر بہادینے کا حکم دیا اور آداب کا اس قدر خیال کہ ان کی عذرخواہی قبول نہیں کی۔

حکایت ہے ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء بیمار ہوئے تو شیخ شاہی موئے تابؒ کو بلا بھیجا۔ اور کہلایا ہمت فرمائیے تاکہ میری بیماری صحت سے بدل جائے۔ شیخ شاہی موئے تاب نے عذرخواہی کے ساتھ کہا آپ بزرگ ہیں اور مجھ سے یہ خواہش کرتے ہیں میں ایک بازاری آدمی ہوں میں اس راہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ شیخ نظام الدین اولیاؒ نے ان کا عذر قبول نہ کرتے ہوئے کہا آپ میرے لئے دُعا کریں اور ہمت باندھیں تاکہ میں تندرست ہو جاؤں۔ تو شیخ موئے تاب نے کہا اچھا دو آدمی میرے پاس بلوا بھیجئے۔ چنانچہ دو آدمی بلوائے گئے جن میں سے ایک کا نام شرف تھا جو مرد صالح تھا اور دوسرا ایک درزی تھا۔ شیخ موئے تاب نے ان دونوں سے کہا شیخ نظام الدین اولیاؒ نے مجھے اس کام کا حکم دیا ہے اب تم اجرائے کار میں میری مدد کرو۔ شیخ کا جسم سر سے لے کر سینہ کے نیچے تک میرے سپرد ہے باقی ایک ایک ٹانگ تم میں سے ہر ایک کے حوالہ ہے۔ آخر کار تینوں آدمی ازالۂ مرض کے لئے مصروف کار ہو گئے۔ اور شیخ نظام الدین اولیاؒ کو صحت ہو گئی۔

شیخ بدر الدین موئے تاب رح
۵۵۰ھ ——— ۶۹۹ھ

شیخ شاہ موئے تاب کے بھائی تھے۔ شاہ موئے تاب کی وصیت کی موافق خواجہ قطب الدین رح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے فرمایا آیئے شیخ بدر الدین رح آپ خود ولی ہیں۔

آپ کا مزار بدایوں میں نماز گاہ شمسی کے عقب میں ہے۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔

شیخ محمود موینہ دوز رح
۵۸۸ھ ——— ۶۵۵ھ

قاضی حمید الدین ناگوری کے مرید اور خواجہ قطب الدین رح کے دوستوں و معتقدوں میں سے تھے۔ اور خواجہ صاحب کی محفلوں میں ہمیشہ حاضر باش رہتے تھے۔ خواجہ صاحب کے ملفوظات میں آپ کا اکثر جگہ ذکر کیا گیا ہے آپ کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مقبرہ کے نزدیک مقبرے کے اس دروازے کے باہر ہے جو حوض شمسی کی طرف کھلتا ہے۔ حاجت مند آکر آپ کے مزار پر سے ایک پتھر اٹھا کر ایک کونہ میں رکھ دیتے ہیں اور مراد بر آنے کے بعد اس پتھر کے برابر شکر بانٹتے ہیں۔

مولانا مجد الدین حاجی رح
۵۷۲ ——— ۶۲۳ھ

مشائخین کے وہ تمام ملفوظات جن کا ہم نے مطالعہ کیا ان میں سے کسی ایک میں بھی مولانا مجد الدین حاجی کا کوئی تذکرہ یا حالات نہیں ملے۔ لیکن بعض بزرگوں نے زبانی بیان کیا ہے کہ مولانا مجد الدین حاجی ایک بزرگ تھے اور سلسلہ سہروردیہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ آپ نے بار حج کئے۔ دہلی میں سکونت اختیار کی تھی کہ سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو دہلی کا "وزیر انتظامات" مقرر کیا۔ چونکہ آپ رضامند نہ تھے اس لئے صرف دو سال تک وزارت متعلقہ کے تمام کام عمدہ نظم و نسق کے ساتھ انجام دینے کے بعد سلطان کی خدمت میں دوبارہ عرض کیا اب فقیر کو معذور رکھیں اور معاف فرمائیں۔ اس پر سلطان نے آپ کی عرضداشت منظور کرتے ہوئے عہدہ وزارت سے آپ کو سبکدوش کیا۔

بقر عید کے بعد تین دن تک جو عام طور پر کھاتے پیتے اور اللہ نام پر کھلانے کے دن ہیں دلی

۱؎ سلطان شمس الدین التمش جس نے ۱۲۱۱ء سے ۱۲۳۶ء تک حکومت کی اس نے ۱۲۲۶ء میں مولانا مجد حاجی کو وزیر انتظامات بنایا تھا۔ ۱۲۲۸ء میں حاجی صاحب ترک ملازمت کر کے پھر درویشانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ (بقیہ صفحہ ۹۹)

والے شہر سے چل کر خواجہ حاجیؒ کے مزار پہ جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو "مولانا محمد حاجی کا ختم" کہتے ہیں۔

شاہ خضرؒ

قلندر مشرب تھے۔ اصل وطن مملکت روم میں تھا بے شمار کرامتیں آپ سے ظاہر ہوتی تھیں۔ ابتداء میں آپ نے کسی کو مرید نہیں بنایا تھا۔ آپ دہلی آئے وقت آئے جبکہ شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ بقید

۵۴۹ ــــ ۵۹۹ھ حیات تھے اُن کی خدمت سے شاہ خضرؒ نے روحانی فیض حاصل کیا۔ خواجہ صاحب نے اپنی کلاہ و خرقہ شاہ خضر کی قیام گاہ پہ بھجوا کر رخصت کیا۔ پھر شاہ خضر کو جونپور کی طرف جانے کا اتفاق ہوا۔ جب موضع سرہرپور پہونچے تو وہاں شاہ قطب آپ کے مُرید ہو گئے۔ آپ اُن کو خلافت عنایت کر کے پھر روم کی جانب واپس ہو گئے۔

ابھی تک ہندوستان میں آپ کا سلسلہ قائم ہے جسے سلسلۂ "قلندریہ چشتیہ" کہتے ہیں

شیخ بدرالدین غزنویؒ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ تھے اور قوالی خوب سنتے تھے۔ مشائخین وقت آپ کی بزرگی کے قائل تھے۔ وعظ و نصیحت کرتے

۵۴۶ ــــــــــــ ۶۵۷ھ جس میں سخن گسترانہ باتیں دل کش پیرایہ سے ادا کرتے۔ آپ کا موضوع گفتگو عشق و محبت ہوتا تھا۔ آپ کی مجالس وعظ میں شیخ فریدالدین گنج شکر اکثر و بیشتر شرکت کرتے۔ آپ پہلے پہل غزنین سے لاہور آئے جہاں سے دہلی آکر سکونت اختیار کی اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مُرید ہوئے۔ سیرالاولیاء میں بحوالہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ تحریر ہے کہ شیخ بدرالدین غزنوی کی حضرت خواجہ خضرؑ سے ملاقات تھی ایک مرتبہ شیخ غزنوی کے والد نے شیخ غزنوی سے کہا خضرؑ سے ہماری ملاقات کراؤ تو بہتر ہوگا۔

شیخ غزنوی ایک دن مسجد میں وعظ کر رہے تھے۔ ایک آدمی اس مجمع سے دور ایک اونچی جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ شیخ غزنویؒ نے اپنے والد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا خضر وہ بیٹھے ہیں والد بزرگوار نے جواب دیا وعظ کے بعد ان سے ملوں گا۔ وعظ جب ختم ہو گیا تو خواجہ خضرؑ بھی اپنی جگہ سے روپوش ہو گئے۔

(بقیہ صہ۴۳) اور ۱۲۲۵ء میں آپ نے وفات پائی۔ تذکرہ وزرائے التمش از حکیم حاجی مسعود رضا خاں رہیب۔

سلطان المشائخ کا بیان ہے میں نے شیخ بدرالدین غزنوی کی زبانی سُنا ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی یہ رباعی اکثر و بیشتر پڑھا کرتے تھے۔

سودائے تو اندر دلِ دیوانۂ ماست ہر جا کہ حدیث تست افسانۂ ماست
بیگانہ کہ از تو گفت آن خویشِ من ست خویشی کہ نہ از تو گفت بیگانۂ ماست

(ہمارے دیوانہ دل میں تمہارا عشق سمایا ہوا ہے۔ جہاں تمہارا تذکرہ ہوتا ہے وہاں ہمارا فسانہ بھی کہا جاتا ہے۔ جو غیر شخص تمہارا ذکر کرتا ہے وہ دراصل میرا اپنا ہے اور جو عزیز کہ تمہارا ذکر نہیں کرتا وہ درحقیقت میرے لئے بیگانہ اور غیر ہے۔)

نیز سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ شیخ بدرالدین غزنویؒ بے حد بوڑھے اور کمزور ہو گئے لوگوں نے اُن سے کہا آپ بوڑھے ہو گئے ہیں یہ رقص کس طرح کرتے ہیں؟

جواب دیا۔ شیخ نمی رقصد۔ عشق می رقصد۔ ہر جا کہ عشق است او را رقص است

(بوڑھا نہیں ناچتا بلکہ عشق ناچتا ہے۔ جہاں کہیں عشق موجود ہے وہاں رقص حاضر ہے)

سلطان المشائخ یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ بدرالدین غزنویؒ بڑھاپے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے تھے لیکن جب قوالی سنتے تو اس طرح رقص کرتے گویا کوئی دس برس کا بچہ ناچ رہا ہے۔

آپ کا مزار دہلی میں خواجہ قطب الدین کاکیؒ کے پائیں میں ہے۔

خواجہ بستؒ

۴۰۰ ——— ۵۹۵ھ

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار سے زیادہ اونچی شمال جانب ایک قبر ہے جسے خواجہ بست کی قبر کہتے ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ دہلی فتح ہونے سے پہلے آپ یہاں دفن کئے گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مقبرہ تعمیر نہیں ہوا تھا بہرحال خواجہ بست کے حالات کا ہم کو علم نہیں ہے اور باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

مولانا ناصح الدینؒ

۶۱۹ ——— ۷۱۲ھ

آپ قاضی حمید الدین ناگوری کے بیٹے اور اُن کے سجادہ نشین تھے۔ سیر الاولیاء میں بحوالہ سلطان المشائخ تحریر ہے ایک آدمی جسے "عزیز بشیر" کہا کرتے تھے خرقۂ درویشی حاصل کرنے کی خاطر بدایوں سے دہلی آیا۔ پھر اس نے اُن نیت سے "حوض سلطان" پر لوگوں کو جمع کیا اس اجتماع میں بعض درویش بھی موجود تھے۔ عزیز بشیر نے جو طلب خرقہ کے لئے دہلی آیا تھا "حوض سلطان" کی طرف دیکھتے ہوئے کہا یہ حوض

معمول ہے اور بدایوں کا "حوض ساعر" اس سے بہت اچھا ہے۔ اس اجتماع میں محمد کبیر بھی موجود تھا اس نے جو بات سُنی تو مولینا ناصح الدین رح کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا! اس (آنے والے عزیز بشیر) کو خرقہ نہ دیجئے گا یہ بڑا ہی جھوٹا اور کذا بیا ہے۔

شیخ فخرالدین

۶۰۹ ——— ۶۵۳

حضرت معین الدین چشتی رح کے فرزند تھے۔ زراعت مشغلہ تھا اجمیر کے قریب آپ نے ایک گاؤں "ماندل" آباد کیا۔ ملفوظات مشائخین چشت میں ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رح کے صاحبزادہ نے ایک گاؤں آباد کیا مگر حاکم وقت اُن کو پریشان کرتا تھا جس کے دفعیہ کے لئے وہ دہلی آئے' اس عبارت سے شیخ فخرالدین رح ہی مراد ہیں اپنے پدر بزرگوار رح کی وفات کے بعد بیس برس تک زندہ رہے۔ اجمیر سے بتیس میل کے فاصلہ پر قصبہ سرواڑ میں آپ نے وفات پائی۔ یہیں حوض کے پاس آپ رح کا مقبرہ ہے۔

طبقہ دوم

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رح اور اُن کے معاصرین' مریدوں اور خلفاء کے حالات۔

خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رح

۶۰۹ ——— ۶۶۸

حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کے خلیفہ اور خواجہ اجمیری رح سے بھی نعمت یافتہ تھے۔ اکابر وارکان اولیاء میں سے تھے۔ ریاضت' مجاہدہ' فقر اور ترک دنیا میں کمال رکھتے تھے کشف وکرامت کی علامت اور ذوق ومحبت کا نشان تھے ہمیشہ سروخفی میں کوشاں رہتے۔ خود کو لوگوں کی نظروں سے چھپائے رکھتے۔ اور ایک شہر سے دوسرے شہر کی

لہ حضرت معین الدین چشتی رح کے تین لڑکے سید فخرالدین' سید ضیاء الدین ابوسعید اور سید حسام الدین۔ اور ایک بیٹی بی بی حافظ جمال تھیں۔ حضرت معین الدین چشتی رح نے بڑے فرزند سید شیخ فخرالدین کو بھی خلافت دی تھی۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رح نے (۶۹) سال کی عمر میں دو نکاح کئے ایک حاکم اجمیر کی دختر عصمت اللہ بی بی سے اور دوسری کسی راجہ کی لڑکی بی بی امۃ اللہ سے۔ بعض حساب دان مورخین نے شیخ فخرالدین کی تاریخ پیدائش ۶۲۵ھ مطابق ۱۲۲۹ء لکھی ہے کیونکہ خواجہ اجمیری نے ۶۳۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اس وقت شیخ فخرالدین کی عمر (۲۵) برس کی تھی اور اسی ۶۱۷ھ میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی رح نے جام وصال نوش کیا

سیاحت کرتے تھے آخر کار اجودھن (پاک پٹن) آئے جہاں کے باشندے تند خو، ظاہر پرست اور خاص کر فقیروں سے دشمنی رکھتے تھے یہاں پہونچ کر آپؒ نے فرمایا، یہ مقام میرے رہنے کے لائق ہے اور وہیں رہنے لگے۔ یہاں کوئی آپ کا پرسان حال نہ تھا۔ قصبے کے باہر کریر کے درخت تھے۔ اُن میں سے ایک گھنے درخت کے نیچے آپ یادالہی میں مشغول ہو گئے۔ یہاں کی مسجد میں اکثر و بیشتر نماز پڑھتے اور عبادت کرتے۔ یہیں آپ کے فرزند پیدا ہو گئے۔ یہیں آپ نے فاقے کئے اور یہیں مجاہدے و ریاضت کی سختیاں برداشت کیں۔ چونکہ زبردست روحانیت کے مالک تھے اس لئے پوشیدہ نہ رہ سکے۔

حکایت ہے ایک مرتبہ آپ کا لباس پارہ پارہ اور بہت بوسیدہ ہو گیا تھا ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک کرتہ لایا۔ آپ نے زیب تن فرما لیا اور پھر فوراً ہی اُتار کر شیخ نجیب الدین متوکل کو (جو آپ کے پاس حاضر تھے) دیتے ہوئے فرمایا جو لطف مجھے اس پُرانے کرتے میں ہے وہ اس نئے کرتے میں نہیں آتا۔

حکایت ہے کہ حضرت گنج شکرؒ اکثر اوقات شربت سے روزہ کھولتے۔ شربت کا ایک گلاس جس میں تھوڑے سے منقی ہوتے تھے آپ کے سامنے پیش کیا جاتا۔ اس میں سے آدھا بلکہ دو تہائی حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیتے باقی خود نوش فرما لیتے اور اس میں سے بھی کسی طلب گار کو دیدیا کرتے تھے۔ پھر دو روغنی روٹیاں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں جن میں سے ایک ٹکڑا نوش فرما کر باقی حاضرین مجلس میں تقسیم کر دیتے۔ اس کے بعد دسترخوان پہ طرح طرح کے کھانے چنے جاتے جو تمام لوگ کھاتے اور آپؒ دوسرے دن افطار تک پھر کوئی چیز تناول نہ فرماتے سوتے وقت اسی کمبل کو جس پہ دن کے وقت بیٹھا کرتے تھے بچھونا بنا لیتے۔ اور یہ کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ اس کے بچھونے پہ لیٹتے وقت آپ کے پاؤں اس سے باہر ہی رہتے تھے۔

حکایت ہے حضرت نظام الدین اولیاءؒ فرماتے تھے کہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اکثر و بیشتر زنبیل میں کی روٹی کھایا کرتے تھے اور افطار کے وقت زنبیل میں کے ایک دو ٹکڑے لازمی طور پہ آپ کے سامنے لائے جاتے تھے۔

شیخ فریدالدین محمودؒ کا بیان ہے کہ میں نے ایک بڑی مدت تک شیخ گنج شکرؒ کی زنبیل گردانی کی ہے۔ اور نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے کئی مرتبہ کہا ہے۔ جس رات شیخ گنج شکر کے یہاں زُلیا یا گل کر یہ ہم شکم سیر ہو کے کھا لیتے اس دن ہماری عید ہوتی۔ اور بس خوردہ بچا ہوا کھانا

ہمارا ایک دوست چُن لاتا جسے سب دوسرے لوگ کھاتے تھے۔ البتہ جب دلیا پکر بریہ ہوتا تو ہم زنبیل گردانی کرتے تھے۔

نیز شیخ فریدالدین محمودؒ کا بیان ہے کہ حضرت نظام الدین اولیاؒء کے پاس بھی ہم نے کئی سال تک زنبیل گردانی کی ہے۔ اور یہ تمام حضرات یہی معمولی سی غذا نوش کرکے اتنے بلند مقامات حاصل کئے ہیں۔

حکایت ہے شیخ گنج شکر کا نوکر ایک مرتبہ ایک پیسے کا نمک اُدھارے آیا۔ جب اُس نے کھانا پیش کیا شیخ کو نورِ باطن کے ذریعہ معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا اس کھانے میں خیانت کی بُو آرہی ہے میرے لئے یہ کھانا جائز نہیں۔

حکایت ہے ایک مرتبہ آپ کی بیوی نے آپ کے پاس آکے کہا۔ اے خواجہ! آج فلاں لڑکا بھوک سے مر رہا ہے۔ شیخ گنج شکر نے سر اٹھاکر جواب دیا "مسعود" کیا کرے۔ اگر موت آجائے اور اس دُنیا سے سفر کرجا ئے تو پاؤں میں رسی باندھ کر باہر پھینکدینا۔

حکایت ہے شیخ فرید گنج شکر نے جب مجاہدہ کرنا چاہا تو اس بارے میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے عرض کیا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا طے[1] کا روزہ رکھو۔ چنانچہ شیخ گنج شکر طے کا روزہ رکھنے لگے اور تین دن تک کچھ نکھایا۔ تیسرے دن افطار کے وقت ایک شخص نے چند روٹیاں آپ کے سامنے پیش کیں۔ آپ سمجھے غیب سے آئی ہیں چنانچہ آپ نے اسی روٹی سے افطار کیا لیکن باطن نے اسے قبول نہ کیا اور فوراً ہی کھایا پیا سب باہر آگیا۔ آپ نے یہ واقعہ پیرو مرشد سے کہا تو ارشاد ہوا اے مسعود! تم نے تین دن کے روزہ کے بعد ایک شرابی کا کھانا کھایا لیکن عنایت پروردگار تمہارے کام آئی جس نے تمہارے معدہ میں اسے رہنے نہ دیا۔ اب جاؤ اور پھر تین دن طے کا روزہ رکھو اور غیب سے جو کچھ ملے اُسے نوش جان کرو۔ چنانچہ شیخ گنج شکر نے پھر تین دن کا طے کا روزہ رکھا اور شام کو کوئی کھانا میسر نہ ہوا یہاں تک کہ ایک پہر رات گذر گئی کمزوری بڑھ گئی حرارت سے جسم جلنے لگا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر زمین سے چند سنگریزے

---

[1] طے وہ روزہ ہے جس میں مغرب کے وقت صرف پانی پی کر روزہ کھول لیتے ہیں اس کے سوائے اور کچھ کھانے پیتے نہیں۔ یہ روزہ کم سے کم تین دن کا رکھتے ہیں علاوہ ازیں متواتر دس دن ایک ماہ، چھ مہینے اور ایک سال تک کی میعاد کا بھی روزہ رکھتے ہیں۔ اس طرح مسلسل روزہ رکھنے کو طے کا روزہ کہتے ہیں جو اہل طریقت کے ہاں ایک عام رسم ہے۔

اٹھائے اور منہ میں رکھ لیے۔ کنکریاں آپ کے منہ میں شکر بن گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر دل میں خیال آیا کہیں یہ بھی شیطانی چال نہ ہو یہ سوچ کر وہ سنگریزے بھی منہ سے پھینک دیئے۔ اور پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ آدھی رات ہو گئی اور کمزوری بہت بڑھ گئی تو آپ نے پھر زمین سے کچھ کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈال لیں وہ پھر شکر بن گئیں اور آپ نے انھیں تھوک دیا۔ تین مرتبہ یہی کیا اور ہر مرتبہ یہی کرامت ظاہر ہوئی تو یقین ہوا کہ یہ نعمت خداوندی ہے پھر دوسرے دن شیخ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کی خدمت میں حاضری دی پیر کاکی نے فرمایا اچھا کیا جو سنگریزوں سے افطار کیا وہ غیب سے آئے تھے۔ اب جاؤ شکر کی طرح ہمیشہ شیریں رہو گے۔ اس دن سے شیخ فریدالدین مسعود کو گنج شکر (خزانہ شکر) کہتے ہیں اور یہی واقعہ سیر الاولیاء میں بھی لکھا ہے۔

آپ کے گنج شکر ہونے کی وجہ تسمیہ کا ایک واقعہ یہ بھی مشہور ہے کہ کچھ سوداگر شکر لیے جا رہے تھے۔ شیخ فرید نے ان سے شکر مانگی انھوں نے جواب دیا یہ شکر نہیں نمک ہے۔ شیخ نے فرمایا "نمک ہی ہوگا" سوداگروں نے جب مال کھولا تو سب نمک تھا وہ دوڑے ہوئے شیخ مسعود رح کے پاس لوٹے اور عذرخواہی کرتے ہوئے عرض کیا دعا فرمایئے یہ نمک پھر شکر ہو جائے۔ جواب دیا "شکر ہو جائے گا" (چنانچہ وہ نمک پھر اپنی اصلی کیفیت شکر میں تبدیل ہو گیا)

خانخانان نواب محمد بیرم خان اپنے جاہ و جلال اور بلندی مرتبہ کے باوجود فقیروں درویشوں کے ساتھ سلوک کیا کرتے اور ان سے اعتقاد و محبت کی بنا پر بے انتہا ان کی خاطر مدارت کرتے تھے۔ بصورت طریقت احکام الٰہی کی اجرائی کرنے والوں اور مخلوق سے مہربانیوں کے ساتھ پیش آنے والے درویشوں اور کامل صوفیوں پر بے دریغ دولت صرف کرتے اور ان سے الفت و محبت رکھتے تھے۔ نیک بخت زندہ رہا اور شہیدوں کی مانند جام بقا نوش کیا کا مصداق تھے۔ ان نواب خانخانان نے اس واقعہ تبدل شکر و نمک کو یوں بیان کیا ہے۔

کانِ نمک، جہانِ شکر، شیخ بحر و بر   آں کو شکر نمک کند و از نمک شکر

(نمک کی کان، شکر کا خزانہ، خشکی و تری کے آقا وہ ہیں جو شکر کو نمک اور نمک کو شکر بنا دیتے ہیں)

رباعی

کانِ نمک و گنج شکر شیخ فرید   کز گنج شکر کانِ نمک گردید

در کانِ نمک کرد نظر گشت شکر   شیریں تر ازیں کرامتے کس نشنید

(نمک کی کان اور شکر کا خزانہ شیخ فرید ہیں جنھوں نے شکر کے خزانہ کو نمک کی کان میں بدل دیا۔ اور پھر کانِ نمک کو ایک نظر میں شکر بنا دیا۔ اس سے زیادہ شیر میں دبہتر کرامت کسی اور کی سنی نہیں گئی)

غرضکہ شکر کو نمک پھر اس نمک کو شکر کی صورت میں تبدیل کر دینے کے بعد شیخ مسعودؒ نے مقام "اُجہ" میں جارج جامع مسجد کے کنوئیں پر اُلٹا چلّہ کھینچا۔ چالیس دن تک اس طرح عبادت کی کہ روزانہ رات کے وقت اس درخت کے سہارے جو کنوئیں پر تھا خود کو کنوئیں میں لٹکا دیتے اور صبح ہوتی تو باہر نکل آتے۔

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے کہ مشہور عقلمند و فلسفی جن کا نام ضیاء الدین تھا اور جو "منارہ" کے نیچے پڑھایا کرتے تھے ان کی زبانی میں نے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ میں (ضیاء الدین) خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کے پاس گیا۔ میں علم کے سوائے کچھ اور نہیں جانتا تھا۔ میرے جی میں آیا اگر شیخ نے علم کے سوائے کچھ اور پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا؟ میں ابھی اسی خیال میں تھا کہ شیخ نے مجھ سے دریافت فرمایا "تنقیح مناط[1]" کیا ہے چونکہ تنقیح مناط دراصل علم خلاف[2] کا ایک خاص مسئلہ ہے شیخ کے اس مسئلہ کے پوچھنے پہ مجھے بڑی مسرت ہوئی اور میں نے اس مسئلہ کی خوب اچھی طرح وضاحت کی۔ اس کے نفی و اثبات کے تمام پہلو بیان کئے۔ بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنی عمر کے (۹۵) سال پورے کر کے ۵۔ محرم ۶۶۸ھ میں وفات پائی۔

حکایت ہے کہ پانچویں محرم کی رات میں شیخ گنج شکرؒ پر مرض کی شدت ہوئی۔ باجماعت نماز عشاء پڑھنے کے بعد بیہوش ہو گئے تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا تو پوچھا کیا میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی۔ لوگوں نے کہا جی ہاں تو فرمایا ایک مرتبہ اور پڑھ لوں پھر کون جانے کیا ہو۔ چنانچہ آپ دوسری مرتبہ پھر نماز عشاء پڑھنے کے بعد بہت دیر تک بیہوش رہے اور جب ہوش آیا تو پوچھا کیا میں نے نماز عشاء پڑھ لی ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں آپ دو مرتبہ پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا ایک مرتبہ اور پڑھ لوں۔ پھر کون جانے کیا ہو۔ غرضکہ تیسری مرتبہ نماز عشاء پڑھنے کے بعد یاحَیُّ یاقَیُّومُ کہتے ہوئے

---

[1] تنقیح مناط کے معنی ہیں بیخودی کے اسباب۔ اور اہل طریقت اس بیخودی کو وجد وحال کہتے ہیں۔

[2] صوفیا کے مقرر کردہ اصول جن کو بروئے کار لانے ہوئے وہ احکام شریعت کی مخالفت کرتے ہیں اور شریعت ظاہری پر اپنے مقرر کردہ اصول کے رواج کو مقدم سمجھتے ہیں۔ از مترجم

جاں بحق ہوئے۔

حضرت گنج شکرؒ کے بعض ملفوظات شیخ نظام الدین اولیاء کے دست مبارک سے لکھے ہوئے ملے ہیں جن میں تحریر ہے۔

سات سَو پیران طبقات سے چار چیزیں دریافت کی گئیں ہر ایک نے یہی جواب دیا۔

۱۔ گناہوں کو چھوڑ دینے والا ہی سب سے عقلمند ہے۔

۲۔ زیادہ عقلمند و دانش مند وہی ہے جو کسی چیز پر غرور نہیں کرتا۔

۳۔ قناعت کرنے والا ہی سب سے زیادہ مالدار ہے۔

۴۔ قناعت چھوڑ دینے والا ہی سب سے زیادہ مفلس و محتاج انسان ہے۔ نیز تحریر ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے شرم آتی ہے کہ بندہ اس کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرے اور وہ اسے خالی ہاتھ مایوس و محروم واپس کر دے۔ ہونے کا غم نہیں اور نہ ہونے کا رنج نہیں۔ نامرادی ومایوسی کا دن دراصل مردانِ خدا کی معراج ہے۔ لوگوں کی سرد کلامی کی وجہ سے اپنی سرگرمی نہ چھوڑ دو۔

شیخ الاسلام جلال الدین رومیؒ کا قول ہے باتوں سے دل پر نشہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے ہر بات کے اول و آخر کو وزن کر لو۔ اگر کام اللہ کے لئے ہو تو بات کرو وگرنہ خاموش رہو۔ فقیر جب کوئی کپڑا پہنے تو سمجھ لے کہ اس نے کفن پہن لیا۔ تم جیسے ہو ویسے ہی نظر آؤ وگرنہ تمہاری اصلیت خود ظاہر ہوجائے گی۔ جنات و انسانوں کی عبادتوں سے ایک جذبہ حق بہتر و عمدہ ہے۔ سرور عالمؐ کا ارشاد ہے جو شخص لوگوں کی عیب جوئی سے علیحدہ رہا وہ خوش نصیب و خوش قسمت ہے۔ صوفی کسی چیز کو خراب و مکدر نہیں کرتا بلکہ ہر چیز کو مانجھ کر پاک صاف کرتا ہے۔ تم اگر بزرگ و بڑا بننا چاہتے ہو تو حاکموں کی طرف متوجہ رہنے سے علیحدگی اختیار کر لو۔ اور یہ رباعی بھی خود ان کی ہے۔

دوشینہ شبم دل حزینم بگرفت | واندیشۂ یار نازنینم بگرفت
گفتم بسر و دیدہ رھم بر دو تو | اشکم بدوید آستینم بگرفت

(کل رات میرا دل بے قرار ہو کر نازنیں دوست کے خیال میں کھو گیا۔ میں نے دل میں کہا کہ بسر و چشم تمہارے در دولت پر حاضر ہو جاؤں گا لیکن آنسوؤں نے دوڑ کر میری آستین پکڑ لی)

حکایت ہے کہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی موجودگی میں کچھ لوگ قوالی کے جائز و حرام ہونے کی

باہر جس میں علماء کا باہمی اختلاف سے گفتگو کر رہے تھے۔ اُن کی گفتگو سننے کے بعد آپ نے فرمایا سبحان اللہ۔ ایک جل کر خاکستر ہو گیا اور دوسرے ابھی تک اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔

ایک موقع پہ فرمایا تدبیر اور کھوج لگانے سے آفت آتی ہے اور تسلیم کرنے میں سلامتی ہے۔ علماء عام لوگوں میں زیادہ معزز ہیں اور فقیر و درویش معززین میں زیادہ عزت دار سردار اور شریف تر ہیں۔ عالموں فاضلوں میں فقیر کی مثال ایسی ہے جیسے آسمانی ستاروں میں چودھویں کا چاند سب سے زیادہ۔ ذلیل و ذلیل و کمین وہ ہے جو خود کو کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے میں مشغول رکھے۔

حکایت ہے کسی نے ایک مرتبہ شیخ گنج شکرؒ کی خدمت میں معروضہ پیش کیا کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے نام میرے لئے ایک سفارش نامہ تحریر فرما دیجئے۔ چنانچہ شیخ نے تحریر فرمایا میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہوئے آپ تک پہونچاتا ہوں۔ اگر آپ اسے کچھ عطا کر دیں تو حقیقی طور پہ ادا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ کچھ عنایت نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہی مانع اور روکنے والا ہے اس طرح آپ معذور متصور ہوں گے۔

شیخ نظام الدین محمد بدایونیؒ

شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے

آپ کا نام محمد بن احمد بن علی بخاری اور لقب سلطان المشائخ

یعنی

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

و نظام الدین اولیاء تھے بارگاہ الٰہی میں محبوب و مقرب تھے

۶۳۱ھ ——— ۷۲۵ھ

آپ کے اثرات برکات سے ہندوستان مالامال ہے۔ آپ کے دادا علی بخاری اور آپ کے نانا خواجہ عرب دونوں کے دونوں ایک ساتھ بخارا سے لاہور آئے جہاں عرصہ تک رہنے کے بعد بدایوں آکر سکونت پذیر ہو گئے آپ کے بچپن ہی میں آپ کے والد خواجہ احمد نے انتقال کیا جو بدایوں میں مدفون ہیں۔

شیخ نظام الدین اولیاء جب ذرا بڑے ہوئے تو آپ کی والدہ نے آپ کو مدرسہ میں داخل کر دیا

لہ اصل نسخہ فارسی مطبوعہ مجتبائی ۱۳۳۲ھ میں ترجمہ میں شیخ بدالدین کی کتابت سہواً ہو گئی ہے ورنہ بلحاظ اندراج حالات و سیاق و سباق شیخ فریدالدینؒ ہی ہونا چاہیئے۔
از مترجم

جہاں قرآن کریم پڑھا اور دوسری کتابیں پڑھنے لگے۔ آپ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی اُس وقت لغت علم ادب پڑھتے تھے۔ ابوبکر قوال ملتان سے آپ کے استاد کے پاس آیا ہوا تھا اس نے کہا کہ میں نے شیخ بہاء الدین زکریا کے روبرو مجلس قوالی میں یہ شعر پڑھا تھا۔

لَقَدْ لَسَعَتْ حَیَّةُ الھَوٰی کَبِدِی

(خواہشات کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے)

دوسرا مصرعہ یاد نہیں آرہا ہے۔ نظام الدین اولیاء نے فوراً ہی اس کا دوسرا مصرعہ پڑھ سنایا۔

لا طَبِیبَ لَھَا وَلا رَاقِی

(اس کا کوئی معالج ہے اور نہ منتری) اس کے بعد اس قوال نے شیخ بہاء الدین زکریا کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے اور کہا ان کے پاس کے ذکر و شغل کی یہ حالت ہے کہ آپ کے پاس کی چکی پیسنے والی مزدور عورتیں بھی ذکر کرتی ہیں۔ اسی طرح بہت سی باتیں بیان کرتا رہا لیکن ان میں سے کسی بات نے نظام الدین اولیاء کے دل پہ کوئی اثر نہیں کیا۔ پھر اس قوال نے کہا کہ میں وہاں سے اجودھن (پاک پٹن) پہنچا جہاں ایک بادشاہ ولایت دیکھا جو ایسا اچھا اور ایسا خوب ہے۔ قوال کی یہ باتیں سنتے ہی نظام الدین اولیاء کے دل میں شاہ پاک پٹن کی محبت و ارادت جاگزیں ہوگئی اور اُن پر خود رفتگی کا عالم چھا گیا اور اسی وقت سے ان کے دل میں شیخ فریدؒ کی محبت پیوست ہوگئی۔ اور گرویدگی روز بروز بڑھنے لگی۔ اُٹھتے بیٹھتے کھاتے سوتے شیخ فریدالدینؒ کا ذکر ورد زبان ہوگیا۔ پھر بدایوں سے آپ حصول علم کی خاطر دہلی آئے۔ اور صدر ولایت شمس الملک کے آگے زانوئے علم تہہ کرکے اُن سے مقامات حریری (عربی ادب کی مشہور کتاب) پڑھی۔ اور علم حدیث بھی حاصل کیا۔ دوسرے طالب علم بھی آپ کو نظام الدین بحاث (منطقی) کہتے تھے۔ یہاں سے فراغت تعلیم کے بعد شیخ فریدالدینؒ کے شوق ارادت میں آپ پاک پٹن پہونچے۔ اس وقت آپ کی عمر (۲۰) سال کی تھی۔ جہاں آپ نے شیخ فریدؒ سے قرآن کریم کے چھ پارے تجوید یعنی علم قرأت کے ساتھ پڑھے۔ عوارف کے چھ باب کا درس لیا۔ تمہید ابو شکور سلمی اور بعض دوسری کتابیں بھی شیخ فریدالدین سے پڑھیں۔

نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے شیخ فریدالدینؒ سے جب مجھے شرف پابوسی حاصل ہوا اس وقت شیخ نے سب سے پہلے یہ شعر پڑھا تھا۔

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

(تیرے فراق کی آگ نے ہمارا دل کباب کر دیا اور تیرے شوق کے سیلاب نے ہماری جان

تباہ کردی ہے) اس کے بعد میں نے چاہا کہ خدمت گرامی میں شوق حاضری کا اظہار کروں لیکن ان کا خوف اس قدر غالب آیا کہ صرف اتنا ہی کہہ سکا پابوسی کا شوق بے انتہا غالب تھا۔ پھر مجھ پر خوف کے آثار دیکھ کے فرمایا ہر داخل ہونے والے کو دہشت ہوتی ہے۔

اسی دن میں نے آپ سے بیعت کی اور پھر پوچھا اب کیا ارشاد ہے درسی تعلیم ختم کرکے ورد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں؛ فرمایا ہم کسی کو حصول تعلیم سے منع نہیں کرتے وہ بھی کرو یہ بھی کرو۔ پھر دیکھو کون غالب آتا ہے اور نفیر کو قدرے علم بھی ضروری ہے۔اس کے بعد شیخ نظام الدین اولیاً نعمت خلافت حاصل کرکے دہلی آئے۔ پیر و مرشد شیخ فریدالدینؒ کی زندگی میں آپؒ دہلی سے اُن کے پاس پاک پٹن تین مرتبہ گئے۔ شیخ فریدؒ کے وصال کے وقت اتفاقاً نظام الدین اولیاءؒ اسی طرح موجود نہ تھے جس طرح کہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے انتقال کے وقت اور یہ خواجہ قطب الدین اپنے شیخ حضرت معین الدین چشتیؒ کے وصال کے وقت حاضر نہ تھے۔ اس واقعہ کے بعد باشارۂ غیبی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی سے غیاث پور (شہر دہلی کے قریب ہی ہے اور اب دہلی میں شامل ہے) آکر سکونت پذیر ہو گئے جہاں آپ کی خانقاہ بھی ہے۔

نظام الدین اولیاء نے فرمایا ہے جب معزالدین کیقباد نے وہاں ایک نیا شہر آباد کرنا چاہا اس زمانہ میں لوگوں کا میرے پاس ٹھٹ لگ گیا۔ بادشاہ امیر و رئیس سبھی آنے جانے لگے۔اس وقت میرے جی میں آیا یہاں سے بھی چل دینا چاہیے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ اسی دن نماز ظہر کے بعد فوراً ہی ایک بہت خوبصورت نازک اندام آیا اور آتے ہی اُس نے یہ شعر پڑھا۔

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی ۔۔۔ کانگشت نمائے عالمے خواہی شد

(جس دن ماہتاب بنے تھے اس وقت نہیں جانا تھا کہ تم دنیا بھر کے انگشت نما ہو گے)

پھر اس جوان رعنا نے کہا اول تو مشہور ہی نہ ہونا چاہیے اور جب عام شہرت ہوگئی تو ایسا کرنا چاہیے کہ کل بروز حشر سرور عالمؐ کے روبرو شرمندگی نہ اٹھانا پڑے۔ پھر کہا قوت و حوصلہ یہی ہے کہ مخلوق خدا سے چھپ کر گوشہ نشین ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جاؤ؟ بلکہ درحقیقت قوت حوصلہ یہ ہے کہ مخلوق میں رہ کر یاد الٰہی کرتے رہو۔ پھر اس سیم تن نے جب یہ سب باتیں ختم کریں تو میں اس کے لئے کچھ کھانا لایا۔ لیکن اس نے کچھ نہ کھایا۔ اس وقت میں نے اپنے دل میں اقرار کیا اب یہیں سے کہیں اور نہ جاؤں گا تو اس حسین نوجوان نے تھوڑا سا پانی پیا اور پھر چلا گیا اس کے بعد سے آج تک میں نے اُس کی صورت نہیں دیکھی۔

غرضکہ جب نظام الدین اولیاءؒ نے وہاں رہنے کی پکی نیت کرلی تو اللہ نے اُنہیں کافی مقبولیت دی۔ عام وخاص سب لوگ آپ کی طرف رجوع ہو گئے۔ ابواب فتوح و دست غیب وغیرہ آپ پہ ظاہر ہو گئے۔ اور پوری دنیا اللہ تعالیٰ کے احسان وانعام کی مدد سے نظام الدین اولیاءؒ کے ذریعہ فائدے حاصل کرنے لگی۔ آپؒ کا خود حال یہ تھا کہ ریاضت ومجاہدہ میں ہمہ تن مشغول رہتے تھے جس وقت آپ کی عمر اسّی سال سے زیادہ ہوگئی تو آپ بے انتہا مجاہدہ وریاضت کرنے لگے تھے۔ ہمیشہ روزے رکھتے۔ افطار میں تھوڑا سا کھا لیتے۔ سحری میں عام طور پہ کچھ نہ کھاتے۔ خادم جب کہتے کہ حضور نے افطار میں بھی تھوڑا ہی سا چکھا تھا اگر سحری میں بھی تھوڑا سا نہ کھائیں گے تو کیا حال ہوگا ضعف و ناتوانی میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہوجائے گا۔ خدام کی یہ باتیں سُنکر گریہ وزاری کرتے ہوئے فرماتے بہت سے مسکین و درویش مسجدوں اور دکانوں میں بھوکے پڑے فاقے کررہے ہیں۔ اب بتاؤ یہ کھانا میرے حلق سے نیچے کیسے اُترے۔ تب خدام مجبوراً آپ کے آگے سے سحری اٹھا لیجاتے۔

حکایت ہے شیخ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا میں ایک مرتبہ اپنے شیخ کے ساتھ کشتی میں سوار تھا شیخ نے مجھے بلاتے ہوئے فرمایا سامنے آؤ تم سے کچھ کہنا ہے۔ سنو جب دہلی پہونچو مجاہدہ میں مشغول رہنا۔ بیکار رہنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ روزہ رکھنا آدھی منزل ہے اور باقی اعمال جیسے نماز، حج آدھی منزل ہیں۔ پھر ایک مرتبہ شیخ فریدؒ نے فرمایا۔ میں نے اللہ سے دعا کی ہے کہ تم اللہ سے جو کچھ مانگو گے وہ مل جائے گا۔

ایک مرتبہ یہ بھی فرمایا اے نظام الدین ہم نے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے دنیاوی قوت بھی مانگ لی ہے۔

خلیفہ بناتے وقت پیرومرشد شیخ فریدؒ نے فرمایا تھا استعداد راہ سلوک کی خاطر ہمیشہ مجاہدہ کرتے رہنا۔

ایک مرتبہ پیرومرشدؒ اپنے کمرہ میں ننگے سر بیٹھے تھے۔ چہرہ مبارک کا رنگ متغیر تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

رباعی

خواہم کہ ہمیشہ در رضائے تو زیم | خاکی شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ منِ خستہ زکونین توئی | از بہرِ تو میرم و برائے تو زیم

(میری خواہش ہے کہ ہمیشہ تیری رضامندی کے لئے زندہ رہوں۔ خاک ہوکر بھی تیرے پاؤں

تلے زندہ ہوں۔ دین و دنیا میں مجھ خستہ حال کا مقصود و مطلوب تو ہی ہے۔ تیرے ہی لئے مرنا چاہتا ہوں اور تیرے ہی لئے زندگی درکار ہے)

پیرو مرشد شیخ فریدؒ نے جب یہ اشعار ختم کئے تو سجدہ کیا۔ جب کئی مرتبہ شیخ نے اسی طرح کیا تو میں (نظام الدین) آپؒ کے کمرہ میں داخل ہوا اور میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ ارشاد ہوا کہو کیا چاہتے ہو۔ میں نے کچھ دینی و مذہبی امور کی طلب کی جو شیخ نے مجھ کو دیدیئے۔ اس کے بعد میں بہت پشیمان ہوا کہ میں نے قوالی میں اپنی موت کی خواہش کیوں نہیں کی۔

حکایت ہے کہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ ہمیشہ رات کو اپنے کمرہ میں تنہا رہتے۔ کمرہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیتے اور تمام رات راز و نیاز میں مشغول رہتے۔ صبح کو جو کوئی آپ کے چہرہ مبارک کو جس پر مستی کی درخشانی کا ظہور ہوتا دیکھتا تو اتنا ہی کہتا کہ شب بیداری سے آپ کی آنکھیں سُرخ ہیں۔ لوگوں کا بیان ہے کہ میر خسرو دہلویؒ نے اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کی تعریف میں یہ شعر کہا ہے۔

تو شبانہ می نمائی بہرے کہ بودی امشب   کہ ہنوز چشم مستت اثر خُمار دارد

(آپ ہمیشہ رات کو بیدار کیا کرتے ہیں لیکن آج رات کوئی خصوصی بات ہوئی جس کے اثر سے اب تک آپ کی آنکھوں میں خمار باقی ہے۔)

حکایت ہے ایک مرتبہ محبوب سبحانی نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا ایک حادثہ میں مجھے ایک خط دیا گیا جس میں لکھا تھا جب تک ممکن ہو دلوں کو آرام پہونچاؤ کیونکہ مسلمان کا دل دراصل پروردگار کے ظہور کا مقام ہے۔ بازار قیامت میں کوئی سامان اتنا زیادہ مقبول نہ ہوگا جتنی کہ دلوں کی راحت رسانی کی مانگ ہوگی۔

حکایت ہے ایک مرتبہ محبوب سبحانی دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے اسی اثناء میں ایک درویش آیا جسے آپ کے ایک خادم نے واپس کر دیا۔ محبوب سبحانیؒ نے اسی قیلولہ کی حالت میں اپنے شیخ حضرت فریدالدین گنج شکرؒ کو دیکھا جو فرمارہے تھے۔ اگر تمہارے گھر میں کوئی چیز نہیں ہے تو کم از کم آنے والے کے ساتھ حسن رعایت کرنا لازمی و ضروری ہے۔ یہ کہاں کا قاعدہ ہے کہ ایک خستہ دل مجبور و معذور کو یونہی لوٹا دیا جائے۔ چنانچہ محبوب سبحانیؒ نے بیدار ہو کر اس واقعہ کی تلاش کی اور جس نے درویش کو لوٹا دیا تھا اس پر غضبناک ہوتے ہوئے فرمایا۔ پیر و مرشد شیخ فریدالدین گنج شکرؒ مجھ پر سخت غضبناک ہوئے اور مجھ پر خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس کے بعد محبوب سبحانیؒ نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ قیلولہ کے بعد جب بیدار ہوتے تو دریافت کرتے ہے کہ کوئی آیا تھا؟

حکایت ہے کچھ آدمی حضرت محبوب سبحانی کے پاس آنے لگے تو انھوں نے بطور تحفہ کچھ چیزیں مول لیں۔ ان لوگوں میں ایک طالب علم بھی تھا اس نے کہا ان سب تحفوں کو ایک ساتھ پیش کر دیں گے تاکہ خادم کے لیجانے میں سہولت ہو اس طالب علم نے یہ حرکت کی کہ تھوڑی سی مٹی اٹھا کر ایک کاغذ میں باندھ دی۔ سب نے محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضری دی ہر ایک نے اپنا اپنا تحفہ پیش کیا اور اس طالب علم نے وہ مٹی کی پڑیا پیش کی۔ خادم محبوب سبحانیؒ نے تمام تحفے اُٹھانا شروع کئے اور اس پڑیا کو بھی اُٹھانا چاہا تو ارشاد ہوا اس پڑیا کو یہیں رہنے دو اس میں ہماری آنکھوں کے لئے ایک خاص قسم کا سرمہ ہے۔ یہ سنتے ہی اس طالب علم نے توبہ کی اور محبوب سبحانیؒ نے اُسے عزت سے مشرف کرتے ہوئے اچھی طرح سمجھا دیا تمہیں جب کبھی روٹی یا کسی اور چیز کی طلب ہو تو ہم سے کہہ دینا۔

حکایت ہے ایک آدمی اپنے قصبہ سے محبوب سبحانیؒ سے ملنے کے لئے روانہ ہوا۔ اثنار راہ میں جب وہ قصبہ "بوندی" پہونچا جہاں ایک بزرگ رہتے تھے اور لوگ ان کو شیخ موہن کہتے تھے یہ آدمی اُن سے بھی ملنے چلا گیا۔ انھوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ اس آدمی نے کہا شیخ نظام الدین اولیاؒ کے پاس۔ جس پہ شیخ موہن نے کہا شیخ محبوب الٰہی کو ہمارا بھی سلام پہونچا دینا اور کہنا کہ ہر شب جمعہ کو میں آپ سے کعبہ میں ملتا ہوں۔ اس آدمی نے محبوب سبحانی کی خدمت میں حاضری دی اور کہا قصبہ بوندی کے درویش نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ یہ باتیں کہی ہیں۔ اس پہ محبوب سبحانیؒ کچھ بے چین سے ہوئے اور فرمایا وہ بڑا درویش ہے لیکن اپنی زبان پہ برقرار نہیں رہتا۔

حکایت ہے ایک مرتبہ سلطان علاؤالدین خلجی نے امتحان لینے کی خاطر امور مملکت کے انتظام کے لئے محبوب سبحانیؒ کی خدمت میں چند فصلیں لکھ کر بھیجیں جن میں سے ایک فصل کا مضمون یہ تھا۔

حضرت شیخ دو عالم کے مخدوم ہیں۔ لوگوں کی دینی و دنیاوی مرادیں آپ کے دربار سے پوری ہوتی ہیں۔ اللہ نے دنیاوی مملکت کی باگ ڈور ہمارے ہاتھ میں دی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مملکت کے مصالح و امور متعلقہ کو اولاً والا جناب کی خدمت میں پیش کیا جائے تاکہ جس امر میں مملکت کی بھلائی اور ہماری بہتری ہو اُس سے ایما و آگاہ فرمائیں۔ اسی کے مدنظر چند متعلقہ فصلیں مرتب اور خدمت گرامی میں پیش ہیں جن امور میں بہتری و بھلائی متصور ہو اس کے نیچے تحریر فرما دیں تاکہ ہم ان پہ عمل کر سکیں۔

سلطان علاؤالدین خلجی نے یہ فرمان اپنے محبوب فرزند خضر خاں کے ذریعہ جو محبوب الٰہی کا مرید بھی تھا ارسال خدمت کیا۔

خضر خان نے جب یہ سربمہر فرمان شیخ محبوب سبحانی کے دست مبارک میں دیا تو آپ نے اُسے بغیر

کھیے حاضرین مجلس۔سے فرمایا آؤ فاتحہ پڑھیں۔اس کے بعد فرمایا شاہی معاملات وامور سے فقیروں کو کیا واسطہ۔میں ایک درویش شہر کے ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور مسلمانوں کی بھلائی کے لئے دعا کرتا ہوں۔اور اس لحاظ سے کہ میں اُن کے شہر میں مقیم ہوں اگر پھر مجھ سے کچھ کہا تو میں یہ شہر بھی چھوڑ دوں گا کیونکہ ارض اللہ واسعۃ" (اللہ کی زمین بڑی وسیع و فراخ ہے) سلطان علاء الدین خلجی کو جب یہ خبر پہونچی تو بہت مسرور ہوا اور پھر آپکا معتقد ہو گیا۔اور کہلا بھیجا اگر والاجناب اجازت دیں تو حاضر ہوں جس پہ محبوب سبحانی نے جواب دیا۔آنے کی چنداں ضرورت نہیں میں آپ کے غیاب ہی میں آپ کے لیئے دعا کرتا ہوں۔کیونکہ غیر موجودگی میں جو دعا کی جاتی ہے وہ پُر تاثیر ہوتی ہے۔سلطان نے اس کے بعد پھر ملاقات کے لئے منت سماجت کی تو کہلا بھیجا۔اس ضعیف کے گھر کے دو دروازے ہیں اگر بادشاہ سلامت ایک دروازہ سے آئیں گے تو میں دوسرے دروازہ سے چلا جاؤں گا۔

حکایت ہے محبوب سبحانی فرماتے تھے۔میں نے قوال کے جتنے قواعد و اوصاف سنے ہیں اُن سب پر بربناء اخلاق حمیدہ شیخ کبیر عمل کیا ہے۔ایک دن میں نے اپنے پیر و مرشد شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی موجودگی میں جبکہ اکثر لوگ جمع تھے کہنے والوں سے یہ شعر سُنا ہے۔

عزام بدیں صفت مبادا کز چشم بدت رسد گزندے

(میدان حیات میں اس طرح نہ چلو کہ کہیں خدانخواستہ تم کو نظر بد لگ جائے) آج مجھے شیخؒ کے اخلاق حمیدہ اچھے اوصاف۔کمال بزرگی اور بے انتہا مہربانیاں یاد آتی ہیں جس کے وہ مجسمہ و پیکر تھے۔اتنا کہنے کے بعد محبوب سبحانیؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔پھر فرمایا۔تھوڑے ہی دنوں بعد پیر و مرشد حق سے پیوست ہو گئے۔

حکایت ہے ایک آدمی نے حضرت محبوب سبحانی کی مجلس میں کہا فلانے مقام پہ آپ کے دوست اکٹھا ہیں اور مختلف باجے بجا رہے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا میں نے گانے باجے اور محرمات سے دور رہنے کا ان کو حکم دیا تھا۔انھوں نے اچھا نہیں کیا۔پھر سماع قوالی کی بارے میں بیحد سختی کرتے ہوئے فرمایا شیخ اوحدالدین کرمانی ایک دن شیخ شہاب الدین کے پاس آئے چنانچہ شیخ شہاب الدین نے اپنی جانماز تہہ کرکے اپنے زانو کے نیچے رکھ لی۔اس عمل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آنے والے شیخ کی بے انتہا عظمت کی جا رہی ہے۔جب رات ہوئی تو شیخ اوحدالدین نے قوالی سننے کی خواہش کی۔شیخ شہاب الدین نے قوالی کے لئے ایک جگہ ٹھیک ٹھاک کرکے قوال بلائے اور خود گھر کے

ایک کونہ میں جاکر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

مؤلف کتاب (حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ) کہتے ہیں کہ یہ حکایت اس تحریر کے خلاف ہے جو نفحات الانس میں ہے جس میں لکھا ہے کہ مولانا شہاب الدینؒ کے پاس اگر کوئی شیخ اوحد الدین کا ذکر کرتا تو مولانا فرماتے ہمارے سامنے اس بدعتی کا نام نہ لو۔ ساتھ ہی شیخ رکن الدین علاء الدین کا بیان ہے کہ یہ قصہ صحیح ہے جس کے اوقات مختلف تھے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

حکایت ہے ایک شخص نے ایک مرتبہ خط لکھا جس میں تحریر کیا خطا ہوئی اور بے حد غیر خالص کلام ہوا۔ اور یہ رقعہ محبوب سبحانی کو دیدیا خط پڑھنے میں محبوب سبحانی کو دیر ہوگئی خط رکھے رکھے دریافت فرمایا مولانا یہ آپ کا خط ہے؟ مولانا معذرت خواہی کے ساتھ آگے بڑھے اور کہا جی ہاں یہ بندۂ طبعی کا خط ہے۔ جس پہ محبوب سبحانیؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ خوب طبیعت خوب۔

حکایت ہے کہ حضرت محبوب سبحانی نے انتقال سے چالیس دن پہلے سے کھانا بالکل نہیں چکھا۔ اور آخری وقت جبکہ اس دنیا سے جارہے تھے پوچھتے کیا نماز کا وقت ہو گیا اور میں نے نماز پڑھ لی ہے؟ اس پہ جواب دیتے آپ نماز ادا کرچکے ہیں تو ارشاد فرماتے دوبارہ پھر پڑھتا ہوں۔ غرضکہ ہر نماز دوبارہ پڑھتے اور کہتے ہم جاتے ہیں۔ ہم جاتے ہیں۔ ہم جاتے ہیں۔ پھر خادم کی جانب متوجہ ہو کے فرمایا اگر گھر میں کسی قسم کا کوئی سامان رہا تو کل روز محشر بارگاہ الٰہی میں جواب دہی کرنا ہوگی۔ چنانچہ خادم نے سب کچھ لوگوں کو دیدیا۔ البتہ وہ غلہ رہنے دیا جو درویشوں کے لئے تھا۔ پھر فرمایا یہ مردہ مال کیوں رکھ چھوڑا ہے۔ اس کو بھی نکال پھینکو اور گھر میں جھاڑو دیدو۔ تب خادم نے انبار غلہ کھول دیئے ایک دنیا جمع ہو گئی اور لوٹ لے گئی۔ اس کے بعد تمام دوسرے خادموں نے عرض کیا آپ کے بعد ہم غریبوں کا کیا حال ہوگا۔ ارشاد ہوا ہمارے روضہ میں تم کو اتنا مل جائے گا جو ضروریات کے لئے کافی ہوگا۔ ان لوگوں نے پھر کہا ہم میں کون شخص آمدنی تقسیم کرے گا؟ ارشاد ہوا وہ جو اپنے حصہ سے دست برداری کرے گا۔ بعد طلوع آفتاب بروز چہارشنبہ ۱۸۔ ماہ ربیع الثانی ۷۲۵ھ آپ نے وفات پائی۔

حضرت محبوب سبحانی نے فرمایا ہے۔ جانے والا کمال کی جانب متوجہ رکھتا ہے۔ یعنی سالک جب تک راہ سلوک میں ہے امیدوار کمال ہے۔

امیدوار کی تین قسمیں ہیں سالک۔ واقف اور راجع۔ سالک وہ ہے جو راہ سلوک میں مسلسل گامزن رہے۔ واقف وہ ہے جس کو راہ سلوک میں وقفہ پیدا ہو۔ یہیں لوگوں نے پوچھا کیا سالک کو بھی وقفہ پیدا ہو جاتا ہے؟ ارشاد فرمایا ہاں اس وقت جبکہ سالک کو عبادت کرنے میں کوئی ایسی کمی

وغلطی ہوجائے جس سے ذوق عبادت نہ رہے تو اس کو وقفہ پیدا ہوجاتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر جلد تر کوئی تدبیر کر کے توبہ کرے تو سالک رہ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ اپنی موجودہ حالت پر رہے تو خوف دامن گیر رہتا ہے کہ راجع ہوجائے گا۔ پھر راہ سلوک کی لغزشوں کو بیان کیا جو سات ہیں۔ اعراض، حجاب، تفاصل، سلب مزید، سلب قدیم، تسلی اور عداوت۔ پھر فرمایا عاشق ومعشوق دو دوست ہیں جو باہم ایک دوسرے کی محبت والفت میں مستغرق رہتے ہیں۔ اسی حالت میں عاشق سے اگر کوئی ایسی حرکت سرزد ہوجائے جو معشوق کو ناپسند ہے تو معشوق اپنے اس عاشق سے اعراض کرتا ہے یعنی منہ پھیر لیتا ہے۔ اس لئے عاشق کو واجب ہے کہ وہ فوراً ہی توبہ کرتے ہوئے عذرخواہی کرے تو لازمی طور پر معشوق اس سے راضی ہوجائے گا۔ اور اگر عاشق اپنی غلطی پر اصرار کرتے ہوئے معذرت نہ کرے تو یہ اعراض اس وقت حجاب بن جاتا ہے یعنی معشوق اپنے اور عاشق کے درمیان میں پردہ ڈال لیتا ہے۔ اس صورت میں عاشق کے لئے ضروری ہے کہ گریہ وزاری کے ساتھ توبہ کرے۔ اگر اس مرحلہ میں ذرا سی بھی تاخیر کی تو یہ حجاب پھر تفاصل یعنی جدائی سے بدل جاتا ہے یعنی یہی ہوتا ہے کہ معشوق اپنے عاشق سے الگ ہوجاتا ہے۔ اور اگر اس حالت میں بھی عذرخواہی نہ کرے تو سلب مزید ہوجاتا ہے یعنی عاشق سے ورد و وظیفہ اور ذوق عبادت وغیرہ کا شوق سلب، جدا ہوجاتا ہے۔ اب بھی اگر توبہ نہ کرے اور اپنی باطل پرستی پہ ڈٹا رہے تو سلب قدیم کی صورت پیدا ہوجاتی ہے یعنی طاعت وعبادت کا جو آرام و ثواب پہلے حاصل تھا وہ بھی چھین لیا جاتا ہے اس کیفیت میں بھی اگر توبہ و استغفار میں کمی و کوتاہی کی جائے تو پھر تسلی کا درجہ آجاتا ہے یعنی معشوق دل سے اپنے اس عاشق کی رسائی کا خواہشمند رہتا ہے۔ اور اس کیفیت میں بھی اگر توبہ و استغفار میں غفلت کی جائے تو عداوت پیدا ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو لغزشوں سے محفوظ رکھے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ قوالی بالکل حلال اور بالکل حرام نہیں ہے۔ لوگوں نے پوچھا قوالی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا جیسے سننے والے ہوں۔ اور سماع و قوالی اُس آواز کا نام ہے جو موزوں ہو۔ اس لئے یہ کسی طرح حرام نہیں ہے۔ البتہ وہ قوالی جس میں باجے ہوں وہ قطعاً حرام ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا بعض مرید ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیر و مرشد پہ اکتفا نہ کر کے دوسرے پیر کے ہاتھ پہ بیعت کر کے اس دوسرے سے بھی خرقہ حاصل کر لیتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ چیز کچھ بھی قابل وقعت نہیں۔ دراصل بیعت وہی ہے جو پہلی مرتبہ کسی کے ہاتھ پہ کی جائے اگرچہ وہ پیر و مرشد ایک عام آدمی ہو۔ نظام الدین اولیاءؒ سے کسی نے شیخ منصور حلاج کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا وہ مردود

دراصل "خیر نساج" کا مُرید تھا۔ جن کی ارادت سے مُنہ موڑ کر شیخ جُنید بغدادیؒ سے بیعت کرنا چاہی تو شیخ جُنیدؒ نے فرمایا تم دراصل "خیر نساج" کے مرید ہو۔ میں اب دوبارہ تم سے بیعت نہیں لیتا۔ چنانچہ شیخ جُنیدؒ جو اپنے وقت کے مقتدا اور کامل تھے انھوں نے حلّاج کو واپس کردیا۔ آپ کے لوٹا دینے کے سبب سے دوسرے سب لوگوں نے بھی حلاج کی دوبارہ بیعت قبول نہیں کی۔

مؤلف کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں منصور حلّاج کی بابت مختلف حکایتیں مشہور ہیں۔ حقیقت حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ لیکن غوث الثقلین حضرت عبدالقادر جیلانیؒ سے منقول ہے کہ آپؒ نے فرمایا منصور حلّاج دراصل ولی اور اللہ کا مقرب تھا وہ پھسل گیا۔ اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی دستگیری کرتا اگر وہ میرے زمانہ میں ہوتا تو میں اُس کا ہاتھ تھام لیتا۔

قطعہ

گرچہ ایزد و ہد ہدایتِ دیں   بندہ را اجتہاد باید کرد
نامۂ کاں بحشر خواہی خواند   ہم ازیں جا سواد باید کرد

(دین کی ہدایت اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے لیکن بندہ کو کوشش کرنا چاہیئے۔ لوگ حشر میں اپنے نامہ اعمال پڑھیں گے اس لئے اس دنیا سے سواد اعظم اور مرکز حاصل کرلینا ضروری ہے) محبوب سبحانی نے ایک مرتبہ فرمایا اگر کوئی مرید اپنے پیر سے کہے کہ میں آپ کا مُرید ہوں اور پیر صاحب فرمائیں کہ تو میرا مُرید نہیں ہے تو اس حالت میں اس کو مُرید ہی سمجھا جائے گا لیکن اگر کوئی پیر کسی سے کہے کہ تو میرا مُرید ہے اور مُرید کہے کہ میں آپ کا مُرید نہیں ہوں تو ایسے شخص کو مُرید نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ ارادت دراصل مُرید کا فعل ہے جو شیخ کا کام نہیں ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ نیک بختی کے قفل کی بہت سی کنجیاں ہیں سب کنجیوں کی مدد سے سعادت کا قفل کھولنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ فرمایا سچے لوگوں کی صبح 'صبح' کے وقت ہوتی ہے اور عاشقوں کی صبح 'شام سے شروع ہوتی ہے۔ جو عشاء سے فجر کی نماز تک شب بیدار رہ کر زندہ رہتے ہیں۔ اور ایسے ہی لوگ مشائخ ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ پیر و مرشد کی صحبت سے جو خرقہ حاصل کیا ہے وہ کسی دوسرے کو نہ دیا جائے اسے دھونے کی ممانعت نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ اُسے دھویا نہ جائے۔

ایک مرتبہ فرمایا۔ انوار الٰہی کا صحبت یافتہ پیر اگر وصیت کرے کہ قبر میں اس کے برابر فلاں عمدہ چیز رکھ دی جائے تو جائز ہے یا یہ وصیت کرے کہ فلاں صالح فرزند کو یہ چیز دیدی جائے تو لازمی

طور پر وہ چیز اُس وصیت کر کے حوالہ کر دی جائے۔
سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ محبوب سبحانی حضرت نظام الدین اولیا کو جب قبر میں اتارا گیا تو وہ خرقہ جو آپ کو شیخ فرید گنج شکرؒ نے عنایت کیا تھا وہ آپ کے جسم پر اڑھا دیا گیا اور شیخ کی جا نماز آپ کے سر مبارک کے نیچے رکھ دی گئی۔
ایک مرتبہ فرمایا کل روز محشر چند لوگوں کو چوروں کے زمرہ میں کھڑا کیا جائے گا یہ لوگ کہیں گے ہم نے چوری نہیں کی ہے، تو آواز آئے گی تم نے جوانمردوں کا لباس پہنا لیکن دنیا میں کوئی عمل نہ کیا لیکن آخر کار یہ لوگ بھی پیروں کی شفاعت کے ذریعہ نجات پائیں گے۔
ایک مرتبہ فرمایا۔ اس ضعیف نے جتنے خرقے پہنائے ہیں ان میں سے چار کو خرقہ ارادت پہنایا ہے اور باقی دوسروں کو خرقہ تبرک کے طور پر دیا ہے۔
ایک مرتبہ فرمایا۔ سالک کی کتابوں میں تحریر ہے کہ سلوک کے سو درجے ہیں جس میں سے سترہواں درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ اگر سالک اسی درجہ میں رہ جائے تو باقی تراسی۹۳ درجات کا حصول کب کرے گا؟ اس لئے فقیر و درویش کو اپنی نظر کرامت حاصل کرنے تک محدود نہ رکھنا چاہئے۔
ایک مرتبہ فرمایا۔ جب میرے مخدوم نے مجھے خلافت سے نوازا تو ارشاد فرمایا اللہ نے تمہیں علم، عقل اور عشق کی دولت سے سرفراز کی ہے۔ جس میں یہ تینوں صفتیں موجود ہوں وہ خلافت شیخ و مشائخ کا مستحق و حق دار ہے اور اسی سے یہ کام حسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہونچتا ہے۔ حضرت محبوب سبحانی اور تمام مشائخین و بزرگوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ نجیب متوکلؒ

شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے بھائی اور خلیفہ تھے۔ راہ طریقت میں سخت کوش اور بے انتہا متوکل تھے۔ بہتر۷۲ سال تک شہر میں رہے۔ اگرچہ غلہ وغیرہ کی کوئی مقررہ آمدنی نہ تھی لیکن باوجود اہل و عیال رکھنے کے اتنے خوش و خرم رہتے۔ کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ ہوتی کہ آج کونسا دن کونسا مہینہ اور کتنی رقم ہمارے پاس ہے۔

۵۵۹ —— ۶۷۱

عید کے دن چند درویش آپ کے گھر جمع ہو گئے اتفاقاً اُس دن آپ کے گھر میں کچھ نہ تھا۔ آپ کوٹھے پر چڑھ کر یاد الہی میں مشغول ہو گئے آپ نے جی میں کہا کیا آج عید کا دن یونہی گذر جائے اور میرے بچوں کے منہ میں کیا کوئی غذا نہ پہونچے۔ مہمان بھی مایوس لوٹ جائیں۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھا شخص کوٹھے پر آیا جو یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

بادل گفتم دِلا خضر را بینی — دل گفت اگر مرا نماید بنیم

(میں نے اپنے دل سے کہا اے دل کیا تو خضرؑ کو دیکھتا ہے؟ دل نے جواب دیا وہ اگر مجھے دکھائی دے تو میں دیکھوں) پھر اُس نے کھانے کا بھرا ہوا خوان پیش کرتے ہوئے کہا۔ عرش پر ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے آپ کے توکل کا نقارہ بجا رہے ہیں اور آپ اس غرض کی جانب متوجہ ہیں۔ جس پر شیخ متوکل نے جواب دیا اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اپنی طرف سے خود اس جانب مائل نہیں ہوا بلکہ دوستوں کی ضروریات نے مجھے اس طرف متوجہ کر دیا اور غالباً کھانا لانے والا شخص خواجہ خضرؑ تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء کا بیان ہے حضرت شیخ فرید الدینؒ کی ارادت سے پہلے ایک دن میں شیخ نجیب الدین متوکلؒ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا چنانچہ میں نے اس مجلس میں کھڑے ہو کر کہا ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ وسورۂ اخلاص اس نیت سے پڑھیئے کہ میں کہیں کا قاضی مقرر ہو جاؤں جس پر شیخ متوکل نے چشم پوشی کی۔ میں یہ سمجھا کہ میری آواز آپ کے کانوں تک نہیں پہونچی اس لئے پھر کہا ایک ایک مرتبہ سورۂ فاتحہ واخلاص اس نیت سے پڑھیئے کہ میں کسی مقام کا قاضی مقرر ہو جاؤں اس پر شیخ متوکل مسکرائے اور کہا قاضی نہ بنو کچھ اور بنو۔

حکایت ہے۔ شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں ایک دن شیخ نجیب الدین متوکل نے حاضری دی اور کہا لوگ کہتے ہیں کہ آپ مناجات میں یَارَبّ کہتے ہیں جس کا جواب یہ آپ سنتے ہیں لَبَّیْكَ عَبْدِی (اے میرے بندہ میں تیری مدد کے لئے حاضر ہوں) یہ سننے کے بعد شیخ گنج شکرؒ نے فرمایا اَلْاِرْجَافُ مُقَدَّمَۃُ الْکَوْنِ (افواہیں واقعات کی پیش خیمہ ہوتی ہیں) اس کے بعد شیخ متوکل نے کہا لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت خضرؑ آپ کے پاس آتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ابدال بھی آپ کی خدمت میں حاضری دیتے ہیں۔ یہ سننے کے بعد صرف اتنا کہا تم بھی تو ابدال ہو۔

ایک دن ایک فقیر نے شیخ متوکل کے پاس جا کر کہا کیا نجیب الدین متوکل آپ ہیں جواب دیا ہاں میں ہی نجیب الدین متوکل ہوں۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مقبرہ کے راستہ میں سلطان محمد عادل بادشاہ کی مشہور عمارت "بجے منڈل" کے سامنے شیخ نجیب الدین متوکل کا مزار ہے۔ شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور آپ کا مکان بھی اسی جگہ تھا۔

سیّد جلال الدین بخاری رح

۶۵۲ ——— ۵۵۷

یہ وہ بزرگ تھے جنھیں "سید جلال سُرخ" بھی کہتے ہیں۔ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

کے مُرید تھے۔

سید جلال الدین بخاریؒ کے دادا سید جلال جو "مخدوم جہانیاں" کے لقب سے مشہور تھے بخارا سے بھکر تشریف لائے اور اسی شہر میں سکونت اختیار کی۔ اور سید بدر الدین بکریؒ سے جو بھکر کے عزت دار و ممتاز رئیس تھے میل ملاپ کیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ نے سید جلال بخاریؒ کو خواب میں بشارت دی کہ سید بدر الدین بکری کی چھوٹی صاحبزادی سے شادی کر لیں۔ ساتھ ہی سید بدر الدین بکریؒ کو بھی اس خوش نصیبی کی سرور عالمؐ نے بشارت دی۔ چنانچہ سید بدر الدین بکریؒ نے اپنی عزیز بیٹی کا سید جلال الدین بخاریؒ سے عقد کر دیا۔ اس کے بعد حسد وجلن اور رشتہ داروں کے جھگڑوں وغیرہ کی وجہ سے سید جلال بخاری بھکر سے روانہ ہو کر "اُچہ" تشریف لے گئے جہاں آپ کی اولاد پیدا ہوئی اور بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آپؒ پر خیر و برکت کے دروازے کھول دیئے۔ آپ کا مزار بھی "اُچہ" میں ہے۔

شاہ گردیزؒ

آپ گردیزی سید تھے۔ گردیز سے ملتان تشریف لا کر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ کا مقبرہ بھی ملتان میں ہے جو زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

۵۸۷ ـــ ۶۶۷ حکایت ہے کہ شاہ گردیز انتقال جسمانی کے بعد بھی اپنی قبر سے اپنا ہاتھ نکال کر مریدوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ اب تک وہ سوراخ باقی رکھا گیا ہے جس میں سے آپ اپنا ہاتھ باہر نکالا کرتے تھے۔ آپ ملتان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں اور حضرت مخدوم شیخ بہاء الدین زکریاؒ کے ہم عصر تھے۔

شیخ صدر الدین

شیخ الاسلام بہاء الدین زکریاؒ کے فرزند تھے۔ والد بزرگوار کی رحلت کے بعد مسند ارشاد و تربیت پہ جلوہ افروز ہوئے۔ اکثر و بیشتر اولیائے

۵۹۹ ـــ ۶۸۴ کرام آپ کے مرید و معتقد تھے۔ مشہور بزرگ میر حسینی سادات بھی آپ ہی کے مُرید تھے "کنز الرموز" میں آپ کے والد بزرگوار اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تعریف و توصیف لکھی اور آپ کی بابت یوں تعریف کی ہے۔

مثنوی

آں بلند آوازہ و عالم پناہ ۔۔۔ سرور دیں افتخار صدر گاہ
صدر دین و دولت آں مقبولِ حق ۔۔۔ نہ فلک از خوانِ جودش در طبق
آبِ حیواں قطرۂ بحرِ دلش ۔۔۔ چوں خضر علم لدنی حاصلش

معتبر چوں قول او افعالِ او — ہم بیانِ او گواہ حالِ او
مقتدائے دیں قبول خاص وعام — دولتش گفتہ توئی خیر الانام
ملک معنی جملہ در فرمانِ او — ہم بکسب وہم بمیراث آن او

(وہ شہرۂ آفاق، دنیا والوں کی پناہ گاہ۔ بزرگان دین وصدر نشینوں کے لئے سرمایا افتخار۔ صدرالدین مقبولِ حق ہیں جن کے جود وسخا کے لئے نو آسمان صرف ایک دسترخوان کی حقیقت کے ضامن ہیں۔ آب۔حیات ان کے بحرِدل کا ایک قطرہ ہے اور خضرؑ کی طرح علم لدنی ان کو حاصل ہوچکا ہے۔ اُن کے افعال اُن کے اقوال کی طرح معتبر ہیں۔ اور ان کا بیان ان کے حال کی گواہی دے رہا ہے۔ وہ مذہبی پیشوا و مقبول عام وخاص ہیں خوش نصیبوں نے انہیں دوجہاں کی سعادت کہا ہے۔ تمام باطنی مملکت اُن کا فرمان مانتی ہے اور وہ تمام کسبی و میراثی شان وشوکت کے مالک ہیں)

شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے۔

بیت

من کہ رو از نیک وبد برتافتم — ایں سعادت از قبولش یافتم

(میں نے اچھے وبُرے سے مُنہ موڑ کر اور اُن کی درگاہ میں مقبول ہوکر یہ سعادت حاصل کرلی ہے)

کنوزالفوائد جو شیخ صدرالدینؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے آپ کے ایک مُرید خواجہ ضیاءالدین نے یکجا مرتب کیا ہے۔ اور یہ وہ نصیحتیں ہیں جو شیخ صدرالدینؒ نے اپنے مریدوں کے نام لکھی ہیں۔

ایک جگہ لکھا ہے حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ حِصْنِی فَمَنْ دَخَلَہٗ اَمِنَ عَذَابِی (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہا)

دو چیزیں ہیں ایک حصن دوسرا حصار۔ حصار کے معنی یہ ہیں کہ چار دیواری کھینچ لی جائے خواہ اس کی نگرانی کی جائے خواہ نہ کی۔ لیکن حصن کے معنی یہ ہیں کہ چار دیوار بنانے کے بعد اُس کی حفاظت ونگرانی بھی کی جائے۔

حصن (قلعہ) کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہر، باطن، اور حقیقت۔ قلعہ ظاہر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے بندہ کسی اور سے اُمید نہ رکھے۔ نہ کرے پوری دنیا اگر دوست یا دشمن ہوجائے تب بھی اللہ کے حکم کے بغیر کسی قسم کی نقصان دہی یا فائدہ رسانی اور اچھائی یا بُرائی نہیں پہونچا سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ہے وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ۔ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ (اگر منجانب اللہ کوئی تکلیف پہونچے تو اللہ کے سوائے کوئی اس کا دور کرنے نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل وکرم کرے تو اس کے احسان واکرام کو پلٹانے کی کسی اور میں کا قوت نہیں ہے)

قلعہ باطن یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اس امر کا یقین کرلے کہ اس دنیا میں جو مٹ جانے وا سرائے ہے جو کچھ پیش آنے وہ سب عارضی ہے کیونکہ اس دنیا میں کسی چیز کو ثبات وقیام اور بقاو حاسل نہیں ہے اور اس دنیا کو نیست ونابود کرنے کے لئے قلم چل چکا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ف ہے کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (اس دنیا میں جو چیز ہے وہ سب فنا ہو جائے گی) چونکہ دنیا کو ثبا وقیام نہیں اس لئے دنیا کے ہونے اور نہ ہونے کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے پوشیدہ طریقہ سے دنیا میں ٹہر ا رہے۔

قلعہ حقیقت یہ ہے کہ دل میں جنت کی خواہش اور دوزخ کا خوف نہ آنے دے۔ بلکہ یا سے دل کو تسکین دے۔ اور فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ (مقتدر بادشاہ کے پا صداقت کے مقام پر بیٹھنے والوں) کا مصداق ہو۔ جب اس مقام کا حقدار ہو جائے گا تو جنت اس کے پیچھے پیچھے آئے گی اور دوزخ اس سے دور بھاگ جائے گی ایک نصیحت اپنے مرید کو ہے کہ رسول اکرمؐ کی پیروی کی شرط اول یہ ہے کہ جس پر سرور کائناتؐ ایمان لائے اس پہ بندہ ایمان لاکر ثابت قدم رہے۔ اور یہ ثابت قدمی اس وقت ہوتی ہے جب بندہ بغیر شک وشبہ کے اعتقاد کرے اور پوری رضامندی رغبت ومحبت کے ساتھ زبان سے اقرار کرے کہ اللہ تو اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے۔ تمام اوصاف کمال کے ساتھ ہمیشہ موصوف ہے۔ تمام اسماء وصہ کے ساتھ قدیم ہے۔ عقل وسمجھ کے ادراک سے منزہ وبالاتر ہے اجسام عوارض اور حدوث کو سے مقدس وپاک ہے تمام عالم اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اس کی ذات وصفات میں کیوں اور کس طر کہنا درست نہیں۔ وہ کسی چیز سے مشابہ نہیں اور کسی چیز کو اس سے کسی طرح پر بھی مشابہت نہیں جا سکتی۔ تمام پیغمبرؑ اس کے رسول اور اسی کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اور سرور عالمؐ تمام پیغمبروں میں اف واعلیٰ ہیں۔ سرکار کائناتؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سب سچ اور درست ہے۔ اور اس میں باہمی طو کوئی فرق واختلاف نہیں خواہ یہ باتیں عقل میں آئیں یا نہ آئیں۔ اور اگر یہ باتیں عقل میں نہ آئیں تب ان کو ماننا چاہیئے تاکہ اعتقاد درست رہ سکے۔ کیونکہ سرور کائناتؐ نے حکم الہی کو جانا اور پہچانا

اس کی کیفیت وکنہ معلوم کرنے میں مشغول نہیں رہے۔ قرآن کریم وحدیث شریف کے مطابق کسی حکم الٰہی کی تاویل کرنے کی ضرورت ہو تو ایسی تاویل جائز ہے۔ صحت ایمان کی علامت یہ ہے کہ نیکی کرنے پر دل میں خوش ہو، اور اگر کوئی برائی سرزد ہو جائے تو کم از کم دل میں اُسے ضرور بُرا سمجھے۔ ایمان پر استقامت و ثابت قدمی کی علامت یہ ہے کہ از روئے علم و ایمان نہیں بلکہ ذوق و حال کی بنیاد پہ غیروں کے بجائے صرف اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ؐ کو محبوب رکھے۔

ایک اور نصیحت میں لکھا ہے کوئی سانس مُنہ سے ذکر الٰہی کے بغیر نہ نکلے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے جو کوئی بغیر ذکر الٰہی کے سانس لیتا ہے وہ خود کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ ذکر الٰہی کے وقت وسوسہ اور نفسانی باتوں سے مکمل گریز کیا جائے۔ جب اس صفت کے ساتھ مستقل طور پہ ذکر الٰہی کیا جائے تو ذکر کی نورانیت سے وسوسہ اور دل میں آنے والی باتیں خود بخود جل کر خاکستر ہو جائیں گی۔ اور پھر ذکر کی نورانیت سے دل بہت جلد منور و درخشاں ہو کر اس میں حقیقت ذکر گھر کرے گی۔ اور اس وقت ذکر کے ساتھ مذکور جس کا ذکر کیا جا رہا ہے اُس کے جمال کا مشاہدہ زیر نظر رہے گا۔ اور نور یقین سے دل منور و تاباں رہے گا۔ طلبگار دل کا مقصود اور سالکوں کا مطلب صرف یہی ہے

مصرعہ

این کار دولت است کنوں تا کرا رسد

(یہ کام خوش نصیبوں کا ہے اب دیکھو کس کے حصہ میں آئے)

ایک نصیحت میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یاایھاالذین اٰمنوا اذکروا اللّٰہ ذکراً کثیراً (اے مسلمانو زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی کیا کرو) یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کو سعید لکھ دیتا ہے اور اس کو زبان سے ذکر کرنے کی توفیق کے ساتھ دل موافقت کی قوت عطا کرتا ہے۔ پھر زبانی ذکر کو ترقی دے کر قلبی ذکر تک پہنچاتا ہے تاکہ اگر زبان خاموش ہو جائے تو دل جاری رہے اور اسی کو "ذکر کثیر" کہتے ہیں۔ اس ذکر تک انسان اس وقت رسائی حاصل کرتا ہے جب کہ ہر قسم کے نفاق سے بری ہو جائے۔ جس کا اشارہ نفی سرور عالم ؐ کے اس فرمان میں ہے اکثر منافقی امتی قرّاءھا (میری امت کے اکثر منافق وہ ہیں جو اس کے قاری ہیں) منافقوں کی اس منافقت سے وہ نفاق مراد ہے جو غیر اللہ کے ساتھ وقوف میل جول اور باطنی تعلق ہوتا ہے اور جب کسی انسان کو اُن ناپسندیدہ چیزوں سے علیحدگی کی توفیق ہوتی ہے جو حلال ہیں۔ قابل تعریف نہیں ہیں پھر یہ انسان بُرے خیالات اور ناپسندیدہ اخلاقیات سے علیحدہ ہو کر اپنے باطنی کمالات کے

ذریعہ ممتاز ہوتا ہے تو وہ وقت قریب آجاتا ہے جبکہ اس کے باطن میں ذکر کا نور درخشانی کرتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ اس بندہ سے شیطانی وسوسے اور نفسانی خواہشات دور ہوجاتی ہیں اور اس کے باطن میں ذکر کے نور کے اتنے جوہر نمایاں ہوتے ہیں کہ ذاکر کو ذکر کے ذریعہ جس کا ذکر کیا جارہا ہے اس کا جلوہ نظر آتا ہے اور یہی وہ بلند مرتبہ اور نعمت عظمیٰ ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے صاحبان ہمت اور اہل بصیرت اپنی گردنیں جھکاتے ہیں۔

شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ

شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانیؒ کے بیٹے اور اپنے دادا شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے براہ راست سجادہ نشین تھے۔

۶۴۵ ———— ۶۹۰

فتاویٰ صوفیہ جو آپ کے ایک مرید کی تصنیف ہے انمیں آپ کا بے انتہا تذکرہ ہے۔

"مجمع الاخبار" میں آپ کے ملفوظات اور وہ خطوط درج ہیں جو آپ نے مریدوں کے نام لکھے ہیں ایک خط میں لکھا ہے عزیز! معلوم ہو کہ آدمی نام ہے دو چیزوں کے مجموعہ کا ایک صورت اور دوسری صفت کا۔ اور قابل قبول صرف صفت ہے۔ صورت کی کوئی قیمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے اعمال اور تمہارے قلوب کی جانب نظر کرتا ہے۔ صفت کا ظہور حقیقی طور پر صرف آخرت میں ہوگا۔ جہاں ہر صفت ایک ظاہری صورت میں نظر آئے گی۔ کیونکہ آخرت ہی وہ انعام ہے جہاں ہر چیز کی حقیقت ظاہری لباس پہنے حاضر ہوگی۔ اور یہ صورتیں متلاشی نظر آئیں گی۔ اور جس کی جس قسم کی صفت ہوگی اس کو ویسی ہی صورت بنادی جائے گی۔ (اور اسی صورت میں اس صفت والے کا حشر ہوگا جیسا کہ بلعم باعور کو اتنی عبادت کے باوجود بھی کتے کی شکل وصورت میں اُٹھایا جائے گا۔ یعنی اُس کی صورت بالکل کتے کی صورت کی طرح ہوگی۔ اسی طرح ظالم وسرکش خود کو بھیڑیے کی صورت میں دیکھے گا مغرور کی صورت چیتے کی طرح اور کنجوس ولالچی کی شکل سور کی صورت ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم نَکَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (آج وہ دن ہے جبکہ ہم نے تمہاری آنکھوں سے پردہ ہٹالیا) کا منظر ہے گا۔

لوگ جب تک اپنے دل سے خراب صفتوں کو دُور نہ کریں گے اس وقت تک جانوروں اور درندوں میں شمار کئے جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اُولٰئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيلًا (یہ جانوروں کی مانند ہیں بلکہ گم کردہ راہ ہیں) تزکیۂ نفس اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ دربار پروردگار میں التجا واستعانت کی جائے اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتا کیونکہ

نفس ہمیشہ سرکشی سکھاتا ہے وہ لوگ نفس کی سرکشی سے علیحدہ رہتے ہیں جن پر اللہ نے اپنا رحم کیا ہے اور میرا پروردگار بڑا ہی غفور ورحیم ہے۔ یعنی جب تک اللہ کا فضل وکرم شامل حال نہ ہو اس وقت تک تزکیہ نفس حاصل نہیں ہوتا۔

اگر تم پر اللہ کا فضل وکرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاکیزہ صفت نہ بن سکتا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی علامت یہ ہے کہ انسان اپنے ذاتی عیوب کو بُرا جانے۔ اور عظمت انوار الہٰی کے پرتو (جس کی تمام مخلوقات متلاشی ہے) اس کا باطن اس طرح درخشاں ہو جائے کہ تمام دنیا اور تمام دنیا کی شان وشوکت اس اچھے انسان کی نظر میں کوئی وقعت نہ رکھے۔ اور دنیا والوں کا اس کے دل میں کوئی سنگریزہ تک نہ رہے۔ جس وقت یہ حالت ہو جاتی ہے تو دنیاداروں کے حیوانی صفات وکردار سے جن میں دنیادار گرفتار ہیں اس کو نفرت ہو جاتی ہے۔ اور یہ اچھا آدمی چاہتا ہے کہ دنیادار فرشتہ صفت ہو جائیں۔ چنانچہ ظلم، غضب، غرور، کنجوسی اور حرص ولالچ کے بجائے اس میں عفو، بُرد باری، تواضع، سخاوت اور ایثار کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

مذکورہ بالا خوبیاں آخرت کے طلبگاروں کے ہیں۔ رہے طالبانِ حق جن کے اوصاف بہت ہی بالا وبرتر ہیں۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اخلاق الٰہی کو اپنے اخلاق بناؤ) یہ ایک امر مسلّم ہے جہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں۔

شعر

عہدیست مرا کہ نگیرم بغیر تو دوست　　　شرطیست مرا کہ نخواہم بغیر تو ہیچ

(میں نے عہد کر لیا ہے کہ تیرے سوائے کسی کو دوست نہیں بناؤں گا۔ اور میں نے اقرار کر لیا ہے کہ تیرے سوائے کسی دوسرے کو چاہوں گا نہیں۔ جمع الاخبار میں ہے کہ شیخ رکن الدین ابو الفتح نے ایک خط بس اپنے ایک مرید کو خود لکھ بھیجا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میں نے از خود کسی کے ساتھ نیکی اور بدی نہیں کی۔ یہ سنکر تمام حاضرین مجلس انگشت بدندان ہو گئے اور انھوں نے پوچھا اے امیر المومنین ممکن ہے کہ آپ نے کسی کے ساتھ بُرائی نہ کی ہو لیکن اچھائی ونیکی کی بابت آپ کیا فرما رہے ہیں۔ جواب دیا پروردگار کا ارشاد ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْھَا (جس نے اچھے کام کئے اس کی جزا اس کے نفس کو دی جائے گی اور جس نے بُرا کیا تو اس کا عذاب اُسی کو ملے گا) غرضکہ نیکی یا بدی جو کچھ مجھ سے رو بعمل آئی اس کا بدلہ دراصل مجھ کو ملے گا۔ دوسروں کو اس سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

اسی بنیاد پہ بزرگوں نے کہا ہے سلاح ایں کس صلاح اوبس است

(سب سے بڑا اچھا پن حربہ یہ ہے کہ دوسرے کی اصلاح کردی جائے)

شعر

چو میدانی ہرانچہ کاری دِرَوِی آخـر بہمہ حال نکو کاری بہ

(تو جانتا ہے کہ جو کچھ بوتا ہے وہی کاٹتا ہے تو پھر ہر حالت میں نیکی کا بیج بونا ہی بہتر ہے)
عقلمند کو اتنی ہی نصیحت کارہائے دنیاوی و اُخروی کی سعادت کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی نیکی و بھلائی کی توفیق دیتا ہے۔

شیخ نے اعمال کی پیروی کے لئے ایک نصیحت یہ کی کہ اپنے اعضاء کو ممنوعات و مکروہات شرعی سے قولاً و فعلاً باز رکھو۔ اور بیکار کی نشست و برخاست سے علیحدہ رہو۔ اور وہ چیز جو اللہ سے برگشتہ کرے اس کی کوئی قیمت نہیں۔ باطل پرستوں کی صحبت سے الگ رہو۔ اور یاد رکھو جو کوئی حق کا طلب گار نہیں وہ گذرا بیا اور باطل پرست ہے۔

جمع الاخبار میں ہے کہ ایک دن سلطان غیاث الدین تغلق بادشاہ نے مولانا ظہیرالدین لنگ سے پوچھا کیا آپ نے کبھی شیخ رکن الدین ابوالفتح کی کوئی کرامت دیکھی؟ مولانا نے جواب دیا جمعہ کے دن ان کی قدم بوسی کے لئے لوگوں کا لگ جانا۔ میں نے دل میں کہا شیخ کے پاس تسخیر کا عمل ہے۔ اور میں اگرچہ عقلمند و عالم ہوں لیکن میرے پاس کوئی نہیں آتا۔ اچھا کل صبح کو میں شیخ کے پاس جا کر اُن سے یہ مسئلہ پوچھوں گا کہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی سنت میں کیا راز ہے؟ چنانچہ رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ مجھے حلوہ کھلا رہے ہیں جس کا مزہ دن بھر میری زبان پہ رہا۔ میں نے دل میں کہا اگر کرامت یہی ہے تو شیطان بھی لوگوں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے۔ کل صبح سویرے جا کر یہ مسئلہ ضرور پوچھنا چاہیئے۔ غرضکہ دوسرے دن صبح کو جب میں شیخ کے پاس گیا تو انھوں نے فرمایا میں آپ کا منتظر ہی تھا۔ اس کے بعد کہا جنابت (ناپاکی) کی دو قسمیں ہیں جنابتِ دل اور جنابتِ جسم۔ عورت سے صحبت کرنے کی وجہ سے جسم ناپاک ہوجاتا ہے۔ اور نالائقوں کی صحبت سے دل ناپاک ہوجاتا ہے۔

جسم کی ناپاکی پانی سے جاتی رہتی ہے اور دل کی ناپاکی کو آنسوؤں سے دھویا جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا پانی میں تین صفتیں ہونا چاہیئے تاکہ اسے پاک کرنے والا اور ناپاکی دور کرنے والا کہہ سکیں اور یہ تین صفتیں رنگ۔ مزہ اور بو ہے۔ شریعت نے اسی لئے وضو میں کلیاں کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

مقدم قرار دیا ہے تالو کی کرنے سے پانی کا مزہ اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی "بو" معلوم ہو جاتے۔
مولانا کا بیان ہے کہ شیخ کے اتنا کہنے پر میرے جسم سے پسینے بہنے لگے۔

اس کے بعد شیخ نے فرمایا شیطان جس طرح کہ رسول اکرم کی صورت اختیار نہیں کر سکتا اسی طرح شیخ حقیقی کی شکل میں نمودار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ شیخ حقیقی در اصل رسول اللہ کی پوری پوری پیروی کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا مولانا ظہیرالدین! آپ علوم ظاہری سے مالا مال ہیں لیکن علوم حال سے ابھی مالدار نہیں۔

سلطان قطب الدین ابن علاؤالدین خلجی بادشاہ کے زمانہ میں شیخ رکن الدین ابوالفتح دہلی آئے۔ اور شیخ نظام الدین اولیاءؒ جو اس وقت مسند ارشاد و تربیت پہ فائز اور بزرگ مشہور تھے۔ شیخ ابوالفتح کے استقبال کے لئے اپنے مقام سے حوض خاص علائی تک آئے[1]۔ سلطان قطب الدین بادشاہ نے اپنے دربار میں شیخ رکن الدین کی عزت افزائی کی اور اثناء گفتگو میں پوچھا۔ اہل یہاں شہر میں سے کس کس نے آپ کا استقبال کیا تو شیخ ابوالفتح نے جواب دیا دہلی والوں میں سے اس شخصیت (یعنی حضرت محبوب سبحانیؒ) نے جو شہر والوں میں سب سے زیادہ بہتر ہے۔

بعض لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان قطب الدین کے دل میں شیخ نظام الدینؒ کی عزت گھٹ گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کی دربار میں عزت کرنے کی وجہ ہی یہ تھی کہ محبوب سبحانی کی شان بان نہ رہے۔ غرضکہ شیخ رکن الدین ابوالفتح نے اپنے جواب سے اُن تمام وہمی خیالات کا قلع قمع کر دیا جس کی غیر متوقعہ اُمید کی گئی تھی۔

سیرالاولیاء میں ہے کہ استقبال کرنے کے بعد دونوں بزرگوں شیخ رکن الدین ابوالفتح اور حضرت محبوب سبحانی کی جامع مسجد میں ملاقات ہوئی جس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت محبوب سبحانیؒ اپنی مقررہ نماز کی جگہ سے اُٹھ کر شیخ رکن الدینؒ کے پاس گئے۔ پھر تھوڑی کے بعد شیخ ابوالفتح اپنی جگہ سے چل کر بازدید کی خاطر حضرت محبوب سبحانیؒ کی مقررہ نماز کی جگہ گئے۔ اور دونوں کی یہیں جامع مسجد میں خوب صحبت رہی۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ محبوب سبحانیؒ اپنے مقبرہ کی عمارت تعمیر کرا رہے تھے کہ اچانک شیخ

---

[1] دہلی شہر سے مہرولی جانیوالے راستہ میں (۹) میل کے فاصلہ پر حوض علائی ہے جو سڑک سے تقریباً ڈیڑھ میل اندر کی طرف ہے جہاں ایک عالیشان عمارت کے آثار قبل تقسیم ہند موجود تھے۔ از مترجم

رکن الدینؒ کی آمد آمد کا شور بلند ہوا آپ نے فوراً ہی کھانا پکوانے کا حکم دیکر اپنے پاس والوں کو جمع کر لیا۔ اتنے میں شیخ رکن الدین ابوالفتح پالکی میں سوار آپ کے پاس آئے۔ غالباً وہ کسی خاص بیماری کی وجہ پالکی ہی میں بیٹھے رہے۔ حضرت محبوب الٰہی اور آپ کے ساتھی سب اُن کی پالکی کے پاس بیٹھ گئے۔ گفتگو ہو رہی تھی اور صحبت گرم تھی کہ اسی اثنا میں شیخ رکن الدین ابوالفتح کے چھوٹے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیلؒ نے کہا بزرگوں کا اجتماع بڑا ہی غنیمت اور بہت ہی اچھا ہے یہ بہترین وقت ہے آپ حضرات سے کچھ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ عرصہ سے میرے دل میں خلش ہے کہ رسول اکرمؐ کے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے میں کیا راز ہے؟ شیخ رکن الدینؒ نے فرمایا غالباً یہ حکمت ہوگی کہ رسول اکرمؐ کے وہ کمالات و درجات جو مقدر تھے انہیں عملی طور پر ظاہر کرنا مقصود ہوگا۔ اس پر حضرت محبوب سبحانی نے اپنے حلقہ بگوش لوگوں کی جانب متوجہ ہو کے کہا فقیر کے ناقص خیال میں ہجرت کا راز یہ ہے کہ مدینہ کے وہ فقراء جنہیں سرور عالمؐ کی صحبت کی سعادت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے قدوم بابرکت کی نعمت عظمیٰ سے مشرف و سربلند ہو جائے۔

غرضکہ ہر دو بزرگوں کے بیان کا مقصد ایک دوسرے کی خاطر مدارت تھی شیخ رکن الدینؒ کا مطلب یہ تھا کہ ہماری آمد کا مقصد طلب کمال و حصول فائدہ ہے اور محبوب سبحانی کا مطلب تکمیل و فائدہ رسانی تھی۔ سیر الاولیاء میں بھی یہی واقعہ لکھا ہوا ہے۔

مؤلف کتاب (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) کا بیان ہے کہ اصحاب صفہ جو رسالتمآبؐ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے ان کی تکمیل کے لئے رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی مکمل اور کامل ہے جس کی تعمیل کرنا موجب ثواب و قبول ہونے کا سبب اور حصول درجات عالیہ کا باعث ہے۔ حاشا و کلا اصحاب صفہ دراصل سرور عالمؐ کے اقوال و افعال کے سبب سب کچھ بن گئے اور باقی ہماری دنیا کے لوگوں کے دوست کسی کی ذات سے تا بحد ذات کوئی عمل کئے بغیر ذاتی کمال حاصل نہیں کر سکتے اور یہ واقعہ ہے کہ دونوں بزرگوں کی گفتگو کا مقصد صرف ایک ہی تھا کہ عبادت کرتے ہوئے کمال حاصل کیا جائے باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

غرضکہ دونوں کی گفتگو کے ختم ہونے کے بعد حضرت محبوب سبحانیؒ نے دسترخوان بچھوایا۔ پھر شیخ کے کھانا کھانے کے بعد محبوب الٰہی نے عمدہ قسم کے چند ملبوسات کے ساتھ سو اشرفیاں ایک باریک کپڑے میں باندھ کر جس میں سے سونے کی اشرفیوں کا رنگ چمک رہا تھا۔ خادم اقبال کے ہاتھوں یہ سب تحفہ شیخ ابوالفتح کی خدمت میں پیش کیا جس پر شیخ نے فرمایا۔ اُسْتُرْ ذَهَبَكَ (اپنا سونا ڈھانک

لو) جس کے جواب میں محبوب الٰہی نے کہا ذھابك و مَذ ھَبك (یعنی زر نقد و سونا وغیرہ مذہب کے لئے ڈھال اور درویشانہ حال کے لئے ایک گنبد ہے تاکہ درویش عام لوگوں کی نظر سے پوشیدہ رہے)

شیخ رکن الدین نے یہ تحفہ پہنے میں پس وپیش کیا تو محبوب الٰہی نے اُن کے بھائی شیخ عماد الدین اسمٰعیل کے حوالہ کر دیا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ محبوب الٰہی بیمار تھے جن کی عیادت کے لئے شیخ رکن الدین اُن کے مکان پہ گئے۔ اور فرمایا ہر شخص حصولِ سعادتِ حج کا کوشاں ہے۔ اور یہ عشرہ ذی الحجہ ہے۔ میں نے سعی و کوشش کی تو شیخ المشائخ کی سعادت زیارت سے بہرہ ور ہوا۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے انتقال کے بعد ان کی نماز جنازہ بھی شیخ رکن الدین ابو الفتح ہی نے پڑھائی اور کہا تین سال تک ہم کو دہلی میں رکھنے کا یہی راز تھا جو ہمیں یہ نعمت حاصل ہوئی پھر تھوڑے دنوں کے بعد شیخ ابو الفتح اپنے اصلی وطن (ملتان) واپس ہو گئے۔

خیر المجالس میں شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کا یہ بیان لکھا ہے کہ شیخ رکن الدین ابو الفتح شیخ الاسلام جب ملتان سے دہلی آئے تو آپ کے پاس قلندروں اور بھک منگوں کا ٹھٹ لگ گیا۔ قلندروں نے کہا شیخ شربت پلواؤ۔ آپ نے ان کو کچھ دے کے رخصت کیا پھر مانگنے والوں نے مطالبہ کیا کہ شیخ ہم کو خرچ دلاؤ۔ آپ نے ان کو بھی کچھ دے کے روانہ کیا۔ پھر ان لوگوں کے چلے جانے کے بعد فرمایا سربار قوم کے پاس تین چیزیں ہونا ضروری ہیں اولاً مال و دولت تاکہ لوگ جو کچھ مانگیں وہ ان کو دیا جائے۔ اس زمانہ کے قلندر شربت مانگتے ہیں اگر درویش کے پاس رقم نہ ہو تو وہ کہاں سے دیگا۔ ان مانگنے والوں کی حالت یہ ہے کہ یہ باہر نکلتے ہی بدگوئی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے اس جرم کے سبب روز محشر گرفتار عذاب ہوں گے۔

دوسری یہ کہ درویش ذی علم ہونا چاہیئے تاکہ علماء کی صحبت میں اُن سے علمی گفتگو کرے۔

تیسری چیز درویش کے لئے جو ضروری ہے وہ "حال" ہے تاکہ دوسرے درویشوں کو "حال" میں لاسکے۔

شیخ صلاح الدین درویش رحمۃ اللہ علیہ

شیخ صدر الدینؒ کے مرید، خلیفہ اور عالی مرتبت بزرگ تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے ہم عصر اور پڑوسی تھے۔ سلطان محمد بن تغلق بادشاہ

۷۴۸ ——— ۷۹۴

نے مشائخین کو جو تکالیف پہونچائیں ان سب کو میر سید شیخ نصیرالدین نے تو اپنے شیخ کی وصیت کے مطابق برداشت کیا لیکن شیخ صلاح الدین درویشؒ ہمیشہ بادشاہ وقت سے سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ شیخ صلاح الدین نے ملتان سے آکر دہلی کو وطن بنالیا۔ اور دہلی ہی میں وفات پائی۔ شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی کے مزار کے قریب ہی آپ کا مقبرہ ہے۔ ۲۲ صفر کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ آپ کی ایک نظم جس کو لوگ "مناجات صلاح" کہتے ہیں اس میں ہے اے اللہ اس وقت اور لمحہ کی قسم جبکہ تو نے اپنے "صلاح درویش" کو سفید ہاتھی کہا۔ اے اللہ اس وقت ولمحہ کی قسم جبکہ تو نے اپنے صلاح درویش سے "امروہہ" میں بڑ کے درخت کے نیچے کہا اَللّٰہُ یَقْرَءُ کَ السَّلَامُ اللہ تجھ پر سلام بھیجتا ہے" اس مناجات میں اسی قسم کے کلمات ہیں۔

حکایت ہے ایک نوجوان گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ گھوڑا بڑا ہی خوبصورت اور سبک رفتار تھا اس نوجوان نے گھوڑے کو ایسا بینت مارا جس سے گھوڑے کی جسم پر بدھی پڑگئی۔ شیخ صلاح الدین یہ دیکھ کر اس نوجوان پر غضبناک ہوئے ہی تھے کہ وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ لوگوں نے دیکھا کہ اس نوجوان کے اُس بینت کا نشان شیخ صلاح الدین درویش کے جسم پر نمایاں تھا۔

مولانا بدرالدین اسحٰق رح

علی بن اسحٰق دہلوی کے بیٹے اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے خادم، خلیفہ اور داماد تھے۔ اپنے زمانہ کے شیخ وقت تھے۔

۶۰۱ ———— ۶۶۰

زہد، پرہیزگاری، فقر اور عشق میں بے نظیر تھے۔ ابتدائی عمر میں آپ نے دہلی میں علوم ظاہری حاصل کئے۔ طلباء میں آپ کی خوش مزاجی اور حاضر دماغی مشہور تھی۔ تحصیل علم کے بعد دہلی میں شرفاء وعقلمند جو کچھ سیکھتے تھے وہ سیکھا پھر بخارا کا رُخ کیا۔ راستہ میں پاک پٹن ملا جہاں شیخ فریدؒ کے کمالات سن کر اُن سے ملاقات کا شوق دامن گیر ہوا۔ پھر اپنے ایک دوست کو تیار کیا کہ وہ آپ کی شیخ فریدؒ سے ملاقات کرا دے۔ آپ نے جب شیخ فریدؒ سے ملاقات کی تو تمام حاصل کردہ علوم وفنون کو شیخ فرید کے کمالات کے پہلو میں سُلا دیا۔ اور اُن کے جمال وکمال کے عاشق ہوگئے۔ شیخ فرید نے مولانا بدرالدین اسحٰق میں جوہر قابل دیکھا تو اپنی خدمت و دامادی کے لئے مخصوص کرتے ہوئے تربیت دی اور خرقہ خلافت عنایت کیا۔ لوگوں کا بیان ہے کہ آپ اکثر گریہ وزاری کرتے اور چشم تر رکھتے تھے۔ ایک دن یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

پیش صلابت غمش روح نطق نمی زند
اے زہزار صعوہ کم بس تو نوا چہ می زنی

(اس کے غم عشق کی شدت میں روح تک آواز نہیں نکالتی۔ اے انسان تیری ہستی ایک

ہوا کے ہزارویں حصہ سے بھی کم ہے۔ پھر بتا کر تو نالہ زنی کیوں کرتا ہے) اس شعر کے ذوق میں پورا دن عالم تحیر کے ساتھ بسر ہوا تھا کہ مغرب کے وقت شیخ نے آپ کو امام بنایا آپ نے نماز شروع کی اور قرأت کے بجائے یہی شعر زبان سے ادا ہوا پھر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو شیخ نے پھر آپ ہی سے امامت نماز کے فرائض انجام دلائے رسالہ "اسرار اولیا" آپ کی تصنیف ہے جس میں شیخ گنج شکر کے ملفوظات جمع کئے ہیں اس کے علاوہ ایک کتاب بصورت نظم علم صرف پر لکھی ہے۔ جس میں تبحر علمی و فصاحت کا خوب اظہار کیا ہے۔ اس رسالہ کے آخر میں جو اشعار لکھے گئے ہیں وہ سیر الاولیاء میں بھی نقل کئے گئے ہیں۔ اس رسالہ اسرار الاولیاء کے خاتمہ میں التماس بخدمت شیخ نظام الدین اولیاء چند سطریں بزبان عربی لکھی ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔ امام المجاہد حضرت نظام الدین محمد بن احمد صاحب خصائل پسندیدہ و عادات برگزیدہ نے مجھ سے یہ نظم سنی۔ اللہ آپ کے خصائل و آثار پر عمل کی توفیق دے آپ کے فضائل انوار عام ہیں۔ میں صفت شعری میں تہیدست ہوں لیکن بحکم عالی نظم پیش کرنا ضروری تھا اور اس نظم کی وہی مثال ہے جیسے حضرت سلیمانؑ کے سامنے ایک چیونٹی۔ عالی جناب نے اپنی قدرت عظیمہ کے باوجود آپ کے حکم کی تعمیل میں یہ نظم پیش ہے۔ میں کمزور فقیر بدر الدین اسحٰق بن علی دہلوی ان سطور کے ذریعہ امید وار ہوں کہ میرے لئے صلاحیت کی دعا فرمائی جائے اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ آپ کی قبر پاک پٹن کی جوجامع مسجد کے صحن میں ہے جہاں اکثر و بیشتر یاد الٰہی کیا کرتے تھے۔

شیخ جمال احمد ہانسویؒ

بہت بڑے خطیب و مقرر تھے۔ امام اعظم ابو حنیفہ کوفیؒ سے آپ کا سلسلہ نسب جا ملتا ہے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے ممتاز خلیفہ تھے۔ ظاہری و باطنی کمالات کے مالک تھے۔

۶۲۸ ـــــــ ۰۰ھ

شیخ فرید آپ کی صحبت میں بارہ برس ہانسی[1] میں رہے جنھوں نے آپ کے بارے میں کہا ہے۔ جمال ہمارا جمال ہے۔ کبھی فرماتے جمال! میری خواہش ہے کہ تمہارے اطراف چکر لگاؤں شیخ فرید جس کسی کو خلافت دیتے اسے شیخ جمال کے پاس روانہ کرتے اگر شیخ جمال اس کو قبول کرتے تو خلافت درست رہتی اور اگر اس کو ناپسند کرتے تو اس کی خلافت ختم ہو جاتی اور پھر شیخ فرید اسے دوبارہ قبول نہ کرتے اور کہتے جمال کے پھاڑے کو فرید سی نہیں سکتا۔

ایک دن ایک شخص ہانسی سے شیخ فریدؒ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا ہمارے جمال کیسے

---

[1] ہانسی حصار ڈویژن آگرہ کے پاس ہے قدیم بڑی آبادی تھی اب ایک گاؤں ہے سیر الاولیاء مترجمہ اعلیٰ حضرت حکیم مسیح الدین احمد خان میں ہے کہ آپ نے ۲۔ رجب ۶۵۹ھ میں وفات پائی۔

ہیں؟ اس نے جواب دیا ہمارے مخدوم جس دن سے آپ کی خدمت میں پیوست ہوئے تب سے آمد و رفت، تعلقات اور تقریر کرنا سب کچھ چھوڑ دیا ہے۔ فاقے سہتے اور سخت ریاضت کرتے ہیں۔ یہ سن کر شیخ فرید مسرور ہوئے اور کہا الحمدللہ۔ اچھے رہیں۔

حکایت ہے شیخ جمال احمد ہانسوی نے ایک دن یہ حدیث سنی۔ اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّن رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْحُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور بصورت دیگر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) تو بہت پریشان و حیران ہوئے اور اس تنبیہ کے سننے کے بعد بیقرار رہنے لگے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد لوگوں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ آپ کی قبر پر گنبد بنادیں آخر کار کھدائی کی گئی جب لحد کے قریب پہونچے تو دیکھا قبلہ رو ایک کھڑکی ہے جس میں سے جنت کی خوشبو آرہی ہے چنانچہ اسی وقت اس کھڑکی کو ویسے ہی بند کر کے لوگ فوراً ہی وہاں سے ہٹ گئے پھر قبر کو اوپر سے بند کر کے اس کے اوپر گنبد بنادیا۔

شیخ جمال احمد ہانسوی کے کئی رسالے اور بہت سے اشعار ہیں ایک رسالہ عربی زبان میں ہے جس میں متفرق کلمات کو بحیثیت مسجع جمع کیا ہے جس کا نام "ملہمات" ہے اس میں لکھا ہے فقر ایک عمدہ خصلت ہے جس سے حسب ذیل صفات پیدا ہوتی ہیں۔ صلاحیت، عفت، زہد، پاکیزگی۔ تقویٰ۔ طاعت۔ عبادت بھوک، فاقہ، مسکنت، قناعت، مروت، جوانمردی، دیانت، حفاظت، امانت، بیداری، تہجد، خضوع و خشوع۔ عاجزی و تواضع، تحمل و برداشت، عفو و چشم پوشی، مہربانی و خرچ کرنا۔ ایثار، کھانا کھلانا۔ اکرام و احسان، روکنی و خلوص۔ انقطاع و جدائی۔ سچائی و صبر، خاموشی و بردباری۔ رضا و حیا۔ سخاوت و ناداری خوف و امید۔ ریاضت و مجاہدہ و مراقبہ، موافقت و دوستی، معاملت و ہمیشگی۔ توحید، تہذیب، تفرید سکوت وقار۔ مدارات۔ محبت و الفت، عنایت رعایت شفقت سفارش و شفاعت، لطف کرم مجاہدے شکر فکر ذکر عزت، ادب۔ احترام۔ طلب و رغبت، غیرت و عبرت و بصیرت و بیداری۔ حکمت، للہیت ہمت معرفت حقیقت۔ خدمت تسلیم سپردگی۔ توکل۔ پریشانی۔ یقین اعتماد غنی و ثابت قدمی اور حسن خلق وغیرہ وغیرہ غرض کہ جس فقیر میں یہ تمام صفتیں پائی جائیں اسے کامل درویش کہتے ہیں اور اگر ان میں سے کوئی صفت نہ ہو تو اسے فقیر نہیں کہتے۔ شیخ جمال احمد کا مزار ہانسی میں ہے۔ جو اپنی تین اولادوں سمیت ایک ہی گنبد میں آرام کر رہے ہیں۔

حکایت ہے کہ شیخ جمال احمد ہانسوی کے انتقال کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھ کر حالات پوچھے آپ نے جواب دیا قبر میں دفن کرنے کے بعد عذاب کے دو فرشتے میرے پاس آئے اور ان کے

پیچھے ہی دو فرشتے اور آئے اور یہ فرمان لائے کہ مغرب کی نماز کے بعد ہی فوراً دو رکعت صلوٰۃ بروج پڑھنے کی وجہ سے جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ بروج اور سورۂ طارق پڑھا کرتا تھا اور ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا تھا ہم نے اسے بخش دیا۔

شیخ برہان الدین صوفی رح

جمال الدین احمد ہانسوی کے فرزند تھے۔ شیخ جمال الدین کے انتقال کے وقت کم سن تھے جب

۶۲۱ ———— ۷۱۳ھ

آپ کو شیخ فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے بہت زیادہ مہربانی فرمائی خلافت نامہ جانماز و عصا کے ساتھ وہ نعمتیں جو جمال الدین کو دی تھیں وہ سب شیخ برہان الدین کو عنایت فرمائیں اور نظام الدین اولیاءؒ سے حصول فیض کا حکم دیا چنانچہ آپ سالانہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس آتے اور تربیت حاصل کرتے نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی آخری زندگی تک پھر کسی کو مرید نہیں کیا۔ شیخ جمال کا ایک سمجھدار لڑکا دیوانہ ہو گیا تھا جس کے متعلق محبوب الٰہی کہتے کہ وہ کبھی کبھی ہوش میں آکر ہوشیاری کی باتیں کرتا ہے میں نے خود ایک دن سنا وہ کہہ رہا تھا اَلْعِلْمُ حِجَابُ اللّٰهِ الْاَكْبَرُ (علم اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا حجاب ہے) یہ سُن کر میں نے یقین کر لیا کہ وہ "سچا مجذوب" ہے۔ جب میں (محبوب الٰہی) نے اُس سے اس کلام کا مطلب پوچھا تو جواب دیا علم وہ ہے جو حق کے علاوہ ہے اور جو چیز کہ حق کے علاوہ ہے وہی حجاب حق ہے۔

شیخ عارف رح

شیخ فرید گنج شکرؒ کے مرید تھے بیان کیا گیا ہے کہ اُچہ و ملتان کے حاکم نے شیخ عارفؒ کے ہاتھ سو تنگہ بطور نذرانہ شیخ گنج شکرؒ کی خدمت

۶۳۱ ——— ۶۹۱ھ

میں پیش کئے جس میں سے پچاس تنگہ انھوں نے اپنے پاس رکھ کے باقی پچاس شیخ گنج شکرؒ کے سامنے حاضر کئے۔ شیخ نے مسکراتے ہوئے فرمایا عارف! تم نے برادرانہ تقسیم کی ہے جس پہ عارف شرمندہ ہوئے اور وہ پچاس تنگہ جو محفوظ کر لئے تھے پیش کرتے ہوئے بے انتہا عاجزی کا اظہار کیا۔ پھر مرید ہو کر سر منڈوایا۔ اس کے بعد پیر و مرشد کی خوب خدمت کر کے استقامت حاصل کی اس کے بعد شیخ گنج شکرؒ نے ان کو بیعت لینے کی اجازت دیکر حدود سیوستان کی جانب روانہ کر دیا۔

شیخ صابر رح

سیر الاولیاء میں ہے کہ آپ ایک ثابت قدم اور صاحب نعمت درویش تھے جو شیخ گنج شکرؒ کے مرید تھے۔ شیخ گنج شکرؒ نے آپ کو بیعت لینے کی

۶۰۸ ——— ۶۷۹ھ

اجازت دیتے ہوئے فرمایا صابر! تم ہنسی خوشی زندگی بسر کرو گے۔ یہی ہوا کہ

زندگی بھر خوش عیش رہے۔ واقعہ بھی یہی ہے کہ شیخ صابر خوش باش و ہنس مکھ تھے۔ اور غالباً یہ شیخ صابر وہ نہیں ہیں جو شیخ گنج شکرؒ کے داماد و خلیفہ تھے جن کا مزار "کلیر شریف" میں ہے اور جن تک شیخ عبدالقدوسؒ وغیرہم کا سلسلہ پہونچتا ہے۔ تعجب خیز امر یہ ہے کہ شیخ علی صابر کلیری داماد شیخ گنج شکرؒ کا سیر الاولیاء میں کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ مندرجہ بالا شیخ صابر کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ صابر سے وہی شیخ علی صابر کلیری مراد ہوں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

خواجہ نصیر الدین رح

۶۱۴ ـــــ ۶۷۲ھ

آپ حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کے فرزند اکبر تھے اپنی پوری زندگی عبادت الٰہی میں صرف کی۔ زراعت و کاشتکاری کی کمائی پر جو کسب حلال ہے قناعت پذیر رہے اور تمام عمر احکام الٰہی کی اطاعت میں بسر کی۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔

مولانا شہاب الدین رح

۱۳۸۶ ـــــ ۷۴۵ھ

آپ حضرت شیخ گنج شکرؒ کے صاحبزادہ تھے۔ تمام علوم وفضائل سے آراستہ تھے نیز شیخ ہی سے علوم باطنی کے اکثر منازل حاصل کئے تھے۔

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کا بیان ہے کہ میرے اور مولانا شہاب الدین کے درمیان محبت کی بنیاد بہت مضبوط تھی۔ ایک مرتبہ میں (محبوب سبحانی) نے شیخ گنج شکرؒ کے پاس عوارف المعارف (مرتبہ شیخ شہاب الدین سہروردی) کی ایک جلد دیکھی جو اکثر آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھی۔ یہ بڑے باریک خط میں تھی اس میں طباعت کی اکثر غلطیاں تھیں جن کی وجہ سے شیخ اکثر تھوڑی دیر کے لیے رک جاتے تھے میں چونکہ اس سے پہلے عوارف المعارف کی ایک جلد شیخ نجیب الدین متوکلؒ کے پاس دیکھ چکا تھا۔ شیخ گنج شکرؒ کے پاس یہ جلد دیکھ فوراً اُس جلد کا خیال آیا اور میں نے عرض کیا شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس صحیح نسخہ ہے۔ میری یہ بات شیخ بُری معلوم ہوئی اور ارشاد فرمایا۔ یعنی درویش میں غلط کتابت کی صحت کی قوت نہیں۔ میں نہیں سمجھا کہ یہ بات کس کی بابت فرمار ہے لیکن جب علم ہوا کہ روئے سخن میری طرف ہے تو میں کھڑا ہوا اور پھر سر برہنہ ہو کر شیخ کے قدموں پر گر پڑا اور عرض کی نعوذ باللہ میری مراد ہر گز یہ تھی۔ میں نے جو کتاب دیکھی تھی۔ یاد آگئی۔ عرض کر دیا۔ میں نے بے انتہا معذرت کی لیکن شیخ کی ناپسندیدگی کا اظہار ہوا۔ اس کے بعد میں حیران و پریشان آپ کی مجلس سے اُٹھ آیا جتنا رنج وغم مجھے اس دن تھا وہ کسی کو نہ ہو۔ پھر میں نے ایک کنوئیں پر جا کر اس میں پھاندنا چاہا لیکن یہ سوچ کر ٹھہر گیا کہ مُردہ فقیر تو مُردہ ہی ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ بدنامی کا داغ باقی رہے۔ ایک عرصہ تک میں

اس حیرت و پریشانی میں ڈوبا رہا۔ آخر کار ایک دن مولانا شہاب الدین نے موقع پاکر عمدہ طریقہ سے شیخ کی خدمت میں میرے حالات کا تذکرہ کیا تو شیخ اس وقت راضی ہو گئے اور مجھے اپنے پاس بلوا بھیجا پھر مہربانی و شفقت کرتے ہوئے فرمایا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ تمہارے روحانی کمال کے لئے کیا کیونکہ پیر ہی دراصل مرید کو سنوارتا ہے اس کے بعد پھر آپؒ نے مجھے انعامات سے نوازا اور خاص لباس خلعت سرفراز فرمایا۔

شیخ بدر الدین سلیمانؒ

حضرت شیخ گنج شکرؒ کے مشہور صاحبزادہ ہیں جو والد بزرگوار کے انتقال کے بعد اپنے بھائیوں اور شیخ کے تمام مریدوں

۱۳۰۸ ——— ۱۴۰۴م کے متفقہ فیصلہ کے ساتھ سجادہ خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ شیخ بدرالدین سلیمان نے خاندان چشتیہ سے بیعت کی واقعہ یہ ہے کہ خواجہ زور اور خواجہ غور جو خاندان چشتیہ کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ گنج شکرؒ کی زندگی ہی میں مقام چشت (خراسان) سے پاک پٹن آئے تھے۔ ان دونوں کے پاس حضرت شیخ گنج شکرؒ اپنے دونوں صاحبزادوں مولانا شہاب الدین اور شیخ بدرالدین کو لے گئے اور بلحاظ خیال خیر و برکت اُن دونوں بزرگوں کے ہاتھ سے کلاہ ارادت ان دونوں بیٹوں کو پہنوا کر ان کا مُرید بنا دیا۔

خواجہ نظام الدینؒ فوجی شہید

شیخ فریدالدین گنج شکرؒ آپ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپ فوج میں ملازم تھے۔ جس

۶۱۹ ——— ۷۰۵ھ رات شیخ گنج شکرؒ نے انتقال کیا اسی وقت روحانی طور پر آپ کو اطلاع ہو گئی چونکہ آپ سلطان غیاث الدین بلبن کے ساتھ اس وقت ایک قصبہ میں تھا جس کے قلعہ کا دروازہ رات کے وقت کھول کر باہر نہ آسکے اور رات بھر اپنی قیام گاہ پر بیتاب رہے۔ اور شیخ گنج شکرؒ کا آخری دیدار نہ کر سکے صبح جب شیخ کا جنازہ شہر سے باہر لایا جا رہا تھا تو آپ وہاں پہونچ گئے۔ شیخ کے بیٹوں کا خیال تھا کہ شہر کے باہر گنج شہیداں میں شیخ کو دفن کیا جائے۔ لیکن خواجہ نظام نے کہا اچھا یہی ہے کہ شیخ کو دوسری جگہ دفن کیا جائے چنانچہ اب جہاں شیخ کا مقبرہ ہے وہاں شیخ کے دفن کر دینے کی خواجہ نظام الدین نے تجویز پیش کی جس پر تمام لوگوں نے باتفاق رائے عمل کیا۔

اور خواجہ نظام نے کافروں کے خلاف لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ ان کی قبر وغیرہ کی کسی نشانی کا کوئی پتہ نہیں ہے۔

خواجہ یعقوب رح شیخ فریدالدین گنج شکر رح کے چھوٹے صاحبزادہ تھے بخشش و سخاوت میں مشہور تھے۔ روحانی کمالات میں ماہر تھے۔ ملامتی لوگوں کی راہ لگ
۶۲ ـــــ ۱۶۱ھ گئے تھے۔ بندگان خدا کے ساتھ جس عمدہ برتاؤ کا ثبوت دیتے اس کے برعکس اللہ سے برتاؤ کرتے۔

سیرالاولیا میں لکھا ہے کہ آپ "امروہہ" کے راستہ میں تھے جہاں سے مردان غیب آپ کو اٹھا لے گئے۔

مولانا داود پالہی رح ردولی (ضلع بارہ بنکی یوپی) کے ایک گاؤں پالہی کے رہنے والے تھے۔ شیخ گنج شکر رح کے مُرید تھے۔
۵۹ ـــــ ۶۷۹ھ حضرت محبوب سبحانی اکثر کہا کرتے تھے کہ مولانا داؤد پالہی بڑے بزرگ تھے۔ محبوب سبحانی رح نے فرمایا ایک مرتبہ مجھے اور مولانا داؤد پالہی دونوں کو پیر و مرشد شیخ گنج شکر رح کے پاس سے یکجا روانہ ہونے کا اتفاق ہوا اور ایک ساتھ ہی باہر آئے وہ لمبے لمبے قدم رکھتے ہوئے مجھ سے آگے نکل جاتے اور نماز پڑھنے لگتے۔ اور میں بہت دیر میں اُن کے پاس پہنچتا چونکہ مجھے ان کی عادت معلوم تھی اس لئے اُن سے پہلے ہی اُن کو نماز پڑھتا چھوڑ کر روانہ ہو جاتا۔ ہم دو چار میل ہی چلتے تھے کہ وہ پیچھے سے آکر دو چار میل ہم سے آگے نکل جاتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے اور ایسے لق و دق جنگل بیابان میں راستہ نہ بھولتے۔

حکایت ہے کہ مولانا داؤد پالہی نماز فجر کے بعد گھر سے جنگل چلے جاتے اور وہاں یاد الہی کرتے۔ ہرن آتے اور آپ کے آس پاس کھڑے ہو کر اپنی پُرشوق آنکھوں سے مولانا کو دیکھتے رہتے۔

مولانا رضی الدین منصور رح بڑے بزرگ آدمی تھے۔ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ اودھ میں ایک بزرگ رہتے
۵۹ ـــــ ۶۸۰ھ تھے وہ کسی بیماری سے مرنے والے ہی تھے۔ اُن کی سنر و کفن کا سامان ہو رہا تھا کہ اتنے میں مولانا داؤد پالہی اور یہ مولانا رضی الدین منصور دونوں اُن کے پاس پہونچے اور اُن سے کہا جیسا کہ ہم آپ کے پاس آئے ہیں تو آپ سے گفتگو کئے بغیر یوں نہی میں چلے جائیں گے۔ اس کے بعد مولانا رضی الدین نے مولانا داؤد پالہی سے کہا مریض کو ایک طرف تم سنبھال لو اور دوسری طرف میں۔ مولانا داؤد سرہانے بیٹھ گئے اور مولانا رضی الدین پائینتی۔ دونوں نے کچھ پڑھنا شروع کیا اور پھر اُٹھ کر اس بیمار کا ہاتھ پکڑا اور کہا اٹھ بیٹھو۔ اسی وقت

وہ بیمار اُٹھ بیٹھا اور صحت مند ہو گیا۔

مولانا کمال الدین زاہد

پرہیز گاری تقوٰی اور دیانت میں مہارت کی شہرت رکھتے تھے۔ شیخ محبوب الٰہی نے آپ ہی سے مشارق الانوار کے حصول کی سند حاصل کی جن سے مولانا برہان الدین بلخی نے استفادہ کیا اور مولانا محترم سے میں مصنفِ کتاب اخبار الاخیار نے فیض پایا ہے۔ مولانا کمال الدین زاہد سے جن مشارق و انوار کو مولانا نظام الدین اولیاءؒ نے سنا اُن کا اجازت نامہ اپنے ہاتھ سے خود لکھا ہے۔ جو سیر الاولیاء میں موجود ہے۔

۶۵۹ ——— ۷۵۶ھ

حکایت ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن نے خواہش کی کہ مولانا کمال الدین زاہد کی امامت میں نماز پڑھے۔ اس لئے مولانا کو اپنے پاس بلایا اور کہا مجھے آپ کے علمی کمالات، دیانت اور حفاظت کا پکا اعتقاد ہے۔ مہربانی فرما کر اگر امامت کا عہدہ قبول فرمالیں تو عین مہربانی ہوگی اور مجھے اپنی نماز کی مقبولیت پر پورا بھروسہ ہو جائے گا۔ مولانا کمال الدین زاہد نے جواب دیا۔ میرے پاس نماز کے سوائے کچھ اور باقی نہیں رہا۔ بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس یہ بھی نہ رہے مولانا نے یہ جواب اس پُر جلال اور بارُعب طریقے پر دیا کہ بادشاہ خاموش رہ گیا اور عُذر خواہی کرتے ہوئے مولانا کو واپس کر دیا۔ اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ نور الدینؒ

آپ کا لقب "ملک یار پرّان" تھا نہایت کامل بزرگ تھے۔ آپ کا اصلی وطن "لار" تھا جہاں سے اپنے پیر کے حکم پر دہلی آئے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ کے شیخ وقت تھے

۶۶۲ ——— ۷۵۱ھ

حضرت محبوب الٰہی آپ کے مقبرہ پر آیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی میں آپ سے ملاقات کی ہوگی۔ لیکن آپ کی باہمی ملاقات کا کوئی صحیح پتہ نہیں چلا۔

سیر الاولیاء میں حضرت محبوب الٰہی کی زبانی لکھا ہے میں کیلوکھری کی جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لئے جایا کرتا تھا۔ ایک دن لُو چل رہی تھی میں روزہ دار تھا اچانک مجھے چکر آیا اور میں ایک دکان میں بیٹھ گیا۔ اس وقت میرے جی میں آیا اگر میرے پاس ہوتی تو اس پر چلا جاتا۔ پھر شیخ سعدیؒ کا مجھے یہ شعر یاد آگیا۔

ما قدم از سر کنیم در طلب دوستان　　راہ بجائے نبرد ہر کہ با قدام رفت

(دوستوں کی طلب میں ہم سر کے بل جاتے ہیں اور جو پاؤں کے ذریعہ گیا وہ منزل پر

نہیں پہونچا) پھر میں نے اپنے خیال سواری سے توبہ کی۔ اس کے تین دن بعد شیخ ملکیار پران کا خلیفہ ایک گھوڑی لایا اور کہا اسے قبول فرمائیے۔ میں نے اس سے کہا تم فقیر آدمی ہو تم سے کس طرح لوں۔ تب اُس نے کہا۔ شیخ ملکیار پران نے پرسوں رات خواب میں مجھ سے فرمایا کہ یہ گھوڑی محبوب الٰہی کو نذر دے آؤ جس کو میں نے یہ جواب دیا تمہارے شیخ نے حکم دیا ہے اگر میرے شیخ حکم دیں تو قبول کروں گا۔ پھر دوسری نشست میں وہ گھوڑی لایا جب مجھے معلوم ہوا کہ عطیہ پروردگار ہے تو میں نے قبول کر لیا۔ اس کے بعد ہمارے گھر میں گھوڑوں کی کمی نہ رہی۔

بعض لوگوں کا بیان ہے جس وقت شیخ ملک یار پراں دہلی آئے تو آج کل جہاں مزار ہے پہلے پہل قیام کیا۔ اس زمانہ میں شیخ ابوبکر طوسی ایک قلندر تھا اُس نے لڑنا شروع کیا کہ تم کیسے آئے آپ نے کہا میرے پیر و مرشد نے مجھے یہاں مقرر متعین کیا ہے۔ اُس نے ثبوت مانگا تو آپ نے دہلی سے ذرا اُس مقام پر جہاں آپ کے پیر و مرشد رہتے تھے اتنی تھوڑی سی دیر میں جس میں کہ عام طور پہ لوگ آمد و رفت نہیں کر سکتے ہیں آن کی آن میں جاکر پیر و مرشد کی اجازت لاد کھائی۔ اس دن سے لوگ آپ کو "ملک یار پران" کہنے لگے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

آپ کا مقبرہ دہلی میں دریائے جمنا کے کنارہ شیخ ابوبکر طوسی قلندر کی خانقاہ کے سامنے ہے جو ایک پُرخوف، و باعظمت مقام ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے یہاں پریاں رہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ شیخ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ ضیاء الدین رومیؒ

بڑے مشائخین میں سے تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مُرید تھے۔ سلطان قطب الدین بن علاؤ الدین خلجی آپ کا مرید اور خلیفہ تھا۔ کہتے ہیں کہ آپ کے سوم

۶۵۹ ــــــــ ۷۲۱ھ

کے دن جب محبوب الٰہیؒ آپ کی زیارت کو گئے تو اس وقت سلطان قطب الدین خلجی وہاں حاضر و موجود تھا جس نے محبوب الٰہیؒ کی تعظیم نہیں کی اور آپ کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ محبوب الٰہیؒ کی زبانی کہا جاتا ہے کہ میں نے شیخ ضیاء الدین رومیؒ سے خود سُنا ہے انھوں نے کہا میرے ایک دوست کو قوالی کا بے حد شوق تھا جہاں ان کو حال آیا کرتا۔ اُن کے انتقال کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ جنت میں انہیں ایک بلند مقام ملا ہے لیکن مغموم سے بیٹھے ہیں۔ جنت کی نعمتوں کی میں نے ان کو مبارکباد دی اور پوچھا آپ رنجیدہ کیوں ہیں؟ شیخ رومیؒ نے جواب کہا مجھے یہ سب کچھ مل گیا لیکن قوالی کی لذت وحال سے محروم ہوں۔ قطب صاحب کے مزار والی سڑک پر

سلطان محمد عادل کے جے منڈل[1] کے سامنے دہلی میں آپ کا مقبرہ ہے۔

شیخ شرف الدین کرمانی رح

قصبہ سرسی (ضلع مرادآباد یوپی) کے باشندہ تھے۔ محبوب الٰہیؒ فرماتے تھے میں جُنید قوال کی زبانی خود سُنا ہے

۶۵۹ ــــــــ ۷۲۵ھ کہ شیخ کرمانی نے ایک دن مجلس قوالی میں ایک شعر سن کر ایک آہ کھینچی اور جاں بحق ہوگئے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

سید مولہ رح

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانہ میں آپؒ دہلی میں موجود تھے۔ آپ کے مُرید و معتقد بکثرت ہیں۔ لوگوں کو کھانا کھلاتے اور کرامات ظاہر

۵۷۱ ــــــــ ۶۸۰ھ کرتے تھے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کیمیا بناتے تھے۔ بعض کو آپ کے تصرف و کرامات کا اعتقاد تھا اور بعض کا گمان تھا کہ آپؒ جادوگر اور شعبدہ باز تھے۔ سلطان جلال الدین خلجی کے زمانہ میں ابوبکر طوسی کے قلندروں نے آپؒ کو مار ڈالا۔ آپ کے قتل کے دن آسمان پر بے انتہا گرد و غبار تھا اور اتنا اندھیرا چھا گیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا گویا قیامت آگئی۔ سلطان جلال الدین جو آپ کا معتقد نہ تھا یہ حالات دیکھ کر آپ کا معتقد ہوگیا۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ ابوبکر طوسی حیدریؒ

قلندر مشرب تھے۔ آپ اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ کی باہم بیحد دوستی تھی شیخ ہانسوی جب ہانسی سے خواجہ قطب الدین

۵۶۸ ــــــــ ۶۲۹ھ بختیار کاکیؒ کی زیارت کے لئے آتے تو جمنا کے کنارے شیخ طوسیؒ کی خانقاہ میں ٹھہرتے جہاں فقیرانہ صحبتوں کے ساتھ ساتھ قوالیاں بھی ہوتی تھیں۔ حضرت محبوب الٰہیؒ بھی آپ کی خانقاہ میں آتے اور شریک مجلس ہوا کرتے تھے۔

حکایت ہے ایک مرتبہ شیخ جمال ہانسوی کی آمد دہلی کے موقع پر مولانا حسام الدین اندریتی نے جو دہلی کے صدر خطیب اور قاضی القضاۃ[2] تھے۔ نیز شیخ جمالؒ کے مرید بھی تھے اپنے پیر و مرشد شیخ جمال کا استقبال کیا۔ استقبال کی تیاریوں کے زمانہ میں شیخ طوسیؒ نے مولانا حسام سے کہا

---

[1] قطب الدین بختیار کاکیؒ کا مزار قصبہ مہرولی میں ہے اس سے تقریباً تین میل پہلے ہی جے منڈل کی عمارت اب بھی بحالت بوسیدہ بنی باؤلی موجود ہے۔

[2] قاضی القضاۃ کو اب چیف جسٹس کہتے ہیں۔

آپ شیخ جمال الدینؒ سے کہہ دیں کہ میں (طوسیؒ) حج کے لئے جا رہا ہوں۔

شیخ جمالؒ نے آتے ہی مولانا حسام الدین سے پوچھا ہمارا سفید ہاشمی یعنی شیخ ابوبکر طوسی کس حال میں ہیں؟ مولانا نے جواب کہا وہ تو حج کے لئے جا رہے ہیں جس پر شیخ نے فوراً مولانا حسام کو وہاں سے روانہ کیا اور کہا تم چلو ہم تمہارے پیچھے آرہے ہیں اور یہ رباعی شیخ طوسی کے نام لکھ بھیجی

برپائے تو سرم نثار اولی تر
یک سر چہ بود بلکہ ہزار اولی تر
در غار وطن ساز چو بوبکر تو آزانکہ
بوبکر محمدیؐ بہ غار اولی تر

(میرا سر آپ کے پاؤں پر قربان ہونا ہی بہتر ہے۔ ایک کیا بلکہ ہزار سر بھی قربان ہو جائیں تو زیادہ اچھا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مانند غار میں وطنیت کا انتظام فرمائیے کیونکہ سرکار کائنات محمد رسول اللہؐ کے رفیق حضرت صدیقؓ کے غار ثور کی مانند ہمارے لئے غار ہی زیادہ اچھا ہے)

حضرت شیخ ابوبکر طوسی حیدریؒ کا مزار دہلی میں جمنا کنارے آپ کی خانقاہ ہی میں ہے۔ جو عام وخاص کا مرجع ہے۔

شیخ فریدالدینؒ ناگوری

سلطان التارکین شیخ حمیدالدین صوفیؒ کے حقیقی پوتے، مرید، خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ انہی کے سایہ عنایت

۶۲۹ ــــــــــــ ۱۹ ۷ھ و تربیت میں پرورش پائی۔ شیخ فریدالدین نے اپنے دادا شیخ حمیدالدین صوفی کے ملفوظات بنام "سرور الصدور" جمع کئے ہیں۔ سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں ناگور سے آپ دہلی آئے۔

قطب صاحب کے مزار کے راستہ میں حوض شمسی کے مشرقی جانب قدیم دہلی شہر میں آپ کا مزار ہے۔ اسی جگہ آپ کا مسکن بھی تھا۔ اسی جگہ چکی کا ایک پتھر پڑا ہوا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ فریدالدین بحالت مستی اس پتھر کو اپنی گردن میں ڈال لیا کرتے تھے۔ اور یہی پتھر اپنے گلے میں ڈالے ناگور سے دہلی آئے تھے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے

شیخ عبدالعزیزؒ

آپ کے والد کا نام شیخ حمیدالدین تھا۔ آپ نے عین جوانی کے زمانہ میں جبکہ قوالی سن رہے تھے وفات پائی۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک پُر

۶۹۸ ــــــــــــ ۷۶۱ھ شوق مات ایک صوفی کے گھر میں مجلس قوالی گرم تھی اور قوال یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

جان بدہ۔ جان بدہ۔ جان بدہ فائدۂ گفتن بسیار چیست
(جان دو، جان دو، جان دو۔ زیادہ باتیں کرنے سے کیا فائدہ؟)

یہ سنتے ہی شیخ عبدالعزیز نے ایک چیخ ماری اور کہا دی۔ دی دی۔ چنانچہ فوراً ہی واصل بحق ہو گئے۔ آپ کے تین لڑکے تھے۔ شیخ وحید۔ شیخ فرید۔ شیخ نجیب۔ آپ نے ہر لڑکے کی بابت الگ الگ ہی فرمایا۔ شیخ وحید کی بابت فرمایا۔ وحید میری طرح سے یکتا ہے اور ایسا ہی ہوا کہ وہ غیر شادی شدہ، بے تعلق اور آزاد رہے۔ اور بحصول خلافت رشد و ہدایت کرتے ہوئے عالم جاودانی چلے گئے۔ شیخ فرید و نجیب کی بابت فرمایا فرید میرا سجادہ نشین ہے اور نجیب صاحب دیوان ہے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ شیخ نے فرمایا تھا۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

شیخ علی کرد رح

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ محبوب سبحانی رح نے فرمایا میں جب ہانسی[1] گیا تو شیخ فریدالدین اس زمانہ میں داؤدی روزے رکھ رہے تھے۔ (یعنی ۶۰۱ ـــــ ۶۶۶ جس طرح حضرت داؤد ع ایک دن بیچ روزہ رکھتے تھے) چنانچہ شیخ فرید رح نے افطار کے وقت شیخ علی کرد کو دعوت دی۔ دونوں بزرگ کھانا کھا رہے تھے کہ شیخ علی کرد نے اپنی دل میں کہا شیخ فرید اگر صائم الدہر ہوتے تو بہت اچھا ہوتا۔ یہ بات شیخ فرید نے اپنے نور باطن سے معلوم کرلی اور فوراً ہی کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ شیخ علی کرد کا وطن میرٹھ کے علاقہ میں تھا اور وہیں آپ کا مزار بھی ہے۔

مولانا نور ترک رح

قاضی منہاج جرجانی نے اپنی تالیف "طبقات ناصری" میں آپ کا ذکر اس طرح کیا ہے جو آپ کی حالت کے خلاف اور آپ کے مذہب ۶۱۹ ـــــ ۶۹۲ھ پر حرف گیری ہے۔ لیکن فوائد الفواد میں میر حسن نے محبوب الٰہی رح کا یہ بیان لکھا ہے کہ بعض علماء نے اگرچہ مولانا ترک کی بابت کچھ اور لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا آسمانی پانی سے بھی زیادہ پاکیزہ تھے شہر کے عالموں کو آپ سے اس لئے تعصب تھا کہ آپ ان تمام عالموں کو دنیاداری میں آلودہ دیکھتے اور ان پر حرف گیری کرتے تھے۔ آپ نے کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی آپ علم و مجاہدہ کی قوت سے ہر بات کہا کرتے تھے۔ آپ کا ایک غلام تھا جو روئی دھنکنے کا پیشہ کرتا اور شام کے وقت آپ کو ایک درم دیا کرتا جس سے آپ اپنی

---

[1] ہانسی پہلے بڑا شہر تھا اب ہانسی حصار کے نام سے مشہور ہے جو دہلی سے تقریباً (۸۰) میل ہے

ضروریات زندگی پوری کیا کرتے۔ ایک دن سلطانہ رضیہ نے آپ کی خدمت میں کچھ سونا بھیجا۔ اتفاقاً اُس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی آپ اسی لکڑی سے اُس آمدہ سونے کو پیٹتے اور فرماتے تھے۔ یہ کوئی قیمتی چیز نہیں اسے ہمارے سامنے سے لے جاؤ۔ پھر ایک مرتبہ جب آپ مکہ معظمہ میں تھے کہ ایک دلی والے بھی مکہ مکرمہ گئے اور انھوں نے آپ کی خدمت میں دو سیر چاول پیش کئے۔ مولانا نے وہ چاول قبول کرتے ہوئے اُس کو دعا دی۔ اس دلی والے کے دل میں آیا یہ وہی بزرگ ہیں جنھوں نے دہلی میں اُتنا بہت سا سونا واپس کر دیا تھا اور اب اتنے سے چاول قبول کر رہے ہیں۔ یہ بات مولانا نے اپنی جمال باطنی سے معلوم کرتے ہوئے فوراً کہا اے خواجہ! مکہ کو دہلی نہ سمجھو۔ میں اُس وقت جواں تھا۔ وہ قوت وطاقت کہاں رہی۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں نیز مکہ میں غلہ بھی کم ہی ملتا ہے حضرت محبوب الٰہیؒ کہتے ہیں کہ میں نے شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کو خود یہ کہتے سنا ہے کہ مولانا ترکؒ کی مجالس وعظ میں میں نے شرکت کی ہے۔ جب میں ہانسی میں تھا تو ایک مرتبہ رنگین پارچہ لباس پہنے مولانا ترک کی مجلس وعظ میں وعظ سننے گیا۔ یہ پہلا موقع تھا۔ اس سے پہلے ہماری اُن کی ملاقات نہ تھی۔ آپ مسجد میں وعظ کر رہے تھے۔ میں نے جونہی مسجد میں قدم رکھا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہوئے فرمایا، مسلمانو! اب گفتگو کا جوہری آگیا ہے۔ اس کے بعد وہ تعریف کی جو کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہ ہوگی۔ اے اللہ آپ پر وسیع رحمتیں نازل فرما۔

مولانا مخلص الدینؒ کرکی بدایونی

۵۶۹ ــــــــ ۶۳۹ھ

شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کا بیان ہے کہ ضلع بدایوں کے موضع کرک میں مولانا رہا کرتے تھے جو بزرگ ہونے کے ساتھ حافظ قرآن اور ولی اللہ تھے۔ ایک دن آپ اپنے شاگردوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے۔ بر سر راہ آک کے درختوں میں پھل نظر آئے تو شاگردوں نے وہ پھل توڑ لئے اور اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے مولانا کے پاس آئے۔ مولانا نے فرمایا کیا تمہارے ہاتھوں میں کھیرے ہیں؟ شاگردوں نے عرض کیا [illegible] آک کے پھل ہیں۔ جس پہ مولانا نے باصرار فرمایا نہیں نہیں یہ تو کھیرے ہیں [illegible] خود اپنے ہاتھوں سے توڑے ہیں یہ آک کے [illegible] آپ کیا فرما رہے ہیں۔ تو مولانا نے فرمایا اچھا [illegible] سے او کے وہ پھل مولانا کے ہاتھ میں دیدیے۔ مولانا نے چاقو نکال کر

اُن پھلوں کے ٹکڑے کئے سب نے کھا کر کہا واقعی کھیرا ہے۔

لوگوں نے شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی سے پوچھا کیا خواجہ عزیز کرکی اور مولانا مخلص الدینؒ دونوں ہم عصر تھے؟ جواب دیا یہ تو معلوم نہیں البتہ خواجہ عزیز کرکی بھی بہت بڑے بزرگ تھے۔ پھر فرمایا بدایوں میں اکثر و بیشتر بزرگ تھے۔ اللہ سب پر رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ علیؒ بدایونی

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مُرید اور نعمت یافتہ تھے۔ آپ کی کرامتیں مشہور ہیں۔

۷۶۲ ـــــ ۸۴۰ھ حکایت ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاءؒ جب فارغ التحصیل ہوئے تو آپ کی والدۂ ماجدہ نے علماء و مشائخین شہر کی دعوت کی اور وہ پٹکا وصافہ جو اپنے ہاتھ سے روئی کات کر بنایا تھا محبوب الٰہی کو دیا۔ جسے وہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے باہر مجلس علماء و مشائخ میں آئے اور شیخ علی کے سامنے پیش کیا۔ شیخ علی نے صافہ کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں پکڑ کے دُوسرا سرا شیخ نظام الدین کے سر پر رکھ دستار بندی کی۔ اس کے بعد شیخ نظام الدینؒ نے اپنا سر خواجہ علی کے روبرو جھکایا۔ خواجہ علی نے آپ کو دعائیں دیتے ہوئے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو عالم دین بنائے اور منتہائے ہمت تک پہونچائے۔ شیخ علیؒ کے سلوک و ہدایت کا قصہ شیخ جلال الدین تبریزی کے حالات میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ تبریزی نے رخصت ہوتے وقت کہا تھا خواجہ علی! بدایوں کی مخلوق تمہاری پناہ میں چھوڑ رہا ہوں۔

خیر المجالس میں شیخ چراغ دہلوی کی زبانی لکھا ہے کہ بدایوں میں دو علی مولا تھے ایک چھوٹے علی مولا اور دُوسرے بڑے علی مولا یہ خواجہ علی جو شیخ تبریزی کے مُرید تھے اور جنھیں نظام الدین اولیاء کی دستار بندی کے لئے بلایا گیا تھا یہ بڑے علی مولا کے نام سے مشہور تھے۔ صاحب یقین بزرگ تھے اور مقبولیت عظیم رکھتے تھے۔

نیز شیخ چراغ دہلوی کا بیان ہے کہ خواجہ علی کچھ جانتے نہ تھے صرف پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے اور بے انتہا سچے و صادق تھے۔

تمام عالم مشائخ اور دوسرے لوگ آپ سے خیر و برکت حاصل کرتے اور آپ کی قدم بوسی کرتے تھے۔ مقبول بارگاہ الٰہی ہونے کا آپ میں یہ وصف پیدا ہو گیا تھا کہ جو کوئی آپ کو دیکھتا وہ فوراً کہہ اُٹھتا کہ یہ خدا دوست اور خدا رس ہیں، اللہ آپ پر اپنی وسیع و فراخ رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ حسن افغان

شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کے مُرید تھے۔ محبوبِ الٰہی فرماتے تھے کہ خواجہ حسن افغان ایک بڑے بزرگ اور ولی اللہ تھے۔ ایک مرتبہ کسی گلی

۶۰۲ ——— ۶۸۹ میں پھرتے پھراتے مسجد جا پہونچے۔ موذن نے تکبیر کہی امام صاحب آگے بڑھے اور دوسرے لوگ پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ خواجہ حسن بھی نماز میں شریک ہو گئے۔ نماز پڑھنے کے بعد جب سب مقتدی چلے گئے تو خواجہ حسن پیش امام کے پاس گئے اور اُن سے کہا امام صاحب آپ کی نماز میں میں بھی شریک تھا۔ آپ آغاز نماز ہی کے وقت نماز پڑھنے کی حالت میں دہلی پہونچے وہاں سے غلام خرید کر انھیں بتیاں میں فروخت کیا اور پھر وہاں سے ملتان آئے۔ اور میں آپ کے پیچھے ہی پیچھے حیران و پریشان مارا مارا پھرتا رہا بتایئے تو آخر یہ کونسی نماز ہے؟ اللہ تعالےٰ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ تقی الدین محمدؒ

محبوب الٰہیؒ کا بیان ہے کہ آپ صاحب حال تھے۔ ہمیشہ مراقبہ اور یاد الٰہی میں مستغرق رہتے آپ کو یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ آج کون سا

۶۱۹ ——— ۶۹۹ھ دن اور کونسا مہینہ ہے۔

ایک دن ایک آدمی آپ کے پاس ایک کاغذ لایا اور عرض کیا آپ اس پر اپنا نام لکھ دیجئے آپنے قلم اٹھایا لیکن حیران تھے۔ خادم سمجھ گیا کہ آپ اس وقت اپنا نام بھول گئے ہیں اُس نے کہا آقا کا اسم گرامی محمد ہے تو شیخ نے اپنا نام اس کاغذ پر لکھ دیا۔

ایک دن آپؒ جامع مسجد کے دروازہ پر پہونچ کر حیران کھڑے ہو گئے۔ خادم سمجھ گیا کہ شیخ کو یہ خیال نہیں رہا ہے کہ داہنا پاؤں کونسا ہے۔ اس لیے اُس نے اپنا ہاتھ شیخ کے سیدھے پاؤں پر رکھ کے عرض کیا شیخ کا سیدھا پاؤں یہ ہے تب آپ نے اپنا سیدھا پاؤں مسجد میں رکھا۔

شیخ بُرہان الدین نسفی

فوائد الفواد میں ہے کہ آپ کامل حال دانشمند تھے۔ جب کوئی شاگرد آپ کے پاس پڑھنے آتا تو فرماتے پہلے میری

۷۰۹ ——— ۷۸۶ھ تین شرطوں کو تسلیم کرو تو پھر پڑھاؤں گا۔ پہلی شرط یہ کہ ایک وقت کھانا تاکہ علم کے لئے گنجائش رہے دوسری یہ کہ ناغہ نہ کرنا۔ اگر ایک دن بھی ناغہ کرو گے تو پھر دوسرے دن نہ پڑھاؤں گا۔ تیسری یہ کہ جب راستہ میں مجھ سے ملنا تو سلام کر کے فوراً ہی چل دینا اور برسرِ راہ نہایت ادب سے میری زیادہ سے زیادہ تعظیم نہ کرنا۔ آپ کی تاریخ وفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔

مولانا علاؤالدین اصولی بدایونی

بڑے بزرگ اور صاحب کمال تھے۔ محبوب الٰہی کے استاد بھی تھے خیرالمجالس

۸۴۲ ———— ۹۴۰ھ

میں ہے کہ محبوب الٰہی نے مولانا ہی سے قدوری پڑھی۔ مولانا کہتے ہیں کہ محبوب الٰہی کی دستار بندی شیخ نے تین چار گز کپڑے کے صافے سے کی کیونکہ پوری دستار میسر نہ تھی۔ جس کا پورا واقعہ خواجہ علی بدایونی کی سوانح میں ہے۔

فوائدالفواد میں ہے کہ مولانا اپنے لڑکپن کے زمانہ میں بدایوں کی ایک گلی میں جا رہے تھے۔ شیخ جلال الدین تبریزی نے آپ کو دیکھ کر بلایا اور جو لباس کہ خود پہنے ہوئے تھے وہ اتار کر اس نوجوان کو پہنا دیا۔ مولانا میں جو کچھ عمدہ اوصاف اور اعلیٰ اخلاق ہیں وہ سب اسی لباس کی برکت ہیں۔ کہتے ہیں آپ کے پاس ایک نئی خریدی ہوئی لونڈی تھی جو ہمیشہ روتی رہتی تھی۔ مولانا نے پوچھا تو روتی کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا۔ میں اپنے لڑکے سے دور ہو گئی ہوں۔ اس پہ مولانا نے اس لونڈی کو جہاں سے وہ آئی تھی بر سر راہ چند جانے والے جانوروں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

صاحب فوائدالفواد لکھتے ہیں کہ محبوب الٰہی نے جب اس قصہ کے آخری الفاظ کہے تو آپ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور اسی حالت میں آپ نے فرمایا علمائے ظاہر اگرچہ ان واقعات کے رونما ہونے کے قائل نہیں لیکن انہیں اچھی طرح یقین کر لینا چاہیئے اور سمجھ لینا چاہیئے کہ مولانا بدایونی نے کتنا بڑا کام کس طرح انجام دیا۔ مولانا کا مزار بدایوں میں مرجع عام و خاص ہے۔

خیرالمجالس میں بحوالہ چراغ دہلوی لکھا ہے کہ مولانا علاؤالدین اصولی بدایونی کبھی کسی سے کوئی چیز نہ لیتے البتہ بوقت ضرورت جب کوئی کچھ لے آتا تو اس میں سے بقدر حاجت لے لیتے۔

ایک مرتبہ مولانا فاقوں کی وجہ سے بیٹھے کھلی کھا رہے تھے۔ اسی اثنا میں حجام آگیا۔ آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ حجام کو فقر و فاقہ کی اطلاع ہو اس لئے وہ کھلی اپنے صافہ میں چھپا لی۔ حجام نے پہلے آپ کا خد بنایا پھر مولانا نے سر سے صافہ اتارا تاکہ سر منڈوائیں کہ وہ کھلی زمین پہ آ رہی۔ ایک دن اس حجام نے ایک مالدار سے آپ کا قصہ بیان کیا جس نے کئی من غلہ۔ کئی گھڑے گھی اور ایک ہزار جیتل[1] مولانا کی خدمت میں روانہ کئے۔ لیکن مولانا نے یہ نذرانہ قبول نہ کرتے ہوئے واپس کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد مولانا نے اس حجام کو بلوا کر ملامت کی اور کہا اب آیندہ سے ہمارے پاس نہ آنا اس پہ اس حجام نے کئی لوگوں سے مولانا کی خدمت میں سفارش کرائی تو مولانا نے اس شرط کے ساتھ اس کا قصور معاف کیا کہ آیندہ کبھی فقراء کا راز فاش نہ کرنا۔ اور پھر اسے اپنے پاس آنے

---

[1] سلاوھ میں بدایوں میں جیتل (چاندی کا مشہور سکہ) رائج تھا۔

اجازت دیدی اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شمس الملک

زمانہ بھر میں بہت بڑے عالم و فاضل تھے۔ اور اپنے وقت کے عالموں میں علم و فضل کی وجہ سے مشہور تھے۔ محبوب الہیؒ نے بھی آپ کے
۶۰ ——— ۶۷۹ھ آگے زانوے تعلیم تہہ کیا اور مقامات حریری آپ ہی سے پڑھی۔ شہر کے اکثر عالم آپ کے ہی شاگرد تھے محبوب الہی کا بیان ہے میں جب ناغہ کرکے دوسرے دن آپ کے پاس جاتا تو فرماتے

آخر تم زانکہ گاہ گاہ آئے ۔۔۔ آئی و بہ ما کنی نگاہ ہے

(گاہ بگاہ ہی نہ سہی تو کم از کم کبھی تو ہمارے پاس آؤ اور ہمارے حال پر نظر کرو)

اس زمانہ کے مشہور شاعر تاج زمرد نے آپ کی شان میں لکھا ہے

صدر اکنوں بکام دل دوستاں شوی ۔۔۔ مستوفی ممالک ہندوستاں شوی

(اے صدر آپ نے دوستوں کی مراد کے مطابق اب مقام حاصل کرلیا ہے یعنی ہندوستان بھر کے حاکم اعلیٰ مقرر ہو گئے ہیں)

قاضی جمال ملتانی بدایونی

بہت بڑے بزرگ تھے۔ محبوب الہیؒ کا بیان ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ رسول اکرمؐ کو خواب میں اس
۱۲۶ء ——— ۱۳۳۶ء طرح دیکھا گویا آپؐ بدایوں میں ایک جگہ بیٹھے وضو فرمارہے ہیں۔ قاضی بیدار ہوتے ہی فوراً اس جگہ پہونچے دیکھا کہ زمین بھیگی ہوئی ہے یہ دیکھ کر کہا میری قبر اسی جگہ بنائی جائے۔ چنانچہ انتقال کے بعد اسی جگہ دفن کئے گئے۔ اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ صوفی بدھنی

محبوب الہیؒ کا بیان ہے کیتھلؒ میں ایک بزرگ تھے جنھیں شیخ صوفی بدھنی کہا کرتے تھے۔ وہ اتنے زیادہ تارک الدنیا تھے کہ ستر پوشی
۶۲ ——— ۷۰۴ھ تک نہ کیا کرتے۔ ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا چراتنا کھائے کہ اس سے زندگی باقی رہے اور قوام بدن برقرار رہے نیز اتنا کپڑا پہنتا ہو کہ اس سے ستر پوشی ہوجاتی ہو ایسے

لہ مقامات حریری عربی ادب کی مشہور کتاب ہے۔

تہ کیتھل ایک زمانہ میں بڑا شہر تھا اب ضلع پانی پت کرنال کا ایک قصبہ ہے جہاں مارواڑی بنئے زیادہ آباد ہیں۔

آدمی کی پیروی کرنی چاہیئے لیکن اپنے اس قول کے خلاف ان کا یہ حال تھا کہ خود نہ کھاتے نہ پہنتے۔ فوائد الفواد میں بھی ان کی یہی سب حالت لکھی ہے۔

خیر المجالس میں بحوالہ چراغ دہلی لکھا ہے۔ صوفی بدھنی کو عبادت کا بے انتہا ذوق و شوق تھا مسجد میں رہتے اور شب و روز محراب کے سامنے نماز پڑھتے رہتے اس کے سوا کچھ اور نہ کرتے۔ آپ کے پاس لوگوں کا تانتا بندھا ہوتا۔ ایک دن کچھ عالم آپ کے پاس آئے اُن سے آپ نے پوچھا کیا جنت میں نماز ہوگی ؟ عالموں نے جواباً کہا جنت دراصل وار جزا اور بدلوں کی جگہ ہے، جہاں کھانے پینے اور عیش کرنے کے سوا کچھ اور نہ ہوگا۔ جتنی عبادتیں ہیں وہ صرف دنیا میں کی جاتی ہیں۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا جس جنت میں نماز نہ ہو اس سے مجھے کیا واسطہ۔ اس کے بعد ہندی زبان میں ایک ایسا لفظ کہا جو قابل تحریر نہیں۔ اس کے بعد حضرت چراغ دہلوی نے شیخ صوفی کے اکثر مناقب بیان کئے۔

ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ شیخ صوفی ایک دن کسی بلندی پر چڑھ گئے۔ جہاں ایک مرد غیب سے ملاقات ہوئی۔ پھر اُس مرد غیب سے شیخ صوفی نے پوچھا صوفی بدھنی کس قسم کا آدمی ہے ؟ مرد غیب نے جواب دیا ایک بزرگ ہے لیکن افسوس۔ اتنا کہہ کے وہ مرد غیب استغفار پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ اتنا کہہ کے شیخ صوفی نے کہا استغفر اللہ یہ مرد غیب صوفی بدھنی کے پاس آئے تو کہا جس دن اس نے آکر میرے روبرو استغفار نہ کیا ہوتا تو میں اس کو اس بلندی پر سے ایسا پھینکتا کہ اس کی گردن ٹوٹ جاتی۔

حکایت ہے کہ شیخ صوفی جب یاد الٰہی میں مشغول ہوتے تو اس وقت آپ کی یہ حالت ہوتی کہ آپ کے ہاتھ پاؤں اور سر سب الگ الگ ہو جاتے کسی نے پوچھا کہ شیخ صوفی بدھنی کس زمانہ میں تھے تو حضرت چراغ دہلوی نے فرمایا۔ شیخ الاسلام حضرت فرید الدین گنج شکرؒ کے عہد میں صوفی بدھنی موجود تھے۔

کہتے ہیں صوفی بدھنی کے گنبد پر کسی چڑیا کو بیٹھے یا اُس پر سے گذرتے ہوئے آج تک کسی نے نہیں دیکھا۔

لوگوں میں مشہور ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ صوفی بدھنیؒ دونوں کے دونوں چنگیز خانی مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے ایک دن تمام قیدی سخت بھوکے پیاسے تھے۔ کرامت کے طور پر خواجہ صاحب اپنی بغل سے روٹی نکال کر ان بھوکے قیدیوں کو دیتے رہے

تھے اور شیخ صوفی بدھنی پانی کے ایک ہی لوٹے سے تمام پیاسوں کو پانی پلاتے رہے اس واقعہ کے بعد کے دن سے خواجہ صاحب کاکی کے لقب سے اور شیخ صوفی بدھنی کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ ہندی زبان میں ٹونٹی دار لوٹے کو "بدھنی" کہتے ہیں اور کاکی (روٹی والے) کو کہتے ہیں اللہ کی آپ پر رحمتیں نازل ہوں۔

شیخ شہاب الدین ہانسوی

۶۲۹ ــــــ ۶۱۹ھ

ہانسی[1] کے مشہور خطیب و مقرر تھے محبوب الٰہیؒ کا بیان ہے کہ شیخ شہاب الدین ہانسوی بہت بڑے بزرگ تھے۔ ہمیشہ رات کو سورۂ بقرہ پڑھ کر سویا کرتے اُنھوں نے خود بیان کیا ہے میں (شہاب الدین) ایک رات سورۂ بقرہ پڑھ رہا تھا کہ گھر کے ایک کونہ سے آواز آئی۔

شعر

ما دوست کشیم و تو ندار ی سر ما | ہاری سر ما و گرنہ دور از بر ما

(تجھے جب ہماری خواہش ہوتی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے آجاتا ہے ورنہ عام طور پر دور ہی رہتا ہے۔ حالانکہ ہم تجھے دوست سمجھتے ہیں اور تجھے ہمارا کوئی خیال نہیں ہے) جس وقت یہ آواز آئی تمام گھر والے سور ہے تھے۔ میں حیران و پریشان ہوگیا کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ نیز گھر میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اس قسم کا مضمون ادا کر سکے۔

شیخ نے پھر دوبارہ یہی آواز سنی تو دعا کی۔ اے اللہ میں نے تیرے اکثر احکام کی تعمیل کی ہے مجھے اُمید ہے تو بھی وعدہ ایفائی کرے گا۔ کہ میرے انتقال کے وقت عزرائیل یا کوئی اور فرشتہ میرے پاس نہ ہو۔ فقط میں ہوں اور تیری ذات۔ آخر ش شیخ ہانسوی نے اسی طرح انتقال کیا جیسی ان کی خواہش تھی۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ احمد بدایونی

۶۰۱ ــــــ ۶۶۹ھ

محبوب الٰہیؒ کا بیان ہے کہ شیخ احمد بدایونی میرے دوست، صالح بزرگ درویشوں کے معتقد اور ابدال صفت تھے۔ اگرچہ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن دن بھر شرعی مسائل کی تحقیق میں مشغول رہتے۔

---

[1] ہانسی، سرسہ اور حصار یہ تینوں قصبہ ہیں ان میں سے کسی اور قصبوں کا نام ایک ساتھ لیا جاتا ہے جو دہلی سے تقریباً (۸۰) میل ہیں۔

آپ کے انتقال کے بعد میں (نظام الدین اولیاء) نے ایک رات آپ کو خواب میں دیکھا کہ وہ اپنے دنیاوی معمول کے موافق مجھ سے مسائل واحکام شرعی دریافت کر رہے ہیں۔ جس پر میں نے انہیں جواب دیا آپ جو کچھ دریافت کر رہے ہیں یہ دنیاوی زندگی میں کام آتے ہیں اور اب بحالت موجودہ آپ مردہ ہیں (یعنی ہماری دنیا میں آپ کا جسم دکھائی نہیں دے رہا ہے) میری یہ بات سن کر شیخ احمد بدایونی نے مجھ (محبوب الہٰی) سے کہا کیا آپ بھی اولیاء اللہ کو مردہ کہتے ہیں[۵] اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

شیخ قاضی منہاج جُرجانی

طبقات ناصری کے مصنف جلیل القدر بزرگ اپنے زمانہ کے زبردست مشہور عالم فاضل تھے۔ قوالی ۶۴۳ ـــــــــ ۱۲۴۵ھ شوق سے سنتے تھے۔ جب شہر کے قاضی مقرر ہوئے تو قوالی نے زور پکڑ لیا۔ محبوب الہٰیؒ کا بیان ہے میں ہمیشہ پیر کے دن قاضی منہاجؒ کی مجلس وعظ میں جایا کرتا تھا ایک دن میں آپ کی مجلس وعظ میں تھا کہ آپ نے یہ رباعی پڑھی۔

رباعی

لب برلبِ لعلِ دلبران خوش کردن   واہنگ بسرِ زلف مشوش کردن
امروز خوش است ولیک فردا خوش نیست   خود را چو خسی طعمۂ آتش کردن

(معشوقوں کے لب لعلین سے شادکام ہونا اور ان کی پریشاں زلفوں سے کھیلنا۔ آج تو بھلا معلوم دیتا ہے لیکن آئندہ کل خوب نہ ہوگا کیونکہ اپنی ذات کو خس وخاشاک کی مانند نذر آتش کر دینا کوئی اچھا کام نہیں ہے)

میں (محبوب الہٰی) نے جب یہ شعر سنے تو ایک عرصہ تک بیخود ہوگیا۔ پھر مدت کے بعد ہوش میں آیا۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

مولانا احمد حافظ

ایک بڑے عقلمند اور خدا شناس تھے۔ محبوب سبحانیؒ کا بیان ہے میں ایک مرتبہ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی زیارت کے لئے جا رہا تھا ۶۲ ـــــــ ۷۰۶ کہ بمقام سرسی[۶] مولانا احمد حافظ سے ملاقات ہوئی۔ دوران گفتگو

---

[۵] قرآن شریف میں ہے اولیاء اللہ کو کسی قسم کا خوف وغم نہیں ہوتا۔ اور یہ اپنے وجود غیر کثیف کے تحت حیات تو جلمبر رہتے ہیں۔ از سیر الاولیاء محبوب الہٰیؒ۔

[۶] ریاست رام پور کے قریب ضلع مرادآباد کا مشہور قصبہ ہے۔

میں انھوں نے فرمایا آپ۔ جب شیخ کے مزار پر بائیں تو میری جانب سے سلام کے بعد کہہ دیں مجھے دنیا کی طلب نہیں۔ دنیا چاہنے والے بہت ہیں۔ اور عقبیٰ کی بھی یہی حالت ہے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ (مجھے دنیا میں بحیثیت مسلمان وفات دے اور اپنے صالح بندوں میں شامل کرے) آپ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں

طبقہ سوم

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اور آپ کے معاصرین کے زمانہ سے دور حاضر تک کے بزرگوں کے مسلسل حالات رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

شیخ نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلوی

محبوب الہیٰؒ کے مشہور ترین اور ممتاز خلیفہ تھے صاحب اسرار اور وارث احوال شیخؒ تھے ۵۷۵ھ جو اپنے شیخ محبوب الہیٰؒ کے انتقال کے بعد دہلی کی ولایت کے مالک قرار دیے گئے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی اپنے پیر و مرشد محبوب الہیٰ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی مکمل پیروی کرتے تھے۔ فقر و فاقہ صبر و ثابت قدمی اور رضا و تسلیم آپ کا طرّہ امتیاز تھا۔

حکایت ہے ایک دن شیخ نصیر الدینؒ نے محبوب الہیٰؒ کے خاص رازدار امیر خسرو سے کہا آپ براہ کرام محبوب الہیٰ کی خدمت میں عرض کر دیجئے کہ میں اودھ میں رہتا ہوں۔ لوگوں کی آمد و رفت کی وجہ سے عبادت الہیٰ میں مزاحمت ہوتی ہے۔ اگر ارشاد ہو تو جنگل میں جاکر فراغت سے اللہ کی عبادت کروں۔ امیر خسرو کا قاعدہ تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد شیخؒ کے پاس جا بیٹھتے اور دن بھر کے حالات سناتے۔ چنانچہ انھوں نے شیخ چراغ دہلوی کی التماس کہہ سنائی۔ محبوب الہیٰ نے فرمایا اُن سے کہہ دینا تمہیں لوگوں میں رہنا چاہیئے اور ان کی سختی برداشت کر کے اُس کا بدلہ بخشش و عنایت سے دینا چاہیئے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ شیخ چراغ دہلویؒ کو محبوب الہیٰ نے تنہائی میں لے جاکر پوچھا تمہارے دل میں کیا ہے۔ جنگل میں جانے سے تمہارا مقصد کیا ہے اور تمہارے والد کیا کام کرتے تھے؟

شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ نے جواب دیا میرا مقصد آپ کی درازی عمر کی دعا مانگنا اور درویشوں کے جوتے سیدھے کرنا ہے۔ میرے والد اپنے غلاموں کے ذریعہ روئی کی تجارت کرتے تھے۔ یہ سن کر

محبوب الہیؒ نے جوابا فرمایا سنو۔ میں جب اپنے پیر و مرشد شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کی خدمت کر رہا تھا اسی زمانہ میں پاک پٹن (پاکستان) کا ایک عقل مند جو میرا دوست اور ہم سبق تھا میرے پاس آیا اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے دیکھا مجھ سے کہا نظام الدین! تمہاری یہ کیا حالت ہو گئی ہے۔ اگر اسی شہر میں تم لوگوں کو پڑھاتے تو آسانی کے ساتھ فکرِ معاش سے آزاد رہتے۔ دوست کی یہ باتیں سن کر میں خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ پھر جب پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری دی تو انھوں نے فرمایا۔ اے نظام الدین اگر تمہارا کوئی دوست تم سے پوچھے کہ تم نے اپنی یہ حالت بنا رکھی ہے اور پڑھانے کا پیشہ جس سے فراغت اور آرام حاصل ہوتا چھوڑ دیا ہے۔ تو تم کیا جواب دو گے۔ میں (محبوب الہیٰ) نے عرض کیا جو حکم ہو وہی کہوں گا ارشاد فرمایا کہہ دینا۔

شعر

نہ ہمرہ تو مرا راہ خویش گیر و برو   ترا سعادت باد ا مرا نگوں ساری

(تم میرے ہم سفر نہیں۔ جاؤ اپنا راستہ لو تمہیں اقبال مندی مبارک اور مجھے عاجزی) اس کے بعد پیر و مرشد نے کھانے سے بھرا ہوا خوان طلب کر کے فرمایا نظام الدین یہ خوان لے جاؤ تمہارا دوست جہاں ٹھہرا ہے اُسے دیدو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ تب اُس دوست نے میرے کام کی داد دی اور کہا تمہیں یہ صحبت اور حال مبارک۔

چراغ دہلویؒ فرماتے ہیں یہ اور اسی قسم کی تلقین کر کے پیر و مرشد نے مجھے ریاضت و مجاہدہ کرنے کا حکم دیا۔ کبھی دس دس دن گذر جاتے اور میں کچھ نہ کھاتا۔ اکثر اوقات جب خواہشات کا غلبہ ہوتا تو کھانا کھاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ دہلی نے شیخ چراغ دہلویؒ کو آپ کے کمالات کے باوجود تکلیفیں دینا اپنا معمول بنا لیا تھا۔ اپنے ساتھ سفر میں آپ کو پیدل پھراتا۔ ایک مرتبہ اُس نے آپ کو اپنا جامہ دار (مہتمم لباس) مقرر کیا[1]۔ شیخ چراغ دہلویؒ اِن تمام تکلیف دہ کاموں کو صرف پیر و مرشد کی وصیت کی بناء پر برداشت کرتے اور دم نہ مارتے۔ شیخ چراغ دہلویؒ نے ۱۸۔ رمضان ۷۵۷ھ کو وفات پائی۔

ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق بادشاہ نے شیخ چراغ دہلوی کے لئے سونے چاندی کے برتنوں

---

[1] جامہ دار کو شرفاء دہلی محاورہ کی زبان میں "خانساماں جی" کہتے ہیں اور یو پی کی بعض ریاستوں میں "خانساماں جی" کا عہدہ بھی تھا۔ از مترجم

میں اس لئے کھانا بھیجا کہ اگر آپ یہ کھانا نہ کھائیں گے تو اِس کو ایذا رسانی کا سبب بنا کر جرم عائد کروں گا۔ اور اگر کھالیں گے تو پوچھوں گا کہ آپ نے سونے کے برتنوں میں کھانا کھا کر غیر شرعی کام کیوں کیا۔ کھانا جب شیخ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے زبان سے کچھ نہ کہا البتہ سونے کی ڈش میں سے تھوڑی سی یخنی اپنی ہتھیلی پر رکھی اور اُس کو زبان سے چکھا۔ اِس طرح بداندیش اور بُرا چاہنے والے نا اُمید و مایوس ہو گئے۔

خیر المجالس میں ہے ایک دوست نے آپ سے ایک مرتبہ عرض کیا کہ ملفوظات خواجہ عثمان ہارونیؒ[1] میں ہے جو دو گائیں ذبح کرے اُس کی گردن پر ایک خون جو چار گائیں ذبح کرے اُس کی گردن پر دو خون اور جو دس بھیڑیں ذبح کرے اُس کی گردن پر ایک خون ہو گا۔ یہ سُن کر شیخ چراغ دہلویؒ نے فرمایا پہلی بات تو یہ کہ ہارونی کوئی لفظ نہیں بلکہ ہرونی ہے کیونکہ ہرون ایک گاؤں کا نام ہے جہاں خواجہ عثمانؒ رہا کرتے تھے۔ پھر فرمایا یہ عبارت اُن کی نہیں ہے۔ اُن کے ملفوظات کے کئی نسخے ہمارے پاس بھی موجود ہیں جس میں اکثر باتیں ایسی ہیں جو اُن کے قول نہیں۔ اِس کے بعد فرمایا شیخ نظام الدین فرماتے تھے میں نے کوئی کتاب نہیں لکھی کیونکہ شیخ الاسلام فریدالدین اور شیخ الاسلام قطب الدین اور خواجگان چشت نے کوئی شخصیت تصنیف نہیں کی۔

حکایت ہے محبوب الٰہیؒ کے مُریدوں نے ایک دن قوالی کی مجلس منعقد کی۔ قوالوں سے دف پر قوالی سُن رہے تھے جہاں شیخ چراغ دہلویؒ بھی موجود تھے۔ آپ اُٹھ کر جانے لگے دوستوں نے بیٹھنے کے لئے اصرار کیا تو کہا یہ خلافِ سُنت ہے۔ جس پر اُن لوگوں نے کہا آپ قوالی کا انکار کر رہے ہیں اور اپنے پیر و مرشد کے طریقہ سے انحراف کر رہے ہیں جواب دیا اُن کا ارشاد حُجّت نہیں۔ قرآن اور حدیث شریف سے دلیل پیش کرنا چاہیئے۔ بعض غرض مندوں نے یہ بات محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں پیش کی اور کہا شیخ محمودؒ ایسا ایسا کہتے ہیں۔ جس پر پیر و مرشد محبوب الٰہیؒ جن کو اصل واقعہ کی خبر تھی فرمایا۔ چراغ دہلویؒ سچ کہتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی حق ہے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ محبوب الٰہی کی مجلس قوالی میں باجے نہ ہوتے اور تالیاں نہ پیٹی جاتیں۔ اگر کوئی آپ سے کسی شخص کی بابت کہتا کہ وہ باجے سُنتا ہے تو آپ اُسے منع کر دیتے اور کہتے کہ باجے سُننا درست نہیں۔ خیر المجالس میں ہے کہ ایک دوست نے چراغ دہلویؒ کے پاس آکر پوچھا یہ کہاں جائز ہے کہ قوالی کی مجلس میں دف بانسری اور ستار وغیرہ جیسے باجے ہوں اور صوفی رقص کریں۔ جواب دیا باجے تو مُتفقًا جائز نہیں اگر کوئی طریقت سے نکل جانا چاہے تو شریعت میں رہنا

---

[1] لفظ ہارون زبان زد عوام ہے وگرنہ صحیح ہرونی ہے جو ہروں کی جانب منسوب ہے۔

ضروری ہے۔ اور اگر شریعت سے بھی نکلنا چاہے تو کہاں جائے گا؟ اوّل تو قوال کی بابت ہی علماء کا اختلاف ہے۔ اگرچہ چند خاص شرائط کے ساتھ جائز بھی کر لیا جائے تب بھی تمام قسم کے باجے متفقہ طور پر حرام ہیں۔

جوامع الکلم میں ہے کہ ایک دن شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کو اپنی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے اس شعر پر وجد آگیا۔

شعر

جفا بر عاشقاں گُفتی نخواہم کرد ہم کردی ۔۔۔ قلم بر بیدلاں گفتی نخواہم راند ہم راندی

(تم نے کہا تھا عاشقوں پر ظلم نہ کریں گے لیکن ظلم کیا۔ تم نے یہ بھی کہا تھا کہ بے دلوں پر سختی نہ کی جائے گی لیکن پھر بھی سختی کی) مشہور شاعر مولانا مغیث نے ایک خط میں اس مجلس کا پورا حال تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شعر کس حقیقت پر مبنی نہیں کیا جا سکتا۔ اور ظلم و سختی کی اللہ کی طرف نسبت کریں تو کفر لازم آتا ہے۔ غرض کہ اسی طرح کی چند باتیں لکھیں اور یہ خط مولانا معین الدین عمرانی کو دیا جنھوں نے شیخ چراغ دہلوی کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے یہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر مولانا معین الدین کو دیدیا اور کچھ نہ کہا۔ البتہ صافہ باندھا اور خرقہ پہنا کر واپس کر دیا۔

ایک دن چراغ دہلوی قوالی میں یہ اشعار سُنکر رقص کرنے لگے اور بے انتہا مضطرب تھے۔

رباعی

ما طبلِ مغانہ دوش بیباک زدیم ۔۔۔ عالی علمش بر سرِ افلاک زدیم
از بہر یکے مغبچۂ مے خوارہ ۔۔۔ صد بار کلاہِ توبہ بر خاک زدیم

(رات ہم نے آزادی کے ساتھ عیش و عشرت منائی جس کا چرچا آسمانوں پر ہو گیا اور ایک شرابخوار معشوق کے لئے کلاہِ توبہ کو سینکڑوں مرتبہ زمین پر پٹکا) اسی سخت بے چینی کی حالت میں کوٹھے پہ جا کر بیٹھ گئے اور مولانا مغیث کو طلب کیا۔ مولانا مغیث گھبرائے ہوئے آپ کے سامنے آکھڑے ہوئے تب شیخ نے فرمایا ہاں مولانا لکھ بھیجئے یہاں کونسی جہالت تھی؟ یہ کہکر مولانا کو رخصت کیا۔ اس کے بعد مولانا پھر خانقاہ میں نہ آئے۔ اور جلد ہی رحلت کر گئے۔

حکایت ہے شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی نے فرمایا میں کس لائق ہوں کہ پیری مریدی کروں آج تو یہ کام بچوں کا کھیل ہو گیا ہے۔ پھر شیخ سنائی کا یہ شعر پڑھا۔

مسلمانان مسلمانان مسلمانی مسلمانی ۔۔۔ ازیں آئین بیدیناں پشیمانی پشیمانی

(اے مسلمانو! اسلام پر عمل کرو۔ غیر اسلامی قانون سے صرف پشیمانی ہی حاصل ہوتی ہے) آپ فرماتے تھے ایمان باقی رکھنے کی فکر کرو اور کرامتوں کے پیچھے نہ دوڑو۔ نیز فرماتے تھے میں حیران اور پریشان ہوں کہ بغیر مشاہدہ کئے لوگ دوسروں کے پیچھے کیوں دوڑتے ہیں۔

میر سید محمد گیسو دراز[1] کا بیان ہے کہ میں شیخ نصیر الدینؒ کی زندگی میں دہلی میں تھا جہاں سالانہ بارش نہیں ہوئی تھی۔ پیر و مرشد نماز استسقاء کے لئے شہر سے باہر آئے۔ گریہ وزاری کے ساتھ نماز پڑھی اور بزرگوں کی طرح دعائیں مانگیں لیکن بارش نہ ہوئی مجبوراً واپس ہو گئے۔ واپسی کے بعد آستانہ میں قدم بوس ہوا تو فرمایا کیا تم نماز استسقاء میں شریک نہ تھے؟ میں نے عرض کیا خواجہ پر قربان میں حاضر تھا۔ ارشاد فرمایا تم نے دیکھا آج لوگ نہیں ایسا ویسا کیا کچھ کہہ رہے ہیں۔ مخلوق ہم پر ہجوم کئے ہوئے ہمارے ساتھ ہے ہم نے لاکھ کوشش کی لیکن بارش نہ ہوئی۔ آخر کار مجبوراً پشیمان ہو کر ہم واپس لوٹ آئے نیز حضرت گیسو درازؒ کا بیان ہے کہ پیر و مرشد چراغ دہلویؒ فرماتے تھے۔ جس وقت میں بچہ تھا اور مسجد میں اُستاد سے پڑھا کرتا تھا۔ اُس مسجد میں ایک سوکھا ہوا درخت تھا۔ ایک کوا وہاں آکر بیٹھتا اور جو کچھ وہ اپنی بولی میں کہتا وہ بخوبی سمجھتا تھا۔

خیر المجالس میں ہے۔ شیخ چراغ دہلویؒ سے ایک دوست نے درویشوں کی جماعت کی کیفیت و ماہیت دریافت کی۔ ارشاد فرمایا حال نتیجہ ہے۔ نتیجہ اعمال کا۔ اور عمل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عمل اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں کا کام جسے سب جانتے ہیں۔ دوسرا عمل قلب۔ جسے مراقبہ بھی کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے دل میں اس چیز کا یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا پہلے پہل عالم علوی سے روح پر انوار نازل ہوتے ہیں پھر دل پر اُس کا اثر ظاہر ہوتا ہے پھر اُس کا اثر اعضاء پر ہوتا ہے چونکہ اعضاء دل کے تابع ہیں اس لئے جب دل متحرک ہوتا ہے تو اُس سے اعضاء میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ پھر اسی دوست نے سوال کیا صاحب عوارف المعارف نے صاحب حال کو متوسط کہا ہے اور پھر کتاب عوارف کی یہ عبارت بیان کی کہ مبتدی صاحبِ وقت۔ متوسط صاحبِ حال اور منتہی صاحب انفاس۔ حاضرین مجلس میں سے کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو شیخ چراغ دہلویؒ نے پوچھنے والے کی طرف رُخ کر کے فرمایا بتاؤ تم نے خود اس بارے میں کیا سنا ہے اور کیا تم نے عوارف المعارف پڑھی ہے؟ اُس نے کچھ جواب نہ دیا تو خود فرمایا مبتدی صاحب وقت ہے صاحبِ وقت

---

[1] جن کا مزار گلبرگہ علاقہ دکن میں ہے۔

وہ صوفی ہے جو اپنے وقت کو غنیمت و کافی سمجھتا اور کہتا ہے آیندہ یہ وقت ہاتھ آئے یا نہ آئے۔ غرض کہ جو جانتا ہے کہ میرے پاس صرف اتنا ہی وقت ہے تو وہ اپنے وقت کو غنیمت سمجھ کر تلاوت قرآن کریم نماز ذکر الہٰی اور ترقی دین و دنیا کی فکر میں مشغول رہتا ہے۔ جب کوئی سالک اپنے اوقات کی حفاظت میں لگاتار ثابت قدم رہتا ہے اور اوقات مقررہ کو عبادات کے ذریعہ معمور کر لیتا ہے اور اس پر گامزن رہتا ہے تو اُمید ہے کہ وہ صاحب کمال ہو جاتا ہے۔ انعامات خداوندی اعمال و کردار انسانی کا نتیجہ ہیں۔ انوار الہٰی جو عالم علوی سے ارواح پر نازل ہوتے ہیں ان کے اثرات کو حال کہتے ہیں۔ اور پھر اُس کا اثر دل پر ہونے کے بعد اعضا میں سرایت کرتا ہے۔ حال کو دوام اور ہمیشگی حاصل نہیں۔ اگر حال کو دوام حاصل ہو جائے تو یہ خود ایک مقام ہو جائے گا۔ منتہی صاحب انفاس کے اہل طریقت نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ جو کچھ کہتا یا اُس کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ویسا ہی کر دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا یہ ایک اصطلاح ہے اور مشائخ کی اصطلاح میں صاحب وقت اُسے کہتے ہیں جیسے کسی وقت حال آئے لیکن ہر وقت اُس پر حال طاری نہ رہے۔ مبتدی صاحب وقت یہ ہوا متوسط صاحب حال اُسے کہتے ہیں جس پر اکثر اوقات حال طاری رہے۔ منتہی صاحب انفاس اُسے کہتے ہیں جس کا حال اُس کی سانس کے قریب ہو یعنی کوئی سانس ایسی نہ لے جو حال سے ملی نہ ہو۔ مطلب یہ کہ وہ ایسا بن جائے کہ مقام حال حاصل کرلے اس کے بعد شیخ چراغ دہلویؒ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر یہ حدیث رسالت مآبؐ بیان فرمائی اِنَّ لِرَبِّکُمْ فِی اَیَّامِ دَھْرِکُمْ نَفَحَاتٌ اَلَا فَتَعَرَّضُوا لَھَا ترجمہ (اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہارے زمانہ کے روز و شب میں تمہارے لئے سانس کی آمد و رفت دی ہے۔ اس لئے تم اللہ کے لئے سانس لیا کرو لوگو تم کو کیا ہو گیا ہے تم اس حکم پر عمل کیوں نہیں کرتے) اس کے بعد فرمایا یہ وجدانی کیفیت ہے اگر رات کے وقت ذکر الہٰی کریں گے تو صبح کو لازماً اور یقیناً اس کی خوشبو پائیں گے۔ پھر فرمایا اگر کوئی درویش بھولا کارہ کر اول وقت سو جائے اور آخر رات میں اٹھ کر یاد الہٰی میں اس طرح مشغول ہو کہ اس کا باطن اللہ کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ ہو تو اپنی روح پر انوار الہٰی کا نزول مشاہدہ کرلیگا۔ خواہ اس زمانہ میں یہ شخص کہیں جائے دنیاداری سے الگ رہے اور مجاہدہ اور ریاضت کرے یا نہ کرے۔ غرضکہ لازماً بغیر کسی شبہ کے اس حال کا مالک نظر آئے گا۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا

شعر

نظر در دیدہ با ناقص فتادہ   وگرنہ یارِ من از کس نہاں نیست

ترجمہ۔ (نظر نے دیکھنے میں غلطی کی وگرنہ میرا دوست کسی سے پوشیدہ نہیں) اس کے بعد فرمایا اس معاملہ میں اصلی کام نفس کی حفاظت ہے۔ اور صوفی کو بحالتِ مراقبہ ضروری ہے کہ وہ نفس پر نظر رکھے تاکہ اُس کے باطن کو دلجمعی نصیب ہو۔ جب نفس کو چھوڑ دیا اور اُس سے غافل ہو گیا تو باطن حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا صوفی وہ ہے جو اپنی ہر سانس کو شمار کرتا رہے۔ اور صاحبِ نفس کے منتہی ہونے کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ اس کے برخلاف جوگی اور ہندو تارک الدنیا بھی جنھیں سنّاسی کہتے ہیں۔ یعنی اُن کے ترقی کے راستہ میں نورانی رکاوٹیں حائل ہیں۔ وہ بھی نفس کشی کرتے ہیں۔ لیکن دولتِ ایمان سے محروم ہونے کی وجہ کوئی درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور فرمایا ہم تم کس شمار قطار میں ہیں۔ یا پھر اُس بھوکے فقیر کی طرح ہیں جو نان بائی کی دوکان کے سامنے ہر قسم کے کھانے پکے ہوئے دیکھکر اور اُن کی خوشبو سونگھکر کھڑا ہو جائے اور نان بائی سے کہے تمہارے پاس جو کچھ ہے مجھے کھلا دو۔ وہ جواب دے مجھے فرصت نہیں۔ بات کرنے کی مہلت نہیں دن بھر لوگوں کے ساتھ رہا ذرا سا آرام بھی نہیں مل سکا کئی مرتبہ کوشش کی کہ ذرا سا لیٹ رہوں کہ کوئی نہ کوئی آگیا۔ جاؤ فرصت کے وقت آنا۔ پھر فرمایا رات میں جو کام کئے جا سکتے ہیں یا جو چیزیں پڑھی جا سکتی ہیں انھیں دن میں کرنے کی بالکل سکت نہیں۔ لیکن میں مایوس نہیں۔ یہ جملہ رُک رُک کر فرمایا اور بچشم گریان یہ شعر پڑھا۔

این دلو تہی کہ در تہہ انداختہ ام ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ نومید نیم کہ پُر برآید روزے

ترجمہ۔ (یہ خالی ڈول جو میں نے بالکل نیچے تلے میں ڈال دیا ہے۔ مایوس نہیں ہوں ایک دن بھر جائے گا۔)

اس کے بعد فرمایا دل پر نظر رکھ کر دل کو اللہ کی طرف متوجہ کرنا ضروری ہے اور یادِ الٰہی میں مشغول رہ کر دل سے غیر اللہ کو نکال دینا چاہیئے۔

اس کے بعد فرمایا فقیروں کی آستین کوتاہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ صوفی نے جب راہِ سلوک میں قدم رکھا تو اُس نے چاہا کہ اپنا ہاتھ کاٹ لے تاکہ مخلوق کے آگے دستِ سوال دراز نہ کر سکے اور نہ ملی جانے والی چیز نہ لے سکے۔ لیکن اگر یہ صوفی سالک درحقیقت اپنا ہاتھ کاٹ ڈالے تو وضو غسل اور اپنے بھائی مسلمانوں سے مصافحہ کرنے کی عبادتوں سے محروم ہو جائے گا۔ اور اس صورت میں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ ہاتھ کاٹنے کے بجائے اپنی آستین یعنی دستِ سوال کو کھینچ لے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے اس طرح نہ پہرہ اللہ کا ذکر اور یادِ الٰہی کرے۔ اور اپنا دامن سمیٹ لے۔ سر منڈانے

کا مطلب یہ ہے کہ طریقت میں آنے کے بعد اپنا سر قلم کر دے کیونکہ اس راہ کی پہلی منزل سر دیدینا ہے۔ اگر ظاہر طور پر اپنے جسم سے اپنا سر کاٹ کر پھینکدے تو کوئی چیز نہیں کر سکتا اور اگر سر قلم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے سر کے بال نوچ کر پھینکدے اس صورت میں بال نوچنے والے کو جو گنجا ہو جاتا ہے۔ اور جیسے سر بریدہ کہتے ہیں اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ ان تمام حالات کے مدِ نظر سر منڈانے سے مطلب یہ ہے کہ کوئی غیر مشروع کام نہ کرے لوگوں نے پوچھا کہ "جاھِدُ وا فِینَا" کا کیا مطلب ہے؟ ارشاد فرمایا اس کو بہ آسانی نہیں سمجھا جا سکتا۔ میں آسان طور پر بہت ہی ابتدائی طریقہ سے سمجھا رہا ہوں سنو جاھِدُ وا فِینَا کا مطلب ہے ہمارے لئے کوشش کرو۔ اور جاھِدُوا فی اللہ کا مطلب ہے کہ اللہ کے لئے کوشش کرو۔ لفظ "فِی" اس شدت اتصال کے لئے آتا ہے جو حرف "ل" میں نہیں ہے نیز لفظ "فی" ظرف کے لئے ہے اور ظرف اپنے مظروف میں موجود ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ۔ ترجمہ:۔ صدقے دراصل فقیروں، مسکینوں صدقہ وصول کرنے والے ملازمین۔ تالیف قلوب اور ان لوگوں کے لئے ہے جن کی گردنیں پھنسی ہوئی ہوں)

فقیر و مسکین تو صرف پیٹ کی بھوک مٹانے کے لئے لیتے ہیں۔ اور رِقَاب سے گردنیں آزاد کرانا ہے کیونکہ جس کی گردن پھنسی ہوئی ہو اس کو مُردہ کی مانند کہتے ہیں۔ اور جو کوئی غلام آزاد کرتا ہے تو ایسے شخص کو کہتے ہیں کہ اس نے مردہ کو زندہ کر دیا۔ اس شدت الم سخت ضرورت کو لفظ فِیْ سے ظاہر کیا گیا ہے جس کا حرف "ل" وغیرہ سے اظہار نا ممکن بعید اور غیر قانونی ہے۔ نیز گردن چھڑانے کا جس شدو مد سے حکم دیا گیا ہے ایسا دوسرے کے بارے میں نہیں ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ پوری تفصیل علم نحو اور علم معانی و بیان وغیرہ سے متعلق ہے۔

اور مشائخین یہ کہتے ہیں کہ مجاہدہ کرنے والے تین حال سے خالی نہیں ان کا مجاہدہ خوف دوزخ کے باعث امید بہشت کی خاطر یا خاص ذات الٰہی کے لئے ہوگا۔ اور جو مجاہدہ کہ صرف ذات باری کے لئے کیا جائے وہ لِلّٰہ یا فی اللہ ہوگا۔ اس مجاہدہ کی زیادہ سے زیادہ وقعت اس لئے ہے کہ یہ مجاہدہ اچھی طرح حق کے لئے کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ترجمہ:۔ (اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی کی خاطر خوب اچھی طرح کوشش کرو) چونکہ لوگ عام طور پر مطلوب کی قدر و قیمت سے ناواقف ہیں اس لئے اچھی طرح کوشش حصول حق نہیں کرتے۔

پھر فرمایا عمل و کردار کی مقبولیت کا دارو مدار صرف جذبہ پر ہے یعنی ہر وہ کام جس کے کرنے میں کوئی جذبہ نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔ جیسے وہ جذبہ جس کو "حال" کہتے ہیں جب اس جذبہ حال میں کوئی کام کیا جاتا ہے وہ فوراً قبول ہو جاتا ہے۔ اس جذبہ کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ یہ جذبہ کبھی بچپن میں کبھی جوانی میں اور کبھی بڑھاپے میں پیدا ہوتا ہے اور جذبہ کے چند مراتب و مدارج ہیں۔ جذبۂ عام جس کے ذریعہ عمل کی توفیق ہوتی ہے جذبۂ خاص جس کے ذریعہ حق کی طرف دل مائل ہو جاتا ہے اور غیر اللہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

لوگوں نے پوچھا رات کا ابتدائی حصہ افضل و بہتر ہے یا انتہائی؟ فرمایا حدیث شریف میں ہے، ایک مرتبہ سرور عالمؐ نے حضرت جبریل امین سے پوچھا بہترین وقت شب کونسا ہے؟ جبریلؑ نے جواباً کہا مجھے نہیں معلوم" البتہ آدھی رات کے بعد فرشتے کانپتے ہیں۔ اور عرش اعظم تھرتھراتا ہے۔ نیز پروردگار عالم ہر وقت عطر بیز و خوشبو ریز ہے۔ اچھی طرح سن لو کہ اُس کے حضور سجدہ ریز رہو" اس کے علاوہ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا ہے۔ "رأیتُ ربّی لیلۃَ المعراج فی احسنِ صورۃٍ" ترجمہ۔ (میں نے پروردگار کو شب معراج میں دیکھا۔ اچھی طرح) اس حدیث شریف کے الفاظ فِی اَحْسَنِ صُورۃٍ (اچھی صورت میں) کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم اچھی صورت میں تھے یعنی شاد و بشاش تھے۔ اور یہ ویسی ہی طرز ادا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے میں نے فقیر کو سوار دیکھا۔ یعنی میں خود شیر کی طرح سوار تھا۔ غرضکہ شب معراج میں سرور عالمؐ شاد کام و بشاش چہرہ اس لئے تھے کہ آپؐ نے اولاً تو معراج پائی اور پھر ساتھ ہی ساتھ انبیاء کی ملاقات، خوشخبریاں، نزول نور الہیٰ و قرب الہیٰ کے منازل طے کئے تھے۔ اور اسی سبب سے حسن و جمال چہرۂ اقدس پر ہویدا و ظاہر تھا۔ نیز لفظ رَبّ سے مراد سید و آقا ہے۔ اس صورت میں حدیث شریف کے معنی یہ ہوں گے کہ میں نے شب معراج میں آقا و سردار فرشتگان حضرت جبریلؑ کو بہترین صورت میں دیکھا۔" حضرت جبریلؑ کو سرور عالمؐ کا رب یعنی سردار و آقا کہنا ویسا ہی درست ہے جیسا کہ بطور دلیل حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول ہے کہ "میں نے اپنے رَبّ کو مدینہ میں اس طرح چلتے دیکھا کہ آپؐ سرخ جبہ زیب تن کئے جوتے پہنے ہوتے تھے۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا اے ابوہریرہؓ ایمان لانے کے بعد بھی تم کفر یہ کلمے کہہ رہے ہو تو ابوہریرہؓ مسکرائے اور جواباً کہا میں نے اپنے رَبّ یعنی سیدی حسنؓ کو دیکھا۔ جب گفتگو یہاں تک پہونچی تو لوگوں نے پوچھا اِنَّ اللہَ خَلَقَ آدَمَ علیٰ صُورتِہٖ۔ ترجمہ۔ (اللہ نے آدمؑ کو اُن کی خلقت پر پیدا کیا ہے) کے کیا معنی ہیں؟ جواب

دیا۔ صورت میں (ہ) کی ضمیر آدم کی طرف ہے۔ یعنی آدمؑ کو اپنے پورے قد و قامت اور اُس ڈیل ڈول کے ساتھ پیدا کیا جو اُن کا دیکھا گیا۔ دوسرے عام آدمیوں کی مانند پہلے بچہ پھر جوان اور پھر بوڑھا نہیں بنایا۔ آدم کو اُس ایک ہی صورت میں پیدا کیا جو انتہا تک آپ اپنی اُسی ایک ہی شکل وصورت اور قد و قامت میں رہے۔ ان میں تا حیات دنیا دی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

حضرت شیخ[1] نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ کے معتقدین و مریدوں میں تمام بندگان دین اور اپنے اپنے وقت کے عالم و فاضل شامل و شریک ہیں۔ فصاحت و بلاغت میں یکتائے روزگار فضیلت و بزرگی میں ایک گروہ وجیہان مولانا منظہر بلند پایہ بزرگ نے حضرت چراغ دہلویؒ کی عنایتوں اور مہربانیوں کا اعتراف کرتے ہوئے خاص طور پر ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے چند شعر حسب ذیل ہیں۔

قصیدہ

دوش آن زمان که از افق مغرب شتا — خورشید خواند سورهٔ والنجم اذا هوی
شمع فلک زبانهٔ قرص بروانداز آب — دور زمین نشانه برآورد بر سما
فراش صنع از پی قدرت برآورد — قندیلهای نور برین گنبد قبا
گر کیمیای دولت جاوید آرزو است — یا گلشن بهشت ازین شاخ بی نما
جسمت خسی نگر نفس خواجه تو بهار — جانت مسی شمر نظر شیخ کیمیا
بردست او اگر نتوانی نهاد دست — باری بدار این سر خاکی بزیر پا
والا نصیر ملت دین و دول که هست — نعم النصیر از پس یزدان بروسزا

نیز آپ کا مرثیہ بھی لکھا ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

زدور محنت این نه سپهر زنگاری — کدام دل که نه خون گشت از جگر خواری
وفا ز عالم فانی مجو که مشهور اند — فلک بچیره کشی، اختران به غداری
بقا بقای خدا هست و ملک ملک خدا — که نیست قائم و دائم بجز کسی باری (عز اسمه)
جهان به ماتم خواجه نصیر دین محمود — هزار گونه فغان کرد و نوحه و زاری
بقیه سلف و یادگار اهل کرم — که کرد ختم خلافت بملک و بنداری

---

[1] شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کے پیر و مرشد شیخ نظام الدین اولیاء تھے جن کے پیر و مرشد کا نام شیخ فریدالدین گنج شکرؒ تھا۔

میمناً مُلکاً منعماً خدا وندا	بحق نعمت قرآن و دولت قاری
بروج اعظم آن شیخ پیشوائے کرم	کہ مقتدائے جہاں بود وست زخباری
ندیم قربت خود کن غریق رحمت خویش	مجاور رُسل و انبیا زمختاری
بساط صحن وہ از حُلہائے فردوسی	غلاف قبر کن از پردہ ہائے غفاری

حمید قلندر[1] شاعر خیر المجالس کے مُرتب کنندہ ہیں۔ جو حضرت چراغ دہلویؒ کی خدمت میں حاضر باش تھے۔ یہ دراصل محبوب الٰہی کے مُرید تھے لیکن کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں اپنے والد کے ساتھ بھی پہلے پہل حاضری دیتے اور آپ کی مجلس میں باریاب ہوتے۔ قلندر نے شیخ کے بعض خلفاء سے بھی اپنی قابلیت اور استعداد کے مُوافق استفادہ کیا ہے۔ اگرچہ ان کے اشعار اس قسم کے نہیں کہ اُن کو شاعر کہا جا سکے لیکن وہ شاعر بھی تھے۔ اور قلندر حمید کے نام سے زیادہ مشہور ہیں۔ اولاً حمید قلندر نے مولانا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہ کر اُن کے ملفوظات جمع کئے۔ اس کے بعد شیخ چراغ دہلویؒ کی خدمت میں حاضری دیتے ہوئے آپ کے ملفوظات اکٹھا کئے۔ جس کا نام خیر المجالس رکھا ملفوظات کے تالیف کی ابتدائی تاریخ سات سو چھپن تھی جنھیں ۷۵۶ھ میں مکمل کیا ان ملفوظات میں حالات و حکایات سادہ زبان میں تفصیل سے لکھی ہیں۔ اللہ آپ پر رحمت نازل کرے۔

شیخ سراج الدین عثمان رحؒ گوری

اخی سراج کے نام سے مشہور تھے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔

پیدائش ۶۵۶ ——— وفات ——— ۷۳۰ھ محبوب الٰہی کے مُریدوں میں آپ اور شیخ چراغ دہلوی کے سلسلے بہت مشہور ہیں۔ عین شباب میں جب کہ آپ کی مسیں بھی نہ بھیگی تھیں محبوب الٰہی کے مُرید ہوئے۔ اور آپ کے پاس چند سال تک رہنے کے بعد اپنی والدہ کی قدمبوسی کے لئے لکھنوتی جس کا موجودہ نام گور مشہور ہے روانہ ہوئے۔ وہاں سے لوٹ کر پھر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خلافت دیتے وقت آپ سے شیخ نے فرمایا اس کام میں پہلا درجہ علم کو حاصل ہے اور شیخ سراج میں ابھی اتنا علم نہیں ہے۔ جس پر موجودہ لوگوں میں سے مولانا فخر الدین زرادیؒ نے عرض کیا چھ ماہ میں میں انھیں عالم بنا دوں گا۔ چنانچہ شیخ سراجؒ نے مولانا زرادیؒ سے علم حاصل کیا۔ مولانا

---

[1] حمید قلندر نے شیخ چراغ دہلوی کے ملفوظات سلیس زبان میں تفصیل سے مرتب کئے ہیں اور ان ملفوظات کا نام خیر المجالس رکھا ہے۔

زرادی نے ان کے لئے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام عثمانی تھا۔ اس کے بعد شیخ سراج نے مولانا رکن الدین سے کافیہ مفصل قدوری اور مجمع البحرین ختم کیں۔ اور حضرت محبوب الٰہی کے وصال کے بعد مزید ۳ سال تک دیگر درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر شیخ کے موقوفہ کتب خانہ سے چند کتابیں کپڑے اور خلافت نامہ جو شیخ نے آپ کو دیا تھا لے کر اپنے مقام لکھنوتی مشہور بہ گوڑ روانہ ہو گئے اور اپنے اس شہر کو اپنے جمالِ ولایت سے آراستہ کیا۔ شیخ نے اپنی زندگی میں آپ کی بابت کہا تھا وہ ہندوستان کا آئینہ ہے۔

حکایت ہے کہ شیخ سراج نے پیرومرشد سے جو خرقہ وغیرہ پایا تھا اُسے زمین میں دفن کیا اور اُس پر قبر بنادی اور انتقال کے وقت وصیت کی کہ مجھے کپڑوں والی قبر کے نیچے دفن کیا جائے چنانچہ آپ کے انتقال کے بعد ویسا ہی کیا گیا۔ آپ کے خلیفہ گور میں اب تک موجود ہیں اور آپ کی قبر بھی گور میں ہے۔ شیخ حسام الدین مانک پوری کی ملفوظات میں ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان اودھی کے پاس ایک سہروردی درویش مہمان ہوا۔ عشاء کی نماز کے بعد شیخ سراج کپڑے اُتار کر اپنے بچھونے پر لیٹ گئے اور وہ درویش رات بھر نماز پڑھتا رہا۔ صبح کو شیخ نے اُٹھ کر رات کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی یہ دیکھ کر درویش نے کہا تعجب ہے رات بھر سوتے رہے اور نمازِ فجر بھی بغیر وضو ادا کی۔ شیخ سراج نے بے انتہا انکساری کرتے ہوئے کہا آپ بزرگ ہیں پوری رات عبادت میں گذاری اور ہم سامان رکھتے ہیں چور اس کی گھات میں ہے اس لئے ہم اس کی حفاظت کرتے رہے۔

شعر

اگر عاشق بمسجد در نیامد　　　دلِ عاشق ہمیشہ در نماز است

ترجمہ۔ (اگرچہ عاشق مسجد میں عبادت کے لئے نہیں آتا لیکن اس کا دل ہمیشہ نماز میں مشغول ہے)

شیخ قطب الدین منوّر ہانسوی رح

شیخ برہان الدین ولد شیخ جمال الدین ہانسوی کے فرزند اور محبوب الٰہی کے جلیل القدر خلیفہ

پیدائش ۶۸۲ ـــــ وفات ـــــ ۷۶۰ھ　تھے۔ جامع کمالات اور مظہر کرامات تھے بے تکلف سے بیگانہ۔ لوگوں کے شور سے علیحدہ تھے۔ عمر بھر اپنے اختیار سے اپنے کمرے سے باہر قدم نہ نکالا۔ امراء کے دروازے پر نہ گئے اور پوری زندگی توکل اور قناعت میں بسر کی۔

حکایت ہے ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق بادشاہ نے قاضی کمال الدین صدر جہان کو شیخ منور کے پاس بھیجا اور ساتھ ہی ایک فرمان بھی تحریر کیا ہوا اُس کے ہاتھ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ فلاں

فلاں گاؤں تمہیں انعام میں دیے جاتے ہیں۔ اس فرمان کا پس منظر یہ تھا کہ شیخ منورؒ کو دنیاداری کے فریب میں گرفتار کیا جائے پھر اپنی عادت کے موافق جیسا کہ وہ دوسرے درویشوں کو تکلیفیں دیتا تھا ان کی ایذا رسانی کا سلسلہ بھی شروع کرے صدر جہاں جب شیخ منورؒ کے پاس آئے اور جاگیری مواضعات کا فرمانِ شاہی حوالہ کیا اور شاہی زبانی حکم بھی بیان کیا تو شیخ منورؒ نے جواب دیا۔ سلطان نصیر الدین بن شمس الدین اُوچھ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا تو اُس نے اپنے امیر الامراء غیاث الدین کو حضرت شیخ گنج شکرؒ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ اور ایک فرمان چند جاگیری مواضعات کا دیا تھا۔ لیکن گنج شکرؒ نے اُسے جواب دیا تھا۔ ہمارے پیروں نے ایسی جاگیریں قبول نہیں کی تھیں۔ جاگیریں قبول کرنے والے بہت ہیں اُن کو دیدی جائیں۔ اب جبکہ ہم اُن کے مُرید ہیں۔ ہم کو بھی وہی کرنا چاہیئے جو انھوں نے کیا۔

کہتے ہیں کہ شیخ منورؒ اور محمد تغلق بادشاہ کی ملاقات اُس وقت ہوئی جبکہ بادشاہ ہانسی کی طرف جا رہا تھا اور ہانسی سے آٹھ میل پہلے ہی مقام بنسی میں ٹھیرا ہوا تھا۔ بادشاہ نے نظام زر بارے عرف مخلص الملک کو جو بڑا ظالم تھا قلعہ ہانسی دیکھنے کے لئے بھیجا تاکہ قلعہ کی درستی اور خرابی معلوم کر لائے۔ نظام زر بارے قلعے کے نیچے ایک گھر کے پاس پہنچا پوچھا کس کا گھر ہے لوگوں نے کہا شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ شیخ قطب الدین منور کا۔ نظام زر بارے نے کہا تعجب ہے کہ بادشاہ یہاں آیا ہوا ہے اور یہ شیخ اُن سے ملنے نہیں گیا۔ پھر نظام زر بارے نے بادشاہ کے پاس لوٹ کر عرض کیا۔ یہاں نظام الدین اولیاءؒ کا ایک خلیفہ رہتا ہے جو آپ سے ملنے نہیں آیا۔ بادشاہ کو حکومت کا نشہ تھا۔ اُس نے حسن سر برہنہ جیسے عزت دار اور معتبر کو حکم دیا جاؤ شیخ قطب الدین منورؒ کو لے آؤ۔ چنانچہ حسن سر برہنہ شیخ کی بیٹھک میں آکر بیٹھے۔ شیخ کے بیٹے نور الدین باہر آئے اور کہا ہمارے آقا اور شیخ آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔ حسن سر برہنہ شیخ کی خدمت میں گئے۔ معانقہ کر کے بیٹھے اور کہا۔ سلطان نے آپ کو بُلایا ہے۔ شیخ نے پوچھا اس طلب میں مجھے اختیار حاصل ہے یا نہیں۔ حسن سر برہنہ نے کہا فرمانِ شاہی ہے کہ میں آپ کو لے چلوں۔ یہ سن کر شیخ نے فرمایا الحمد للہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں اس کے بعد اپنے گھر والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا تمہیں خدا کے سپرد کیا۔ پھر اپنی جانماز اپنے کاندھے پر رکھی اور لاٹھی تھام کر پیدل روانہ ہوئے۔ حسن سر برہنہ نے جب شیخ کے چہرے پر واصلانِ حق کے علامات دیکھے تو کہا آپ پیدل کیوں چل رہے ہیں۔ کوتل گھوڑے ساتھ ہیں کسی ایک پر سوار ہو جائیے۔ شیخ نے جواب دیا ضرورت نہیں اتنی قوت ہے کہ پیدل چل سکتا

اب صفحہ ۱۶۷ پر پڑھیے

پیچھے سے دوڑتا آیا اور قریب پہونچ کر کہنے لگا میں نے آپ کو کئی مرتبہ آواز دی کہ شیخ اپنی جانماز لیتے جائیے لیکن آپ نے نہیں سنا جس پر آپ نے جواب دیا۔ بھائی میں شیخ نہیں بلکہ اُدھ مرا ملا فقیر ہوں۔

لوگوں کا بیان ہے کہ شریعت کی کتابوں میں سے ہدایہ اور بزدوی اور طریقت کی کتابوں میں سے قوت القلوب اور احیاء العلوم اکثر آپ کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

حکایت ہے کہ شیخ حسام الدین بعد زیارت کعبہ دہلی آکر اپنے پیرو مرشد حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا "جو کوئی خانہ کعبہ کی زیارت کرے تو اُسے چاہیئے کہ روضہ سرکار کائناتؐ کی زیارت کی علیحدہ نیت کرکے جاتے تاکہ طفیل نہ بنے بلکہ خاص زیارت سرورِ عالمؐ سے شرف اندوزی کی سعادت حاصل کرسکے"۔ پیرومرشد کا یہ حکم سنتے ہی شیخ ملتانی فوراً ہی لئے پاؤں دوسرے ہی دن زیارتِ روضہ رسالتمآب کے لئے روانہ ہوگئے۔

خیرالمجالس میں شیخ چراغ دہلوی فرماتے ہیں کہ ایک دن مولانا حسام الدین ملتانی، مولانا جمال الدین نصرت خانی اور مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہم یہ تینوں پیرومرشد محبوب الٰہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت محبوب الٰہیؒ نے مولانا حسام الدین کی جانب متوجہ ہوکے فرمایا جو کوئی دن کو روزے رکھے اور رات بھر عبادت کرے تو وہ بیوہ عورتوں جیسا کام کرتا ہے۔ اور اتنا کام تو ہر بیوہ ولاچار عورت کرسکتی ہے اگر اللہ کے بندوں کے کاموں میں مشغول رہ کر بھی عبادت کی جائے تو اس کو واقعی ذکر الٰہی کہتے ہیں اور اس کا نام شغل ہے۔ مولانا حسام الدین اور آپ کے ساتھی منتظر رہے کہ شیخ یہ بیان ختم فرمائیں لیکن آپ نے اس مجلس میں صرف یہی بیان اس قدر وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا کہ اگر میں اس کو تم سے بیان کروں تو چھ مہینے لگ جائیں گے۔

ایک مرتبہ پھر یہی تینوں دوست شیخ کی خدمت میں حاضر تھے کہ سلطان علاء الدین خلجی کا خاص منشی محمد کاتب پردہ اُٹھاکر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور زمیں بوسی کے بعد بیٹھ گیا۔ شیخ نے پوچھا کہاں تھے؟ اُس نے کہا محل سرائے شاہی میں تھے۔ سلطان نے پچاس ہزار ٹنکہ آپ کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کئے ہیں۔ اس پر شیخ نے مولانا حسام کی طرف متوجہ ہوکے فرمایا شاہی انعام اچھا ہے یا تم سے وعدہ وفا کرنا بہتر ہے؟ تمام حاضرین مجلس نے سرارادت خم کرتے ہوئے عرض کیا وعدہ ایفائی زیادہ بہتر ہے۔ تب حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا شغل سالکان کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے۔ اوّل یہ کہ تنہائی اختیار کی جائے اور کسی طرح بھی خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے اپنی شامت مول نہ لی جائے۔ دوسرے یہ کہ ہمیشہ باوضو رہے اور جب نیند کا زیادہ غلبہ ہو تو

فوراً سو جائے اور بیدار ہونے کے بعد فوراً وضو کرے۔ تیسرے یہ کہ ہمیشہ روزہ دار رہے۔ چوتھے یہ کہ غیر حق بات نہ کہے بلکہ خاموش رہے۔ پانچویں یہ کہ اپنے شیخ کی طرف اپنے دل کا ربط پیدا کرکے ہمیشہ ذکر الٰہی کرے جس کے معنی یہ ہیں کہ مرید اپنے شیخ سے دلی لگاؤ پیدا کرلے۔ چھٹے یہ کہ اپنے دل سے غیر اللہ کو نکال باہر کردے۔

حکایت ہے کہ شیخ حسام الدین ملتانی کو جب خلافت کا منصب عطا کیا گیا تو آپ نے مزید نعمتوں کی خواہش کی جس پر شیخ محبوب الٰہیؒ نے اپنی آستین سے اپنا ہاتھ باہر نکال کر انگشت شہادت سے مولانا حسام الدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ترک دنیا، ترک دنیا، ترک دنیا۔ اس کے بعد فرمایا مریدوں کے اضافہ کی کوشش نہ کرنا۔ مولانا نے عرض کیا اگر حکم ہو تو دریا کنارے جنگل میں سکونت اختیار کروں۔ شہر کے کنوؤں کے پانی سے وضو کرنے میں تسلی نہیں ہوتی۔ شیخ نے جواب دیا۔ شہر میں رہو اور اس طرح رہو گویا کہ تم ایک شہری ہو۔ اگر شہر سے باہر دریا کے کنارہ رہو گے تو شہر کے غریب لوگ تمہارے مسکن پہ جائیں گے اور آپس میں کہیں گے کہ فلاں درویش فلاں مقام میں ٹھہرے ہیں۔ اور پھر وہاں یہ لوگ تمہاری عبادت میں مزاحمت کریں گے۔ رہا کنوئیں کا پانی جس میں علماء کا باہمی اختلاف ہے اگرچہ شرعی طور پر بڑی گنجائش اور وسعت ہے اس کے بعد مولانا نے کہا غلام کو جب کوئی نذرانہ وغیرہ ملتا ہے تو اس میں سے کچھ بال بچوں کو دیدیتا اور کچھ آنے جانے والوں کے لئے رکھ لیتا تھا اب عرصہ سے کوئی چیز نہیں مل رہی ہے۔ بال بچے پریشان اور آنے جانے والے محروم و مایوس ہیں فرمایئے کیا ایسے موقع پر قرض دام لے لوں؟ پیرومرشد محبوب الٰہی نے فرمایا اگر تم تدبیر کے پیچھے پڑ گئے تو درویشی کیسے کرسکو گے؟ درویش تو وہ ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہو خرچ کردے اور اگر کچھ نہ ہو تو صبر و شکر کرے اور مایوس سے دور رہے۔ نیز تدابیر سے خود کو علیحدہ رکھے۔ پھر فرمایا درویش کو ہرجائی نہ ہونا چاہیئے اور ہرجائی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک صوری دوسری معنوی صوری درویش وہ ہیں جو لوگوں کے گھروں پہ جاتے اور مانگتے پھرتے ہیں۔ اور معنوی درویش وہ ہیں جو اپنے گھر میں رہ کر یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ زید و عمرو سے مجھے کچھ نہ کچھ مل ہی جائے گا۔

صوری درویش یعنی ہرجائی فقیر جو مانگتا پھرتا ہے وہ معنوی درویش سے اس لئے بہتر ہے کہ جیسا وہ ہے ویسا ہی خود کو ظاہر کرتا ہے۔ یعنی اس کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔ اور معنوی درویش یعنی وہ ہرجائی پوشیدہ فقیر جو خود کو یاد الٰہی میں مشغول رہنا ظاہر کرتا ہے اور اندرونی

ہوں۔ پھر اپنے باپ دادا کے قبرستان کے پاس پہنچ کر حسن سر برہنہ سے کہا کیا میں زیارت کرسکتا ہوں؟
حسن نے جواب دیا مناسب۔ چنانچہ شیخ نے اپنے باپ دادا کی قبروں کی پائیں میں بیٹھ کر عرض کیا۔ میں
آپ کے گھر سے اپنے اختیار پر نکلا نہیں ہوں بلکہ مجھے زبردستی لیجایا جارہا ہے۔ اور چند بندگان خدا
کو گھر پر کس مپرسی کی حالت میں بغیر انتظامات خرچ چھوڑ آیا ہوں۔ شیخ پھر روضہ سے باہر آئے دیکھا
کہ ایک آدمی پچاس روپے لئے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا یہ ہمارے گھر میں دیدیا اُن کے پاس
خرچ کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ آخر کار حسن سر برہنہ نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر آنکھوں
دیکھی کہہ سنائی لیکن بادشاہ نے توجہ نہ دیتے ہوئے شیخ کو اپنے سامنے طلب کیا۔ شیخ نے بادشاہ
کے پاس جاتے ہوئے بارگی خاندان کے نائب فیروز شاہ سے کہا ہم فقیر شاہی مجلس میں جانے کے طریقے
اور بادشاہوں سے باتیں کرنے کا ڈھب نہیں جانتے۔ آپ جیسا فرمائیں ویسا کریں گے۔ بارگی نائب
نے کہا آپ کی بابت بادشاہ کے دربار میں بہت سی غیر غلط باتیں کہی گئی ہیں۔ اس لئے مناسب یہی
ہے کہ آپ انکساری رواداری اور اخلاق کی کوئی معمولی سی بات بھی فروگذاشت نہ کریں۔ بادشاہ کو معلوم
ہوا کہ شیخ قطب الدین منور آرہے ہیں وہ بیٹھا ہوا تھا کھڑا ہوگیا۔ اُس نے اپنی کمان ہاتھ میں لی اور
اُس کا چلہ بٹھانے لگا لیکن شیخ کو دیکھکر اُس میں سکت نہ رہی اور اُن کی تعظیم کے لئے آگے بڑھا مصافحہ
کیا۔ شیخ قطب الدین منور نے پہلے ہی ملاقات میں اُس بادشاہ کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا جو سخت ظالم
تھا اور جس نے بہت سے مشائخین اور عالموں کو مروا ڈالا تھا اور اُن پر بیحد ظلم کئے تھے۔ دوران
مصافحہ ہی بادشاہ نے کہا ہم آپ کے شہر میں آئے ہیں آپ نے کوئی نصیحت نہیں فرمائی اور اپنی ملاقات
سے ہمیں سربلند نہیں فرمایا۔ شیخ نے کہا ہانسی کو دیکھئے دوسری بات یہ کہ ہانسی کے فقیرزادہ اپنے گھر میں
پڑے ہوئے ہیں۔ اور اس فقیرزادہ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ بادشاہ سے کس طرح ملاقات کی جاتی ہے۔
یہ فقیر کونہ میں پڑا ہو بادشاہ کی دعاگوئی اور تمام مسلمانوں کی طلب خیریت میں مشغول ہے۔ اس وجہ سے
معذور رہا۔ امید کہ معاف فرمایا جائے۔ شیخ کی خوش گفتاری سے بادشاہ کا دل نرم پڑا اور اُس نے
بارگی نائب سلطان فیروز شاہ سے کہا شیخ جو کچھ چاہتے ہیں وہ سب پورا کیا جائے۔ یہ سنکر شیخ منور
نے فرمایا میرا مطلب صرف درویشی اور باپ دادا کی جھونپڑی میں قیام ہے۔ پھر بادشاہ نے فیروز شاہ
اور ضیاء برنی کو حکم دیا کہ شیخ کی خدمت میں ایک لاکھ تنکہ[1] انعام پیش کریں۔ شیخ نے جب اس گراں

---

[1] تنکہ یہ وہ قدیم سکہ ہے جو ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا تھا۔

قدر انعام کو سُنا تو کہا نعوذ باللہ یہ فقیر ایک لاکھ ٹنکہ قبول کرے چنانچہ فیروز اور ضیاء برنی دونوں نے بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ شیخ قبول نہیں کرتے۔ فرمان ہوا پچاس ہزار ٹنکہ دیدیئے جائیں وہ بھی قبول نہ کیا آخر کار دو ہزار مقرر ہوئے وہ بھی قبول نہ کیے اور کہا سبحان اللہ فقیر کو دو سیر کھچڑی اور ایک چھٹانک گھی کافی ہے۔ ہزاروں کی اُسے کوئی ضرورت نہیں جس پر فیروز شاہ اور ضیاء برنی نے عرض کیا کہ ہم اس سے کم کا دربارِ شاہی میں تذکرہ بھی نہیں کر سکتے۔ آخر کار ضرورت کے موافق شیخ نے انعام شاہی میں سے کچھ رقم قبول کی جو اپنے پیرانِ کرام کے مزارات پر خرچ کردی اور باقی دوسرے فقیروں کو دیدی۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد شیخ قطب الدین منور رحمۃ اللہ علیہ ہانسی روانہ ہوگئے۔ آپ کا مزار بھی آپ کے پردادا کے مقبرہ میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ نورالدین ہانسوی رح

پیدائش ۷۱۹ھ — وفات ۷۶۱ھ

شیخ قطب الدین منور ہانسوی کے فرزند ہیں۔ حکایت ہے کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ نے جب شیخ قطب الدین منور کو اپنے دربار میں بلایا تو آپ بھی پیچھے پیچھے شاہی دربار میں پہونچ گئے۔ چونکہ کم عمر تھے یہاں پہونچکر جو شاہی رعب داب، شاہی شان شوکت بادشاہوں اور امراء سلطنت کا ہجوم دیکھا تو گھبرا گئے اور ہوش میں نہ رہے۔ شیخ قطب الدین منور کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا "بابا نورالدین سنو! بزرگی و کبریائی صرف اللہ ہی کے لئے ہے" شیخ نورالدین کا بیان ہے والد ماجد کی یہ بات سن کر ہی میرا دل اتنا قوی ہوگیا کہ پھر وہ سارا شاہی رعب داب میرے دل سے فوراً ہی کافور ہوگیا۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔ آپ کا مزار بھی آپ ہی کے باپ دادا کے گنبد میں ہے۔

شیخ حسام الدین ملتانی

پیدائش ۶۷۱ھ — وفات ۷۵۳ھ

آپ بھی حضرت محبوب الٰہی کے خلیفہ تھے۔ قدیم بزرگوں کے طریقہ پر گامزن رہے۔ زہد پارسائی اور درویشی کے اعتبار سے اپنے ہم جلیسوں میں سربلند و ممتاز تھے۔ آپ کے بال بچے بھی تھے۔

حضرت محبوب الٰہی رح نے فرمایا ہے کہ شہر دہلی حسام الدین کی نگرانی میں ہے۔ کہتے ہیں ایک دن شیخ ملتانی کہیں جا رہے تھے۔ جانماز اُن کے کندھے پر سے گر گئی جس کی ان کو خبر نہ ہوئی۔ جب تھوڑی دور آگے چلے گئے تو پیچھے سے ایک شخص نے شیخ شیخ کرکے کئی مرتبہ پکارا۔ چونکہ آپ اپنے کو شیخ نہیں سمجھتے تھے اس لئے اس آواز شیخ شیخ پر پلٹ کر نہیں دیکھا۔ آخر کار وہ شخص

چنانچہ مولانا نے مجبوراً تھوڑا سا کھایا۔ پھر دستر خوان برخاست ہونے کے بعد ان تمام آنے والے بزرگوں کے نئے اونی لباس اور ایک ایک ہزار روپیہ کے توڑے لائے گئے۔ شیخ نصیرالدین محمودؒ مولانا شمس الدین یحیٰ اور دیگر بزرگوں نے یہ تحفے قبول کئے اور واپس ہو گئے لیکن مولانا فخرالدین زرادیؒ کے ایک ہزار روپے کی تھیلی اور لباس عطیہ شاہی کو خواجہ قطب الدین دبیر مملکت نے خود اپنے پاس اس خیال سے رکھ لیا کہ مولانائے محترم اس کو ہاتھ تک نہ لگائیں گے جس کی وجہ سے مولانا کی عزت میں فرق آجائے گا۔ جب تمام بزرگ رخصت ہو گئے تو بادشاہ نے خواجہ قطب الدین دبیر مملکت کی جانب متوجہ ہو کے فرمایا اے بدنصیب الچی! تم نے یہ کیا بدتمیز یاں کیں۔ اور میری تلوار کے وار سے فخرالدین زرادی کو بچا لیا۔ جس پہ دبیر مملکت نے عرض کیا اے سلطان۔ وہ میرے اُستاد اور میرے پیرو مرشد کے خلیفہ ہیں۔ مجھے اُن کی شان و شوکت باقی رکھنا ضروری تھی۔ بادشاہ نے کہا۔ ان کفر آمیز اعتقادات سے پرہیز کرو وگرنہ تمہیں بھی مارڈالوں گا۔ جس پہ خواجہ دبیر مملکت نے کہا۔ زہے نصیب! اگر حکومت مجھے میرے مخدوم کی خاطر ختم کردے۔ اللہ تعالیٰ ان پہ اور تمام صالح بندوں پہ اپنی رحمتیں نازل کرے۔

مولانا فخرالدین مروزی

پیدائش ۔۔۔۔ ۶۶۲ھ ۔۔۔۔ وفات ۔۔۔۔ ۷۲۸ھ

قرآن پاک کے حافظ، صد درجہ متقی و پرہیزگار ہمیشہ قرآن کریم کی کتابت کرتے اور مخلوق سے دُور تنہائی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی کے ہم جلیس اور مُرید تھے کہتے ہیں مردان غیب سے آپ کی ملاقات تھی۔

حکایت ہے آپ نے اپنے پیرو مرشد محبوب الٰہیؒ سے عرض کیا ایک مرتبہ مجھے سخت پیاس لگی تھی، میرے پاس کوئی آدمی بھی نہ تھا کہ اُس سے پانی منگواتا اسی اثنا میں غیب سے پانی کا بھرا ہوا کٹورہ میرے پاس آیا۔ میں نے وہ کٹورہ توڑ دیا پانی بہہ گیا اور میں نے اپنے جی میں کہا کرامت کے ذریعہ آیا ہوا پانی میں نہیں پیوں گا۔ یہ سُن کر پیرو مرشد نے فرمایا پی لینا چاہیئے کیونکہ اکثر اوقات یہی ہوتا ہے۔ پھر ایک مرتبہ کہا میں کنگھی کرنا چاہتا تھا لیکن اس وقت میرے پاس کوئی آدمی نہ تھا جو کنگھی لے آتا۔ کہ اچانک دیوار شق ہوئی اور اس میں سے ایک کنگھی دکھائی دی۔ چنانچہ وہ کنگھی لے کر میں نے اپنے بالوں میں کنگھی کی۔

شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کا بیان ہے کہ مولانا فخرالدین مروزی جو کچھ کتابت کرتے اس کی اُجرت کا تعین لوگوں سے کراتے۔ جب لوگ کہتے کہ ایک جزو کی اُجرت کتابت چھ آنے ہوتی ہے

فرماتے میں صرف چار جیتل لوں گا۔ اس سے زیادہ نہیں لوں گا اور اگر کوئی چار پیسہ سے بطور تبرک زیادہ دے گا تو میں ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ جب بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ کمزور ہو گئے تو کتابت کرنا چھوڑ دی تھی۔ اس پر سب سے بڑے تاجر قاضی حمید الدین نے سلطان علاؤالدین خلجی کے دربار میں معروضہ پیش کیا کہ مولانا فخر الدین مروزی بہت بڑے بزرگ ہیں کتابت پر گذر بسر کیا کرتے تھے۔ لیکن اب بڑھاپے کی وجہ سے کتابت نہیں کر سکتے ہیں اس لئے بیت المال سے ان کا کچھ وظیفہ مقرر ہو جائے تو مناسب ہوگا اس پر بادشاہ نے روزانہ ایک ٹنگہ (درہم) دینے کا فرمان صادر کیا۔ تو آپ نے فرمایا میں یہ نہ لوں گا۔ مجھے تو صرف وہی چھ آنہ دو۔ غرضکہ بڑی کدو مد کے بعد آپ نے (۱۲) لینا منظور فرمائے۔

حضرت محبوب الٰہیؒ نے اپنے دست مبارک سے خود آپؒ کو ایک خط لکھا جس میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ اصحاب طریقت اور اہل حقیقت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انسان کا سب سے بڑا مقصد اور عظیم الشان مطلب صرف اللہ تعالیٰ کی محبت کا حصول ہے۔ اور اس محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبت ذاتی جو عطیہ قدرت ہے اور دوسری محبت صفاتی جو اکتسابی ہے عطیہ قدرت سے کسب و عمل کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ کردار و عمل کا تعلق صرف انسان کی اپنی ذات سے تعلق ہے۔ محبت حاصل کرنے کا طریقہ صرف دائمی ذکر پر منحصر ہے جس کے لئے ضروری ہے کہ غیر اللہ سے دل کو بالکل خالی رکھے۔ اور یا فراغت ہے۔ اس با فراغت رہنے کے لئے بھی چار چیزوں سے دور رہے اور جو چیز کہ شرط میں رکاوٹیں ڈالتی ہے وہی مشروط میں بھی مانع و مزاحم ہوتی ہے۔ اور وہ چاروں چیزیں جن سے دور رہنا ضروری ہے یہ ہیں۔ مخلوقات، دنیا، نفسانی خواہشات اور شیطان۔ مخلوقات سے دور رہنے کی ترکیب گوشہ نشینی و عزلت ہے دنیا سے دور رہنے کی ترکیب قناعت ہے۔ اور دنیا و شیطان سے بچنے کی ترکیب ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجائیں اور آرزوئیں ہیں فقط والسلام۔

اور مشہور یہ ہے کہ شیطان سے دور رہنے کی ترکیب ذکر الٰہی اور خواہشات نفسانی سے محفوظ رہنے کا طریقہ صرف اللہ تعالیٰ کے حضور میں التجائیں و آرزوئیں پیش کرنا ہیں۔

مولانا علاؤالدین نیلی

اودھ کے عالموں میں سے پاکیزہ روش اور معاملہ کے صاف بزرگ تھے اودھ کے شیخ الاسلام مولانا فریدالدینؒ

ولادت ۶۶۴ھ ــــــ وفات ــــــ ۷۶۲ھ سے جب کشاف پڑھتے تھے تو اودھ کے دوسرے

طرہ پہ در بدر مارا پھرتا ہے۔ یہ کیسے اچھا ہو سکتا ہے۔

مولانا حسام الدین نے کہا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ اپنے پیر و مرشد محبوب الٰہیؒ سے دریافت کیا اے شیخ! لوگ مجھ سے کرامت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ شیخؒ نے جواب دیا در وازہ غیب پر ثابت قدم رہنا ہی کرامت ہے۔ تم اپنے کام میں مشغول رہو لوگ کتنی کرامتیں طلب کریں گے۔

حکایت ہے جس سال سلطان محمد نے دہلی والوں کو ایک نیا شہر دیوگیر[1] آباد کرنے کے لئے دہلی سے بھیجنا شروع کیا تو مولانا حسام الدین دہلی سے گجرات چلے گئے۔ اور گجرات ہی میں رحمت حق سے پیوست ہو گئے۔ اور پٹن جو علاقہ گجرات کا قدیم شہر ہے وہاں مدفون ہوئے آپ کا مزار پٹن میں مشہور و معروف ہے۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

مولانا فخر الدین زرادی دہلوی

محبوب الٰہیؒ کے خلیفہ، بزرگ صاحب علم اور پرہیزگار تھے۔ ذوق و عشق کے متوالے، پیدائش ۶۵۱ھ — وفات — ۷۲۷ھ عہد شباب میں پوری قوت اور عظمت رکھتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں مولانا فخر الدین ہانسوی سے دہلی میں ظاہری درسی تعلیم حاصل کی۔ اپنی ذہانت سخن سنجی اور فصاحت بیانی کی وجہ شہر والوں میں سربلند و ممتاز تھے۔ آخر کار شیخ المشائخ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مرید ہوئے اور سر منڈوایا۔ طالب علموں کی صف سے نکل کر درویشوں کے زمرہ میں شریک ہوئے۔ اور غیاث پور میں سکونت اختیار کی اور پیر و مرشد کے انتقال کے بعد دریائے جمنا کے کنارہ وہ محلہ جسے اب فیروز آباد دہلی کہتے ہیں مقیم ہوئے۔ تھوڑے دنوں حوض علائی پر شہر سے رہے۔ ایک عرصہ تک بسنا بند میں یاد الٰہی کرتے رہے جو پہاڑوں کے درمیان ہے اور آپ کے زمانہ میں جنگل بیابان اور شیروں کا مسکن تھا۔ اس کے بعد حضرت معین الدین چشتیؒ کی زیارت کے لئے اجمیر گئے اور وہاں سے شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی زیارت کے لئے پاک پٹن گئے۔ غرضکہ مولانا فخر الدین زرادی نے عمر کا زیادہ حصہ سفر میں بسر کیا۔ جنگلوں اور بیابانوں میں عبادت کی اور ہمیشہ روزے رکھے۔

حکایت ہے مولانا زرادی نے ایک مرتبہ محبوب الٰہیؒ سے پوچھا تلاوت قرآن کریم زیادہ افضل ہے یا ذکر الٰہی؟ محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ذکر الٰہی کرنے والا اپنے مقصود تک جلد رسائی کر لیتا ہے لیکن زوال رسائی کا خوف دامن گیر رہتا ہے

---

[1] دیوگیر وہ شہر ہے جسے اب دولت آباد کہتے ہیں اور یہ علاقہ دکن میں اورنگ آباد کے قریب ہے۔

اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا اگرچہ دیر میں اپنے مقصد تک پہونچتا ہے لیکن اس میں زوال کا خوف نہیں ہے۔

حکایت ہے شیخ نصیر الدینؒ فرماتے تھے جس کو ہم ایک دو ماہ میں ختم کرتے مولانا فخر الدین زرادی اسے ایک گھنٹہ میں حاصل کر لیتے تھے۔ جس زمانہ میں دہلی والوں کو دیوگیر لے جایا جار ہا تھا مولانا زرادی بھی دیوگیر گئے۔ اور وہاں سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے روانہ ہوگئے۔ پھر وہاں سے بغداد گئے۔ جہاں کتب حدیث کو تحقیق سے پڑھا۔ پھر قدیم وطن دہلی کی یاد میں واپس ہوئے راستہ میں ایک کشتی میں بیٹھے تھے کہ وہ کشتی ڈوب گئی اور مولانا زرادی نے جام شہادت نوش کیا۔

حکایت ہے سلطان محمد تغلق باشندگان دہلی کو بمقام دیوگیر[1] اس لئے بھیج رہا تھا تاکہ ترکستان و خراسان پر خود قبضہ کر سکے۔ اور وہاں سے آل چنگیز کو نکال باہر کرے۔ چنانچہ سلطان نے دہلی میں تمام بڑے بڑے اُمراء کو حکم دیا کہ وہ حاضر ہوں اور ایک بڑا خیمہ لگوا کر اس میں ایک منبر رکھوایا تاکہ اس پہ چڑھ کر لوگوں کو کافروں سے جہاد کے لئے شوق دلائے۔ اسی دن مولانا فخر الدین زرادی شیخ شمس الدین یحیی اور شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کو بھی طلب کیا۔

خواجہ قطب الدین دبیر (وزیر تعلیمات) جو محبوب الہٰی کے مرید اور مولانا زرادی کے شاگرد تھے۔ وہ مولانا کو تمام معززین سے پہلے ہی دربار شاہی میں لے گئے۔ مولانا بار بار کہہ رہے تھے کہ اس بادشاہ کے محل کے سامنے میں اپنا سر غلطان و پیچاں دیکھ رہا ہوں۔ میں کسی طرح بھی اس سے موافقت نہیں کروں گا۔ جب مولانا کی بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو خواجہ قطب الدین دبیر مملکت مولانا کے جوتے اُٹھائے اپنی بغل میں دبائے ہوئے کھڑے تھے۔ بادشاہ نے یہ حالت دیکھی لیکن خاموش رہا اور پھر مولانا سے گفتگو کرنے لگا۔ دوران گفتگو میں اُس نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ ملعون چنگیزی خاندان کا تختہ اُلٹ دیں۔ کیا اس معاملہ میں آپ ہماری موافقت کریں گے؟ مولانا نے جواباً کہا انشاءاللہ تعالیٰ۔ جس پہ بادشاہ نے کہا یہ کلمۂ شک ہے۔ تو مولانا نے فرمایا مستقبل کے لئے ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا آپ ہمیں کچھ نصیحتیں کیجیے تاکہ ویسا ہی عمل کیا جائے۔ مولانا نے فرمایا غصہ پیتے رہو۔ بادشاہ نے کہا کونسا غصہ؟ تب مولانا نے فرمایا اس سے پہلے سات سلطان نذرِ غصہ ہو چکے ہیں۔ پھر بادشاہ نے کھانا طلب کیا۔ جب دسترخوان

---

[1] دیوگیر وہ مقام ہے جو اورنگ آباد کے قریب ہے اور اس کو دولت آباد کہتے ہیں۔

عالم مثلاً شمس الدین یحییٰ وغیرہ سامعین کی صف میں بیٹھتے تھے۔ آپ علماء جیسا لباس پہنتے تھے لیکن تصوف کے اوصاف سے موصوف تھے۔ اگرچہ اپنے پیر و مرشد شیخ نظام الدین اولیاء کی جانب سے پوری طرح مجاز بیعت تھے لیکن پھر بھی کسی کو مرید نہیں کیا عام طور پر کہا کرتے تھے اگر حضرت محبوب الٰہیؒ زندہ ہوتے تو میں آپ کا دیا ہوا خلافت نامہ آپ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کرتا یہ مذہبی کام مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد محبوب الٰہیؒ سے بے انتہا محبت تھی لوگوں کا بیان ہے کہ آپ نے اخیری عمر میں حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات فوائد الفواد کو خود نقل کیا تھا وہی اپنے پاس رکھتے اور اس کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور اسی کو ورد وظیفہ بنالیا تھا۔ لوگوں نے پوچھا آپ کے پاس ہر علم و فن کی کتابوں کا انبار ہے لیکن آپ فوائد الفواد کے علاوہ دوسری کتب کی جانب کوئی توجہ کیوں نہیں کرتے؟ جواب دیا کہ علم سلوک و دیگر علوم کی کتابوں سے دنیا بھری پڑی ہے لیکن پیر و مرشد کے ملفوظات جو میرے لئے روح افزا ہیں اور جن میں میرے لئے نجات کا سامان ہے یہ کہیں اور نہیں ملتا۔

شعر

مرا نسیم تو باد صبا کجاست کہ نیست ۔۔۔ کجاست زلف تو مشک خطا کجاست کہ نیست

ترجمہ (باد صبا ہر جگہ موجود ہے لیکن مجھے آپ کی طرف کی آئی ہوئی باد نسیم درکار ہے مشک ختن ہر جگہ دستیاب ہوتا ہے لیکن آپ کی زلف مشکیں کا میں طلب گار ہوں)

آپ کا مزار چبوترۂ یاران کے پاس ہے۔[۱] آپ پہ اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

شیخ بُرہان الدین غریب

پیدائش ۶۵۲ھ ۔۔۔ وفات ۷۴۱ھ

صاحب ذوق وشوق تھے۔ اور قوالی کے شیدائی تھے۔ اُس زمانہ کے صاحبان علم و فضل جیسے حضرت امیر خسرو، امیر حسن اور دوسرے خوش مزاج حضرات آپ کی محبت کے گرویدہ تھے۔ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی جب تک دہلی میں رہتے اس وقت تک آپ ہی کے گھر ٹھہرتے تھے۔

شیخ برہان الدین غریب کو اپنے پیر و مرشد محبوب الٰہیؒ کا پکا اعتقاد تھا آپ نے عمر بھر کبھی بھی غیاث پور[۱] کی طرف پیٹھ نہیں کی۔ محبوب الٰہیؒ کے آپ خلیفہ تھے۔ سیر الاولیاء میں آپ کا واقعہ

---

[۱] یہ وہ مقام تھا جہاں محبوب الٰہی رہا کرتے تھے جسے اب نظام الدین کہتے ہیں۔

خلافت یوں لکھا ہے کہ خواجہ مبشر جو شیخ محبوب الٰہیؒ کے قدیم خادم تھے یہ اور سید حسین و سید خاموش نے باہم کہا شیخ برہان الدین غریب ہمارے پیرو مرشد محبوب الٰہی کے بڑے پرانے مرید ہیں۔ وہ ہم سب لوگوں میں ممتاز و سربلند ہیں اس لئے ان کو خلیفہ بنانے کے لئے پیرو مرشد کی خدمت میں عرض کیا جائے۔ چنانچہ یہ سب اس باہمی تصفیہ کے بعد ان کو پیرو مرشد کی خدمت میں لے گئے اور عرض کیا کہ برہان الدین غریب آپ کے قدیم مرید پابوسی کے لئے حاضر اور نوازش کے اُمیدوار ہیں۔ اس اثناء میں برہان الدین نے بھی قدم بوسی کی۔ اس کے بعد اقبال خادم نے وہ ٹوپی اور خرقہ جو حضرت محبوب الٰہی نے اُسے دیا تھا وہ سامنے پیش کیا۔ محبوب الٰہی نے اس پر دست مبارک رکھا اور ان لوگوں نے وہ خرقہ و ٹوپی برہان الدین غریب کو پہنا دی اور کہا آپ بھی خلیفہ ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی یہ سب کچھ خاموش دیکھتے رہے اور خاموشی دراصل رضامندی ہی تھی۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی اور شیخ برہان الدین غریب میں باہمی شکر رنجی ہو گئی واقعہ یہ تھا کہ شیخ برہان الدین غریب بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور فطری طور پر بھی بے حد کمزور دبلے پتلے تھے اس لئے کمبل کو تہ کر کے اس پر اپنے گھر میں بیٹھا کرتے تھے۔ ملک زنبیلی اور ملک نصرت جو سلطان علاؤالدین خلجی کے رشتہ دار تھے اور محبوب الٰہی کے مرید بن کر اپنا سر منڈوا چکے تھے ان دونوں نے برہان الدین کی اس نشست کو اس انداز میں محبوب الٰہی کے سامنے پیش کیا کہ وہ سجادہ نشینی کر رہے ہیں اور ایسی نشست پیروں و مشائخوں کی طرح انجام دے رہے ہیں۔ محبوب الٰہی یہ سُن کر کچھ رنجیدہ سے ہوئے۔ جب برہان الدین آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؒ نے اُن سے بات نہیں کی۔ جب برہان الدین وہاں سے اُٹھ کر جماعت خانہ میں آئے تو اقبال خادم نے محبوب الٰہی کا حکم سُنایا کہ آپ ابھی چلے جائیں اور یہاں نہ بیٹھیں جہاں چاہو [illegible] برہان[illegible]ن حیران و پریشان اپنے گھر لوٹ گئے اور گریہ وزاری کرنے لگے۔ شہر کے لوگ آپ سے ملنے آتے رہے۔ تھوڑے دنوں بعد ایک دن امیر خسرو اپنا صافہ اپنی گردن میں ڈال کر محبوب الٰہی کے سامنے آ کے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے فرمایا اے ترک کیا بات ہے؟ کہا برہان الدین کے معافی جرم کا خواستگار ہوں۔ یہ سُن کر محبوب الٰہی مسکرائے اور فرمایا وہ کہاں ہے بلا لاؤ۔ تب مولانا برہان الدین غریب اور حضرت امیر خسرو دونوں اپنے صافے اپنی گردن میں ڈالے ہوئے محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زمین بوس ہوئے اُس وقت

برہان الدین غریب کا جرم محبوب الٰہی نے معاف فرمایا اور برہان الدین نے دوبارہ بیعت کی۔ پیر و مرشد کے انتقال کے بعد برہان الدین غریب صرف چند سال زندہ رہے اور لوگوں کو مرید کرتے رہے۔ اور پھر دیوگیر پہونچ کر وفات پائی۔ یہیں آپ کا مزار بھی ہے۔ اور شہر برہان پور آپ ہی کے نام سے مشہور و آباد ہے۔ جہاں کے حاکم آپ کے معتقد تھے اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

مولانا علی شاہ جان داد

محبوب الٰہی کے مرید تھے۔ آپ نے اپنی تصنیف "خلاصۃ اللطائف" میں (بزبان عربی) لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے میں نے اپنے شیخ و آقا

پیدائش ۔ ۶۵۶ ـــــ وفات ـــــ ۷۱۱ھ

شیخ نظام الدین اولیاءؒ کو بحالت مراقبہ دیکھا تو میں آپ کی نشست میں جلنے لگا۔ ایک مرتبہ میں نے جا کر دیکھا کہ شیخؒ بیٹھے ہوئے ہیں اجتماع بہترین ہے ہر چیز اپنی جگہ خاموش ہے۔ آپ کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں آپ نے مجھے نہ پہچانتے ہوئے فرمایا تم کون ہو؟ یہ دیکھکر میں نے الٹے پاؤں لوٹنے کا ارادہ کیا۔ وہ اپنی مست آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ پھر فرمایا فقیر کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل میں بہ خشوع و خضوع اس امر کا تصور کرے کہ وہ اللہ کے سامنے حاضر ہے۔ اس کے بعد مجھ سے فرمایا اٹھو جاؤ اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ جاؤ۔ میں اس وقت مشغول ہوں۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

شیخ علاؤالدین

شیخ بدرالدین سلیمان کے صاحبزادہ اور شیخ فریدالدین گنج شکرؒ کے براہ راست سجادہ نشین تھے سولہ سال کی عمر میں سجادہ نشین ہوئے اور چپّن۵۶ سال تک مسلسل حق

پیدائش ۔ ۶۵۹ ـــــ وفات ـــــ ۷۱۰ھ

سجادگی بوجہ اتم ادا کرتے رہے۔ آپ کی اپنی زندگی میں بلندی عظمت اور کرامت کی شہرت دنیا میں پھیل گئی تھی زندگی بھر جامع مسجد کے سوائے کہیں اور نہیں گئے حکام اور دولت مندوں سے بالکل مستغنی رہے اور عمر بھر روزے رکھے۔ ایک پہر رات گذرنے کے بعد کچھ کھا پی لیتے۔ غذا بالکل ہی قلیل تھی۔ فیاضی اور بخشش میں بے نظیر اور طہارت و لطافت میں بے مثال تھے امیر خسروؒ نے آپ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

قصیدہ

علائے دنیا و دین شیخ و شہزادۂ عصر ـــ کہ رشد بمرتبہ قائمقام شیخ فرید

زتابِ نورِ تجلی چوکرد رویش عرق — ہزار چشمۂ خورشید از جبین بچکید
مگر کہ دید ثریا بلندیٔ قدرش — کہ تا قیامت خواہد برآسمان خندید
نہی بہ روشنی از بدر زادہ خورشیدے — زبدر زادنِ خورشید تابدار کہ دید
چو ساکنانِ سپہر از حوادث ایمن گشت — کسے کہ در پنہ ذیل عصمت تو خزید
ز بہر سبحۂ تو چرخ مہرہ ز انجم کرد — ز مشتری رگِ جانش برائے رشتہ کشید
زہے نخفتم شب در سوادِ مدحت تو — چو پیر در شبِ قدر و چو طفل در شب عید
حیات بخش جہانے دمِ مسیحی تست — چہ حد گفتن خسرو کہ عمرِ تو بمزید

آپ کا مزار شیخ فرید گنج شکرؒ کے روضہ کے قریب ہے جس پر آپ کے مُرید و معتقد سلطان محمد تغلق نے عالیشان گنبد بنوایا اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ محمد

مولانا بدرالدین اسحٰق کے صاحبزادہ اور شیخ گنج شکرؒ کے نواسوں میں سے جامع علوم اور حاوی فنون تھے۔ طب میں

پیدائش ۶۳۲ھ — وفات ۶۸۰ھ

بھی دسترس تھا۔ علم موسیقی میں خاص کمال تھا۔ ذوق و شوق سے اطاعت و عبادت الٰہی کرتے تھے اور محبوب الٰہیؒ کے امام بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ نے محبوب الٰہی کے ملفوظات کو جمع کرکے اس کا نام "انوار المجالس" رکھا تھا۔ ایک مرتبہ ابوبکر طوسی کا خانقاہ جو لب دریا تھی وہاں قوالی ہورہی تھی۔ محبوب الٰہی بھی وہاں موجود تھے۔ قوال بے انتہا کوشش کررہے تھے لیکن حاضرین مجلس میں سے کسی کو حال نہیں آیا تو حضرت محبوب الٰہی نے کہا قوال ختم کرکے بزرگوں کے قصے وحالات بیان کئے جائیں۔ جب بزرگوں کے حالات سنائے جانے لگے تو لوگوں پر وجد کا سماں طاری ہوگیا اور سب جھومنے لگے اسی اثنا میں ملی زنبیل نے شیخ نظام الدین پانی پتی جو شیخ بدرالدین غزنوی کے خلیفہ تھے ان کی طرف متوجہ ہو کے کہا ہم تو قوال کے خواہشمند تھے اور محبوب الٰہی نے خواجہ محمد امام کی جانب اٹھنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ اپنی جگہ سے اُٹھ کے قوالوں کی جگہ جا بیٹھے اور ایک غزل شروع کردی جب اس شعر پر پہونچے۔

شعر

ہر بیہدہ‌ای کہ بینی امشب — ازمن ہمہ در گزار تا روز

ترجمہ۔ (اس رات میں تم جو کچھ غیر معقول باتیں دیکھو وہ سب صبح ہونے تک معاف رکھو)

شیخ نظام پانی پتی کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دوسرے لوگوں پر ایک عجیب اثر ہوا

تھا اور ان سے ذوق و شوق ظاہر ہو رہا تھا۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ عزیز الدین صوفی

آپ کی والدہ شیخ گنج شکرؒ کی صاحبزادی تھیں۔ آپ نے بھی محبوب الٰہی کے ملفوظات جمع کر کے ان کا نام تحفۃ الابرار و کرامت الاخیار رکھا ہے قاضی محی الدین کاشانی کے شاگرد اور فن کتابت میں بے مثل تھے۔

پیدائش۔ ۶۲۷ھ — وفات — ۶۹۱ھ

خواجہ عزیز الدین صوفیؒ نے کہا ہے کہ میں ایک مرتبہ محبوب الٰہیؒ کے پاس گیا وہ قبلہ رو دو زانو اس طرح بیٹھے تھے کہ ان کی آنکھیں اور روئے مبارک آسمان کی طرف تھا وہ جمال پروردگار میں مستغرق تھے۔ میں خوف زدہ ہو گیا کہ ایسے نازک وقت میں آیا ہوں جبکہ ٹھہر سکتا ہوں نہ جا سکتا ہوں۔ غرضکہ سالم ایک گھنٹہ کھڑا رہا اور اس پورے وقفہ میں خادم وغیرہ کوئی نہ آیا۔ اس کے بعد محبوب سبحانیؒ نے اس طرح جھرجھری لی جیسے کوئی چڑیا تھرتھراتی ہے۔ پھر آپ اپنی اصلی حالت میں آگئے آپ نے اپنی آنکھوں پر اپنے ہاتھ پھیرے اور مجھ سے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا عزیز ہوں اس کے بعد آپؒ نے شفقت کرتے ہوئے بڑی مہربانیاں بیان فرمائیں۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ تقی الدین نوح

محبوب الٰہی کی بھانجی کے فرزند تھے۔ اور حافظ قرآن کریم تھے۔

پیدائش۔ ۶۶۶ھ — وفات — ۶۹۹ھ حکایت ہے کہ محبوب الٰہیؒ نے ایک دن آپ کو اپنی بیماری کے زمانہ میں بلا کر خلافت دیتے ہوئے نصیحت کی تمہیں جو کچھ ملے اس پر صبر و شکر کرنا اور اگر کچھ نہ ملے تو اپنے دل کو ڈانواڈول نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو وہ چیز دیدے گا کسی کا برا نہ چاہنا اور ظلم و جور کا بدلہ بخشش و کرم سے دینا۔ جاگیر اور وظیفے قبول نہ کرنا کیونکہ درویش وظیفہ خوار نہیں ہوتے۔ اگر تم یہ سب باتیں کرو گے تو بادشاہ تمہارے در پر حاضرباش ہوں گے۔ آپ ابھی نوجوان ہی تھے کہ حضرت محبوب الٰہی کی زندگی ہی میں رحمتِ حق سے پیوست ہوگئے۔

سید محمد بن سید محمود کرمانی

تجارت کے لئے کرمان سے لاہور آتے اور واپسی پر پاک پٹن میں شیخ فریدالدین گنج شکر سے ملاقات کرتے ہوئے ملتان جاتے جہاں

پیدائش۔ ۶۲۹ھ — وفات — ۷۱۱ھ

آپ کے چچا سید احمد کرمانی رہا کرتے تھے۔ اسی آمد و رفت کے دوران آپ کو شیخ گنج شکرؒ سے الفت ہوگئی۔ چنانچہ کرمان کا کام کاج چھوڑ کر مستقل طور پر اپنے چچا سید احمد کرمانی کے پاس

ملتان آگئے۔ اور پھر وہاں سے شیخ گنج شکرؒ کے مرید ہونے کے لئے پاک پٹن روانہ ہونے لگے تو آپ کے چچا نے کہا شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا بھی بڑے بزرگ ہیں۔ جس پر سید محمد نے جواباً کہا سب سے محبت نہیں ہو سکتی۔ غرضکہ پاک پٹن آکر شیخ گنج شکرؒ کے مرید ہو گئے اور خوب ریاضت و مجاہدہ کیا۔ پھر شیخ گنج شکرؒ کے انتقال کے بعد محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ اور اُن کے بڑے دوستوں میں شمار کئے جانے لگے۔

جمعہ کی رات میں ۷۱۱ھ کو وفات پائی اور چبوترہ یاران دہلی میں مدفون ہوئے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

سید محمد

ابن سید مبارک بن سید محمود کرمانیؒ ہیں۔ جنھوں نے سیر الاولیاء لکھی ہے جس میں مشائخین چشت کے حالات ہیں۔ آپ بچپن ہی میں محبوب الٰہیؒ کے مرید ہوئے اور شیخ کی بعض مجالس میں شرکت کی۔ شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے بعض خلفاء سے استفادہ کیا اور خاص کر شیخ چراغ دہلویؒ سے فیض تربیت حاصل کیا۔ آپ اکثر اپنے پیر و مرشد محبوب الٰہی کو خواب میں دیکھتے رہے۔ آپ نے کئی مرتبہ تجدید بیعت[1] کی ہے۔ آپ کے والد، چچا اور دادا سب کے سب حضرت شیخ محبوب الٰہیؒ کے رشتہ دار تھے آپ نے اپنی تالیف سیر الاولیاء میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے آبائے کرام کے ذریعہ ہی لکھا ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

پیدائش ۷۱۹ — وفات ۷۷۰ھ

مولانا شمس الدین یحییٰ

محبوب الٰہی کے ممتاز خلیفہ تھے۔ اور اپنے ہم جلیسوں میں شیخ کے معزز و مکرم و صاحب صدر شمار ہوتے تھے۔ دہلی کے مشہور عالم تھے۔ اکثر دہلی والے آپ کے شاگرد تھے اور آپ کی شاگردی پر فخر و ناز کرتے تھے۔ آپ نے۔ آپ نے مشارق کی شرح بھی لکھی ہے جس میں تحریر کیا ہے کہ رسول اکرمؐ کبھی الٹے پاؤں واپس نہیں ہوئے۔ آپ اودھ سے تحصیل علوم کی خاطر دہلی آئے ہوئے تھے۔ انہی دنوں محبوب الٰہیؒ کی کرامات کا چرچا سنا تو ایک دن مولانا صدر الدین نادی کے ساتھ شیخ کی خدمت میں آئے۔ شیخ نے پوچھا کیا تم یہیں شہر میں رہتے ہو

پیدائش ۱۲۶۷ ـــــ وفات ـــ ۱۳۲۶ھ

---

[1] تجدید بیعت کو موجودہ مشائخین کی زبان میں طالب ہونا کہتے ہیں یعنی ایک پیر کی بیعت کے بعد کسی دوسرے پیر سے بیعت کر لینا۔

اور کیا پڑھتے ہو؟ شمس الدین یحییٰ نے جواباً کہا مولانا ظہیر الدین بھکری سے اصول بزودی پڑھتا ہوں۔ شیخ نے مشہور مشکل مقامات پوچھے تو شمس الدین یحییٰ نے جواب دیا ہمارا یہیں تک سبق ہوا ہے اور یہ مسئلہ ہماری بھی سمجھ میں نہیں آیا ہے۔ تب شیخ نے مشکل مقامات کی تشریح بیان فرمائی جس پر شیخ کی عقیدت شمس الدین یحییٰ کے دل میں بیٹھ گئی۔ اور پھر ایک عرصہ کے بعد مولانا شمس الدین یحییٰ نے محبوب الہٰی کے ہاتھ پہ بیعت کی اور مرتبہ کمال حاصل کیا۔ آپ لوگوں کے رسم و رواج اور عادات و تکلفات وغیرہ سے بالکل دور رہتے تھے نیز شادی بھی نہیں کی خلافت ملنے کے بعد شاذ و نادر ہی کسی کو مرید کیا۔ عام طور پر بیعت لینے سے احتراز کرتے اور کہتے تھے اگر اس کاغذ پہ پیر و مرشد محبوب الہٰیؒ کے دست خاص کی تحریر نہ ہوتی میں ہرگز یہ پرزہ اپنے پاس نہ رکھتا۔ کہتے ہیں کہ چراغ دہلوی نے آپ کی تعریف میں یہ شعر لکھا ہے۔

شعر

سألت العلم من احیاک حقا　　فقال العلم شمس الدین یحییٰ

ترجمہ۔ (میں نے علم سے پوچھا کس نے اچھی طرح تیرا حق ادا کیا تو اس نے جواب دیا کہ شمس الدین یحییٰ نے۔)

حکایت ہے کہ جس زمانہ میں عام لوگوں اور خاص کر مشائخین کے حق میں سلطان محمد تغلق کے ظلم و سیاست کی تلوار کھنچی ہوئی تھی اُس نے مولانا شمس الدین یحییٰ کو طلب کر کے کہا آپ جیسے عقلمند یہاں کیا کرتے ہیں آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ کشمیر چلے جائیں اور وہاں کے مندروں میں بیٹھ کر مخلوق خدا کو اسلام کی دعوت دیں۔ سلطان کے پاس سے آکر آپ نے کشمیر جانے کا سامان سفر کرنا شروع کیا۔ اور پھر کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ پیر و مرشد محبوب الہٰیؒ مجھے اپنے پاس طلب فرما رہے ہیں آپ لوگ اس بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں۔ میں تو پیر و مرشد کی خدمت میں جا رہا ہوں دیکھئے وہ مجھے کہاں بھیجتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے ہی دن آپ (مولانا شمس الدین یحییٰ) کے سینہ پہ ایک دُنبل نمودار ہوا اور آپ سخت بیمار ہو گئے۔ آپ کی بیماری کی اطلاع سلطان کو ملی تو اُس نے آپ کو اپنے دربار میں بلوا بھیجا کہ شاید مولانا شمس الدین یحییٰ نے بہانہ کیا ہے۔ پھر اسی اثنا میں آپ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ آپ کا مزار دہلی میں چبوترہ یاران میں ہے۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے

قاضی محی الدین کاشانی

محبوب الہٰیؒ کے مریدوں میں سے کمل علم، زہد اور پرہیزگاری کی صفتوں کے ساتھ مشہور تھے علم و کرامت کا سرچشمہ

پیدائش ۶۵۸ھ ــــ وفات ــــ ۷۱۹ھ

اور شہر بھر کے اُستاد تھے۔ مُرید ہوتے ہی دنیاوی تعلقات سے ہاتھ اُٹھالیا۔ فرامین جاگیر و انعامات وغیرہ جو سرمایہ عزت تھے وہ سب لاکر پیرو مرشد کے سامنے چاک کر دیئے اور فقر و مجاہدہ کی زندگی گذارنے کا تہیہ کرلیا۔ آپ کو پیرو مرشد کے اکثر ملفوظات وغیرہ ازبر تھے۔ پیرو مرشد نے آپ کو خلیفہ بنایا اور اپنے دست مبارک سے ایک کاغذ پہ یہ عبارت لکھی جس کی نقل (کا ترجمہ) یہ ہے۔ تم کو تارک الدنیا رہنا چاہیئے۔ دنیا اور دنیا والوں کی طرف متوجہ نہ ہونا۔ مواضعات جاگیر و انعام اور صلہ و اکرام شاہی قبول نہ کرنا۔ اگر مسافر تمہارے پاس ایسے وقت آئیں جبکہ تمہارے پاس کچھ زرد جنس نہ ہو تو اس حالت کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے منجملہ ایک نعمت جاننا۔ اگر تم ایسا کرو گے جو میں نے حکم دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ تم ایسا ہی کرو گے تو اس حالت میں تم میرے خلیفہ ہو ورنہ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ ہی ابدی مالک ہے۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ قاضی محی الدین کاشانی نے حضرت محبوب الٰہی سے دریافت کیا آیا اللہ تعالیٰ، رسول اکرمؐ اور شیخ کے حضور میں یکجائی مراقبہ کیا جائے یا علیحدہ علیحدہ؟ محبوب الٰہی نے جواب دیا۔ اجتماعی طور پہ بھی مراقبہ کیا جانا ممکن ہے اور علیحدہ بھی مفید ہے۔ جب یکجائی طور پہ مراقبہ کرے تو یقین کرے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے۔ رسول اکرمؐ اس کے داہنی جانب تشریف فرما ہیں اور شیخ بائیں طرف موجود ہے۔

حکایت ہے کہ قاضی محی الدین کاشانی پہ جب فقر و فاقہ کی شدت ہوئی تو آپ کے اکثر وہ مُرید جو ناز و نعمت کے پرورش یافتہ تھے تکالیف برداشت نہ کرسکے چنانچہ آپ کے ایک شناسا نے سلطان علاؤالدین خلجی کے دربار میں اس کی اطلاع دی۔ سلطان نے اودھ کی قضاۃ جو آپ کے آباؤاجداد کے نام تھی آپ کے نام لکھدی۔ اس اجرائی فرمان شاہی کی اطلاع جب قاضی محی الدین کاشانی کو ہوئی تو اپنے پیرو مرشد محبوب الٰہی کے پاس اس واقعہ کی خبر دی اور کہا میری خواہش کے بغیر ہی یہ فرمان سلطان جاری ہوا ہے۔ اب پیرو مُرشد کا جو حکم ہو گا ویسی ہی تعمیل کی جائے گی۔ شیخ نے فرمایا لازماً اس قسم کی کوئی بات تمہارے دل میں آئی تھی جبھی تو یہ واقعہ ظہور میں آیا ہے۔ اس کے بعد قاضی کی زندگی ناخوشگوار طریقہ سے پریشانیوں میں بسر ہوئی۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ نے آپ سے خلافت نامہ واپس لے کر ایک کونہ میں ڈال دیا۔ قاضی سے شیخ ایک سال تک بدلے رہے۔ جب ایک سال کے بعد قاضی اپنی قدیم روش پہ آ گئے تو شیخ نے آپ کو دوبارہ بیعت میں لیا۔ شیخ کی زندگی ہی میں آپ نے انتقال کیا۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

مولانا وجیہ الدین یوسف چندیری

پیدائش۔ ۶۵۹ ــــ وفات ــــ ۷۲۹ھ

آپ شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے خلیفہ تھے۔ شیخ آپ پر بے حد مہربانی وکرم کرتے تھے۔ آپ بھی قدیم مُرید وخلیفہ تھے۔ شیخ جب اپنے خصوصی مُریدوں کو خلافت دیتے تو اس وقت آپ کی خلافت کی بھی تجدید فرمایا کرتے تھے۔ آپ صاحب کرامات وخوارق عادات تھے۔ کہتے ہیں کہ آپؒ جب اپنے گھر سے پیرومرشد کے پاس جانے لگتے تو آپ کے دل میں آتا کہ شیخ کی خدمت میں پیدل جانا مناسب نہیں ہے اسی وقت اللہ تعالیٰ آپ کو قوت پرواز عطا کر دیتا اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپ سر کے بل شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے۔ پیرومرشد کے حکم سے آپ بمقام چندیری مقیم تھے۔ چندیری کے اکثر لوگ آپ کے مرید تھے۔ آپ کا مزار بھی چندیری میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا وجیہ الدین پائلی دہلوی

پیدائش۔ ۶۳۸ ــــ وفات ــــ ۷۲۹ھ

اپنے زمانہ کے زبردست استاد اور بہت بڑے عالم تھے۔ زہد و پرہیزگاری میں ممتاز تھے۔ اپنی آخیری عمر میں محبوب الٰہی رح کے مرید ہوئے اور آپؒ کے بڑے معتقد تھے۔

حکایت ہے مولانا وجیہ الدین خود کہتے تھے میں جب پانی پت جارہا تھا تو راستے میں ایک صوفی نمودار ہوا۔ میرے دل میں اس صوفی سے کچھ بدظنی سی پیدا ہوئی اُس صوفی نے کہا اے مولانا آپ کو کچھ مشکلات درپیش ہیں۔ اور واقعہ بھی یہی تھا کہ چند علمی مشکلات حل طلب تھیں۔ میں نے وہ سب مشکل مسائل ایک ایک کرکے سنائے اُس نے ہر ایک کا دلیل کے ساتھ تسلی بخش جواب دیا یہاں تک کہ قضا و قدر کا بھی پُراطمینان جواب دیا۔ اس گفتگو کے بعد اُس نے پوچھا تم کس کے مُرید ہو؟ میں نے کہا سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کا جس پر اُس صوفی نے کہا شیخ نظام الدین اولیاءؒ ہمارے قطب ہیں۔

حکایت ہے ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی نے مولانا وجیہ الدین پائلی سے فرمایا ہمارے تمہارے درمیان اللہ کے حضور یہی زبانی اقرار باقی رہے گا۔ مولانا وجیہ الدین پائلی کا مزار دہلی کے حوض شمسی پر صدر جہاں قاضی کمال الدین وقتلغ خاں کے خطیرہ میں ہے۔ یہ دونوں بزرگ بھی آپ ہی کے شاگرد تھے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان الشعراء، برہان الفضلاء روادئ سخن میں یکتا عالم نوع انسانی میں منتخب دوجہاں وبے پایاں تھے۔ مضامین بلند معنی پہنانے کے لئے شعر گوئی اور تمام اصناف سخن میں وہ کمال حاصل کیا جو متقدین یا متاخرین شعراء میں سے کسی کو نصیب نہ ہوا۔ شعر گوئی میں اپنے پیر و مرشد کی فرمائشات کی تعمیل کی ان کا حکم تھا کہ اصفہانیوں کی مانند شعر کہو۔ باوجود علم و فضل آپ تصوف کے صفات اور درویشوں کے حالات سے موصوف تھے۔ اگرچہ بادشاہوں سے تعلقات تھے اور ملوک و امراء سے خوش طبعی و ظرافت آمیز میل جول تھا لیکن ان سب کی طرف دل متوجہ نہ تھا

پیدائش۔ ۶۲۵ - وفات۔ ۷۲۵ ھ

جو خوبی اس طرح آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ آپ کے کلام میں جو برکات ہیں وہ سب فیض مشائخین کے آثار ہیں۔ کیونکہ گنہگاروں کے دل برکات سے محروم اور ان کے کلام کو قبولیت و تاثیر قلبی میسر نہیں ہوتی۔

حکایت ہے کہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ ہر رات تہجد کے وقت سات سپارے قرآن کریم کے تلاوت کرتے تھے۔ ایک دن شیخ نظام الدین اولیاء نے پوچھا اے ترک! تمہاری مشغولیوں کا کیا حال ہے؟ عرض کیا۔ مخدومی! رات کے اخیری حصہ میں اکثر اوقات گریہ وزاری غالب آجاتی ہے۔ فرمایا الحمد للہ قدرے ظاہر ہونا شروع ہوا ہے۔

مصنف سیر الاولیا سید محمد کہتے ہیں جب امیر خسرو پیدا ہوئے تو اس زمانہ میں امیر لاجین کے پڑوس میں ایک مجذوب رہا کرتے تھے۔ آپ نومولود کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر اُن مجذوب کے پاس لایا گیا۔ انھوں نے فرمایا اس کو ماں ئے ہو جو خاقانی سے بھی دو قدم آگے بڑھ جائے گا۔ ممکن ہے دو قدم کہنے سے ان مجذوب کا مقصد مثنوی و غزل ہو۔ کیونکہ قصیدہ گوئی میں بعض بزرگوں کی رائے کے موافق آپ خاقانی تک پہونچ سکے لیکن اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

محبوب الٰہی کے آپ قدیم احباب و مریدوں میں سے ہیں۔ آپ کو محبوب الٰہی سے بے انتہا الفت اور عقیدت تھی۔ اور شیخ بھی آپ پر بیحد شفقت و عنایت کیا کرتے تھے۔ شیخ کی خدمت میں وہ قربت اور رازداری جو امیر خسرو کو حاصل تھی۔ وہ کسی اور کو نصیب نہ تھی آپ ہمیشہ نماز عشاء کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضری دیتے اور ہر قسم کی گفتگو کرتے اور اپنے احباب کی درخواستیں پیش کرتے۔

شیخ نے اپنے دست خاص سے جو خطوط امیر خسرو کو روانہ کئے ان میں سے ایک یہ ہے۔ جسم

کی حفاظت کے بعد شریعت کے ناپسندیدہ امور سے پرہیز کیا جائے۔ اپنے اوقات کی نگہبانی کرنا چاہیئے۔ اور عمر عزیز جس کے ذریعہ تمام مُرادیں حاصل ہوتی ہیں اُسے غنیمت سمجھا جائے۔ زندگی بیکار کے کاموں میں نہ گذاری جائے۔ اگر دل میں انشراح کی قوت پیدا ہو تو انشراح قلبی کی پیروی کی جائے کیونکہ یہی راہ طریقت میں معتبر ہے اور تمام امور میں طلب خیر کو مقدم رکھا جائے۔

مصنف سیر الاولیاء سید محمد کہتے ہیں کہ امیر خسرو پر شیخ محبوب الٰہی کی جو نوازشات ہوئیں وہ امیر خسرو نے خود لکھی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ سلطان المشائخ نے اس بندہ (امیر خسرو) کی جانب متوجہ ہو کے فرمایا میں دنیا بھر سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں ہوتا۔ دوسری مرتبہ کہا میں سب سے اتنا تنگ ہوجاتا ہوں کہ خود اپنی ذات سے تنگ آجاتا ہوں لیکن تم سے تنگ نہیں آتا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے بڑی جرأت کے ساتھ شیخ سے کہا امیر خسرو پر آپ کی جو نظریں ہیں اسی نظر سے کبھی مجھے بھی دیکھ لیجئے۔ اس کا جواب اس شخص کو شیخ نے کچھ نہ دیا لیکن بعد میں مجھ (امیر خسرو) سے فرمایا۔ میرے جی میں تو آیا تھا کہ اسی وقت اس شخص سے کہوں کہ ویسی قابلیت تو پیدا کرو۔

ایک مرتبہ شیخ نے فرمایا میرے لئے دعا کرو کیونکہ اے خسرو تمہاری بقا میری بقا پر منحصر ہے تمہیں میرے پہلو میں دفن کیا جائے۔ یہ جملے لوگوں نے کئی مرتبہ شیخ کے سامنے دُھرائے تو شیخ نے ہر مرتبہ فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ شیخ نے مجھ (امیر خسرو) سے اللہ کو درمیان میں رکھ کر وعدہ کیا ہے کہ جب وہ جنت میں جائیں گے تو خادم (امیر خسرو) کو بھی اپنے ساتھ انشاء اللہ جنت میں لیجائیں گے۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے پیر و مرشد محبوب الٰہی کو خواب میں دیکھا آپ فرمار ہے ہیں ہمارے قریب آجاؤ۔ اور یہ وہ سماں تھا کہ شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر کے سامنے بہت صاف پاک پانی خوب بہہ رہا تھا اور میں ایک اونچی سی دکان پر بیٹھا ہوا تھا۔ پیر و مرشد بے انتہا خوش و مسرور نظر آرہے تھے۔ آپ نے فرمایا میرے دل میں آیا کہ اس اچھے وقت میں اے امیر خسرو میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے وہ مانگ لوں جو میں چاہتا ہوں چنانچہ میں نے مطالبہ کیا اور اُمید ہے کہ میری دعا قبول ہوگئی جسے انشاء اللہ تم عنقریب دیکھ لوگے۔ ایک وقت میں (امیر خسرو) نے خود شیخ رح کی زبانی سُنا آپ نے فرمایا آج رات مجھے ایک آواز سُنائی دی کہ رسول اکرم ﷺ خسرو کو مدّاح فرمار ہے ہیں۔ غیب سے ہمارے پاس یہ خطاب آیا ہے جو سرکار کائنات ﷺ نے عنایت فرمایا ہے۔ اور انشاء اللہ اس نام کی بدولت یہ خادم بہت سے دیگر انعامات کا اُمیدوار ہے۔

خادم کو شیخ رح ترک کے لفظ سے یاد کرتے تھے۔ شیخ نے اکثر خطوط اس خادم کی بابت اپنے دست مبارک سے بخطاب ترک آراستہ و مزین کر کے تحریر فرمائے ہیں۔ خادم نے انہیں تعویز بنا کر رکھ لیا ہے تاکہ قبر میں ان کو اپنے ساتھ رکھوں۔ انشاء اللہ کل روز محشر اللہ تعالیٰ مجھ سے بے چارہ کی ان خطوط کی برکت سے بخشش کرے گا۔ ایک مرتبہ پیرو مرشد نے مجھے اپنے پاس طلب کر کے فرمایا۔ ہم نے خواب دیکھا ہے سنو! شب جمعہ کو ہم نے خواب میں دیکھا کہ شیخ صدر الدین ابن شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا رح ہمارے پاس آئے ہیں نے ان کی عزت و تعظیم کی اور انھوں نے خود اتنی انکساری کی جو کبھی نہیں کیجا سکتی۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ اے خسرو تم دور سے آتے نظر آئے پھر تم نے ہمارے پاس آکر "معرفت الٰہی" بیان کرنا شروع کی پھر اسی دوران میں موذن نے نماز فجر کی اذان دی تو میری آنکھ کھل گئی۔" شیخ نے یہ خواب بیان کرتے ہوئے فرمایا دیکھو یہ کتنا بڑا مرتبہ ہے۔ جس پر میں نیازمند (امیر خسرو) نے سر نیاز خم کرتے ہوئے عرض کیا مجھ جھاڑو دینے والے کو یہ مرتبہ آپ ہی کا دیا ہوا ہے۔ یہ سن کر شیخ اونچی آواز سے رونے لگے اور میں خادم بھی آپ کی گریہ وزاری سے چشم پُرآب ہو گیا۔ اس کے بعد شیخ رح نے کلاہ خاص طلب کر کے اپنے دست مبارک سے مجھے پہنائی اور فرمایا مشائخ کے اقوال کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔ شیخ نظام الدین اولیا رح نے یہ دو اشعار خود امیر خسرو کی بابت فرمائے ہیں۔

رباعی

خسرو کہ بنظم و نثر مثلش کم خواست | ملکیت و ملک سخن آں خسرو راست
آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست | زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

ترجمہ۔ (امیر خسرو جس کا نظم و نثر میں کوئی ثانی نہیں۔ ملک سخن کی بادشاہت اسی امیر خسرو کے شایان شان ہے۔ یہ ہمارا خسرو ہے۔ ایرانی ناصر خسرو نہیں ہے کیونکہ ناصر کا خدائے سخن ہمارا امیر خسرو ہے)

جب وقت کہ شیخ نظام الدین اولیاء رح ریاض جنت کو سدھارے اس وقت امیر خسرو موجود نہ تھے کیونکہ سلطان محمد تغلق کے ساتھ جانب لکھنوتی گئے ہوئے تھے۔ سفر سے لوٹنے کے بعد گریہ وزاری اور تعزیت میں مشغول ہو گئے۔ دیوانوں جیسی حالت ہو گئی تھی۔ روتے اور کہتے کہ میں اپنے حصے پر روتا پیٹتا ہوں کیونکہ پیرومرشد کے بعد اب میں زندہ نہ رہوں گا۔

غرضکہ شیخ نظام الدین اولیاء رحمہ جنھوں نے ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ میں انتقال فرمایا اُن کے چھ ماہ بعد حضرت امیر خسرو نے بتاریخ ۱۸ شوال ۷۲۵ھ میں وفات پائی۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

امیر حسن بن علاء سنجری دہلوی

اپنے زمانہ کے باکمال علماء میں آپ کو خاص عزت و مقام حاصل تھا۔ شیخ نظام الدین اولیاء

پیدائش ۶۶۰ —— وفات —— ۷۳۶ھ

کی قربت و عنایت کی وجہ دوسرے مریدوں میں ممتاز تھے۔ حسن معاملہ، صفائی باطن اور دوسرے تمام اچھے اوصاف کی وجہ یکتائے زمانہ تھے۔ اوصاف تصوف میں ہمہ صفت موصوف تھے۔ امیر خسرو پہ آپ کو یک گونہ برتری حاصل ہے۔ اگرچہ آپؒ اور امیر خسرو دونوں باہم دوست اور ہم زمانہ تھے۔ آپ نے سلطان غیاث الدین بلبن کی تعریف میں قصائد بھی لکھے ہیں۔ اور امیر خسرو کے کلام میں اس بادشاہ کی تعریف کا کوئی شعر نہیں ملتا۔ امیر خسرو نے زیادہ سے زیادہ مدح سلطان غیاث الدین بلبن کے فرزند خان شہید کی تعریف میں لکھے ہیں جو اپنے والد کی زندگی میں ملتان کا گورنر تھا۔ یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ امیر خسرو اس کے پاس ملتان میں ملازم تھے۔ خان شہید نے شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی سے ہندوستان آنے کی درخواست کی لیکن شیخؒ نے ان کی التماس قبول نہ کی اور فرمایا "اب ہم بڈھے ہو گئے ہیں اور ہندوستان کی سیر کی خواہش نہیں۔ امیر خسرو اور شیخ سعدی کی ملاقات کے جو قصے مشہور ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں میر حسن نے اپنی کتاب فوائد الفواد میں شیخ محبوب الٰہی کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ یہ کتاب اپنے متین الفاظ اور لطیف معانی کے مدنظر محبوب الٰہی کے مریدوں اور خلفاء میں قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ امیر خسرو کہتے تھے کاش میری تمام تصنیفات میر حسن کے نام منسوب ہو جاتیں اور یہ کتاب فوائد الفواد کاش مجھ سے منسوب ہوتی۔ یہ بات پتہ دیتی ہے کہ امیر خسرو کو اپنے پیر و مرشد سے بے انتہا محبت تھی۔ "فوائد الفواد" میں لکھا ہے کہ ایک دن میں پیر و مرشد کی قدم بوسی کے لئے گیا جو کوٹھے کی سیڑھی پر بیٹھے تھے۔ میں چوکھٹ کے پاس بیٹھ گیا۔ ہوا کے جھونکوں سے دروازہ بند ہو جاتا۔ میں اس دروازے کو پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ بہت دیر بعد انھوں نے میری طرف دیکھا کہ میں دروازہ پکڑے کھڑا ہوں فرمایا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ میں نے سر جھکا کر عرض کیا میں نے یہ دروازہ پکڑ لیا ہے تو مسکراتے ہوئے فرمایا

۱؎ ۷۱۶ھ میں بمقام دہلی موجود تھے۔

تم نے یہ در پکڑ لیا ہے اور مضبوط پکڑ لیا ہے۔

"فوائدالفواد" میں ہے کہ جمعرات ۸ ار رجب سنہ ۷۱۱ھ کو شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ رات کو خواب دیکھا تھا وہ آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ خواب یہ تھا۔ فجر کی نماز کا وقت ہو گیا ہے میں نماز کے لئے وضو کر رہا ہوں۔ وقت بہت تنگ ہو چکا تھا۔ جلدی سے وضو کیا اور سنتیں پڑھیں مجھے یقین تھا کہ جماعت میں شریک ہو جاؤں گا۔ میں جلدی سے پڑھا لیکن معلوم ہوا کہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے۔ اس خوف سے کہ نماز کا وقت نہ نکل جائے میں نے اپنا ہاتھ اُٹھا کر آفتاب کی طرف اشارہ کیا اور کہا۔ شیخ کی نماز ختم ہونے تک تم نہ نکلنا۔ اتنا کہکر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔ پیر و مرشدؒ یہ سُنکر آبدیدہ ہو گئے اور اس کے مناسب حکایت بیان فرمائی۔

ایک مرتبہ مجلس سماع میں خادم (میر حسن) نے عرض کیا کہ اس عاجز کے تمام کام بخیریت ہیں۔ اس لئے کہ کوئی مکمل اطاعت وعبادت اور اور وظائف درویشاں میں مشغول نہیں ہوں لیکن جب قوالی سُنتا ہوں تو مکمل راحت و رقت حاصل ہوتی ہے اور آپ کی صحبت سے اس لمحہ دنیاوی خواہشات میرے دل میں نہیں آتیں ارشاد فرمایا کیا اس وقت تمہارا دل تمام دنیاوی تعلقات سے خالی ہوتا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں۔ اس کے بعد ارشاد ہوا سماع دو قسم کا ہوتا ہے۔ ہاجم اور غیر ہاجم۔ ہاجم اسے کہتے ہیں کہ قوالی میں پہلے ہی پہل ہجوم اور غلبہ طاری ہو جیسے راگ یا شعر سُنا جس سے اس سُننے والے آدمی میں جنبش پیدا ہوتی ہے اس حالت' حال اور وجد کو ہاجم کہتے ہیں جس کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔ غیر ہاجم وہ سماع ہے جو سُننے والے کو اللہ تعالیٰ کے حضور یا اپنے پیر کے سامنے یا اس جگہ جہاں کا اس کے دل میں خیال ہو لے جاتا ہے۔

اتوار ۲۰ ار ربیع الثانی سنہ ۷۱۶ھ کو شرف قدمبوسی حاصل ہوئی سُست اعتقاد لوگوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی خصوصاً جو زیارت کعبہ کو جائے اور وہاں سے لوٹ کر اپنے دنیاوی کاموں میں مشغول ہو جائے۔ (خادم (میر حسن) نے عرض کیا مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہے جو اپنے پیر سے رشتہ جوڑ کر پھر دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ اس وقت میرا ایک دوست تلیح بھی وہاں موجود تھا میں نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے اس دوست تلیح نے ایک وقت ایک بات کہی تھی جو مجھے اب تک یاد ہے اس نے کہا ہے حج کو وہ جائے جس کا پیر نہ ہو۔ پیر و مرشد محبوب الٰہی یہ سُنکر آبدیدہ ہو گئے اور یہ مصرع پڑھا۔

ایں راہ بسوئے کعبہ رود آں بسوئے دوست

ترجمہ۔ (یہ راستہ کعبہ کو جاتا ہے اور وہ دوست کی طرف)

ایک مرتبہ تلاوت قرآن کا ذکر ہو رہا ہے۔ اسی اثناء میں خادم میر حسن نے عرض کیا کہ جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو اکثر اوقات جو چیزیں واضح ہوتی ہیں وہ دل میں اثر کر جاتی ہیں اور اگر اثنائے تلاوت میں میرا دل کسی فکر یا خوف میں مشغول ہو تو میں اپنے دل ہی میں کہتا ہوں کہ یہ کیسا خوف و خطر ہے؟ اور پھر دل کو تلاوت میں مشغول کر لیتا ہوں۔ اسی لمحہ میری نظر اگلی آیت پر پڑتی ہے جو اندیشۂ باطل کو دور کرتی یا کسی ایسی آیت پر نظر جا پہنچتی ہے جس سے مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور دل کے وسوسے دُور ہو جاتے ہیں۔ یہ سُن کر پیر و مُرشد نے فرمایا یہ اچھی علامتیں ہیں اور ان اوصاف کو بخوبی محفوظ رکھو۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن امیر حسن نے حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں عرض کیا کہ رویت پروردگار کی نعمت کا مسلمانوں سے وعدہ کیا گیا ہے جس کے حصول کے بعد مرد مومن پھر اور کون سی نعمتوں کی طرف دیکھے گا۔ ارشاد ہوا کہ یہ سخت کوتاہ نظری ہوگی کہ رویت الٰہی کے بعد دوسری چیزوں کی طرف نظر جائے۔

امیر حسن کی پیدائش دہلی کی ہے۔ زندگی بھر مجرد رہے۔ آخر عمر میں دیوگیر گئے۔ وہیں انتقال کیا اور وہیں ان کا مقبرہ ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔ وفات ۷۳۶ھ میں ہوئی۔[1]

خواجہ شمس الدین

امیر خسرو کے بھانجہ اور اپنے زمانہ کے یکتا عالم فاضل تھے محبوب الٰہیؒ سے والہانہ محبت تھی کہتے ہیں کہ نماز

پیدائش ۶۵۰ —— وفات —— ۷۲۲ھ

کی نیت کرتے وقت جب تک پیر و مرشد کو نہ دیکھ لیتے اللہ اکبر نہ کہتے۔ صف سے سر آگے بڑھا کر پہلے شیخ کا چہرہ دیکھتے اور اس کے بعد اللہ اکبر کہتے۔ محبوب الٰہی آپ کے مرضِ موت میں آپ کی عیادت کے لئے جا رہے تھے۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ خواجہ کے وصال کی خبر ملی۔ فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ دوست دوست کے پاس جا پہنچا۔ امیر خسرو کے مقبرے کے پائیں میں ایک قبر ہے جسے لوگ میر کے بھانجے کی قبر کہتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ قبر خواجہ شمس الدین کی ہو۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

---

[1] حضرت امیر حسن کا مزار اورنگ آباد دکن میں ہے اور اب تک مرجع خاص و عام ہے۔ مشاہیر اورنگ آباد میں امیر حسن سنجری کے حالات کرامات بتفصیل درج ہیں۔ از مترجم۔

خواجہ ضیاء الدین برنی

تاریخ فیروز شاہی کے مصنف اور محبوب الٰہی کے مُرید۔ نیز ان کی عنایتوں کی وجہ ممتاز تھے۔

پیدائش ۶۲۹ھ ـــــ وفات ـــــ ۷۳۸ھ مجسمۂ لطائف وظرائف تھے۔ ہر قسم کے اقوال وحکایات یاد تھے۔ علماء، مشائخ اور شعراء کی صحبتوں سے خوب بہرہ ور تھے۔ امیر خسرو اور میر حسن سے بے حد محبت تھی۔ ان دونوں عزیزوں کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ ابتداءً محبوب الٰہی کے مریدوں میں شامل ہو کر غیاث پور میں سکونت اختیار کی۔ آخر عمر میں لطائف طبع اور فن مصاحبت کی وجہ سے سلطان محمد تغلق کے خاص مصاحب بن گئے۔ سلطان محمد تغلق کے انتقال کے بعد فیروز شاہ کے عہد حکومت میں ضروریات زندگی پر کفایت کرتے ہوئے گوشہ نشین ہو گئے اور وفات کے وقت دنیا سے مجرد اور پاک وصاف گئے۔ کہتے ہیں کہ خواجہ کے جنازے پر صرف ایک بوریا تھا اور محبوب الٰہی کے مقبرے میں اپنی والدہ کے پائیں دفن ہوئے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خواجہ ضیاء الدین برنی نے اپنے حسرت نامہ میں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ اشراق سے چاشت کے وقت تک محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر رہا۔ آپ کے جاں بخش کلمات سنتا رہا۔ اس دن بہت سے لوگ آپ سے بیعت کے لئے آئے تھے۔ اسی اثناء میرے جی میں آیا کہ گزشتہ مشائخ مرید بنانے میں احتیاط کرتے تھے اور محبوب الٰہی اپنے کرم سے خاص و عام کی دستگیری کرتے ہیں اور ان سے بیعت لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ محبوب الٰہی سے پوچھوں۔ چونکہ محبوب الٰہی کشف کے عالم تھے میرے دل کی بات سے واقف ہو گئے اور فرمایا اے خواجہ ضیاء الدین برنی تم سب کچھ مجھ سے پوچھتے ہو لیکن یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ میں آنے والوں کو بغیر تفتیش کے مرید کیوں بنا لیتا ہوں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمت بالغہ سے ایک خاصیت مقرر کی ہے جو اس زمانے کے لوگوں کی رسم وعادات بن گئی ہے جن کی مشابہت دوسرے زمانے والوں کی مزاج و طبیعت سے میل نہیں کھاتی۔ واقعہ یہ ہے کہ مرید کی اصلی خواہش اتنی ہے کہ وہ غیر حق سے علیحدہ ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائے۔ سلف کا قاعدہ تھا کہ جب تک وہ مرید میں بالکلیہ غیر حق سے قطع تعلق نہ دیکھتے اس کی بیعت قبول نہ کرتے تھے۔ لیکن نشان حق شیخ ابوسعید ابوالخیر کے زمانے سے شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانے تک اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے زمانے سے شیخ فرید الدین گنج شکر کے زمانے تک ان بادشاہان مذہب کے دروازے پر مخلوق کا ہجوم رہتا۔ اور بادشاہ رئیس مشہور و معروف اور دوسرے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا جو

عذابِ آخرت کے خوف سے ان عاشقانِ خدا کی پناہ میں حاضر ہوتے اور یہ مشائخین عظام تمام خاص و
عام سے بیعت لیا کرتے تھے۔ کسی آدمی کو سزاوار نہیں کہ وہ خدا کے دوستوں کے معاملات کو دوسروں پر
قیاس کرکے خود بھی ان کی طرح لوگوں کو مرید کرتا رہے۔ اب تمہارے سوال کا جواب صاف الفاظ میں یہ ہے
کہ میں تمہارے کہنے کے مطابق مرید کرنے میں احتیاط کو کام میں نہیں لاتا۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ
میں برابر سن رہا ہوں کہ مجھ سے مرید ہونے والے گناہوں سے دور رہتے ہیں۔ باجماعت نماز پڑھتے
اور نفل و نوافل میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر میں پہلے پہل مرید ہونے کی حقیقی شرطیں ان سے لوں تو
وہ جو بھلائیاں کر رہے ہیں اُن سے بھی محروم ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ میں کسی کے التماس، وسیلہ
یا سفارش کے بغیر بیعت لینے کا منجانب پیر و مرشد مجاز قرار دیا گیا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان
بریشانی غربت اور لاچارگی کی حالت میں میرے پاس آکر کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی۔ یہ
سن کر میں اس خیال سے کہ شاید یہ سچ کہہ رہا ہے اس کو مرید کر لیتا ہوں اور خصوصاً اس وجہ سے کہ میں نے
سچے لوگوں سے سنا ہے کہ مجھ سے بیعت کرنے والے لوگ گناہوں سے دُور رہتے ہیں اس لئے بھی
میں مرید بنا تا ہوں۔ اس کا ایک اور قوی سبب یہ ہے کہ ایک دن پیر و مرشد حضرت شیخ فرید
الدین گنج شکرؒ نے قلم دوات مجھے دیا اور فرمایا تعویذ لکھوا ضرورتمندوں کو دو۔ مگر جب انھوں نے
مجھے ملول دیکھا تو فرمایا تم ابھی سے دعائیں لکھنے سے گھبرا گئے۔ وہ وقت قریب ہے جبکہ بہت
سے ضرورتمند تمہارے دروازے پر آئیں گے۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا۔ یہ سنکر میں فوراً
اسی وقت ان کے قدموں میں گرا اور گریہ و زاری کرتے ہوئے عرض کیا کہ مخدوم نے مجھے بزرگ بنایا
اور اپنا خلیفہ مقرر کیا میں ایک طالب علم تھا جو لوگوں کے میل جول سے نفرت کرتا تھا۔ تعویذ دینا
بزرگوں کا کام ہے۔ یہ مجھ بے چارہ کے بس کی بات نہیں۔ شیخ و مخدوم کی ارادت اور نظرِ شفقت ہی
میرے لئے کافی ہے۔ میرا معروضہ سننے کے بعد فرمایا یہ کام یعنی تعویذ دینا تم اچھی طرح کرسکو گے
میں نے بہت عاجزی کی تو میری عذر خواہی سے پیر و مرشد پر ایک حالت طاری ہوگئی پھر آپ نے
سیدھے بیٹھتے ہوئے مجھے اپنے قریب بلایا اور سامنے بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا نظامؒ! جان
لے کہ کل مسعود کو بارگاہِ الٰہی میں عزت ملے گی یا نہیں اگر ان کی عزت داری ہوئی تو میں قسم کھاتا ہوں
کہ جنت میں اس وقت تک پاؤں نہیں رکھوں گا جب تک کہ اپنے مریدوں کو اپنے ساتھ جنت

لہ شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی کے پیر و مرشد شیخ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ تھے۔

ہیں نہ لیجاؤں گا ۔ اتنا فرماکر محبوب الٰہیؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا مجھے اسی طرح خلافت دی گئی ہے کبھی یہ کام ٹھیک ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ جو لوگ تمام عمر اسی کام کی طلب میں رہتے ہیں اور حیلہ، مکاری، جھوٹ اور فریب وغیرہ کے ذریعے یہ نازک کام کرتے ہیں وہ کس طرح چھوٹ سکیں گے۔ نیز میں نے اپنی آنکھوں سے خود دیکھا ہے کہ میرے مخدوم و شیخ درگاہ بے نیازی کے واصلوں میں سے ہیں اور جس برتن سے حضرات بایزیدؒ جنیدؒ اور دیگر عاشقان الٰہی نے پیا ہے پیر و مرشد نے بھی وہی جام لنڈھائے ہیں اور جب پیر و مرشد میرے بارے میں ان لوگوں کے متعلق جن سے میں بیعت لیتا ہوں یہ اقرار کر چکے ہیں تو پھر وہ کون سی چیز ہے جو مجھے بیعت لینے سے روک سکے۔ آپ پر اللہ رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ ضیاء نخشبی

بدایوں میں گوشہ نشیں اپنے کام میں مشغول رہے۔ آپ کی متعدد تصانیف ہیں جیسے سلک السلوک۔ عشرہ مبشرہ۔ کلیات وجزئیات۔ طوطی نامہ وغیرہ آپ کی تمام تصنیفات

پیدائش ۶۵۲ھ — وفات ۷۵۱ھ

بلند مرتبہ ایک دوسرے سے بلحاظ نفس مضمون متشابہ ہیں سلک السلوک وہ کتاب ہے جو اپنی شہرت، رنگینی اور لطافت بیان کے ساتھ ساتھ مؤثر حکایات و کلمات مشائخ سے پر ہے۔ آپ کی اکثر تصنیفات میں ایک ہی قسم و طرز کے قطعے ہیں جیسا کہ یہ قطعہ۔

قطعہ

نخشبی خیز باز مانہ بساز ۔۔۔ ورنہ خود را نشانہ ساختن است

عاقلان زمانہ می گویند ۔۔۔ عاقلی با زمانہ ساختن است

ترجمہ۔ (اے نخشبی اٹھ اور زمانہ کا ساتھ دے۔ ورنہ لوگ تجھے نشانہ بنالیں گے۔ زمانہ بھر کے علقمندوں کا کہنا ہے کہ زمانہ کا ساتھ دینا ہی عقلمندی ہے)

آپ کی بابت اتنا معلوم ہوا کہ آپ لوگوں کے میل جول سے علیحدہ رہے۔ کسی کے اعتقاد یا انکار سے آپ نے کوئی سروکار نہ رکھا۔

کہتے ہیں کہ محبوب الٰہیؒ کے زمانہ میں ضیاء نام کے تین آدمی تھے ایک ضیاء سنامی جو محبوب سبحانی کا منکر و مخالف تھا۔ دوسرے ضیاء برنی جو محبوب الٰہیؒ کے معتقد و مرید تھے[1] اور

---

[1] جو نظام الدین اولیاء کے مقبرہ میں دفن ہوئے۔ از سیر اولیاء مولفہ حکیم مسیح الدین احمد خاں مرحوم

تیسرے ضیاء نخشبی جو نہ منکر تھے اور نہ معتقد۔ سنا گیا ہے کہ شیخ فریدؒ کے پوتے اور خلیفہ سلطان التارکین شیخ حمیدالدین ناگوریؒ کے یہ ضیاء نخشبی مرید تھے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ آپ کی وفات ۷۵۱ھ میں ہوئی۔

سلک السلوک میں ہے کہ ایک دن شیخ ناگوریؒ نے ایک لونڈی خریدی۔ پھر رات کو اس سے کہا ہمارا بچھونا بچھادو تاکہ ہم سو جائیں۔ اس لونڈی نے کہا اے آقا کیا آپ کا بھی کوئی مولیٰ و آقا ہے؟ شیخ نے جواب دیا ہاں۔ لونڈی نے پھر پوچھا کیا آپ کا مولیٰ بھی سوتا ہے؟ شیخ نے جواباً کہا نہیں جس پر لونڈی نے عرض کیا آپ کو سوتے سے شرم نہیں آتی جبکہ آپ کا مولیٰ بیدار ہے۔

بزرجمہر سے پوچھا گیا کونسا جاندار زیادہ سرکش ہے؟ تو بزرجمہر نے جواب دیا۔ انسان جس کے سامنے موت اور روشنی و دوزخ موجود ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رضوان کی بشارت دی رسولوں نے احکام خداوندی کی تعمیل کے لئے لوگوں کو بلایا اور کتب آسمانی نے لوگوں کو اپنی جانب کھینچا مگر پھر بھی یہ انسان ہی ہے جو خودسری و سرکشی پر تلا ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا سنو ایک مرتبہ حضرت موسیٰؑ کو حکم خداوندی ہوا کہ تم اپنی قوم میں سے صالح لوگوں کو غیر صالحین سے الگ کرو۔ چنانچہ موسیٰؑ نے قوم کو جمع کر کے ان سے کہا کہ تم میں سے ستر صالح لوگ علیحدہ کھڑے ہوجائیں۔ پھر حکم الٰہی ہوا کہ ان ستر میں سے صرف سات صالح لوگوں کا انتخاب کرو۔ پھر اس کے بعد حکم خداوندی ہوا کہ ان سات میں سے صرف (۳) صالح لوگوں کو چن لیا جائے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰؑ! یہ تین آدمی جو تمام میں سے خود منتخب ہو کر زیادہ صالح ہونے کا اظہار کر رہے ہیں یہ تینوں ہمارے حضور میں دوسرے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ بُرے ہیں کیونکہ انھوں نے جب یہ سنا کہ اے موسیٰؑ آپ صالح لوگوں کو پکار رہے ہیں تو یہ اُن سب میں سے نکل کر آگے بڑھ آئے۔

اے دوست یہ ایک خاص مقام ہے جو کوئی اطاعت و عبادت نہ کرے وہ اُس سے بہتر ہے جو عبادت کو فخریہ ظاہر کرے۔

مملکت شریعت میں مدعی علیہ کو سزا دی جاتی ہے اور دنیائے طریقت میں مدعی کو جیلخانہ بھیجا جاتا ہے۔

قطعہ

نخشبی تا نظر بخود نکنی مثل این کار مردہ نکند

ہرکرا سوئے خود نگہ باشد ہیچکش سوئے او نگہ نکند

ترجمہ۔(اے نخشبی جب تک تم اپنی طرف نہ دیکھو گے اس وقت تک مردوں کی طرح اس کام کو نہ کرسکو گے اور جو کوئی خود رائی کا اظہار کرتا ہے اس کی جانب کوئی نظر التفات نہیں کرتا)

میرے عزیز! پہلے کے لوگوں کو دوسروں کے جرائم سن کر بخار آجایا کرتا تھا اور تمہارے گناہوں سے خود تمہارا باطن سوختہ کیوں نہیں ہوتا؟ پرانا دستور ہے کہ موسم بہار میں لوگ عیش وعشرت میں مشغول ہو جاتے تھے۔ لیکن حضرت معروف کرخیؒ موسم بہار آتے ہی رنجیدہ و مغموم ہو جاتے اور فرماتے موسم بہار آگیا اور لوگ پھر کھیل کود میں لگ جائیں گے۔ اس کے بعد فرمایا ایک صاحب حال فقیر ایک رات مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اچانک بارش ہونے لگی۔ تو اس کے دل میں اپنے خالی کمرہ کا خیال آیا۔ اسی وقت مسجد کے ایک کونہ سے آواز آئی۔ اے درویش! تیری یہ نماز ہم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ تو اپنی لطافت واتحاد یاں اپنے گھر بھیج رہا ہے اور کثافت وگھٹ ہمارے دربار میں لارہا ہے۔ اس کے بعد فرمایا احکام شریعت دینے والے حاکم جن کی پوری دنیا محکوم و فرمانبردار ہے ان کا بیان ہے کہ کسی بلی کا غلام اس شخص سے بدرجہا بہتر ہے جو اپنے نفس کا غلام ہو۔

ایک درویش سجادہ نشیں ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے باہر آکر ہر ایک سے پوچھتے۔ مسجد جانے کا کونسا راستہ ہے؟ ایک مرتبہ ایک آدمی نے جواب دیا برسوں سے تم مسجد جاتے ہو اور اتنا نہیں جانتے کہ راستہ کونسا ہے؟ یہ سن کر اس درویش خانقاہ نشین نے کہا راستہ تو مجھے معلوم ہے لیکن جس راستہ پر ہم جارہے ہیں اس پہ محکوم ہو کے چلنا خود حاکم بن کر چلنے سے زیادہ بہتر ہے یعنی واقعہ یہ ہے کہ خود کو دوسروں کا طفیلی سمجھنا ہی بڑا کام ہے۔

سنو سنو! حضرت وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ حضرت کعب بن احبارؓ مسجد میں سب سے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے۔ لوگوں نے پوچھا آخر صف میں کھڑے ہونے کا کیا راز ہے؟ جواب دیا میں نے توراۃ میں پڑھا ہے کہ امت محمدیؐ میں ایسے لوگ ہوں گے جبکہ ان میں سے کوئی ایک بھی سربسجود ہوگا اور ابھی اس نے سجدہ سے سر اٹھایا بھی نہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیچھے والوں کی بخشش کر دے گا۔ اس لئے میں سب سے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں کہ اگلے والے کے سجدہ کے طفیل میں میرا مقصد بر آئے۔

قطعہ

نخشبے درمیاں مبیں خود را قطرۂ را چہ سیل می خوانی
ہمہ کس در طفیل تو گردد گر تو خود را طفیل کس دانی

ترجمہ۔ (اے نخشب اتم اپنی ذات کو دوسروں کی طرح نہ سمجھو تم ایک قطرہ ہو تم کو سیلاب کون کہہ سکتا ہے۔ تمام تمہارے طفیلی اس وقت بن سکتے ہیں جبکہ تم خود پہلے کسی کے طفیلی بن جاؤ)

شیخ المشائخ عبداللہ خفیف کی بیماری میں ایک طبیب آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا اے شیخ کیا بیمار ہو؟ شیخ نے جواب دیا جب جسم زائل ہو جائے تو بیماری خود بخود دور ہو جائے گی۔

محمد واسع وہ بزرگ تھے جن کی آنکھ میں یہ دسیع دخراج دنیا چیونٹی کی آنکھ سے بھی کم تر نظر آتی تھی۔ اُن کا بیان ہے اگر گناہ وجرم میں کسی قسم کی بو ہوتی تو کوئی آدمی میرے پہلو میں بیٹھ نہ سکتا۔

خواجہ ابوالحسن خرقانی فرماتے تھے جو آب رحمت سے قریب ہوا وہ غریق رحمت ہوا اور ہمارا حال یہ ہے کہ جو اس سے دور ہوا وہ سب سے دور ہو کر اس آگ کے پاس پہونچ گیا جو جلا کر خاکستر کردیگی۔

کہتے ہیں کہ ایک دن زبیدہ کے دروازے پر ایک آدمی نے آکر کہا میں زبیدہ پہ عاشق ہوں۔ اس کی اطلاع زبیدہ کو دی گئی تو اُس نے اس آدمی کو گھر میں بلا کر کہا خبردار آئندہ ایسا نہ کہنا۔ اُس آدمی نے کہا میں کسی طرح یہ کہنا نہیں چھوڑ سکتا تب زبیدہ نے کہا اچھا دو ہزار درم لے لو اور عشق کا اظہار چھوڑ دو لیکن اُس نے کہا نہیں آخر کار رقم بڑھاتے ہوئے جب دس ہزار درم تک بات پہونچی تو وہ آدمی راضی ہو گیا۔ پھر یہ کیفیت دیکھکر زبیدہ نے حکم دیا اچھا اب اس کی گردن اڑادی جائے کیونکہ یہ صرف زبانی طور پر ہماری محبت کا دعویٰ کرتا تھا اور حقیقتاً اس کو ہماری طلب نہ تھی۔

سنو سنو ! ایک بزرگ تھے جو کسی وقت بھی دائیں بائیں مڑ کر نہ دیکھتے تھے وہ جب طواف کعبہ کر رہے تھے تو انھیں کسی نے آواز دی جس پہ انھوں نے مڑ کر دیکھنا چاہا تھا کہ اچانک فضا میں سے آواز آئی جو کوئی ہمارے سوائے کسی دوسرے کی جانب متوجہ ہو تو وہ ہمارا نہیں ہے۔

اے دوست اگر ہزار سال تک اس راہ میں چلتے رہو اور پھر تمہارے دل میں آئے کہ تمہاری دعا قبول ہونا چاہیئے تو یقین کرلو کہ تم جاہ پرست ہو اور کسی طرح راہ طلب کے خواہشمند نہیں ہو۔ جو کوئی پیشاب کے راستہ آیا ہے اسے جاہ و شوکت سے کیا سروکار وہ بے چارہ تو گندہ پانی اور سڑی ہوئی مٹی سے وجود میں آیا ہے۔

سلک السلوک میں ہے مجھ جیسے ضعیف، مجھ جیسے ناکارہ و خاکسار مجھ جیسے مفلس، اور مجھ جیسے حیران و پریشان کا گریباں پکڑ کے جوانمرد اور بہادروں کے میدان کارزار میں لا کھڑا کیا گیا ہے۔ امر الٰہی ایک جانب کھینچ رہا ہے اور حکم الٰہی دوسری طرف۔ اے بھائی اس راہ میں اگر منزل مقصود تک رسائی درکار ہے تو اپنی ذات کو آدمی نہ سمجھو۔ جو لوگ کہ اطاعت و عبادت الٰہی میں تونگرو مالدار نظر آتے ہیں وہ ہر وقت اپنی ذات کو مفلس و محتاج ہی سمجھتے ہیں۔ اور جو لوگ کہ ہمیشہ کے مفلس و محتاج نہیں وہ خود کو تونگر و مالدار کس طرح کہہ سکتے ہیں؟

اے طلبگار اگر تو حقیقتاً طلب رکھتا ہے تو ان لوگوں کی روش اختیار کر جن کو اصحاب صُفہ کہتے ہیں وہ حقیقتاً دوست تھے۔ اور طلب گار تھے۔ ابراہیم کو جب منجنیق میں رکھ کر برہنہ کیا گیا تو آواز آئی اے ابراہیم یہ سب ایمان کی نشانیاں ہیں اور ایمان کھلم کھلا ظاہر ہوتا ہے۔

سنو سنو! ابراہیمؑ جب آگ کے پاس پہونچے تو آگ کو اتنا عاجز و مسکین پایا کہ خود حضرت ابراہیم کو اس آگ پر ترس آیا۔ اسی لئے تو اللہ نے جن کے لئے فرمایا ہے اگر آپ کی پیدائش منظور نہ ہوتی تو آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ وہی رسول اکرمؐ فرماتے ہیں کہ کسی کو راہ الٰہی میں اتنی تکالیف نہیں ہوئیں جتنی کہ مجھے برداشت کرنا پڑیں۔ ابراہیمؑ کو آگ میں پڑنے کی، زکریاؑ کو پارہ پارہ ہونے کی وہ سختیاں اٹھانا نہ پڑتیں جتنی کہ ہمارے سر توڑی گئی ہیں ہم کو زمین و آسمان پر مقدم رکھ کر اولاد آدم کے گناہوں کو ہمارے دامن شفاعت سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ بے راہوں کو ہماری راہ چلنا چاہیئے۔ مجرموں کو ہمارے پاس عذر خواہی کرنا چاہیئے۔ کاہلوں کے کام کے کام انجام دینا چاہیئے۔ لوگ کبھی ہم کو قاب قوسین او ادنی کی مسند پر بٹھلاتے ہیں اور کبھی ظالم ابوجہل کے آستانہ پر بھیجتے ہیں۔ کبھی شاہد و مبشر کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور کبھی جادوگر و پاگل کہتے ہیں۔ کبھی جبریل کو ہمارا رکابدار گردانتے اور کبھی بغیر اجازت نامہ کے مکہ میں نہیں جانے دیتے۔ کبھی فرشتوں کے خزانے میرے حجرہ میں لاتے اور کبھی ایک جو ابو شحمہ کے در پر بھیجتے ہیں۔ رسول اکرمؐ وہ ذات والا صفات ہیں کہ ان کے غلاموں کے غلام کبھی در خیبر ہمارے لئے فتح کرتے ہیں اور یہی ظالم لوگ خود سرور عالمؐ کے دندان مبارک کو پتھر مار کر شہید کر دیتے ہیں تاکہ دنیا والے اچھی طرح یقین کریں کہ ہمارا راستہ وہ ستم پرور راہ ہے جس میں چلنے کے لئے سر پر پاؤں رکھ کر چلو اور اگر یہ نہیں ہوسکتا تو پھر اس راہ پر چلنے کا نام تک نہ لو۔ اس راستہ کو عام رواجی رفتار کے ذریعہ طے نہیں کیا جا سکتا۔

بشر حافی جن کو سلطان سرو پا برہنہ کہتے ہیں ان کا بیان ہے مجھے سب سے زیادہ سخت

کوڑا حسن بصریؒ کی لڑکی نے مارا۔ وہ اس طرح کہ ایک دن میں حسن بصری کے گھر گیا اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اُن کی لڑکی نے پوچھا دروازہ پر کون ہے۔ میں نے کہا بشر حافی (یعنی ننگے پاؤں والا ایک آدمی) یہ سن کر اس لڑکی نے کہا اے شخص اسی راستہ سے بازار چلے جاؤ وہاں سے جوتے خرید کر اپنے پاؤں میں پہن لو۔ اس کے بعد خود کو ننگے پاؤں والا آدمی (بشر حافی) نہ کہنا۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ جنت میں دیدار الٰہی کے بعد عاشقوں کو لوٹا دیا جائے گا یا پھر یہ عاشق خود ہی لوٹ آئیں گے تو بصورت اوّل سخت ملامت ہوگی اور بصورت ثانی کیا پھر دید بارہ تجلی الٰہی ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جنت میں دیدار الٰہی کے بعد عاشقوں کو نہ تو لوٹا جائے گا اور نہ یہ خود ہی لوٹیں گے بلکہ ہر وقت ہر طرح سے جمال الٰہی میں مستغرق رہیں گے۔ اس کے جاہ و جلال کو دیکھیں گے اور پھر دیدار جمال باری عز اسمہ میں منہمک و مشغول ہو جائیں گے۔

سنو سنو! آدم کو آٹھ جنتیں دیں۔ وہ اسی دن ان سے بھاگ آیا لیکن عشق کا جو ذرہ اس میں رکھ دیا گیا تھا اس سے ہمیشہ متصل رہا۔ جی ہاں۔ آدم کی لغزش مشغولئ حق کی وجہ سے تھی اور شیطان کا گناہ دل جمعی کے سبب۔

قطعہ

نخشب از فراغ بیروں است غم دل جز چراغ دل نہ بود
دل فارغ نشاں بیکاری است عاشقان را فراغ دل نہ بود

ترجمہ۔ (نخشبی فراغت سے بلند ہو گیا ہے اس لئے کہ غم دل صرف چراغ دل کی وجہ ہوتا ہے۔ دل کو فارغ کر لینا بیکاروں کا کام ہے عاشقوں کو دل فراغت نصیب نہیں ہوتی)

حضرت رابعہ بصریہ سے لوگوں نے پوچھا کیا آپ ابلیس کو دشمن سمجھتی ہیں جواب دیا نہیں۔ پوچھا کیوں؟ تو کہا میں دوست کے خیال میں اتنی مشغول ہوں کہ دشمن کی مجھے خبر ہی نہیں۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا دنیا کس کی مانند ہے۔ جواب دیا دنیا اتنی کمتر ہے کہ اس کی مثال کسی چیز سے دی ہی نہیں جا سکتی۔ ایک شخص کسی درویش کے پاس گیا اور کہا میں کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ درویش نے جواب دیا جب میں نہ رہوں گا تو تم کس کے ساتھ رہو گے۔ اس آدمی نے کہا اس وقت خدا کے ساتھ رہوں گا۔ یہ سن کر درویش نے کہا یہ سمجھ لو کہ میں موجود نہیں ہوں اس لئے خدا کے ساتھ ابھی سے ہو جاؤ۔

ایک وقت ایک دنیا دار نے کسی درویش کے گھر سے پانی مانگا اس درویش نے بدمزہ اور

گرم پانی دیا۔ دنیادار نے کہا یہ پانی تو بدمزہ اور گرم ہے۔ درویش نے جواب دیا اے خواجہ ہم قیدی ہیں اور قیدی کبھی اچھا پانی نہیں پیتے۔

یحییٰ معاذ کو انتقال کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ عالم بالا میں آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ جواب دیا جب میں گیا تو پوچھا کہ دنیا سے کیا لائے ہو۔ میں نے کہا جیل خانے سے آرہا ہوں اور وہاں سے کیا لا سکتا ہوں۔ اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو ستر سال دنیوی جیل میں نہ رہتا۔

ایک مرتبہ چند مریدوں نے اپنے پیر سے پوچھا ہم کون سا راستہ اختیار کریں کہ اللہ تک رسائی ہو جائے۔ پیر نے جواب دیا کہ تم جس راستے سے آئے کیا اس راستے کی تمہیں خبر نہیں۔ کہتے ہیں مروت اس میں ہوتی ہے جو بے مروت لوگوں سے رنجیدہ نہیں ہوتا۔ ایک بزرگ کا بیان ہے کہ فضل و جود کی وفات پر زمین سے غم و الم چلا گیا ایک پیر طریقت کا بیان ہے دس سال تک میں آنسوؤں سے رویا اور پھر دس سال خون کے آنسو روئے اب دس سال سے مسرور ہوں۔

کسی شخص نے ابوبکر شبلیؒ[1] کو انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ منکر و نکیر کے سوال سے تم نے کس طرح چھٹکارا پایا۔ جواب دیا اگر تم وہاں ہوتے تو دیکھتے کہ وہ مجھ سے کس طرح پیش آئے۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا بتاؤ تمہارا خدا کون ہے۔ میں نے جواب دیا میرا خدا وہ ہستی ہے جس نے تم سب فرشتوں کو میرے باپ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا اور میں اس گھڑی اپنے باپ کی پیٹھ میں تم سب بھائیوں کو دیکھ رہا تھا۔ انھوں نے کہا ہم کو اس کے پاس سے چلے جانا چاہیئے کیونکہ ہم جو کچھ اس سے پوچھتے ہیں وہ اس کا جواب تمام اولاد آدم کی طرف سے دیتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ میری ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ اس وسعت میں کسی مقرب فرشتہ کو وہاں آنے کی سکت نہ تھی۔ یہ سن کر جبریلؑ شکستہ خاطر ہوئے تو ارشاد فرمایا خاطر جمع رکھو اس وقت کوئی نبی مرسل بھی نہ تھا۔ سنو سنو! جب قاب قوسین او ادنیٰ کے مکان دار عالم بالا سے واپس ہوئے تو جبریل نے پوچھا اے سرور عالمؐ جس عالم سے آپ آرہے ہیں وہاں آپ نے کیا دیکھا۔ جواب دیا اس سوال کا کیا محل ہے کہ محمدؐ تم ہی سے پوچھ رہا ہے کہ کیا دیکھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جان لیا جس نے جان لیا اور سمجھ لیا جس نے سمجھ لیا۔

---

[1] ابوالقاسم فضل بن مقتدر کے زمانے میں ابوبکر شبلی نے بعمر ۸۷ سال ۳۳۴ھ میں وفات پائی
از سیر اولیاء مرتبہ حکیم مسیح الدین احمد خاں المتوفی ۱۹۲۸ء۔

خواجہ علی سیاح کا بیان ہے مجھے صرف اتنی تمنا ہے کہ کوئی حق بات کہے اور میں سنوں یا میں حق بات کہوں اور کوئی دوسرا سنے۔ ایک مرتبہ ایک منکر نے حسن بصریؒ سے پوچھا کہ آپ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ جواب دیا' دشمنِ خدا۔ اس نے پھر پوچھا آپ اپنے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ جواب دیا۔ خدا کا دوست۔ اس منکر نے کہا صرف اس نام پر مغرور رہنا ایک مرتبہ میرے گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام خالد رکھا۔ اور خالد کے معنی ہمیشہ رہنے والا۔ اول ہی سے وہ تونگر و مال دار تھا۔ سرمایہ داری کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) جسمانی تکلیف (۲) مشغولیٔ دل (۳) دین کا نقصان اور (۴) قیامت کا حساب۔ اور درویشوں کو درویشی سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ (۱) آسائش تن (۲) فراغتِ دل (۳) سلامتی دل اور (۴) قیامت سے خلاصی۔

اے فقیر ایک دن تو صبح سے شام تک اپنے نفس سے جنگ کر تاکہ یہ چار چیزیں ظاہر ہو جائیں۔ مرد وہ ہیں جو اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں اور ایسی جنگ کرتے ہیں جس کے لئے کوئی صلح نہیں ہو سکتی۔ اے میرے عزیز جو کوئی اپنے نفس سے ہمیشہ احتساب کرتا ہے تو تمام غیر غلط دعوے چھوڑ دیتا ہے اور سب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ سنو سنو! ایک وقت ایک بنیا جس کی ترازو کا ایک پلڑا آسمان کی طرف جا رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے ایک آدمی کو شیر پر سواری کرتے دیکھا جو سانپ کا کوڑا بنائے شیر کو مار رہا تھا۔ یہ دیکھ کر بنیئے نے کہا یہ کام بڑا آسان ہے اور اصلی کام تو یہ ہے کہ ترازو کے دو پلڑوں کے بیچ میں بیٹھ کر حق کام انجام دے۔ ابراہیم ادہمؒ اکثر کہا کرتے ہم اکثر فقیر کی طلب میں باہر آتے ہیں اور مالدار لوگ ہمارے سامنے بڑھ آتے ہیں۔ ایک وقت ایک شخص کہتا تھا میں یہ جانتا ہوں کہ پوری دنیا مٹ جائے گی اگر میں یہاں آبادی کروں تو آخر ایک نہ ایک دن میرے کام پر کوئی مانع ہوگا اور کہے گا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ دنیا کی آبادی تو مذہبی جوانمردوں کا کام ہے جب دیندار کم ہو جائیں تو تم کہو کہ دنیا خراب ہوگئی۔

خواجہ جنیدؒ[1] کو خواب میں دیکھ کر لوگوں نے کہا آپ نے اپنا کام کہاں تک پہنچایا۔ جواب دیا دنیاوی کاموں کا جو ہم اندازہ کرتے ہیں اس سے عشق کا کام زیادہ سخت ہے۔ سنو سنو ایک صالح پرہیزگار نے چاہا بازار جائے اور کچھ خریدے اس نے ایک اشرفی کا اپنے گھر میں وزن کیا پھر بازار جا کر

---

[1] بزمانہ خلافت ابوالفضل جعفر بن معتمد ۲۹۷ھ میں وفات پائی۔ بغداد میں قبر ہے۔ بحوالہ نفحات۔

اس کا وزن کیا گیا تو گھر کے وزن سے کم نکلا۔ وہ صالح آدمی رونے لگا۔ لوگوں نے پوچھا کیوں روتے ہو جواب دیا آج گھر کا ماجرا بازار میں ہو رہا ہے جو ٹھیک بات نہیں ہے۔ اور کل قیامت کے دن جب دنیا کا ماجرا پیش ہو گا تو کیسے راست آئے گا۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ ضیاء الدین سنامی

دیانت و تقوی میں مقتدائے وقت تھے۔ احکام شریعت پر سختی سے پابند تھے۔ محبوب الٰہیؒ کے

پیدائش۔ ۶۱۱ھ ـــــ وفات ـــــ ۷۰۹ھ ہمعصر تھے۔ محبوب الٰہیؒ سے ہمیشہ قوالی کی بابت احتساب کرتے اور محبوب الٰہیؒ حضرت خواجہ سنامی کی تعظیم میں کوئی فروگذاشت نہ کرتے تھے نصاب الاحتساب آپ کی مشہور کتاب ہے جو دقائق وقواعد احتساب کے ساتھ مختلف قسم کی بدعتوں کے خلاف احکام سنت کے پیش نظر آپ نے تصنیف کی ہے۔

حکایت ہے کہ خواجہ سنامی کے مرض موت میں محبوب الٰہیؒ عیادت کے لئے گئے۔ تو خواجہ سنامی نے اپنا صافہ محبوب الٰہیؒ کے قدموں میں ڈال دیا۔ محبوب الٰہیؒ نے اسے اٹھا کر سر پر رکھا اور آنکھوں سے لگایا۔ پھر جب محبوب الٰہیؒ خواجہ صاحب کے سامنے بیٹھ گئے تو خواجہ صاحب نے آپ سے آنکھیں چار نہ کیں۔ محبوب الٰہی جب وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئے تو پھر رونے کی آواز گھر میں سے آئی کہ خواجہ سنامی وفات پا گئے محبوب الٰہیؒ نے بے انتہا افسوس کیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور کہا شریعت کی حامی ایک ہستی تھی افسوس کہ اب وہ بھی نہ رہی۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا جلال الدین اودھی

زہد، پرہیزگاری، ترک موصیت، تجرد اور گوشہ نشینی کی صفتوں سے موصوف اور تمام لوگوں کے نزدیک

پیدائش ۶۵۹ ـــــ وفات ـــــ ۷۳۸ھ معظم و مکرم تھے۔ ایک مرتبہ محبوب الٰہیؒ کے دوستوں کو جن کی زندگی مطالعہ کتب اور بحث و مباحثہ میں گذری تھی اشتیاق ہوا کہ وہ مولانا جلال الدین اودھی سے کچھ علم حاصل کریں۔ اور طے یہ باہمی یہ قرار پایا کہ مولانا کے پیر و مرشد سے عرض کر کے اس کی اجازت حاصل کرلیں۔ مولانا نے جب پیر و مرشد کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کیا تو پیر و مرشد سمجھ گئے کہ یہ سب انہیں لوگوں کی خواہش ہے۔ فرمایا میں کیا کروں۔ مجھے تو ان سے کچھ اور ہی کام لینا ہے اور یہ پیاز کی طرح پوست در پوست ہیں کہ کھلتے ہی نہیں۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے

خواجہ موئید الدین کرئیؒ

پیدائش ۔ ۶۶۸ ــــ وفات ــــ ۷۲۶ھ

ابتداءً دنیاوی کاموں میں مشغول تھے بادشاہ اور شہزادہ کے یار غار تھے۔ سلطان علاؤ الدین خلجی کے اُس زمانہ میں جبکہ وہ بطور رئیس کرہ کا جاگیردار تھا خواجہ صاحب اس کے پاس کارہائے نمایاں سرانجام دیتے تھے۔ آخرکار شیخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید ہوئے اور اپنی مرضی سے دنیاداری چھوڑ دی۔

جب سلطان علاؤ الدین خلجی سریر آرائے سلطنت ہوا تو اُس نے پھر خواجہ مؤید الدین کرئی کو یاد کیا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ خواجہ دنیاداری چھوڑ کر شیخ کے مرید و آستان بوس ہو گئے ہیں تو اُس نے شیخ کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ شیخ ازراہ کرم خواجہ مؤید الدین کرئی کو اجازت دے دیں تاکہ وہ ہمارے کام میں ہاتھ بٹائیں۔ شیخ نے جواب دیا کہ خواجہ کو ایک دوسرا ہی کام پیش آ گیا ہے جس کی تیاری کر رہا ہے یہ بات شاہی چوبدار کو ناگوار ہوئی اور اس نے کہا اے شیخ! آپ سب سے وہی کام لینا چاہتے ہیں جو خود کر رہے ہیں تو شیخ نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا اپنی طرح کیا معنی، اپنے سے زیادہ بہتر کرنا چاہتا ہوں۔ سلطان یہ ماجرا سن کر خواجہ سے دست بردار ہو گیا۔

خواجہ کرئی کا مزار بھی شیخ نظام الدین اولیاؒ کی پائیں میں ہے اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے

شیخ نظام الدین شیرازی

پیدائش ۶۴۱ھ ــــ وفات ــــ ۷۲۱ھ

آپ کا ظاہر و باطن عمدہ صفات اور بلند اوصاف سے آراستہ تھا۔ تصوف کی راہ و رسم بخوبی جانتے تھے۔ قوالی سے والہانہ محبت تھی۔ تقریر و توجیہ کرنے میں ممتاز تھے۔ حرمین شریفین کی زیارت کی سعادت حاصل کی تھی۔ محبوب الٰہی کے بڑے دوستوں میں بے حد مقبول، اور خود شیخ کی نظر میں مخصوص وملحوظ ومحفوظ تھے۔

سلطان علاؤ الدین والی دلّی[1] میں آپ کا اسی مقام پر مزار ہے جہاں آپ رہا کرتے تھے آپ اپنے گھر کے پاس ہی مدفون ہوئے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ شمس الدین دھاری

پیدائش ۶۴۱ ــــ وفات ــــ ۷۳۲ھ

ابتدائی زمانہ میں سرشتہ مال کے ملازم تھے لیکن پھر توبہ کر کے شیخ نظام الدین اولیاؒ

---

[1] سلطان علاؤ الدین والی دلّی کا کچھ درمیانی علاقہ مہرولی کہلاتا ہے اور شیخ کے زمانہ میں بھی مقام وسط شہر دہلی تھا۔

کے مرید ہوئے اور شیخ کے ملفوظات کو ایک کتابچہ کی صورت میں جمع کیا۔ ایک دن موقع پاکر پیر و مرشد سے عرض کیا اگر اجازت ہو تو آنے جانے والوں کے لئے ایک کمرہ تعمیر کرا دیا جائے۔ ارشاد ہوا یہ کام بھی اُس سے کم نہیں جسے تم چھوڑ کر آئے ہو۔ شیخ شمس الدین دہاری کا مزار ظفر آباد میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ احمد بدایونی

تجرد کی زندگی بسر کی۔ ابدال صفت تھے۔ قوالی میں بیقرار ہو جاتے مصنف سیر الاولیاء[1] کا بیان ہے ایک دن میں نے ان بزرگ شیخ احمد بدایونی سے پوچھا خوش تو ہیں؟ جواب دیا خوشی صرف یہی ہے کہ روزانہ پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتا ہوں۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

پیدائش ۶۶۱ - وفات ۷۰۹ھ

مولانا حمید

قلندر شاعر تھے۔ خیر المجالس کے مصنف اور محبوب الٰہی کے مُرید تھے۔ کبھی کبھی اپنے والد کے ساتھ حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں حاضری سے شرف اندوز ہوتے تھے۔ محبوب الٰہی کے بعض خلفاء سے اپنی استعداد و قابلیت کے موافق استفادہ کیا اگرچہ آپ کے اشعار اس پایہ کے نہیں کہ آپ کو شاعر کہا جا سکے لیکن شاعر کے نام سے مشہور ہوئے لیکن زیادہ تر حمید قلندر کے نام سے مشہور رہے۔ پہلے پہل مولانا برہان الدین غریب کی خدمت میں رہے اور اُن کے ملفوظات جمع کئے۔ پھر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کی خدمت میں حاضر رہ کر آپ کے ملفوظات جمع کر کے اُن کا نام خیر المجالس رکھا۔ اس کتاب کی تالیف ۷۵۵ھ میں شروع ہوئی اور ۷۵۶ھ میں یہ ملفوظات مکمل طور پر جمع کر لئے گئے اس خیر المجالس میں ہے کہ ایک دن مجھ (حمید) سے شیخ چراغ دہلوی نے فرمایا ہم تمہیں قلندر کہیں یا صوفی۔ قلندر اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ تم ابھی طالب ہو اس پہ خادم نے ... ایک مرتبہ شیخ نظام الدین اولیاء کا دستر خوان بچھا ہوا تھا۔ آپ کے افطار کرنے کے بعد کھانا کھانے وقت ایک روٹی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا اپنے آگے رکھ لیا اور ایک اس خادم کے سامنے بڑھا دیا چنانچہ خادم نے وہ آدھی روٹی اٹھا کر اپنی آستین میں رکھ لی۔ جب وہاں

پیدائش ۶۸۴ھ وفات ۷۵۷ھ

---

[1] جسے سید محمد بن سید مبارک بن سید محمد بن سید محمود کرمانی نے تصنیف کیا ہے جس میں محبوب الٰہی کے ملفوظات جمع کیے ہیں یہ سید محمود اور آپ کے آباؤ اجداد سب کے سب محبوب الٰہی کے رشتہ دار بھی تھے۔

سے اٹھ کر باہر آیا تو قلندروں نے مجھے گھیر لیا اور کہا اے شیخ زادہ! ہمیں کچھ دو۔ میں نے کہا میرے پاس کیا رکھا ہے قلندروں نے کشف کے ذریعہ کہا وہ آدھی روٹی جو شیخ نے دی ہے وہ ہمیں دیدو۔ خادم اس وقت کمسن تھا۔ حیران رہ گیا کہ انھوں نے کیسے معلوم کرلیا۔ ان میں سے تو کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔ مجبوراً میں نے وہ آدھی روٹی اپنی آستین سے نکال کر ان قلندروں کو دیدی۔ سب قلندر وہیں کیلوکھری کی مسجد کے قریب ایک گھر کی دہلیز پر بیٹھ گئے اور اس آدھی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے سب کھا گئے۔ اسی اثنا میں خادم کے والد صاحب محبوب الٰہی کے پاس سے باہر آئے اور فرمایا وہ روٹی کیا کی۔ میں نے کہا قلندروں کو دیدی۔ یہ سن کر والد صاحب نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا اور افسوس کرتے ہوئے کہا ان شوریدہ با لوگوں کو کیوں دیدی وہ تو ایک نعمت تھی۔ اور فوراً ہی شیخ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں واپس گئے۔ محبوب الٰہی کو اصل معاملہ معلوم ہی تھا چنانچہ فرمایا مولانا تاج الدین! خاطر جمع رہو تمہارا یہ لڑکا قلندر ہوگا۔ تب کہیں والد صاحب کے دل کو قرار آیا۔ چونکہ حضرت شیخ نظام الدین نے مجھے قلندر کہا ہے اس لئے آپ محترم بھی مجھے قلندر کہتے ہیں۔ شیخ چراغ دہلوی نے یہ قصہ سن کر فرمایا مجھے معلوم نہ تھا کہ تم حضرت محبوب الٰہی کے مرید ہو۔ آؤ گلے مل لو۔ چنانچہ خادم آگے بڑھا اور چراغ دہلوی نے بڑی محبت سے مجھے گلے لگایا۔ اور آپؒ سے مجھے بے انتہا برکتیں حاصل ہوئیں۔ الحمد للہ رب العالمین کتاب خیر المجالس کی نویں مجلس حضرت خواجہ چراغ دہلوی سے شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ آپ اس وقت حال میں تھے۔ مجھ سے فرمایا کیا لکھ رہے ہو؟ پھر فرمایا اس مضمون کو باندھو کبھی صوفی کبھی قلندر یہ کہا ہے۔ چنانچہ میں خادم (حمید) نے برجستہ کہا۔

مصرعہ

گاہ صوفی گہہ قلندر چیست

ارشاد ہوا دوسرا مصرعہ بھی کہو میں نے عرض کیا۔

چون قلندر شوی قلندر باش

کچھ سوچتے رہے اور پھر فرمایا۔ کیا لکھ رہے ہو اس کے بعد فوراً ہی فرمایا۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں کہ تمہیں نصیحتیں کروں اور تمہارے پاس اتنا وقت کہاں کہ تم قلندر بنو۔ بغیر جمال الٰہی مشغول یاد الٰہی رہو۔ جاؤ گوشہ گیری اختیار کرو۔ تم نے جس شخصیت کی پیروی اختیار کی ہے وہ اُن میں سے تھے جن کو داڑھی بھی گراں گذری اور وہ اُسے کاٹ کر جنگل بیابان میں نکل گئے۔ اس کے بعد

حضرت چراغ دہلوی نے قبلہ رو ہو کے آسمان کی طرف چہرہ کرتے ہوئے بہ عالم حیرانی یہ پڑھا۔

شعر

در عشق چہ جائے خانہ داری است
مجنون شو و کوہ گیر و بخروش

ترجمہ۔ (عشق کے باوجود خانہ نشینی کیسی؟ مجنوں بن کر پہاڑوں پر نکل جاؤ اور خوب نالہ و فریاد کرو)

خادم (حمید شاعر قلندر) کے دل پر اس شعر و کیفیت نے بڑا اثر کیا۔ لیکن فوراً ہی میں نے عرض کیا۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا کمال یہ ہے کہ لوگوں میں رہتا ہوں۔ کپڑے پہنتا ہوں۔ اور حصول علم کی کوشش کر رہا ہوں۔ یہ سُن کر حضرت چراغ دہلوی بحر تفکر میں غرق ہو گئے پھر سر اٹھا کر ایک آہ کھینچی آپ کے آنسو بہہ رہے تھے اسی حالت میں فرمایا اگر میرے پیر و مرشد شیخ نظام الدینؒ[1] اولیاء کا فرمان نہ ہوتا کہ شہر میں رہ کر لوگوں کی خفگی و ظلم برداشت کرو تو کہاں میں اور کہاں شہری آبادی میں کوہ و دشت کی طرف نکل جاتا۔ پھر دوبارہ یہی شعر پڑھا۔

شعر

در عشق چہ جائے خانہ داری است — مجنوں شو و کوہ گیر و بخروش

یہ سُن کر خادم پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ چنانچہ میں فوراً ہی باہر آ گیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ سوچا کہ مقام خضر میں جا کر مشغول حق ہو جاؤں وہ فرحت بیز اور دل کشا مقام جمنا کنارہ ہے۔ جہاں اکثر درویشوں نے حضرت خضرؑ سے ملاقات کی ہے۔ پھر خیال آیا کہ وہاں سے نماز جمعہ کے لئے آنا دشوار ہو گا۔ اس لئے کیلو کھری چلا جاؤں جہاں میرا مکان جمنا کنارہ ہے وہاں پدر بزرگوار مولانا تاج الدین صاحب بھی ہیں، جو بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ یہ مقام اچھا رہے گا کیونکہ یہاں سے شیخ چراغ دہلوی کی خدمت میں بھی حاضری دے سکوں گا۔ پھر دل میں خیال آیا کہاں جاؤں یہ سب اندرون شہر ہی ہیں۔ میں نے شیخ چراغ دہلوی کے ملفوظات فوائد لکھنا شروع کئے۔ اگرچہ میں انھیں اچھی طرح قلمبند نہ کر سکا لیکن اپنی فہم کی حد تک مرتب کیا۔ پھر میرے دل میں آیا کہ یہ غیر مکمل فوائد شیخ کچھ زیادہ سود مند نہ ہوں گے۔ غرضکہ چار دن اسی لیت و لعل میں گذرنے کے بعد میں احرام باندھ کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے بہت سے فوائد بیان فرمائے بلکہ گذشتہ بھی دھرائے الحمد

[1] جن کے پیر و مرشد شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر تھے۔

للہ رب العالمین۔

اٹھارویں مجلس شرف قدمبوسی حاصل کرنے کے بعد اس خادم نے عرض کیا شہر میں خادم کا دل پیرو مرشد محبوب الٰہی کے مزار پر لگتا ہے اور اُس کے بعد آپ کی مجلس میں۔ اس پہ چراغ دہلوی نے فرمایا۔

تا راہ نرونہ بمنزل نرسند

ترجمہ۔ (جبتک راستہ نہ چلیں گے منزل پر نہ پہونچیں گے) جو شخص منزل پہ پہونچنا چاہتا ہو لیکن بیٹھا رہے تو وہ ہرگز منزل پہ نہیں پہونچ سکتا۔ حصول منزل کے لئے مجاہدہ شرط ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔ ترجمہ:۔ (جنھوں نے ہمارے لئے مجاہدہ کیا انھیں ہم نے اپنے راستے دکھائے) پھر فرمایا مجاہدہ کرنے سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ غیر اللہ سے دل پھر کر اور اغیار سے منحرف ہو کر صرف اللہ کی اطاعت میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا لا الہ الا اللہ ایک سربستہ راز ہے۔ غیر اللہ سے دل کو پھیرنا یہ نفی ہے اور طاعت الٰہی میں منہمک ہو جانا یہ اثبات ہے۔ یہ سُن کر خادم نے عرض کیا اے خواجہ! یہ غلام صرف تھوڑی سی مشغولیت رکھتا ہے۔ ہمیشہ روزے رکھنا میرے لئے ناممکن ہے موسم گرما میں دلی کی آب و ہوا معلوم ہے آگ برستی ہے۔ دم بدم پیاس لگتی ہے اس پہ فرمایا اگر روزے نہیں رکھ سکتے تو کھانا کم کردو۔ اس کے بعد پوچھا شغل کہاں کرتے ہو گھر میں یا کہیں باہر؟ میں نے عرض کیا گھر میں جہاں اگرچہ مزاحمت اور دیگر کام ہوتے ہیں لیکن میرے کام میں کوئی مانع در پیش نہیں ہوتا۔ جب دل گرفتہ ہو جاتا ہوں تو باغ یا جنگل میں ایسے درخت کے نیچے جا بیٹھتا ہوں جہاں مجھے کوئی نہ دیکھ سکے اور میں بھی کسی کو دیکھ نہ سکوں۔ ارشاد فرمایا تو پھر تم اپنے ساتھ قلم دوات کاغذ لے جاتے ہو اور شعر و غزل کہنے میں مشغول ہو جاتے ہو۔ ہم اس کام کو مشغولیت نہیں کہتے بلکہ مشغولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ خادم نے عرض کیا جی ہاں یہی بات ہے جو آپ بذریعہ کشف فرما رہے ہیں اگر کوئی نظم یاد آجاتی ہے تو لکھ لیتا ہوں اس کے بعد خود کو اصلی حالت پہ لے آتا ہوں۔ یہ سن کر شیخ چراغ دہلوی نے فرمایا اگر خود کو اصلی حالت پہ لا سکتے ہو تو اچھا ہے ورنہ شعر گوئی سے بدتر حجاب و مانع اور کوئی چیز نہیں ہے

اُنتیسویں مجلس شرف قدمبوسی حاصل ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ شیخ چراغ دہلوی رح کے خُدام نے لوگوں کے ہاتھ دُھلانا چاہے تھے کہ مجلس سے ایک قلندر اٹھ کر جانے لگا۔ شیخ نے اُسے کئی مرتبہ بلند آواز دی درویش درویش کیوں جارہے ہو؟

لیکن قلندر نے ایک نہ سنی اور تیزی سے نکل کر باہر چلا گیا۔ شیخ نے خادموں کو دوڑایا اُن کے پہونچنے تک یہ قلندر باہر کے دروازہ تک جا پہنچا تھا کہ خدام نے اس کا ہاتھ پکڑ کے عذر معذرت کی اور اُسے واپس لے آئے واپسی پر یہ قلندر اپنی پہلی والی جگہ پر بیٹھنے کے بجائے مجھ خادم حمید کے داہنی جانب ذرا اوپر ہو کر بیٹھ گیا تو شیخ چراغ دہلوی نے فرمایا ایک مرتبہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کی خانقاہ میں ایک قلندر آیا۔ شیخ گنج شکر اپنے کمرہ کے اندر یادالٰہی میں مشغول تھے شیخ کا دستور تھا کہ جب اپنے کمرہ میں جاتے تو اندر سے دروازہ بند کر لیتے پھر وہاں کوئی اور نہ جا سکتا۔ قلندر آکر شیخ کی کمبل والی نشست خاص پر بیٹھ گیا۔ شیخ کے خادم خاص بدرالدین اسحٰق نے ادب لحاظ کی خاطر کچھ نہ کہا بلکہ تھوڑا سا کھانا لاکر اس قلندر کے سامنے رکھدیا۔ قلندر نے کہا پہلے میں شیخ سے ملوں گا پھر کھانا کھاؤں گا۔ جس پر بدرالدین اسحٰق نے کہا شیخ کمرہ کے اندر یادالٰہی میں مشغول ہیں اور وہاں جانے کی کسی کو اجازت بھی نہیں ہے۔ آپ پہلے کھانا کھائیے پھر آپ کو شیخ کے پاس لے چلوں گا۔ چنانچہ قلندر نے کھانا کھایا اس کے بعد وہ گھاس جو قلندر کھایا کرتے ہیں اپنی جھولی میں سے نکال کر اپنے کشکول میں رگڑنا شروع کی جس کے کئی قطرے شیخ کے سجادہ پر گرے یہ دیکھ کر بدرالدین اسحٰق آگے بڑھے اور کہا بس کیجئے۔ یہ سنتے ہی قلندر برافروختہ ہو گیا اور بدرالدین اسحٰق کو مارنے کے لئے اپنا کشکول اٹھایا۔ اتنے میں شیخ اندر سے بھاگتے ہوئے آئے اور قلندر کا ہاتھ پکڑ کے کہا اے قلندر مجھے بخش دو جس پر قلندر نے کہا درویش ہاتھ نہیں اٹھاتے اور جب ہاتھ اٹھا لیتے ہیں تو پھر نیچا نہیں کرتے" اس پر شیخ نے فرمایا مجھے اس دیوار پر مارو چنانچہ قلندر نے اپنا کشکول دیوار پر دے مارا جس سے وہ دیوار گر پڑی یہ حکایت بیان کرنے کے بعد شیخ چراغ دہلوی نے فرمایا عام لوگوں میں ایک خاص بھی ہوتا ہے۔ پھر یہ حکایت سنائی کہ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا رح جب بغداد سے اپنے پیرو مرشد شیخ شہاب الدین سہروردی کے پاس سے لوٹ رہے تھے تو دوران سفر میں ایک جگہ قیام کیا۔ جہاں کوئی سرائے نہ تھی اس لئے ایک مسجد میں ٹھہر گئے۔

قلندر بھی وہاں جمع ہو گئے۔ رات کو جب شیخ ذکرالٰہی میں مشغول ہوئے تو انھوں نے ایک قلندر کو دیکھا جو سر سے پاؤں تک نور میں ڈوبا ہوا تھا۔ شیخ اس کے پاس گئے اور کہا" اے مردِ خدا! تو ان لوگوں میں کیسے رہتا ہے۔ قلندر نے جواب دیا اے زکریا تاکہ معلوم ہو جائے کہ عام لوگوں میں ایک خاص بھی رہتا ہے جس کی وجہ سے عوام کی بخشش ہوتی ہے۔ اس کے بعد شیخ نے

فرمایا یہ قلندر جس نے اتنی قوت حاصل کرلی تھی یہ مفتیٔ وقت تھا۔ شیخ جمال ساوجی نے اسے اپنی کتاب میں "رواں" لکھا ہے مشکل ترین فتوے ان کے پاس آتے اور یہ کوئی کتاب دیکھے بغیر فوراً جواب دیتے تھے۔ اسی زمانے میں ایک اور بزرگ تھے جن کا نام نہیں بتایا گیا ان کے پاس آہن پوش آتے اور آہن پوش کوئی لباس اور خرقہ نہیں پہنتے۔ بلکہ کمبل کا ایک لنگوٹ باندھتے ہیں۔ اس کے سوائے ان کے پاس کوئی دنیاوی چیز نہیں ہوتی۔ یہ بزرگ جب، آہن پوشوں کے مجمع سے واپس آئے تو کہا "کسقدر یہ لوگ آزادی کے متوالے ہیں۔ چنانچہ ان بزرگ اور شیخ جمال الدین ساوجی نے اسی مجمع میں کہا میں اسی وقت جو انمراد ہوسکتا ہوں جبکہ ان سے زیادہ قوت ظاہر کردکھاؤں۔ نمعلوم قبولیت دعا کا کونسا وقت تھا جبکہ ان بزرگ نے یہ کلمات ادا کئے تھے۔ غرض کہ مجلس برخواست ہوتے پر شیخ کا یہ حال ہوا کہ سب سے کنارہ کش ہو گئے اس کے بعد ان کو داڑھی بھی گراں گزرنے لگی جسے ترشوایا اور گودڑی پہن کر قبرستان میں قبلہ رو حیران و پریشان آسمان کی طرف منہ اٹھائے جا بیٹھے۔ لوگوں نے یہ خبر اُن بزرگ کو دی تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت قبرستان آئے اور دیکھا کہ شیخ قبر میں منہ کھیلے آسمان کی طرف چہرہ کئے پریشان حال بیٹھے ہیں۔ یہ دیکھکر انھوں نے ارزیز[ل] پگھلا کر پلادیا اور شیخ فوراً ہی ہوش میں آگئے اور کہا "سبحان اللہ نہایت ہی ٹھنڈا پانی تھا" اس پر عقلمندوں نے بحث کی ہے۔ اور کہا کہ آپ نے داڑھی کترواکے شریعت کی خلاف ورزی کی ہے۔ اس کے جواب میں شیخ نے اپنا سر اپنے خرقے میں ڈالکر نکالا تو چہرہ پر پوری داڑھی موجود تھی پھر شیخ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اتنی بھی سفید داڑھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے بعد سب لوگ تو چلے گئے لیکن قلندر شیخ کے پاس ٹھیر گیا۔ والحمدللہ رب العالمین۔

شیخ حُسام الدین

آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ غائب ہوگئے اور ابدال کی صحبت میں پیوست ہوگئے۔ قدس سرہٗ

پیدائش۔ ۱۳۱۴ھ ۔۔۔ وفات ۔۔۔ ۹۳۲ھ

شیخ حُسام الدین سوختہ

شیخ فخرالدین ابن شیخ الاسلام معین الدین چشتی سنجری کے صاحبزادے تھے

پیدائش۔ ۶۲۲ ۔۔۔ وفات ۔۔۔ ۷۴۱ھ آتش محبت میں سوختہ اور ناوک الفت

ل ارزیز پہلوی زبان میں رانگ کو کہتے ہیں۔

کے اسیر محبوب الٰہی کی صحبت سے فیض پایا۔ آپ کا مزار سانبھر میں مغرب کی طرف اجمیر کی سمت میں ہے۔

آپ کے پدر بزرگوار نے آپ کا نام اپنے گمشدہ بھائی شیخ حسام الدین بن خواجہ معین الدین کے نام پر رکھا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی جو سید حسین خنگ سوار کے چچا تھے جن کا مزار اجمیر کے قلعہ کے بالائی حصے پر ہے جن کا نام بی بی عصمت تھا۔ اور دوسری کنیز تھیں جن کا نام امۃ اللہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ خواجہ صاحب بوڑھے ہو گئے تھے اور شادی نہیں کی تھی کہ ایک رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے معین الدین تو میری شریعت کا مددگار ہے لیکن تو نے میری سنت چھوڑ دی ہے۔ اتفاقاً اسی رات قلعہ نبیلی کا حاکم جس کا نام ملک خطاب تھا اس خطہ کے کافروں پر حملہ آور ہوا۔ راجہ کی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی اس کے ہاتھ آئی ملک خطاب خواجہ صاحب کا مرید بھی تھا۔ اس نے راجکماری خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کی تفصیل کے لئے دیکھو تاریخ بلاد جانی۔ سید وجیہ الدین مشہدی کی صاحبزادی بڑی ہی عفت و عصمت مآب تھیں اگرچہ سیانی ہوگئی تھیں لیکن خاندانی لڑکا نہ ملنے کی وجہ کنواری بیٹھی تھیں۔ سید صاحب نے ایک رات امام جعفر صادقؑ کو خواب میں دیکھا جنھوں نے فرمایا اے بیٹا وجیہ الدین سنو! رسول اکرمؐ نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیٹی کو خواجہ معین الدین حسن سجزی کے حوالے کر دو۔ اور ان کے نکاح میں دیدو۔ چونکہ سید صاحب بھی خواجہ صاحب کے متوسلین میں سے تھے انھوں نے یہ واقعہ خواب خواجہ سے کہا تو خواجہ صاحب نے جواباً کہا بابا وجیہ الدین! میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور مرنے کے قریب ہوں لیکن چونکہ سرور عالمؐ کا فرمان مبارک ہے اس لئے تعمیل کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔

دونوں بیویوں سے اولاد ہوئی۔ راجہ کی بیٹی سے بی بی جمال پیدا ہوئیں جو حافظ قرآن کریم تھیں۔ راجہ کی بیٹی کا نام بی بی جمال نہیں تھا جیسا کہ مشہور ہے بلکہ راجہ کی نواسی بی بی جمال تھیں جو خواجہ اجمیری کی صاحبزادی تھیں۔ جن کا مزار بھی خواجہ صاحب کی پائیں میں ہے جن کے خاوند شیخ رضی تھے ناگور کے ایک گاؤں میں مندلا حوض پر ان کا مزار ہے خواجہ صاحب کی بیٹی بی بی جمال کے دو بیٹے ہوئے لیکن بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔

خواجہ صاحب کے تین بیٹے تھے۔ شیخ ابو سعید شیخ فخر الدین اور شیخ حسام الدین شیخ ابو سعید تو سید وجیہ الدین کے نواسے تھے۔ باقی شیخ فخر الدین اور شیخ حسام الدین کے بارے

میں اختلاف ہے سید محمد گیسو دراز (صاحب گلبرگہ) اور کچھ درویشوں کا بیان ہے کہ یہ دونوں بی بی عصمت یعنی سید وجیہ الدین کی بیٹی کے بیٹے ہیں اس کے علاوہ سید شمس الدین ظاہر اور کچھ درویشوں کا بیان ہے کہ ان دونوں کی والدہ کا نام بی بی امتہ اللہ تھا جو راجہ کی بیٹی تھی۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

خواجہ معین الدین خُرد

حضرت معین الدین چشتی کے پوتے یعنی شیخ حسام الدین سوختہ کے

پیدائش ۷۰۲ھ ــــ وفات ــــ ۷۶۱ھ بیٹے تھے۔ چونکہ آپ کا نام بھی معین الدین تھا اس لئے بزرگ کی نسبت سے آپ کو خُرد کہتے ہیں اور یہی تعریف آپ کے لئے بہت کافی ہے کہ آپ کامل درویش تھے مُرید ہونے سے پہلے ہی اتنا ریاضت و مجاہدہ کیا تھا کہ بغیر کسی واسطہ کے خواجہ معین الدین چشتی سے راست فیض حاصل کیا کرتے تھے۔ آخر کار خواجہ صاحب کے حکم پر شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے مُرید ہوئے اور خرقہ خلافت اُن سے حاصل کیا۔

شیخ حسام الدین سوختہ کے چھوٹے صاحبزادہ شیخ قیام بایزید بڑے خوبصورت، بہادر، جیوٹ، اور پُرعظمت تھے خواجہ معین الدین خرد اور شیخ قیام الدین کے اولاد بکثرت ہے۔ مندو میں جو چشت خان کا مقبرہ ہے وہ بھی خواجہ معین الدین خُرد ہی کی اولاد میں سے ہیں گرچہ ان کا نام شیخ قطب الدین تھا لیکن محمود خلجی نے ان کو چشت خان کا خطاب دیکر دو ہزار سواروں کا سردار مقرر کیا تھا۔ سلطان محمود خلجی نے جب اجمیر پر اسلامی پرچم لہرایا تو اجمیر کو چشت خان کے حوالہ کرنا چاہا لیکن آپ کے متعلقین قرہ کلان مندو میں مقیم تھے اس لئے چشت خان نے اجمیر کی حکومت قبول نہیں کی۔ شیخ قیام الدین بایزید کی اولاد میں شیخ بایزید بزرگ بھی ہوئے جو نہایت عقلمند و سمجھدار تھے اور خواجہ کے روضہ میں تعلیم دیا کرتے تھے شیخ احمد مجید اور دوسرے حضرات بھی آپ ہی کے شاگرد تھے۔

خواجہ چشت کے فرزندوں میں سے جن صاحبزادہ کی بابت جھگڑے مشہور ہیں وہ بھی شیخ بایزید بزرگ ہیں۔ جھگڑے کا خلاصہ واقعہ یہ ہے کہ جب دار السلطنت دہلی میں بربناء شورش حکومت کمزور ہوگئی جس کے نتیجہ میں اجمیر پر کافروں کا غلبہ ہوگیا تو خواجہ چشت کی اولاد میں سے خواجہ معین الدین خرد (خواجہ چشت کے پوتے جو شیخ حسام الدین سوختہ کے فرزند تھے) مندو چلے گئے۔ اور وہاں سکونت اختیار کرلی اور (شیخ حسام الدین سوختہ کے دوسرے فرزند) شیخ قیام الدین بایزید گجرات جاکر حصول تعلیم میں مشغول ہوگئے۔ اور شیخ بایزید بزرگ بغداد جاکر حصول علم میں منہمک ہوگئے۔ سلطان محمود خلجی

نے آخر کار ایک عرصہ کے بعد اجمیر پر پھر اسلامی پرچم لہرایا اور اس خطہ و شہر کے کافروں پر فتح حاصل کرلی اسی زمانہ میں شیخ بایزید بزرگ بغداد وغیرہ کے سفر سے مندو آئے۔ شیخ محمود دہلوی جو مندو کے شیخ الاسلام تھے اور تمام علماء کے صدر تھے ان کی شیخ بایزید بزرگ سے ملاقات ہوئی اور باہمی تعلقات قائم ہوگئے پھر شیخ الاسلام محمود دہلوی نے اپنی بیٹی کی شیخ بایزید بزرگ سے وہیں مندو میں شادی کردی۔ سلطان محمود خلجی بھی شیخ بایزید بزرگ کا معتقد ہوگیا۔ چشت خاں کو (جو خواجہ معین الدین خُرد کی اولاد میں سے تھے) شیخ بایزید بزرگ سے خاندانی گھریلو پرخاش و چشمک تھی اس لئے اس کو یہ بات پسند نہ آئی کہ شیخ بایزید بزرگ کا سلطان معتقد ہے۔ علماء و مدرسین کے تقررات کرنے کی خاطر سلطان اجمیر میں تھا کہ چشت خان نے کسی نہ کسی طرح شیخ بایزید بزرگ کو خواجہ کے روضہ میں پڑھانے کے لئے اجمیر بھجوا دیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں پڑھنے والوں کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے تعلیم حاصل کرنے سے انکار کیا سلطان کی خدمت میں یہ چہ گذرا تو اس نے وہاں کے علماء و مشائخین وقت سے شیخ بایزید کی خاندانی شرافت کے بارے میں استفسار کیا۔ مخدوم خواجہ حسین ناگوری اور مولانا رستم اجمیری جیسے قدیم علمائے اجمیر اور دوسرے معزز علماء وغیرہ نے گواہی دی کہ شیخ بایزید بزرگ دراصل شیخ قیام الدین بابریال ابن شیخ حسام الدین سوختہ ابن شیخ فخرالدین ابن خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اولاد ہیں۔ اور اگر صرف خواجہ حسین ناگوری ہی شیخ بایزید کا سلسلہ نسب بتادیتے تو بہت کافی تھا کیونکہ خواجہ حسین ناگوری دہلی بزرگ اور شیخ بایزید کے خاندان سے بخوبی واقف ہیں نیز خواجہ حسین ناگوری نے شیخ بایزید بزرگ کے فرزندوں کو اپنی بیٹیاں بھی دی ہیں یہ بھی اس امر کا ثبوت ہے کہ شیخ بایزید بزرگ کا سلسلہ خاندان خواجہ اجمیری تک پہونچتا ہے، اور یہی حقیقی امر واقعہ بھی ہے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

غرضکہ خواجہ اجمیریؒ کے اولاد کا وجود اور پھیلاؤ ایک امر یقینی ہے اور لوگوں کا کہنا کہ خواجہ اجمیری کی کوئی اولاد نہ تھی یہ بالکل غلط اور بکواس ہے بلکہ خواجہ اجمیری کی اولاد ملفوظات چشت میں تفصیل سے درج ہے۔ شیخ حمیدالدین صوفی کے پوتے۔ شیخ فرید نے اپنی کتاب سرورالصدور میں اپنے دادا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے پیرومرشد کے لڑکے پیدا ہو چکے تھے۔ اس زمانہ میں انھوں نے مجھ سے پوچھا مید کیا بات ہے ہم اپنی قوت اور جوانی کے زمانہ میں اللہ سے جو کچھ مانگتے فوراً مل جاتا اب بڑھاپے میں جب دعا مانگتے ہیں تو کام بگڑ جاتا ہے۔ اس پر خادم (حمیدالدین صوفی) نے عرض کیا پیرومرشد کو معلوم ہے کہ جب حضرت مریمؓ کے پیٹ سے حضرت عیسیٰ پیدا نہیں ہوئے تھے تو بغیر

کسی قسم کی کوشش کے انہیں محراب میں سے سردیوں کا میوہ گرمیوں میں اور گرما کا میوہ موسم سرما میں مل جاتا تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے بعد حضرت مریم منتظر رہیں کہ پہلے کی طرح رزق ملتا رہے مگر وحی آئی وَھُزِّیٓ اِلَیۡكِ بِجِذۡعِ النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَیۡكِ رُطَبًا جَنِیًّا۔ ترجمہ۔ (جاؤ کھجور کے درخت کی ٹہنیاں اپنی طرف ہلاؤ تاکہ تمہارے لئے تازہ کھجوریں گریں۔) اس حالت اور اس حالت میں یہی فرق ہے۔ پیرو مرشد نے خادم کا یہ جواب سن کر بہت پسند فرمایا۔

خواجہ احمد رح

شیخ ابو یزید بن شیخ نجم الدین بن شیخ قیام الدین کے بیٹے تھے فوائد الفواد میں محبوب الٰہی کی زبانی لکھا ہے

پیدائش ۶۹۲ ھ۔ وفات ۷۴۷ ھ

کہ شیخ احمد حضرت معین الدین چشتی کے پوتے تھے خواجہ احمد بڑے ہی صالح تھے۔ خواجہ احمد خود کہتے ہیں۔ کہ میرے ایک دوست نماز مغرب کے بعد ایمان کی سلامتی کے لئے ہمیشہ دو رکعت نفل پڑھا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورۂ اخلاص پھر ایک مرتبہ سورۂ فلق پڑھتے اور پھر دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورۂ اخلاص اور پھر سورۂ الناس ایک مرتبہ پڑھتے پھر نماز سے فارغ ہو کر سجدہ میں یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ ثَبِّتْنِیْ عَلَی الْاِیْمَانِ تین مرتبہ پڑھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اجمیر کے حدود میں ہمیں شام ہو گئی۔ ہم سب فرض و سنت ادا کر کے شہر کی جانب چل دیئے اور وہ ہمارا دوست نماز پڑھ کر اس وقت ہمارے پیچھے آیا جبکہ لٹیرے لوٹنے کے لئے اپنے ٹھکانوں پر آ گئے تھے۔ ان کے انتقال کے وقت ہم ان کے پاس آئے اور دیکھا کہ وہ اس طرح جان دے رہے ہیں کہ بایدوشاید۔ خواجہ احمد کا بیان ہے روز محشر خدا کے سامنے ہو کر گواہی دوں گا کہ وہ میرا دوست دنیا سے ایمان کے ساتھ روانہ ہوا ہے۔

خواجہ وحید رح

خواجہ احمد کے بھائی ہیں۔ نیز فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میں محبوب الٰہی اور نصیر الدین طالب العلم شیخ

پیدائش ۶۹۴ ھ — وفات ۷۴۸ ھ

فرید گنج شکر رح کے روبرو بیٹھے تھے۔ ایک جوگی آیا اور زمین بوس کر کے بیٹھ گیا۔ نصیر الدین نے اس جوگی سے پوچھا بابا آدمی زاد کے سر کے بال کسی دولے سے لمبے ہو جاتے ہیں۔ نصیر الدین کا جوگی سے یہ پوچھنا شیخ کی موجودگی میں مجھے اچھا معلوم نہ ہوا۔ اتفاقاً خواجہ معین الدین کے پوتے خواجہ وحید آئے اور مرید ہونے کی خواہش ظاہر کی جس پر پیرو مرشد شیخ گنج شکر نے فرمایا میں تو آپ ہی کے خاندان سے یہ بھیک لایا ہوں میری کیا مجال کہ تم کو مرید بناؤں۔

لیکن خواجہ وحید نے بے انتہا منت سماجت کی مُرید ہوئے اور سر منڈوایا۔ اور یہ نصیر الدین طالبعلم بھی جس نے جوگی سے بال بڑھانے کا نسخہ پوچھا تھا اپنا سر منڈوایا۔ اور درویشوں کی صحبت اُس میں اثر کر گئی۔
اِن سب پر اللہ کی رحمت نازل ہو۔

شیخ بدر الدین سمرقندی رح

ملفوظات شیخ شرف الدین یحییٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سمرقندی بھی شیخ

پیدائش ۶۱۳ ــــ وفات ــــ ۶۹۸ھ نجم الدین کبریٰ کے مُرید تھے۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ سمرقندی دراصل شیخ سیف الدین باخرزی کے خلیفہ تھے جنھوں نے شیخ نجم الدین کبریٰ کی صحبت حاصل کی تھی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ بدرالدین سمرقندی بڑے بزرگ تھے جو محبوب الٰہی کی صحبت میں قوال سُنتے' بہت خوبصورت اور نیک سیرت تھے شیخ سمرقندی کو جب سنگولہ میں دفن کر دیا گیا تو تیسرے دن محبوب الٰہی وہاں آئے' قوالی ہو رہی تھی۔ اور مجلس تقریباً ختم ہو رہی تھی کہ آپ دوسرے کمرہ میں جا کر بیٹھ گئے۔ لوگوں نے آپ کو مجلس قوالی میں بلانا چاہا تو محبوب الٰہی کھڑے ہو گئے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ محبوب الٰہی نے فرمایا کہ تم میں اور اُن میں بڑی دوری ہے تم لوگ بیٹھو میری شرکت شرط نہیں ہے۔

شیخ رکن الدین فردوسی

خواجہ بدرالدین سمرقندی کے مرید تھے دہلی میں رہا کرتے تھے۔ سلطان معزالدین کیقباد نے

پیدائش ۶۲۳ ــــ وفات ــــ ۶۹۹ھ جب کیلوکھری میں نئی شہری آبادی کرنا چاہی تو آپ وہاں سے چل کر دریائے جمنا کے کنارے مقیم ہو گئے۔ آپ اور محبوب الٰہی کے درمیان غایت بے حد الفت و محبت تھی۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ شیخ رکن الدین فردوسی کے نوجوان بیٹے اور دوسرے مرید اکثر و بیشتر کشتی میں بیٹھ کر ناچتے گاتے محبوب الٰہی کے مکان کے نیچے سے گذرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اسی طرح گاتے بجاتے جا رہے تھے کہ محبوب الٰہی کی ان پر نظر پڑی پھر آپ نے باہر سر نکال کر فرمایا۔ ایک وہ ہے جو برسوں سے خون جگر پی رہا ہے اور اس راہ میں اپنی جان فدا کر رہا ہے اور دوسری طرف یہ نوجوان کہتے پھرتے ہیں "تم ایسے کیا ہو جو ہم نہیں" اس کے بعد محبوب الٰہی نے اپنا ہاتھ ان کی طرف بڑھا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ذرا خبردار ہو کر جانا۔ جب یہ سب لڑکے شور و غوغا کرتے اپنے گھر کے قریب پہنچے تو کشتی سے اُتر کر انھوں نے نہانا چاہا۔ جونہی ان سب نے پانی میں پاؤں رکھا کہ سب کے سب اسی

وقت ڈوب گئے۔

شیخ نجیب الدین فردوسی

شیخ رکن الدین فردوسی کے مرید تھے ۔آپ کا مزار بھی حوض شمسی[ؒ] کے مشرقی جانب ایک

پیدائش ۶۹۸ ــــ وفات ــــ ۷۶۱ھ اونچے سے چبوترہ پر مولانا برہان بلخی کی قبر کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ شرف الدین احمد رح

آپ حضرت یحیٰی منیری رح کے بیٹے تھے ہندوستان کے مشہور مشائخین سے تھے۔ آپ کے مناقب

پیدائش ۶۸۵ ــــ وفات ــــ ۷۵۶ھ واوصاف تحارج بیان نہیں۔ آپ کی اکثر تصنیفات ہیں جن میں سے "مکتوبات" زیادہ مشہور ہیں جو اس لحاظ سے بہترین ہے کہ اس میں آداب طریقت اور اسرار حقیقت تحریر کئے گئے ہیں۔ اگر چہ آپ کے "ملفوظات" بھی آپ کے ایک مرید نے جمع کئے ہیں "مکتوبات" میں لطافت وشیرینی بیانی کا پہلو بہت زیادہ نمایاں ہے کہتے ہیں کہ "آداب المریدین" کی بھی آپ نے شرح لکھی ہے۔

شیخ نجیب الدین فردوسی سے بیعت کرنے کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ شیخ شرف الدین احمد ایک مرتبہ محبوب الٰہی سے بیعت کرنے کے شوق میں اپنے وطن بہار سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ ابھی دہلی پہنچے بھی نہ تھے کہ محبوب الٰہی نے جنت کی راہ لی۔ شیخ نجیب الدین فردوسی ان دنوں دہلی میں موجود تھے۔ آپ کے پاس جب شیخ شرف الدین احمد پہونچے اور ملاقات کی تو شیخ فردوسی نے کہا برسوں سے تمہارے انتظار میں ایک امانت لئے یہاں بیٹھا ہوں جو تمہارے حوالہ کرنا ہے چنانچہ شیخ شرف الدین نے شیخ فردوسی کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کے مرید ہوگئے پھر شیخ سے نعمتیں لے کر اپنے وطن لوٹے۔

کہتے ہیں کہ واپسی پر آگرہ کے جنگلوں میں برسہا برس تک عبادت کی اس کے بعد اپنے وطن واپس آئے۔ آپ کا مزار صوبہ بہار کے قصبۂ منیر میں ہے ایک فارسی کتاب میں چودہ خانوادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ فردوسی خاندان کی ابتدا و سلسلہ سہروردیہ سے متعلق

لہ حوض شمسی بدایوں میں مشہور حوض تھا جو اگرچہ موجود نہیں لیکن اب اس نام کا ایک محلہ ہے۔

ہے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی اور شیخ علاؤالدین طوسی مجاہدہ و ریاضت میں تقریباً دونوں برابر تھے اور دونوں سرحد کمال پر فائز تھے۔ یہ دونوں ایک ہفتہ کے بعد افطار کرتے جو کی روٹی اور جنگل کی ساگ ان کی غذا تھی۔ یہ دونوں مل کر شیخ ضیاءالدین ابوالنجیب سہروردی کے پاس آئے اور کہا۔ عمر ختم ہورہی ہے اب تک کوئی کام نہ ہوسکا اگرچہ بے انتہا مجاہدہ ریاضت کیا لیکن مطلب حاصل نہ ہوسکا۔ جس پر شیخ ضیاءالدین ابوالنجیب سہروردی نے جواباً کہا۔ بھائیو! میں بھی اسی بیماری میں گرفتار رہوں۔ علاج یہ ہے کہ کسی کے مُرید ہوجائیں چنانچہ یہ تینوں اشخاص شیخ وجیہہ الدین ابوحفص بن عُمر بن عمویہ کے پاس آئے۔ شیخ وجیہہ الدین نے ضیاءالدین اور شیخ علاؤالدین کو ایک عرصہ کے بعد خلافت دے کر رخصت کیا۔ اور شیخ نجم الدین کبریٰ کو شیخ نجیب فردوسی کے حوالے کرتے ہوئے کہا انہیں اپنے پاس رکھو۔ چنانچہ سات ماہ بعد شیخ نجیب الدین فردوسی نے شیخ نجم الدین کبریٰ کو خلافت دی اور کہا تم فردوسی مشائخ ہو۔ اس دن کے بعد سے یہ فردوسی خاندان پیدا ہوا۔ شیخ شرف الدین احمد خیری کے مشہور مجموعہ مکتوبات کے سوائے اور دوسرے خطوط بھی ہیں جو شیخ مظفر بلخی کو تحریر کئے ہیں جو آپ کے مُرید خلیفہ اور صاحب اسرار تھے۔ کہتے ہیں کہ پچیس ۲۵ سال تک شیخ مظفر کو سلوک کی حالت میں جو واقعات معاملات اور حالات پیش آنے وہ اپنے شیخ کی خدمت میں لکھتے رہے اور شیخ ہر ایک کا جواب دیتے رہے۔ شیخ شرف الدین نے بعض خطوط کے نیچے لکھا ہے کہ برادر عزیز کی تمام مشکلات اور معاملات کا حل میں نے تحریر کیا ہے۔ یہ خطوط کسی کو نہ دکھانا کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر ہوجائیں۔ جب کبھی شیخ مظفر کے مرید آپ سے شیخ شرف الدین کے خطوط بغرض استفادہ نقل کرنے کی درخواست کرتے تو آپ نے پیرو مرشد کی وصیت کی حفاظت اور اللہ کے مخفی بھید ظاہر نہ ہوجانے کے خوف سے کسی کو نہیں دکھاتے بلکہ آپ کا قاعدہ تھا کہ ہر خط پر مہر لگا کر بھیجتے تھے اس حکایت کا بیان کرنے والا کہتا ہے کہ شیخ مظفر نے اپنے انتقال سے پہلے وصیت کی کہ یہ خطوط جن کی تعداد دو سو سے زائد تھی میرے کفن میں رکھ دینا۔ اُن کی وصیت کے مدنظر تمام خطوط ان کے کفن میں رکھ دیئے گئے تاکہ بزرگوار کے اسرار پوشیدہ رہیں ایک بنڈل اُن خطوط کا تھیلی میں پڑا رہ گیا جو شیخ الاسلام کے قلمی تھے چنانچہ طلب گاروں اور سننے والوں کے نفع دینی کی خاطر لکھے جاتے ہیں اور طالبوں و سالکوں کے مناسب حال منتخب کرکے یہ دو تین خطوط پورے کے پورے نقل کئے گئے ہیں۔

مکتوب :۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہمیشہ کرتے رہو۔

شعر

ہر بلا ایں قوم را حق دادہ است زیر آں گنج کرم بنہادہ است

ترجمہ۔ (اللہ نے اس قوم پر جو مصیبتیں توڑی ہیں۔ اُس کی تہہ میں خزانۂ کرم رکھا ہے) برادر عزیز امام مظفر سلام ودعا اپنے کام کو مردانہ وار کرو۔ مشکلات تکالیف اور مختلف امتحانات کی وجہ سے جو سالک کی راہ میں حائل ہوتے ہیں کبھی بھی اپنے کام میں کمی اور کوتاہی نہ کرنا۔

اے برادر عظمتِ انبیاء کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کام ایک ہی طریقہ پر نہیں اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کس بندے کو کس ذریعے سے اقبال مندی اور کشائش دے گا نعمت، مشقت، عطیہ یا مصائب کے ذریعہ سرفراز کرے گا۔ موسیٰ علیہ السلام کو پیدائش کے بعد آگ کے تنور میں پھینکا پھر ایک صندوق میں بند کیا۔ پھر ایک دریا میں ڈالا پھر وہ دشمنوں کے ہاتھ لگے پھر اُن کے ہاتھ سے ایک قبطی مارا گیا جس کے قتل کی وجہ پردیس میں رہے پھر دس سال تک ریوڑ چراتے رہے ایک اندھیری رات میں کالے کالے بادل چھا گئے۔ بجلی چمکی بھیڑیئے نکل آئے اور بکریاں بھاگ گئیں آپ راستہ بھول گئے۔ آپ کی بیوی کو دردِ زہ ہوا سخت جاڑہ پڑنے لگا۔ آگ کا نام ونشان نہ تھا اتنی سردی تھی کہ چقماق رگڑنے پر بھی چنگاری نہ نکلتی جب ان تمام وجوہ کے مدِ نظر عاجز ہوگئے تو اچانک دل کی گہرائی سے آواز نکلی۔

اِنِّیْ آنَسْتُ نَارًا (میں آگ دیکھنا چاہتا ہوں) آگ دیکھ کر جب آگ لینے کے لئے پہاڑ پر پہونچے تو وہاں آواز آئی اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْکَ اِنَّکَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیٰ وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی۔ ترجمہ۔ (میں تمہارا رب ہوں۔ اپنے جوتے اُتار لو کیونکہ تم پاکیزہ مقام طوٰی میں ہو اور ہم نے تمہیں منتخب کیا ہے اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اُسے توجہ سے سن لو)

اسرار الٰہی غیر معلوم ہیں۔ اگر کوئی بندہ کسی ایک طریقہ الٰہی کی تعمیل میں اپنے پوری زندگی کے تمام اوقات صرف کرے تو شاید کہیں ربوبیت کا کچھ علم حاصل ہوسکے پھر بھی اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔

شعر

ہر چہ در خلق سوزی وسازے است اندراں مر خدائے را رازے است

ترجمہ (مخلوق میں جو کچھ سوز وساز ہے اس میں لازماً اللہ کا ایک سربستہ راز ہے)

مکتوب | اے برادر۔ انسان ایک چیونٹی کی طرح پست و بلند میدانوں میں پڑا ہوا یہ خواہش کرتا ہے کہ اسی حالت میں مکہ معظمہ پہونچ جائے یہ ناممکن ہے۔

رباعی

دردا کہ غم کوہ بکاہ افتاد است — معشوق دل مورچہ ماہ افتاد است
ایک واقعہ طرفہ براہ افتاد است — درویش بعشق بادشاہ افتاد است

ترجمہ۔ (ہائے گھاس کو پہاڑ کا غم ہوگیا ہے۔ اور مورچہ چاند کے عشق میں گرفتار ہے۔ یہ عجیب واقعہ ہے کہ فقیر کو بادشاہ کا عشق ہوگیا ہے) اے برادر عاشق کو ایسا معشوق چاہیئے کہ اُس کی مہربانیوں کے بغیر نظر اُس سے مطلب حاصل کرلے اور اگر معشوق قہر کی نظروں سے دیکھے تو وہ معشوق نہیں۔ کیونکہ عاشق اور معشوق کی مرادیں مل کر پوری ہوتی ہیں۔ عاشق صادق وہی ہے جو اپنی خواہشات کو معشوق پر فدا کردے۔ اور محبوب کو اس کی فرصت نہیں۔ بجز ایسی حالت میں جبکہ دنیا اور آخرت میں عاشق کو کوئی کام نہ ہو۔ لیکن جس شخص کو دنیا میں کام ہوں یا اُس کے دل میں کچھ دوسری باتیں ہوں تو ایسا شخص اپنے آقا کی پوری خدمت نہیں کرسکتا۔ اسی لئے تو کہا گیا ہے دنیا دار دنیا میں لگے ہوئے ہیں۔ آخرت کے طلبگار آخرت کے کاموں میں منہمک اور دوزخی اپنے کئے کی وجہ تکالیف میں گرفتار ہیں۔ ایسی صورت میں بتلاؤ کون شخص ہے جسے دنیا اور آخرت میں اپنے آقا اور مالک کی خبر اور کیفیت معلوم ہو۔

مکتوب :- امام مظفر کو معلوم ہو کہ یہ قسم معاملات کے علم سے متعلق نہیں بلکہ مکاشفات سے متعلق ہے۔ مکاشفات کا علم قلم سے نہیں لکھا جا سکتا البتہ جتنا لکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ موجوداتِ محسوس کو دنیا کہتے ہیں۔ اور موجوداتِ معقول کو ملکوت۔ موجوداتِ بالقوۃ کو جبروت اور اس سے بلند عالم کو لاہوت کہتے ہیں۔ اس کو اس طرح بھی کہتے ہیں کہ دنیا عالم شہادت ہے ملکوت عالم غیب ہے جبروت عالم غیب در غیب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غیبِ غیبِ غیب ہے۔ اس کے بعد اس طرح بھی کہتے ہیں کہ دنیاوی لطافتوں کو عالم ملکوت کی لطافتوں سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ عالم ملکوت بے انتہا لطیف ہے اور عالم ملکوت کو عالم جبروت کی لطافت سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ عالم جبروت بے انتہا لطیف در لطیف ہے اور عالم جبروت کو لطافتِ ذاتِ پروردگار سے کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک لطیفِ لطیفِ لطیف ہے۔ دنیا اور ملکوت میں کوئی ذرہ ایسا نہیں کہ جس میں عالم جبروت محیط نہ ہو اور دنیائے ملکوت اور جبروت کا کوئی ذرہ ایسا نہیں کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی قدرت محیط نہ ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے اللہ تعالیٰ ہی لطیف

مطلق ہے جب لطیف مطلق ہوا تو لازماً محیط مطلق ہوا اور قاعدہ مقررہ یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ لطیف ہوگا اتنا ہی زیادہ احاطہ رکھتا ہے۔ نیز اسی وجہ سے تو ثابت ہوتا ہے

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ۔ (تم جہاں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے) اور وہ صاف طور پر فرمارہے ہیں۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْكُمْ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ ترجمہ (ہم تم سے تمہاری شہ رگ کی بہ نسبت زیادہ قریب ہیں)

مثنوی

آنچہ تو گم کردۂ گر کردۂ ہست اندر تو تو خود را پردۂ

ترجمہ (اگر تو نے خود کو چھپا لیا ہے تو اچھا کیا ہے لیکن ہم جانتے نہیں کہ تو خود اندر کی طرف چھپ گیا ہے اور اپنے چہرہ پہ تو نے نقاب ڈال لی ہے)

اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ دنیا، ملکوت، جبروت اور پروردگار عالم تیرے ساتھ ہے اور انسانی حقیقت بھی یہی ہے کہ انسان دراصل مظہر و آئینہ سرِ حقیقت الوہیت ہے۔

اشعار

تا نیامد جان آدم آشکار رہ ندانستند سوئے کردگار

رہ پدید آمد چو آدم شد پدید زو کلید بر دو عالم شد پدید

ترجمہ (جب تک انسان آدمؑ کے لباس میں نہیں آیا تھا اس وقت تک رسائی پروردگار کی راہ غیر معلوم تھی۔ جب آدم پیدا ہوگیا تو راستہ مل گیا اور آدم کے وجود ہی سے دو عالم کے مسخر کرنے کی کنجی ہاتھ آگئی)۔

اس سے زیادہ اور کچھ لکھا نہیں جا سکتا۔ اپنے خاص اوقات میں ہمارے لئے بھی دعائے ایمان سے یاد کرنا والسلام۔

اے بھائی کُل کو ہار جانا کُل کو پا لینا ہے۔ اس لئے جو کُل ہار گیا اُس نے کُل پا لیا۔ اور کُل وہی پاتا ہے جو کُل سے منقطع ہو جاتا ہے۔

عشق کا نتیجہ و ثمرہ یہ ہے کہ منع کرنا اور دینا۔ رد و قبول مہربانی و نفرت اس کی نظر میں یکساں ہو عشق میں یہی وہ کمال ہے جس سے بلند اور کوئی کمال نہیں ہے۔ اور جو کمال کہ فرق اور تمیز پیدا کرتا ہو وہ کمال نہیں بلکہ نقصان و ناکارہ پن ہے۔ کمال کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس میں کسی قسم کی گنجائش نہ رہے۔ اسی کو کسی مہجور اور پُر فراق کے لئے یوں کہا ہے۔

شعر

ہجر تو خوشتر از وصال دگراں	منکر شدنت بہ از رضائے دگراں

ترجمہ۔ (دوسروں کے وصال کی بہ نسبت تمہارا ہجر خوش آیند ہے۔ اور دوسروں کی رضامندی کے حصول سے تمہارا انکار کر دینا بہتر ہے) کہتے ہیں اس کو اس نفرت پر اتنا فخر ہے جتنا دوسروں کو مہربانی پر ہے۔ لوگوں نے ایک مرتبہ اُس سے کہا کہ نفرت کا سیاہ کمبل اپنے کاندھے پر سے اتارتے کیوں نہیں تو اُس نے جواب دیا۔

شعر

می نفروشم گلیم می نفروشم	گر بفروشم برہنہ مانند درشم

ترجمہ (میں ہرگز ہرگز اپنا کمبل نہیں بیچتا۔ اگر بیچ ڈالوں تو کل ننگا رہ جاؤں گا) یہ معنی عقل میں نہیں آتے۔ اور عقل اس معنی کے سمجھنے سے بالکل کوری ہے۔ عشق نام ہے جنونِ الٰہی کا۔ دیوانوں کا کام الگ ہے اور عقلمندوں کا الگ۔

اے بھائی! وہ معانی و احوال جس پر تمہارا بھائی چل رہا ہے۔ اگر آغاز ہی میں تمہیں میسر ہو جائے تو پختہ کاری حاصل نہ ہو سکے گی۔ کسی حالت کا ظاہر ہونا اور اس پر عمل کرنا دو مختلف کیفیات ہیں جن پر روزانہ ہمیشہ عمل کیا جائے بہتر ہے تاکہ روز بروز پختگی حاصل ہو جائے۔ جس طرح کوئی میوہ جب تک دو حالتوں سے نہیں گذرتا پختہ نہیں ہوتا۔ کبھی سایہ اور کبھی دھوپ ہونا ضروری ہے اسی طرح لینا اور دینا۔ اکٹھا کرنا اور منتشر کرنا۔ نہ رہنا اور موجود ہونا یہ سب وہری حکمتیں ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی صفات ان حقائق کی منافی ہیں۔ غرضکہ جب تک آدمی کی خلقی صفتیں باقی رہتی ہیں اس کو فنا حاصل نہیں ہوتی۔ کیونکہ بقا اور فنا دونوں کا یکجا ہونا محال ہے۔ اس سے اس مسئلہ کی پوری وضاحت ہو گئی۔ اے بھائی اپنے دل کو مضبوط ہمت کو بلند اور سچی رکھی اُمید رکھو کہ اس دولت کا وہ مقام ہے جس کے شعور میں انسانی اور فرشتوں کی عقلیں حیران اور عاجز ہیں۔

شعیبؑ ایک آدمی کی مزدوری پر راضی ہوئے اور ایک صالحہ خاتون سے شادی کرنے کی غرض کے لئے دس سال تک اس کی بکریاں چرائیں۔ آگ کی تلاش میں قدم رکھا تو نور قدیم نظر آیا۔ اللہ نے اپنی نعمتوں کو خوشخبری دیکر خلعت نبوت سے سرفراز فرماکر رسول بنایا۔ اس امر واقعہ کو عقل کیا سمجھ سکتی ہے۔ یہ سب کوئی استحقاقی چیز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ فرعون کے جادوگر صبح کے وقت تو اپنے کفر و جادوگری میں مستغرق اٹھے جو حضرت موسیٰ کے جھٹلانے

اور اُن پر ظلم و ستم ڈھانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن حضرت موسیٰؑ کے سامنے آتے کچھ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ تاج معرفت اللہ نے اُن کے سر پر رکھا اور توحید کی دولت سے ان کو مالا مال کر دیا۔ اور پھر ایسا عارف بنا دیا کہ دنیا و آخرت کو انھوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لیا۔ اور اسی وقت ندائے غیب آئی۔ واللہ خیرٌ و ابقیٰ۔ اے بھائی غم خانہ رحمت سے تم کو جو عنایت کیا جا رہا ہے وہ گھونٹ گھونٹ کر کے ہنسی خوشی پیئو۔ بدمستی نہ کرو اور سنو۔

شعر

ہر کرا آن آفتاب این جا بتافت
آنچہ آنجا وعدہ بود اینجا بیافت

خوش رہو۔ مبارک ہو اور پہلے سے زیادہ تشنہ محبت رہو۔

شعر

ہست دریائے محبت بے کنار
لاجرم یک تشنگی شد صد ہزار

اس دنیا میں تمام کام ہمت پر منحصر ہیں۔ ہمت جتنی بلند ہوگی اتنی ہی محبت کی خواہش زیادہ ہوگی۔

شعر

ہر کہ صاحب ہمت آمد مرد شد
ہمچو خورشید از بلندی فرد شد

وقت گذارنے کے سوا چارہ کار نہیں ہے۔ ظلم و ستم برداشت کرنا سیکھو ورنہ خام رہو گے۔ اور جبر و تشدد سہہ کر سلوک تک جا پہونچو گے یہ طریقہ صرف تمہارے لئے خاص نہیں بلکہ تمام سالکین کا یہی دستور رہا ہے۔

شعر

تا نگردی نقطۂ درد اے پسر
کے تواں خواندن ترا مرد اے پسر

اے بھائی راہ توحید جو بہادروں کا مذہب ہے یہ ایک ایسا عظیم الشان دریا ہے جس میں علم و عقل سب کچھ غرق ہیں۔ کیسا لکھنا کہاں کا کہنا جو کوئی اس دریائے عالمگیر راستہ میں آیا وہ عالم حیرت میں گرفتار ہو گیا اور اس کی بالکل یہی مثال ہے۔

شعر

قطرۂ کو غرق در دریا بود
ہر دو کونش جز خدا سودا بود

اے بھائی مستی اور غلبہ میں اگر کسی سے کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو اس کو معذور سمجھو پسندیدہ

روش اس گروہ کی یہ ہے کہ رازہائے سربستہ کو پوشیدہ رکھتے ہوئے شریعت پر قائم رہو۔
اے بھائی اس تماشا گاہ عالم میں اگر کسی کو اتفاق سے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ (آپ نے اس کو دیکھا جو اپنی خواہشات کو معبود بنائے ہوئے ہے) سامنے آئے۔ اور اس کی حالت یہ ہو کہ کنّ کے دائرہ میں دربند ہو۔ اور اِلّا کی دربانی نگرانی میں مقید ہو تو اچھی طرح سمجھ لو کہ اِلّا کا دربان وہ ہے جسے ابلیس کہتے ہیں جو یہ کہتا ہے۔

شعر

معشوقہ مرا گفت نشین بر درِ من مگذار درون ہرکہ ندارد سرِ من

اے بھائی ابلیس نے ملعون ہو کر عالم ملکوت میں یہ گُل کھلائے کہ اکثر اُن کو بہکایا جن کو خیال تھا کہ ہماری منزل مقصود تک رسائی ہو چکی ہے۔ سبحان اللہ۔ ایک مہجور و فرقت کے مارے کا تذکرہ سنو۔ زاد الارواح میں تحریر ہے کہ حضرت وہب بن مُنبہ رضؓ کہتے ہیں میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ ابلیس نے طور کے پاس حضرت موسیٰؑ سے ملاقات کی۔ چنانچہ اُس سے حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تو نے آدمؑ کو سجدہ نہ کر کے کوئی اچھا کام نہیں کیا۔ ابلیس نے جواباً کہا میں نے جو کچھ کیا وہ درست تھا میں اپنے دعویٰ سے انکار کر کے تمہاری طرح بننا پسند نہیں کرتا میرا ارادہ تھا کہ آدم کو سجدہ کروں جیسا کہ اجتماعی طور پر اُس کا اقرار کیا گیا تھا لیکن میں نے اُس کے آگے انفرادی طور پر خود سر تسلیم خم نہیں کیا بس جھوٹ بولنے کی وجہ سزاؤں میں گرفتار ہو گیا۔ اور یہ تمام سزائیں صرف جھوٹ پر مجھکو برداشت کرنا پڑیں اور اے موسیٰ تمہاری کیفیت یہ ہے کہ تم نے محبت الٰہی کا دعویٰ کیا جس پر اللہ نے تم سے کہا ہم پہاڑ کی طرف دیکھتے ہیں اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم ہمیں دیکھ سکو گے۔ چنانچہ اس پہاڑ کی طرف دیکھا اگر اس وقت میں تم کو نہ بچا لیتا تو تم اُس کو نمایاں دیکھتے۔

اہل محبت و ذوق کو دنیا میں بہت سے کام اور بہت سے راز پوشیدہ رکھنا ہیں۔ عین القضاۃ حضرت وہب بن مُنبہ رضؓ فرماتے ہیں۔ تم کیا جانو کہ شیطان کسے کہتے ہیں تم کو تو جبریل صفت رُوز دیدہ نظروں سے شیطانی کام پر نظر رکھنی چاہیئے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

شعر

سرتافتہ آن رہ رو از سجدۂ غیر او گر مرد رہِ اوئی کم زانت نباید بُد

محبت والے جانتے ہیں کہ دنیائے الفت میں کیا کیا مشکلات آتی ہیں یوسفؑ جب حضرت یعقوبؑ کے پاس سے چلے گئے تو یعقوبؑ کو اس وقت کچھ نہ سوجھا جب تک انھوں نے حضرت یوسف

کو دوبارہ نہیں دیکھ لیا وہ اپنے دوسرے بیٹوں کو بھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ البتہ جب حضرت یوسف ؑ کے کپڑوں کی خوشبو آئی تو قوت دید بھی واپس مل گئی جیسا کہ کہا ہے۔

شعر

ہر کہ اور ابوسف گم کردہ نیست　　　گرچہ ایمان آورد آوردہ نیست

اے بھائی! بفرض محال اگر دو عالم کے باشندے تیرے دروازہ پر حاضری دیں اور کہیں کہ تم جو کچھ چاہتے ہو وہ کرو جس کی قوت تم کو دیدی گئی ہے تو خبردار اس سے ہوشیار رہنا کیونکہ دنیا و آخرت سے بلند و بالا جو قوت ہے وہ در پردہ اور ناقابل دید ہے کہیں اپنے راستہ سے بھٹک نہ جانا وہی کہتے رہو جو عارف کہتے ہیں۔

شعر

دنیا است بلا خانہ و عقبیٰ ہوس آباد　　　ما حاصل ایں ہر دو بیک جو نستانم

سلطان العارفین خواجہ بایزید ؒ کا بیان ہے اگر تم کو عیسیٰ ؑ کی روحانیت، موسیٰ ؑ کی سرگوشی اور ابراہیم ؑ کی دوستی دیدی جائے تو اس سے زیادہ کی طلب کرو کیونکہ اللہ کے خزانہ میں اس سے بہت زیادہ بلندیاں اور سرافرازیاں موجود ہیں۔

اے بھائی ہر زمانہ میں عاشقوں کو اللہ کا یہ خطاب سنائی دیتا ہے اے مشرقی جانب سفر کرنیوالو۔ اے مغربی سمت میں جہاد کرنے والے۔ اے بلندیوں کے دیکھنے والو۔ اور آسمان کی جانب تیز پرواز لوگو تم جہاں کہیں مجھے طلب کرو گے وہاں موجود پاؤ گے۔

اے بھائی جس وقت آپ کا خط پہنچا تو بے انتہا شور و غوغا تھا۔ اے بھائی جب امام شبلی سے لوگوں نے پوچھا عارف کی صفت کیا ہے۔ جواب دیا بہرا، گونگا، اندھا۔

اس لئے ہمیں چاہیئے کہ اس شور و غوغا سے کوئی فائدہ نہیں۔ زبان بند رکھو اور مندرجہ بالا قول کے مدِ نظر سوختہ رہو۔ خود کو مصیبتوں میں مبتلا رکھو۔ ماتم اور نوحہ جو کچھ ہو اس کو نگل جاؤ اور ڈکار نہ لو یعنی۔ بھول کر بھی ماتم نہ کرو بلکہ ہمیشہ صبر و ضبط کرتے رہو۔ اور اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے دنیا کے مالداروں کی یہی روش ہے کہ جب تک دنیا میں رہتے ہیں مندرجہ بالا قول کے مخالف آہ و زاری کرتے ہیں۔ اور دنیا سے روانگی کے وقت بھی روتے پیٹتے ہیں۔ آج جو قبروں میں سو رہے ہیں۔ وہ کل قیامت کے دن مندرجہ بالا قول کے موافق اٹھیں گے۔ اے بھائی فنا ہونے والی چیزوں کو دعویٰ قدوسیت نازیبا ہے۔ تمام پاکیزگیاں جو پروردگار کی صفات ہیں۔ وہ سب ہماری دنیا میں کسی

آدمی کو حاصل نہیں ہوسکتی ہیں۔ یقین کرلو کہ فنا ہونے سے پاک رکھنا یا تو پیدائش سے پہلے تھا یا پھر عدم میں ہوگا۔ اسی کے مدنظر تو یہ قول عوارف ہے۔ میں اس عدم کا طلبگار ہوں جس کی ابتدا اور انتہا نہیں۔ اے بھائی تم نے جس منزل میں قدم رکھا ہے اس منزل کے مرد میدان با آواز بلند فریاد کر رہے ہیں۔ کیا تم نے یہ شعر نہیں سُنا۔

قد تَحَیَّرْتُ فیکَ خُذ بیَدِی　　یا دلیلاً لِمَنْ تَحَیَّرَ فیکَ

اے بھائی یہ لکھنا اور کہنا سب کچھ پردہ کے باہر ہی باہر ہے اور اندرون پردہ یہ ہے۔

رباعی

چوں سرِّ ازل طعمۂ ابدال شود　　آں جملۂ قیل و قال پامال شود
ہم مفتیِ شرح را جگر خوں گردد　　ہم خواجۂ عقل را زباں لال شود

ترجمہ۔ (جب ازلی اسرار ابدال کے لُقمہ ہو گئے۔ تو یہ ساری گفتگو ختم ہوگئی۔ مفتیِ شریعت کا جگر خون ہوگیا اور خواجۂ عقل کی زبان بند ہوگئی)

شیخ حسین رح

معز بلخی کے بیٹے تھے۔ مشہور ہے کہ وہ اپنے حقیقی چچا شیخ مظفرؒ کے خلیفہ اور مُرید تھے لیکن شیخ حُسینؒ کے کلام سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ شیخ شرف الدینؒ کے مُرید تھے اور شیخ مظفر سے

پیدائش ۸۲۰ — وفات — ۹۰۱ھ

تربیت ارشاد اور خلافت حاصل کی۔ ابتدائی زمانہ میں دہلی میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ اس کے بعد اللہ کی عنایت سے سلوک حاصل کرنے کے لئے جو درویشوں کا طریقہ ہے حجاز کا سفر کیا۔ اور مدینۂ منوّرہ میں رسول اللہؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے پھر یہ سعادت حاصل کر کے جو تمام مقاصد کے حصول کا واحد ذریعہ ہے اپنے آبائی وطن لوٹے۔ آپ کے خطوط بھی شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی طرح ہیں۔ جن میں اسرارِ توحید کو اور انسان کو گوشہ نشینی کی جانب نہایت لطیف زبان سے قلمبند کیا ہے۔ جن میں سے چند نقل کئے جاتے ہیں جس سے آپ کے مزید حالات معلوم ہوں گے۔

خط

میں بیچارہ عین جوانی اور تعلیم کے زمانہ میں عرصہ تک گناہوں ذلتوں خواہشات اور نقصان کے میدان میں بنو اسرائیل کی طرح حیران و پریشان پھرتا رہا، اتفاقاً چچا صاحب شیخ مظفر مرحوم نے حجاز کا سفر کیا اور مجھے بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ پانچ سال تک مسلسل رات دن تربیت ارشاد معارف اور حقائق اس جگہ کا ذرّہ صفت فقیر کو دکھاتے رہے۔ اگرچہ عاجز میں اتنی قابلیت نہ تھی لیکن جس طرح رسولوں کے زمانہ میں ان کا اثر ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح اُن کے

مزار کے قرب نے بھی پورا اثر کیا۔ رسول اللہؐ کے مزار کے اثر سے عاجز میں پوری قابلیت پیدا ہوگئی۔ میں نے جو کچھ دیکھا اور معلوم کیا اُسے صرف اس حدیث کے ذریعہ بیان کیا جا سکتا ہے لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلاً وَ لَبَکَیْتُمْ کَثِیْراً ترجمہ (اگر تم وہ جانتے جسے میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ)

جب بحکم خداوندی ہندوستان آیا تو یہاں پہونچ کر اس معنی میں کمی و کوتاہی اور مقصود میں قصور واقع ہوگیا۔ اب بیس برس ہونے کو آئے ہیں کہ حسرت پوری نہیں ہوئی۔ بڑھاپا بھی آگیا اور شب ہائے فراق نے ناتوان و عاجز کر دیا ہے۔ اور اب پھر کہہ رہا ہوں اے پروردگار کس وسیلہ سے اور کس ذریعہ سے وہ دولت حاصل کرلوں جس سے دنیاوی مقاصد پورے ہوں اور آسمان غلام و مسخر ہو جائے لیکن دوررہ کر سرائے مہجوری میں قیام کرنا اور آشنائی کے بعد بیگانگی میں کاٹنا یہ شرط محبت اور دوستی کی وعدہ ایفائی نہیں ہے۔

رباعی

بیچارہ دلم شکستہ تا کے باشد وز زخم فراق خستہ تا کے باشد
در آرزوئے کسی کہ بے او خوش نیست برخیز و بگو نشستہ تا کے باشد

ترجمہ۔ (میں شکستہ دل کب تک زخم فراق سے خستہ رہوں گا۔ اور اس کی آرزو میں جس کے بغیر مسرتیں حاصل نہیں ہوسکتیں کب تک بیٹھا رہوں گا۔ حکم ہو جائے کہ اُٹھ بیٹھو)

شعر

ہر کہ در سر ہوس چوں تو غزالے دارد عاقبت سر بہ بیاباں بنہد چوں سعدی

ترجمہ۔ (جس کے سر پہ تجھ جیسے معشوق کا سودا ہو وہ سعدی کی طرح آخر کار مجبوراً جنگل کی راہ لے گا)

خط سرزمین عرب کی فضیلت مسلّم ہے۔ تازہ خطوط میں جو مغربی کے لئے شیخ کی خدمت میں لکھے ہیں ان میں تحریر کیا ہے ہندوستان میں کس کا کام پورا ہوا۔ کیا کروں۔ جب تک سرزمین عرب میں تھا پابند تھا۔ جب وہاں سے یہاں آگیا تو پاؤں کی قوت نے جواب دیدیا اب یہاں ہندوستان میں مجبوراً پڑا ہوا ہوں۔

شیخ فضل اللہ نے چالیس سال یہاں بسر کئے۔ کچھ نہ ہوا۔ پھر فرمان ہوا مدینہ منورہ جاؤ۔ جہاں پہونچکر وہ سب کچھ سرفرازیاں ہوئیں جو لکھی نہیں جا سکتیں۔ یہ خادم شیخ حسین بھی اپنے

چچا شیخ مظفرؒ سے ان کی زندگی ہی میں علیحدہ ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ کے پاس گیا تو ارشاد فرمایا مولانا شیخ حسین! اب تم صاحب مشرب ہو گئے ہو۔ اور اصول قانون سے واقف ہو گئے ہو۔ ہم سے الگ رہنے میں تم کو کوئی مضائقہ نہیں ہے چنانچہ میں اُن کے ساتھ سرزمین عرب سے واپس ہو رہا تھا کہ راستہ ہی میں مشفق چچا حضرت شیخؒ نے وفات پائی۔ اس واقعہ سے بہت پہلے یعنی پہلی مرتبہ آپ نے وہیں مدینہ منورہ میں ایک رات خواب دیکھا کہ رسول اکرمؐ فرما رہے ہیں اب جاؤ اور پھر دوسری مرتبہ اپنے بال بچوں سمیت آنا۔ چنانچہ دوسری مرتبہ چچا صاحب ہم سب کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ بیشک میں شیخ حسین سے بزمانہ قیام مکہ کہا تھا کہ مکہ مدینہ کی فضیلت و برتری پر ایک کتابچہ لکھوں گا لیکن افسوس اب کون سمجھے گا اگر چچا صاحب زندہ ہوتے تو ضرور لکھتا۔ شیخ حسینؒ کے بعض دوستوں کو آپ کی بدولت اصل قانون اور ضابطہ کار کا طریقہ معلوم ہوا ہے جو یہ ہے کہ اصل کام دنیاوی خواہشات کی مخالفت اور آخرت کے کاموں کی تکمیل کرنا ہے۔ جو ذکر الٰہی میں مشغولیت ہے۔ جس کی اللہ ہی توفیق دیتا ہے اور عبادت ہی کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔

اشعار

کافر نفست چوں زبوں شد — گر ہمہ کفر ہے ہمہ ایمان شدے
دمے کہ با تو برآرم سعادت ابد است — شبے کہ بے تو گذارم مرا چہ روز بد است
اوصاف ذمیمہ چوں بدل شد — ہر عقدہ کہ در تو بود حل شد

سالکوں کے تمام علوم مندرجہ بالا تین اشعار میں ہیں اگر بلند ہمتی مکہ و مدینہ کا سفر کرائے تو مبارک و صد مبارک کیونکہ محبت میں طویل سفر کرنا دشوار نہیں ہے۔ اور اعلان کا تب ہی ہے کہ جو چیز تم کو حق سے روکے تو وہ شیطان ہے میری یہ تحریر تمام دوستوں کے نام بھی ہے خدا حافظ اِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التقویٰ وکفٰی باللّٰہِ حَسِیْبًا۔ ترجمہ۔ (بہترین سامان سفر تقویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کافی نگران ہے)

شعر

گر خیل و سپاہ حسبی اللہ — ور پشت پناہ ربی اللہ۔ والسلام

شیخ حسینؒ کا بیان ہے کہ میں نے اپنے پیر و مرشد کی زبانی خود سنا ہے جنھوں نے مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں فرمایا۔ ہندوستان میں کوئی "مرد خدا" نہیں جس پر میں شیخ

حسین نے عرض کیا کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں کوئی مرد نہ ہو کیونکہ اُس مرد ہی کی وجہ سے وہ آبادی موجود ہے۔ یہ سن کر شیخؒ نے فرمایا سچ کہتے ہو جو لوگ ہیں وہ مرد صالح ہیں۔ لیکن مرد خدا کچھ اور ہی ہے۔ اگر ہندوستان میں مجھے کوئی "مرد خدا" نظر آتا تو میں اُس کا مجاور اور پیش خدمت بن جاتا۔

خط

طالبان حق کے لئے تین اصول ہیں ایک یہ کہ ہمیشہ بھوکا رہے۔ روزہ کی حالت ہو یا نہ ہو۔ بھوک ہی وہ رُکن ہے جس پر عمارت کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اس کے سوائے اور کوئی بڑا رکن نہیں۔ چونکہ بھوک سب سے بڑا رکن ہے۔ اس لئے کسی حالت میں بھی اس سے کنارہ کشی نہ کی جائے۔ ذوق و شوق کی بنیاد بھی بھوک پر ہے۔ قوت دار لوگ بھی بغیر روزہ رکھے بھوکے رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جو مبتدی نو آموز یا کمزور ہے۔ وہ بھوک کی خاطر روزہ رکھتا ہے غرضکہ تمام کاموں کی اصل اور بنیاد بھوک ہے۔ دوسرا اصول دل لگاؤ ہے۔ تیسرا اصول غیر ضروری چیزوں کو چھوڑ دینا ہے۔ انہی تینوں تحفے کے انبیاء و اولیاء مالک تھے ان تینوں کی وجہ سے جو ذوق پیدا ہو تو وہ دراصل ذوق ہے۔ نفس اپنی جگہ اور شیطان اپنی جگہ ہے۔ مذکورہ بالا تینوں چیزیں جس میں جمع ہو جائیں اُس پر نفس شیطان اور انسان و جنات وغیرہ کا قابو نہیں چلتا۔ اگر یہ سب کچھ بھی چاہیں تو کسی طرح بھی غلبہ نہیں پا سکتے۔ کیونکہ ان تینوں چیزوں کے ساتھ اللہ کا رحم و کرم رہتا ہے۔

خط (نصیحت نامہ)

بیٹا قاضی امجد تم نے کچھ کہنے اور مفید باتیں لکھنے کی خواہش کی تھی جس کے مطالعہ سے خوشی اور مسرت ہوئی۔ بزرگوں نے اگرچہ لکھنے اور کہنے کی کوئی بات چھوڑی نہیں لیکن میں صرف اتنی ہی وصیت کرتا ہوں کہ تم ہمیشہ اپنے نفس کو دشمن سمجھنا اور خواہشات کے خلاف مسلسل اپنی ہمت کو کام میں لانا۔ کام کرنے کو غنیمت سمجھو جس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو ہمیشہ اپنا رقیب سمجھو۔ جتنا وقت یادالٰہی میں گذرے اسے اسلام سمجھو۔ اور جس وقت یاد الٰہی سے غافل رہو اُسے اعتقاداً نہیں بلکہ اعتباری طور پر کفر کا زمانہ سمجھو۔ اتنا تو دشمن سے بچاؤ کے لئے لکھا گیا۔ باقی یہ کہ اپنے ہاتھ پاؤں کو چھوٹے بڑے گناہوں سے پاک رکھو اور دن رات ہمیشہ توبہ کرتے ہوئے تجدید کرتے رہو۔ دِلی حالات کا پتہ لگاؤ۔ اور جو وظیفے ہم سے سیکھے ہیں۔ اُنھیں ہمیشہ پڑھتے رہو۔ اگرچہ تمام کاموں کی اصل اور بنیاد توبہ ہے اور توبہ کے مقامات کی کوئی انتہا نہیں۔ مقامات توبہ کی مثال اُس

زمین کی طرح ہیں جس پر عمارت تعمیر کی جائے اور جس کے پاس زمین ہی نہ ہو وہ تعمیر کہاں کرے گا۔ ہمیں تمہیں سب سے ضروری یہ ہے کہ آنکھ کان ہاتھ اور زبان کو گناہوں اور جھوٹی باتوں وغیرہ سے پاک صاف رکھیں۔ اور دن رات اسی ٹوہ میں رہیں۔ کہ آج زبان پاک رہی یا نہیں نیز اسی طرح ہاتھ پاؤں وغیرہ پاک رہے یا گندہ ہوئے اگر گندہ ہوئے ہوں تو توبہ کرکے تجدید ایمان کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔ اگر تم اس غم میں مشغول اور اسی فکر میں رہے تو تمام دنیا کی عبادت تمہارے نام لکھی جائے گی۔ اس زمانہ میں حلال روزی کھانا اور ہاتھ پاؤں وغیرہ کو گناہوں سے پاک رکھنا جس کسی کو میسر ہو وہ ہمارے وقت کا جُنید ہے۔ اگر غور سے دیکھو تو یہی اصل بات اور خلاصۂ کلام ہے۔ باقی دوسرے نقش برآب ہیں۔ اگر یہ مقصد اور دولت ہاتھ آجائے یا کبھی مل جائے تو اس وقت شکر واجب اور ضروری ہے۔ اور اگر یہ دولت نہ ملے تو تو یہ ضروری ہے جو آج شریعت اسلامی پر چلتا رہے وہ کل روز قیامت پل صراط پر سے بھی حقیقتاً سلامتی کے ساتھ گزر جائے گا۔ اور جو کوئی دنیا میں شریعتِ اسلامی پر چلنے میں لغزش کرے اسے بنیر شک وشبہ پل صراط پر بھی لغزش ہوگی۔

شعر

دوزخ و جنت ازیں جامی بُرند　　راحت و محنت ازیں جامی بُرند

جب تک ہو سکے دائرۂ شریعت میں رہو اور ثابت قدم رہو۔ تاکہ ظاہری اور باطنی سعادت حاصل ہو۔ آہ پوری عمر فسق وفجور میں گزر گئی اور ساری عمر میں وہ دو رکعت نماز میسر نہ ہوئی جو بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ہوتی۔ اور کوئی ایسا روزہ نصیب نہیں ہوا جسے پورے طور پر روزہ کہہ سکتا۔ ہماری حالت یہ ہے کہ صبح کو مسلمانوں کی طرح اٹھتے ہیں۔ دن بھر گناہ کرتے ہیں اور سوتے وقت پھر اسلام لے آتے ہیں۔

رباعی

فسق است وفجور کار ہر روزۂ ما　　پُر شد زحرام کاسہ و کوزۂ ما
تا خندہ روزگار دی گوید عمر　　بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

ترجمہ۔ (ہمارا روزانہ کا معمول فسق وفجور ہے۔ ہمارا پیالہ وگلاس حرام سے بھرا ہوا ہے۔ ہماری عبادت نماز اور ہمارے روزہ پر زمانہ ہنستا اور عمر رو رہی ہے)

آج غم طاعت وعبادت میسر نہیں۔ ہر وقت یہی بڑی ہے کہ تجدید ایمان کے ساتھ کلمہ

شہادت بھول نہ جاؤں۔ اگر صرف اسی زبانی ایمان اور زبانی توحید ہی کی توفیق شامل حال رہے اور جان نکلتے وقت کلمہ شہادت زبان پر ہو تو یقین کر لو کہ دنیا فتح کر لی۔

شعر

در مجلس وصالت خمہا کشند مرداں   چوں دور خسرو آید می در سبو نماند

ترجمہ۔ (تمہاری مجلس میں لوگ خم کے خم خالی کرتے ہیں لیکن جب خسرو کی باری آئی تو صراحی میں شراب ہی نہ رہی)

زندگی کا آخری دور ہے اکہتر سال کی عمر ہو چکی ہے اب ماہ وسال کی امید نہیں۔ صرف ایک دوست ہے جو اپنی پاکیزگی میں مشغول ہے وہ اپنی پاکیزگی سے فراغت کے اوقات میں اس مفلس محتاج، قدیم بت پرست۔ نفس امارہ کے قیدی کی اپنے شیخ کی محبت کے باعث جس دن اور جس وقت یاد آئے ایمان سلامتی توحید، خیریت اور عافیت کی دعاؤں سے مدد کرے دوسرا خط ایک طلبگار حق کو لکھا ہے جس میں تحریر ہے کہ ایک اسم الٰہی مقرر کر کے پڑھو۔ درویش نام کے بہت سے ہیں جو شعبدہ بازی اور ملمع سازی کرتے ہیں۔ شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ ملمع ساز نہیں تھے۔ آپ کے دروازہ سے طریقت کا سبق حاصل کیا۔ اور غیر اللہ سے الگ رہنا سیکھا جو یہ شعر پڑھتے ہیں۔

شعر

بولایت محبت صفر نیست عاشقان را   بجہاں چہ دید آنکس کہ ندید ایں جہاں را

ترجمہ۔ (ولایت محبت میں اُن عاشقوں کو صفر ہی ملا جنھوں نے اس دنیا میں اُس دنیا کی کوئی چیز نہیں دیکھی)

جو قدم صحیح راستہ پر نہیں اٹھایا گیا اس کی محنت بیکار گئی۔ اس کو دوئی ڈھنکتے رہنا چاہیئے اور ایسے ڈھنکنے کو نماز تلاوت قرآن پاک اور دوسری ظاہری عبادتیں نفع دیتی ہیں۔ مردوں کا کام الگ ہے اور ہجڑوں کا الگ فرشتوں کو بت پرستوں سے کوئی رغبت نہیں۔ اس لئے کہ جو چیز تم کو حق سے روکے رکھے وہ شیطانی اور سرکشی ہے۔ والسلام

مجھ فقیر طلبگار عاجز کو لوگوں کی عنایتوں کی پرواہ نہیں خواہ وہ رضامندی یا غصہ کی وجہ متوجہ نہ ہوں۔ بھلائی اسی میں ہے کہ خود مضبوط ہو جائیں۔ اگر بت خانہ سے بھی نصیحت کی آواز آئے تو اُسے قبول کرو جوانی کی حالت میں بڑھاپا آنے سے خوف نہ کرو ایک مہینہ میں

دو تین چکر لگالے سے کسی بیماری یا ہلاکت کا خوف نہیں۔ کام کرتے رہو اچھے رہو گے۔ بنیادی کام صرف عادت کی تبدیلی اور بُری صفتوں کو چھوڑ دینا ہے جو وضو کی طرح ہے۔ اگر وضو نہ ہو تو نماز روزہ درست نہیں کیونکہ اصل چیز طہارت ہے۔ اگر سلوک میں طہارت حاصل نہ ہوئی تو کچھ بھی نہ ملا۔ تم نے جو یہ لکھا ہے کہ سردی سے تکلیف ہوتی ہے۔ اجازت ہو تو کپڑے پہن لوں۔ تو سنو لباس کفن اور خرقہ پہننا ایک رواج ہے فقیر جو ایک بلند منزل کا طلبگار ہے اُسے کپڑے پہننے کا کیا اختیار۔ اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھ رہا ہے۔ تم جو چاہو پہن لو۔ دوسری چیز یہ ہے کہ طلبگار کو جہاں کسی ظاہری صورت کے سمجھنے میں مشکل درپیش ہو تو اُس پر اعتراض یا انکار کرنا موجودہ مرتبہ تک رسائی کی ناشکری ہے۔ ہمارے بزرگوں کا ارشاد ہے بھوک میں جب غذا ملے تو آدھے پیٹ کھاؤ اور آدھا پیٹ ہمیشہ خالی رکھو۔ لیکن شکم سیری کے لئے اگر صرف پانی ہی میسر ہو تو سادے پانی سے پیٹ نہ بھرو کیونکہ اس سے بجز توفیق الٰہی کے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہمیشہ پانی پیتے رہنے سے حرارت پیدا ہوتی اور پیاس لگتی رہتی ہے جو تجربہ میں آچکا ہے۔ جب بہت بھوک ہو یا خوب شکم سیر ہو کر کھایا ہو تو تھوڑا سا پانی پیا جائے۔ لیکن زیادہ سے زیادہ بھوکا رہا جائے بعض اوقات جبکہ خوب سیر ہو کر کھایا جاتا ہے اور یہ طریقہ برسوں جاری رہتا ہے تب بھی فائدہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس کے ماسوا اتنا بھوکا رہنا جو ہم نے تحریر کیا ہے یا اتنی شب بیداری جس میں وضو کی ضرورت نہ ہو یا تھوڑی دیر سونے کے بعد جاگنا اور وضو کر کے شب بیدار و عبادت گذار رہنا یہ سب فائدہ مند ہے جس کے ذریعہ دل کی صفائی ہوتی اور شرم و حیا پیدا ہوتی ہے۔ اگر قلیل گفتگو، قلبی تعلق اور ذکر الٰہی بھی ایک جا اکٹھے ہو جائیں تو یہ وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ قلب کی صفائی ہو جاتی ہے۔ گریہ وزاری اور آہ و بُکا کرنا بالکل بیکار ہے جس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔ اصل نگرانی کی چیز تو دل لگاؤ اور قلبی تعلق ہے کیونکہ یہی اعلیٰ و بالا ہے۔ جس کے لئے جسمانی قوت اور نوجوانی کا زمانہ درکار ہے تاکہ چوبیس گھنٹہ میں صرف ایک وقت مقررہ مقدار میں کچھ کھائے اور پھر کھالے پینے سے فراغت کر کے دل کو کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دے۔ پھر رات کو خلوت میں اللہ کی جانب توجہ کر کے حضور دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کوشش کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے حرکات و سکنات، اقوال و افعال، عزت و دبدبہ کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلے۔ اور وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ ترجمہ (تم جہاں کہیں ہو وہ اللہ برتر تمہارے ساتھ ہے) کُھلم کُھلا حاصل ہو جائے۔

اگراس درجہ پر پہونچ جائے اور اکثر اوقات اسی فکر میں لگا رہے تو پھر اپنی مشغولیت حق کے باعث اس کو عظیم ترین دولت سمجھنا چاہیئے۔

رباعی

ہر کہ از اہل ہنر در اہل عیب   آفتابے دارد اندر جیب غیب
عاقبت روزے بود کاں افتاب   در برش گیرد براندازد نقاب

اگر یادِ الٰہی میں مشغولیت کے بعد بھی خالی ہاتھ رہے اور آہ و زاری بھی نہ کرسکتا ہو تو تمام اوراد و وظائف پڑھنے سے محرومی، یاس اور معصیت اپنے لئے مخصوص نہ کرے۔

شعر

از بخت بدم اگر فروشد خورشید   از نور رُخت مہا چراغ گیرم

جب شبیر مرد اور با ہمت لوگوں کی طرح کام کا انجام نظر نہ آئے تو مجبوراً خود کو عاجز و قاصر سمجھتے ہوئے ہمت نہ چھوڑو اور مایوس نہ ہو اپنے تمام حرکات و سکنات، اقوال و کردار میں اس امر کی کوشش کرنا چاہیئے کہ راہ حق کے حصول میں کوئی فرو گذاشت نہ ہونے پاتے۔ اور ہر حالت میں حق و صداقت کے کام انجام دیئے جاتے ہیں۔ انشاء اللہ دین اور دنیا دونوں جگہ عزت یابی ہوگی۔

خط اللہ تعالیٰ بلند ہمت والوں کو دوست رکھتا ہے اور کج دلوں کو ناپسند کرتا ہے بلند ہمتی یہ ہے کہ ہر لحہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس سے بالاتر ہو کر اپنے ہمت کے ہُما کے ذریعے رضائے ربوبیت میں پرواز کرے۔ شیخ عبداللہ تستری کا بیان ہے کہ نفس اور خواہشات کی موافقت میں لوگوں کی طرح اور کوئی چیز نہیں۔ لوگ اپنی ذات سے ایسی جنگ کر رہے ہیں کہ قبریں جانے تک صلح کا امکان نہیں اگر کبھی صلح کو پیش نظر رکھیں تو ان میں صلاحیت پیدا ہوسکتی ہے نہ صرف بصورت اعتقاد بلکہ بظاہر بھی یہ لوگ زُنار پہنے ہوتے ہیں اور باطن کو ظاہر کے موافق کرنا چاہتے ہیں۔ یہ صورت اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک منافقت سے باز نہ آجائیں۔ قرآن کریم نے زُنار پہننے والوں کے متعلق تمام عالم سے یوں خطاب فرمایا ہے اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ ترجمہ۔ (تم نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جو اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنائے ہوتے ہیں)۔ مخلوقات سے دل برداشتہ ہو کر حق و صداقت میں دل جمعی رکھنا اولیاء و انبیاء کا کام ہے۔ پوری دنیا چند بگھہ زمین اور گنتی کے نوالوں میں پھنسی

ہوئی خوش نظر آتی ہے لیکن یہ فضا اور زمین ان کی دل جمعی اور تسلی کا باعث نہیں۔ سرمایہ دار جن کے پاس دولت کا انبار ہے وہ فقیر کے آنے سے اتنا ڈرتے ہیں جتنا حق سے نہیں ڈرتے۔ بہت کم آدمی ایسے ہیں جو دنیا سے تعلق نہ رکھ کر ایک مہینہ یا چھ مہینہ اللہ پر پورا بھروسہ رکھیں تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ حق پر بھروسہ کرنے والے کی کوئی چیز برباد نہیں ہوتی۔ مرد بنو اور جوانمرد بنو تاکہ دنیا والوں سے دل الگ رہے اور اللہ کے فضل وکرم پر بھروسہ کرو تاکہ وہ تم کو برتر بنائے اور جس طرح چھوٹے سے بڑا کیا ہے اس سے زیادہ بلند و بالا کرے۔

خط (اللہ اور مخلوق کے ساتھ رہو)

بھائیوں اور دوستوں کو معلوم ہو کہ اس خط میں اسرار الوہیت کے وہ راز بیان کروں گا جو شیخ الاسلام شیخ مظفر کے زیر عمل رہے ہیں۔ شیخ باطل پرست نہ تھے بلکہ ایک بڑے محقق تھے انھوں نے یہ رازہائے سربستہ بدعتیوں وغیرہ کے خیالات سے ملوث نہ ہونے دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے۔ ایک چیز کے دوسری چیز کے ساتھ ہونے کو معیت اور ساتھ ہونا کہتے ہیں۔ معیت مجازی ہوئی یا حقیقی۔ علماء کا بیان ہے کہ یہ معیت حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام ذراتِ عالم کے ساتھ ذاتی طور پر نہیں بلکہ تمام ذرات پر اپنے علم کے ساتھ قادر ہے متکلمین بھی یہی کہتے ہیں لیکن صوفی اس ظاہری معنی پر قناعت نہ کرتے ہوئے حقیقت طلب کرتے ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ تمام ذرات کے ساتھ حق حقیقتاً موجود ہے یعنی حق تعالیٰ ذاتی طور پر حقیقتاً تمام چیزوں کے ساتھ موجود ہے۔ اس کی معیت ایک جسم کی دوسرے جسم کے ساتھ نہیں کیونکہ وہ جسم نہیں اور جوہر کی جسم سے تعلق رکھنے کی طرح بھی نہیں کیونکہ وہ جوہر نہیں اور عرض کی جوہر سے شرکت کی طرح بھی نہیں۔ کیونکہ وہ جوہر نہیں اور عرض کی جوہر سے شرکت کی طرح بھی نہیں۔ کیونکہ وہ عرض نہیں ہے۔ منطقی اور متکلمین صرف ان ہی تین چیزوں کی معیت مقرر کر سکے ہیں۔ اور صوفی ان تین کے علاوہ اس چوتھی معیت کے قائل ہیں جس کی مثال روح اور جسم کی طرح ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ تمام کائنات کے ساتھ ہے۔ جسم میں، جسم کے باہر، جسم سے متصل اور جسم سے الگ نہیں بلکہ اللہ ساتھ ہے اور اس طرح ساتھ نہیں جیسے روح اور قالب۔ کیونکہ روح اور جسم دونوں کی دنیا الگ الگ ہے۔ جس طرح روح کو جسم میں داخل خارج متصل اور الگ ہونے کی بابت کوئی نسبت نہیں اور ان میں کے کسی ذرے

میں حقیقتاً روح ذاتی طور پر موجود نہیں لیکن دنیا دیکھتی ہے کہ روح اجسام میں پائی جاتی ہے بالکل اسی طرح اللہ کی مثال ہے جیسا کہ خود اس نے یہ راز بیان کیا ہے۔ من عَرَفَ نفسہٗ فقد عَرَفَ رَبَّہٗ۔ اس جگہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ کی ذات تمام گندے مقامات میں بھی موجود رہے گی جو ناممکن ہے۔ جس کے جواب میں صوفی کہتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہر قسم کی گندگی اور نجاست کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے جس کی حفاظت کے بغیر کسی چیز کا باقی رہنا ناممکن ہے اور اس معیت سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں کوئی عیب یا کمی لازم نہیں آتی اور سب جانتے ہیں کہ فاعل کے بغیر کوئی فعل یا موصوف کے بغیر کوئی صفت ظاہر ہی نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ روح حاکم ہے اور جسم کے ہر جُز میں موجود ہے۔ جسم کے تمام ذرات اور زندگی سب اسی کے ہاتھ ہے۔ اس خیال کے مدنظر جسم کی اندرونی چیزوں جیسے خون وغیرہ سے روح کی پاکی اور طہارت میں کوئی نقصان نہیں آتا ہے۔ متکلمین نے اللہ تعالیٰ کی معیت کو تمام ذرات کے ساتھ حقیقی طور پر ملا دیا۔ یہ بے وقوف نہ سمجھ سکے کہ تقسیم اور حلول کے بغیر کوئی جسم کسی جسم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی پاک، بے عیب اور حقیقی رہبر ہے۔

مثنوی

گفت تو کے دیدی آں رخسار را ۔۔۔ چشم مجنوں باید آں دیدار را
تا نیابد عشق مجنوں نے ۔۔۔ کے بود لیلیٰ بجا تو نے پدید
گر بچشم من نہ بینی روئے او ۔۔۔ تو تیا سازی زخاکِ کوئے او

جب طلبگاروں کی ہمت عالی طلب مقصد میں کوتاہی کرنے لگی تو اس عاجز فقیر نے ان کو شوق دلانے کے لئے قلم ہاتھ میں لیا تاکہ جب قلب کی صفائی کی نعمت سے مایوس نظر آئیں تو کم از کم مراقبہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی دید سے محروم نہ رہیں۔ خود کو اس کے ساتھ اور اس کو اپنے ساتھ سمجھیں۔ جو لوگ خود کو اللہ سے دُور سمجھتے ہیں وہ بے ادب اس کے احکام کے مخالف عمل کرتے ہیں اور مخلوقات میں سب سے زیادہ محروم وہی ہیں جو اللہ کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے۔ والسلام۔

خط (اسمائے حقیقی) بھائی توحید پرستوں کی اصطلاح تو آپ کو معلوم ہے جو شرح آداب المریدین میں ہمارے شیخ کی مشہور کتاب منازل السائرین سے اخذ کی گئی ہے کہ اسم حقیقی ذات الٰہی ہے لیکن جب تک موحدوں کی اصطلاح معلوم نہ ہو جائے

اس وقت تک اسمائے حقیقی اچھی طرح سمجھ میں نہیں آسکتے انشاءاللہ اسم حقیقی کی وضاحت اس سے ہو جائے گی مثلاً ایک زیادہ گہرا پانی جس میں ذات صفات، اسباب، نفس اور ہستی ہے یہی پانی تمام نباتات کو سیراب کرتا اور آب لاتا ہے اور یہی پانی دوسرے استعمال میں آتا ہے۔ سُنو پانی کی ہستی اس کی ذات ہے اور اس کا عام طور پر استعمال اس کا نفس ہے۔ یہی پانی تمام نباتات سے خاص طریقہ پر وجہ اور نسبت رکھتا ہے اور یہی اپنی ذات کے اعتبار سے درختوں کو نشو و نما دینے مختلف پھول اور میوے، رنگ اور مزے پیدا کرتا ہے جو پانی کی صفتیں ہیں پھل پتہ، مثلاً میوہ، کانٹا اور پھول میں پانی ہی کی صفات قابلیت موجود ہیں اور یہ اپنے اثر کے باوجود مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہے۔ اسی لئے پانی کی ضرورت پڑتی ہے جس چیز سے یہ تمام امتیازات حاصل ہوتے ہیں جو درحقیقت اسمائے حقیقی نہیں بلکہ پانی کے امتیازات ہیں اور پانی ہی کے اسباب ہیں جو پانی کی ذات سے جدا نہیں۔ غرض کہ پانی کی ذات آبیاری اور آب و تاب سب کو ایک جامع صورت میں پانی ہی کہتے ہیں۔ اتنی ہزار شکلیں صورتیں جو نظر آتی ہیں یہ سب پانی ہی کا کمال ہے اور کرشمہ ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ کا سربستہ راز پانی کی مثال میں دیکھ لو۔ اس کے بعد سُنو اللہ تعالیٰ اوپر نیچے دائیں بائیں، آگے پیچھے کی سمت نہیں رکھتا وہ غیر محدود اور لامتناہی نور ہے۔ حدود آغاز و انجام اور ترکیب سے پاک و صاف ہے۔ تغیر و تبدل، تقسیم اور فنا و عدم کی کوئی کیفیت اس پر صادق نہیں آسکتی۔ وہ یکتائے حقیقی ہے اس کی ذات میں کسی طرح کی کثرت نہیں اور اس بنا پر وہ ایسا نور ہے جو تمام مجزات کو گھیرے ہوئے ہے اور تمام میں موجود ہے۔ یہ نور اپنی شمولیت، اپنی صفات اور قابلیت کے باوجود کار فرمائی میں یکتا ہے۔ اس عمومی اعتبار سے کہتے ہیں کہ جو کہیں پر اللہ کا نور دیکھتا ہے وہ گویا اللہ کو دیکھتا ہے۔ اور اس کی پرستش کرتا ہے یہ اہل توحید کی اصطلاح ہے جو شرک ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُوْنَ (ترجمہ۔ اکثر اس طرح اللہ پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ مشرک ہیں) کیونکہ لوگ روزانہ جنگ میں مشغول ہیں اور اللہ پر اعتراض و انکار کر رہے ہیں باوجودیکہ انوار الٰہی سے محروم ہیں لیکن خدا کے جلوے دیکھ کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ موحدین ہر قسم کے اعتراض و انکار سے الگ مخلوقات کو اللہ سمجھ کر ان سے صلح جوئی کا معاملہ کرتے ہیں۔ اے بھائی اس غیر محدود نور الٰہی تک رسائی کرو۔ اس نور کو دیکھو اور دنیا میں اس نور کی نگرانی کرو اور اس طرح رہو کہ

کوئی شرک نہ کرسکو گے نہ حلول، باہم، اعتراض اور انکار کے عقیدے کی بنا پر کیا دھرا سب خاک میں مل جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اللہ جو یکتا ہے اور ہم سب کا خالق اور مالک ہے اس کی مخلوق میں صلاحیت کے کام پیدا کرو۔ اور میرے اس مختصر خط پر غور کرتے ہوئے اس سے فائدے حاصل کرو اور اسمائے حقیقی کو دھیان میں رکھو[1]

شیخ شرف الدین پانی پتیؒ

ان کو ابو علی قلندر بھی کہتے ہیں جو مشہور مجذوب اور ولی تھے کہتے ہیں کہ ابتدائی

پیدائش ۶۵۲ھ ــــــ وفات ــــــ ۷۲۴ھ زمانے میں علم حاصل کرنے کے بعد سلوک کی راہ میں مجاہدہ اور ریاضت کی۔ تمام کتابوں کو دریا سپرد کرکے آخر کار مجذوب بن گئے۔ کس کے مرید تھے یہ تو معلوم نہیں البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مُرید تھے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شیخ نظام الدین اولیاء کے لیکن ان میں سے کسی ایک کی صحبت کا یقین بیان نہیں کیا گیا انھوں نے اختیار الدین کے نام عشق و محبت معارف و حقایق، توحید اور ترک دنیا، طلب آخرت اور محبت الٰہی کی زبان میں چند خطوط لکھے ہیں اور ایک کتابچہ لکھنا بیان کیا ہے جس کا نام حکمنامہ شیخ شرف الدین بیان کرتے ہیں۔ خطوط اور کتابچہ کی تالیف و تصنیف کی بابت یقین نہیں کہ ان کی ہوں البتہ مشہور اور ظاہر یہ ہے کہ یہ سب لوگوں کی اختراع ہے باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ شیخ شرف الدین کی مونچھیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ کسی میں اتنی مجال نہ تھی کہ انھیں کٹوانے کے لئے کہے۔ مولانا ضیاء الدین سنامی جو شریعت کا کوڑا لئے پھرتے تھے وہ ایک مرتبہ قینچی ہاتھ میں لئے پہنچے اور شیخ کی ڈاڑھی ایک ہاتھ سے پکڑ کر مونچھوں کے بال کاٹ ڈالے کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے شیخ اپنی ڈاڑھی کو چومتے اور کہتے یہ شریعت محمدی کے راستے میں پکڑی جا چکی ہے۔ آپ کی قبر پانی پت میں ایک پُر فضا مقام پر ہے۔ جہاں لوگ جوق در جوق آتے ہیں۔ یہیں آپ کے محبوب اور مُرید مبارک خاںؒ کی بھی قبر ہے۔

خط اے بھائی اللہ کی عنایت ہے کہ تم میں جذبہ پیدا کیا ہے اور تم کو خودی و خود رائی سے بچایا اور پھر تم میں عشق پیدا کرکے جلوہ حُسن تم کو دکھایا۔ تم جب عشق کو جان لوگے تو

---

[1] اللہ اسم ذات ہے اور باقی اس کے صفاتی نام ہیں از مترجم

معشوق کو پہچان لوگے۔ اور حقیقی طور سے معشوق کے عاشق بن جاؤگے۔ جب عاشق اپنے معشوق سے ملے تو معشوق کے طور طریق اور عاشق ہونے کے قاعدوں کو پیش نظر رکھے تو اس وقت عاشق و معشوق کو پہچانا جا سکتا ہے۔

اے بھائی! معشوق کو بھی تمہاری ہی شکل و صورت کی طرح پیدا کیا گیا ہے اور تم میں اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ وہ براہ راست تم کو صحیح راستہ دکھائے۔ اے بھائی اللہ تعالیٰ نے جنت دوزخ دونوں کو پیدا کر کے وعدہ فرمایا تم دونوں کو پُر کروں گا۔ معشوق کو عاشقوں کے ساتھ جنت میں لیجاؤں گا۔ اور شیطان کو اس کے چیلے چانٹوں کے ساتھ دوزخ میں جھونک دوں گا۔ اے بھائی جنت و دوزخ میں صرف عاشق ہی داخل ہوں گے۔ اور یہ دونوں کشش عشق کی پیداوار ہیں جن کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ہے۔

بہشت وہ مقام ہے جہاں دوستوں سے وصال ہوگا۔ اور دوزخ وہ جگہ ہے جہاں دشمنوں میں فراق ہی فراق ہوگا۔ یہ فراق کافر و منافق لوگوں کے لئے ہوگا اور رسول اکرمؐ کے عاشقوں و دوستوں کو وصال نصیب ہوگا۔ اے بھائی دل کی آنکھیں کھولو اور غور سے دیکھو کہ عاشق نے اپنے عشق کے ذریعہ تمہارے لئے کیا کیا پیدا کیا ہے اور دُنیا کو کیسا تماشا گاہ بنایا ہے۔ اپنے حسن سے ہر درخت کو آراستہ کیا۔ طرح طرح کے میوہ لگائے۔ اور ہر میوہ میں ایک الگ مزہ رکھا۔ اس درخت کو خود اپنی، اپنے پھول اور اپنے پھل کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اسی عاشق نے تمہارے لئے گنّا پیدا کیا جس کو اپنی مٹھاس کی اطلاع نہیں ہرن کی ناف میں مشک پیدا کیا جو صرف تمہارے لئے ہے۔ حالانکہ ہرن کو اُس کے اپنے مشک کی خبر تک نہیں ہے۔ سمندری گائے سے تمہارے لئے عنبر پیدا کیا جس کا اسے خود پتہ نہیں ہے۔ مشک بلاؤ سے تمہارے نفع کے لئے خوشبو پیدا کی جس سے وہ خود ناواقف ہے ایک درخت سے تمہارے لئے کافور پیدا کیا اور درخت کو خود کافور کے وجود کا علم نہیں۔ درخت صندل سے تمہارے لئے خوشبودار تیل اور خوشبوئیں پیدا کی ہیں جس کی درخت صندل کو خود خبر نہیں ہے۔

اے بھائی عاشق بنو۔ دو عالم کو معشوق کا حُسن سمجھو اور خود کو بھی حُسن معشوق تصور کرو۔ عاشق نے اپنے عشق سے خود تیری مملکت وجود بنائی تاکہ تیرے آئینہ میں اپنے جمال حُسن کا مشاہدہ کرے اور تجھے محرم اسرار بنائے رکھے۔

یقین رکھو کہ حکم پروردگار   اکّہ شانٌ سِیّرِی

ترجمہ۔ (انسان میرا ایک سربستہ راز ہے) تمہاری ہی شان میں ہے۔ عاشق بن کر ہمیشہ حُسن دیکھتے رہو اور دنیا و آخرت کو اس طرح تصوّر کرو کہ آخرت در اصل سرکار دو عالم کی مملکت ہے اور دنیا شیطان کی راج دھانی ہے۔ دونوں کا پتہ لگاؤ کہ ان کی پیدائش کا مقصد کیا ہے اور ہمیں خود کیا کرنا چاہیئے۔

اسے بھائی نفس کو اچھی طرح سمجھ لو۔ جب نفس کو سمجھ لوگے تو دنیا کی شناخت تمہارے لئے بالکل آسان ہے۔ اسی طرح اگر روح سے شناسا ہو جاؤ گے تو آخرت کو اچھی طرح سمجھ سکوگے۔

اے بھائی اس دنیا میں جو حُسن و خوشنمائی کفر کو دی گئی ہے اسے عاشق ہی خوب پہچانتے ہیں کہ اُن کے لئے کفر میں کتنی آرائشیں ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ کفر کا حُسن دراصل دنیاوی عاشقوں کا معشوق ہے۔ یعنی حُسن کافر پہ دنیا والے مرے مٹتے ہیں۔

اے بھائی! تم کیا جانو کہ کفر نے اپنے غمزۂ حُسن سے دنیا والوں پہ کیسے کیسے تیر چلائے اور اپنا گرویدہ عاشق کرلیا ہے۔

اے بھائی خود کی طلب میں مشغول ہو جاؤ۔ خود کو پہچانو جب اپنے نفس کو پہچان لوگے تو عشق کے اسرار و لوازمات سے پوری طرح خود ہی واقف ہو جاؤ گے۔ اور جب عشق کو خود اپنے حُسن میں دیکھوگے تو ہر ایک کی زبان پر خود اپنا چرچا پاؤ گے۔ غرضیکہ عاشق بن کر جب معشوق کو اپنی بغل میں دیکھوگے تو حسن کا معائنہ اپنے دل کے آئینہ میں کروگے۔

اشعار

آن شاہد معنی کہ ہمہ طالب اُویند   ہم اوست کہ از چادر تو ساختہ سرپوش

در بادیۂ ہجر چرا بند بمانیم   درعین وصالیم گفارست در آغوش

ترجمہ۔ (وہ معشوق حقیقی جس کے سب طلب گار و شیفتہ ہیں۔ اُس نے تمہاری چادر خود اوڑھ لی ہے۔ ہجر و فراق کے جنگلوں میں ہم بادیہ پیمائی کیوں کریں؟ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم وصال کی حالت میں ہیں اور معشوق حقیقی ہماری آغوش میں ہے)

اے بھائی گڑ کی ایک گولی لاؤ اور اس کی سو گولیاں بنا کر ہر ایک کا الگ الگ نام رکھو اور تھوڑے تھوڑے گڑ کی الگ الگ صورتیں بنا کر اُن میں سے کسی کو گھوڑا کہو اور کسی کو ہاتھی۔

توجب تک یہ تمام صورتیں ہیں ان کے وہی نام ہیں جو تم نے رکھے ہیں لیکن اگر سب کو ملا کر پھر ایک جگہ کر لو تو اس کا وہی اصلی نام گرد رہے گا۔

ایک دوسرے خط میں ہے اے بھائی! نمعلوم لوگوں کو کیوں پیدا کیا گیا ہے۔ لوگ کیا کر رہے ہیں اور کیا کریں گے۔ اور ان کو کیا کرنا چاہیئے۔ ہر وقت اسی انجمن میں گرفتار ہوں۔ کبھی خیال آتا ہے کہ وہ ہمارے آئینہ دل کو اس لئے صاف اور آراستہ کر رہا ہے تاکہ عاشق کو اپنا جمال دکھائے اور خود کے معشوق ہونے کا حکم عاشق خستہ کو پہنچائے۔ بہر حال عاشق کا فرض ہے کہ وہ معشوق کی سنتوں کو بروے کار لائے۔ اور خود کو عشق عاشق اور حسن معشوق سے ظاہر اور باطن میں معمور کرے۔ اور اس تماشائے حسن ظاہر میں عاشق سب کچھ فراموش کر کے باطن میں دیکھے کہ جو کچھ حکم ہو رہا ہے اس کی تعمیل میں مشغول رہے۔

اے بھائی! کبھی نفس کا خیال آتا ہے اور حال و خیال ایک ساتھ ہو کر دنیا کمانے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے۔ دنیاوی آرائشیں، خیال نفس کو تقویت دیتی ہیں۔ پھر یہ خیال سرگردان کرتا ہے اور دنیاوی معشوقوں کے دروازے کے چکر لگواتا ہے جہاں ایسا عاشق اور ایسا معشوق دونوں ذلیل و خوار ہو جاتے ہیں۔ اور اس ذلت و خواری میں شوق آسائش و آرائش کی خبر نہیں رہتی۔ اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ کس سے وعدہ ایفا کی جائے اور کس سے نہ کی جائے۔

یہاں تک کہ موت جو ایک دن آنے والی ہے اس کی بھی فکر نہیں رہتی اور یہ دنیاوی عاشق جو دنیا کے حسن و آرائش پر فریفتہ ہو گئے ہیں عشق کی بھول بھلیوں میں بالکل کھو جاتے ہیں۔ ان کو بالکل نہیں سوجھتا کہ اس پوری دنیا پہ معشوق حقیقی کا قبضہ ہے جو جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور جس طرح چاہے گا ویسا کرے گا۔ اس کے علاوہ دنیاوی عاشق اس سے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ ہم کو آخرت کا کٹھن سفر پیش ہے۔

اے بھائی ذرا سوچو کہ تم کو ایک زبردست مہم طے کرنا ہے تمہیں اپنے لئے ایک مونس و ہمدرد کی ضرورت ہے۔ ہوش کے ناخن لو اور یقین کر لو کہ تم بحالت موجودہ اپنے نفس کے غلام بنے ہوئے ہو اسی سے کسی طرح چھٹکارا حاصل کرو۔

اے بھائی بالکل معلوم نہیں کہ خیالات و افکار کس بدحالی پر لے جائیں گے۔ البتہ جب بدنصیبی اور بدقسمتی ظاہر ہو گی تو پتہ چلے گا کہ نفس اور برے خیالات نے یہ روز بد دکھایا ہے۔

اے بھائی! مجھے کچھ نہیں معلوم کہ میں کیا کہتا ہوں اور کیا کرتا ہوں۔ میں ازخود رفتہ ہوں۔ البتہ زبان جو قبضہ قدرت میں ہے اگر ہوسکے تو اس زبان سے وہ باتیں کہوں جو دوعالم کے نزدیک پسندیدہ ہوں۔

اے بھائی اتنا معلوم ہے کہ خودی پیدا کرو اور خودی کے خواہشمند رہو۔ اللہ نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا۔ کسی کو اس کی منشاء میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

شیخ عثمان سیّاح

شیخ رکن الدین ابوالفتح کے مُرید تھے۔ بہت زیادہ سیر و سیاحت کی لیکن پھر اپنے اصلی وطن دہلی میں ہی لوٹ آئے۔ قوالی کے رسیا تھے۔ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کی مجلسوں میں برابر آتے خوب قوالی سنتے تھے اور وجد و حال میں رقصاں رہتے تھے۔

پیدائش ۶۵۱ھ ——— وفات ——— ۷۵۸ھ

پُرانی دلّی میں ہفت پل جسے سلطان محمد عادل نے تعمیر کیا تھا اس کے قریب ہی آپ کا مقبرہ ہے

شیخ ابوبکر موئے تاب

بدایوں کے باشندے تھے[1]۔ ضیاء نخشبی نے اپنی تصنیف سلک السلوک میں لکھا ہے کہ شیخ ابو بکر موئے تاب جن کا بال بال ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتا تھا اور جو عالم بالا میں جانے ہی والے تھے کہ میں نخشبی اُن کی مزاج پرسی و عیادت کے لئے گیا دیکھا کہ اس صد ہزار پراسرار شعر کو بار بار پڑھ رہے تھے

پیدائش ۶۸۲ھ ——— وفات ——— ۷۴۰ھ

شعر

قالب چو غبار است میانِ منِ و تو امید کہ اینک از میاں برخیزد

ترجمہ۔ (اے اللہ یہ جسم میرے اور آپ کے درمیاں ایک غبار کی طرح ہے۔ امید ہے کہ یہ غباری پردہ جلد ہمارے درمیان سے اُٹھ جائے گا)

شیخ شہاب الدین حق گو رحمۃ اللہ علیہ

حق گو کے لقب سے مشہور تھے آپ کے والد کا نام شیخ فخرالدین زاہدی تھا۔

پیدائش ۶۸۹ھ ——— وفات ——— ۷۳۶ھ

---

[1] بدایوں ہی میں آپ کا مقبرہ ہے۔

حق گو آپ کو اس لئے کہتے تھے کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ نے حکم عام دیا تھا کہ تمام لوگ ہم کو سلطان عادل کہا کریں۔ لیکن شیخ نے بادشاہ کے روبرو ہی سلطان کو عادل کہنے سے انکار کیا اور برجستہ کہا ظالموں کو ہم عادل (انصاف پرور) نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ سلطان نے آپ کو قلعہ دہلی سے نیچے پھنکوا دیا۔ اور یہیں قلعہ دیوار کے نیچے آپ کا مزار ہے۔ شیخ فخرالدین ثانیؒ کے مُرید تھے جن کا مزار بھی پرانی دہلی میں فیروز آباد کی سمت ہے۔

سید محمد گیسو دراز رح

حضرت یوسف حسنی دہلوی کے صاحبزادہ اور شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رح کے بڑے خلیفہ تھے۔ سیادت علم و ولایت کے جامع، شان عظیم، مرتبہ بالا اور بلند پایہ کلام کے مالک تھے۔ مشائخین چشت میں خاص مشرب اور اسرار طریقت کے بیان کرنے میں مخصوص طریقہ کے علمدار تھے ابتدائً دہلی میں قیام تھا لیکن حضرت چراغ دہلوی کی وفات پر گلبرگہ (علاقہ دکن) چلے گئے جہاں عام مقبولیت حاصل ہوئی۔ علاقہ دکن کے تمام لوگ آپ کے حلقہ بگوش، مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے۔ گلبرگہ (علاقہ دکن) ہی میں آپ نے وفات پائی۔ گیسو دراز رح کے لقب سے مشہور ہیں۔ اس لقب سے یاد کئے جانے کی وجہ یہ مشہور ہے کہ پیرو مرشد حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلویؒ کی پالکی تمام مُرید اور سید محمد صاحب اٹھاتے تھے ایک مرتبہ پالکی اُٹھانے وقت آپ کے سر کے لمبے لمبے بال پالکی کے پاؤں میں اُلجھ گئے۔ پیرو مرشد کے ادب و تعظیم کے مدنظر ان کے عشق و محبت میں سرشار جبکہ آپ کے سر کے بال پالکی کی پاؤں میں اُلجھے ہوئے تھے اور چلنے کا یارا نہ تھا کہ بال کو پالکی کی پاؤں سے نکالے بغیر اسی طرح بہت دور تک چلتے رہے اور کافی فاصلہ طے کر لیا۔ پھر جب شیخ کو اس حالت کی اطلاع ہوئی تو سید محمدؒ کی سچی عقیدت اور پکی محبت سے خوش ہوتے ہوئے آفریں کی اور یہ شعر فرمایا۔

شعر

ہر کہ مُرید سید گیسو دراز شد — واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

ترجمہ۔ (جو کوئی سید محمد گیسو کا مُرید ہو گیا تو بخدا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ پکا عشق باز بن گیا)

سید محمد گیسو دراز رح کے ملفوظات جوامع الکلم کے نام سے آپ کے ایک مُرید محمد نے جمع کئے ہیں[1] جس میں مرقوم ہے شیخ چراغ دہلوی از راہ مہربانی مجھ سے محبت فرماتے تھے۔

---

[1] جوامع الکلم فارسی زبان میں طبع ہوئی جس کا آزاد ترجمہ سلیس زبان میں من ترجم اقبال الدین احمد نے کیا ہے۔

ابتدا ئیں میں نے چاہا کہ شیخ کی خدمت میں جلدی جلدی حاضری دیا کروں لیکن پدر بزرگوار جو حضرت محبوب الٰہی کے مُرید تھے اُن کو اپنے دوستوں سے کہتے ہوئے میں نے خود سُنا تھا کہ مُرید ہونے کے بعد پیرو مرشد کے پاس زیادہ سے زیادہ آمد و رفت کرنا چاہیئے وگرنہ مُرید ہوئے بغیر پیرو مرشد کے پاس زیادہ آنا جانا درست نہیں ہے۔ ایک مرتبہ پیرو مرشد چراغ دہلوی نے ارشاد فرمایا سید محمد! تم ہمیشہ بے وقت آتے ہو۔ اور جب آتے ہو تو میں اُس وقت رنجیدہ سا ہوتا ہوں۔ میری خواہش یہ ہے کہ تم سے کچھ تفصیلی گفتگو کروں۔ اس وقت سید محمد کی عمر (۱۵) سال کی تھی میں پریشان سا ہوا لیکن پھر عرض کیا سبحان اللہ! پیرو مرشد کی خواہش مجھ سے باتیں کرنے کی ہے زہے نصیب۔

ایک مرتبہ نماز اشراق کے بعد پیرو مرشد کی خدمت میں قدمبوس ہوا فرمایا فجر کا وضو کیا سورج نکلنے تک باقی رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں خواجہ کے صدقہ میں باقی رہتا ہے۔ فرمایا کیا اچھا ہو اسی وضو سے اشراق کی دو رکعت بھی پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا خواجہ کے صدقہ میں پڑھتا ہوں۔ فرمایا اسی کے ساتھ دو رکعتیں دن نکلنے کے شکر کی اور استخارہ کی بھی پڑھا کرو۔ تھوڑے دنوں میں نے اس کی پابندی کی ہے۔ ایک دن فرمایا اشراق پڑھتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا اگر چار رکعت چاشت بھی اسی کے ساتھ پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ادا ہو جائے گی۔ اس کا حکم نہیں دیتا کہ دوسرے وقت پڑھا کرو بلکہ اشراق کے بعد ہی فوراً پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جائے گی۔ میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا۔ فرمایا رجب میں روزے رکھتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر فرمایا کیا شعبان کے بھی۔ میں نے عرض کیا شعبان کے ۹ روزے۔ ارشاد ہوا اگر اکیس اور رکھ لو تو تین مہینے کے روزے مسلسل ہو جایا کریں گے۔ میں نے عرض کیا خواجہ کے صدقہ میں رکھوں گا۔ میں نے اپنے والد بزرگوار سے یہ واقعہ بیان کیا جو اس وقت تک مُرید نہیں ہوئے تھے۔ وہ میری یہ بات سُن کر مجھ پر غصہ ہوئے۔ میں نے کہا اباجان آپ جو چاہے کہیئے لیکن پیرو مرشد کے کہے کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ رمضان کے بعد عید کے چھ روزے بھی رکھتا تھا۔ اسی زمانہ میں پیرو مرشد کی قدمبوسی کے لئے گیا مجھے دیکھتے ہی فرمایا ہمارے بزرگ داؤدی روزے نہیں بلکہ مسلسل روزے رکھا کرتے تھے اب تم بھی ہمیشہ روزے رکھا کرو۔ ملفوظات میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا برہان الدین غریب کے دوست خواجہ محمود بقا اور ہم دونوں بیٹھے رسالہ قشیری کا مقابلہ کر رہے تھے میں اس زمانہ میں کم سن تھا

اتفاقاً اس وقت خواجہ راجہ بُزاق آئے اور بیٹھ گئے۔ بات یہ ہو رہی تھی کہ حاتم اصم کا قول درست ہے کہ جب تک کوئی آدمی تین قسم کی موت کا مزہ نہ چکھے کسی بڑے مرتبہ پر نہیں پہنچتا۔ سفید سُرخ اور سیاہ۔ یہ موت کی تین قسمیں ہیں۔ سفید موت کی معنی ہیں بھوک۔ سرخ موت کے معنی ہیں تحمّل اور برداشت اور سیاہ موت کے معنی ہیں افلاس۔ خواجہ راجہ نے امتحان کے طرز پر مجھ سے پوچھا بتاؤ موت کس سبب سے سفید سُرخ اور سیاہ ہوتی ہے۔ میں نے جواب دیا بھوک کا تعلق پاکیزگی سے ہے اور ایسی موت کو سفید کہتے ہیں۔ اور برداشت کرنے میں خونِ جگر کھانا پڑتا ہے۔ کیونکہ غصہ کی حالت میں انتقام کے لئے خون کھولتا ہے اور برداشت و بُردباری سے غصہ دور ہو جاتا ہے اس لئے اس موت کو سرخ کہتے ہیں۔ رہا افلاس جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِي الدَّارَيْنِ۔ ترجمہ:۔ (افلاس کے سبب دو عالم میں روسیاہی ہوتی ہے۔) اور واقعہ یہ ہے کہ لوگوں میں شرمندگی خجالت اور عاجزی فقیر ہی کو نصیب ہوتی ہے اس لئے اس کو موتِ سیاہ کہتے ہیں۔ ایک دن فرمایا کہ شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکرؒ کے پوتے شیخ منور فضل اللہ نے مجھ سے پوچھا کہ شیخ کے گنبد میں اکثر لوگوں نے تمہیں سات کٹے ہوئے حصّہ میں پڑا دیکھا ہے یہ کیا بھید ہے؟ میں نے کہا سبحان اللہ مجھے کس نے دیکھا اور کون کہتا ہے۔ اور کہنے والے جھوٹے ہیں۔ اور اگر آپ ویسا پوچھتے ہیں جو سلوک کی کتابوں میں لکھا ہے کہ تمام طور پر صوفیوں کی یہی حالت ہوتی ہے تو اُس کا یہ جواب ہے کہ مقررہ طور پر میں نہیں جانتا۔ اس پر انھوں نے کہا کہ عام طور پر بیان کیجئے۔ تب میں نے کہا۔ پروردگار کی تجلّی طلب گار پر اس طرح اثر کرتی ہے کہ اگر اُس حالت میں بڑے بڑے پہاڑ اس کے سامنے آجائیں تو ریت کے ذرّے بن جائیں۔ اور وہ آگ حملہ آور ہوتی ہے جو خاکستر نہیں کرتی لیکن اس کی طرح کی ہزار آگ میں بھی تپش نہیں۔ غرضکہ جمالِ پروردگار کے اثرات آدمی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ سات ٹکڑے کیا معنی۔ لاکھوں ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ تجلّی کے وقت پہاڑ اور آگ کی خاص صورت ہوتی ہے جسے صرف ایک مردِ خدا ہی دیکھ سکتا ہے جو اُسے اس حالت میں بہت اچھی خوبصورت اور لطیف معلوم ہوتی ہے۔ یہ آدمی کے تمام اعضاء کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور پھر ہر ایک عضوِ بدن اُس کی طرف دوڑ جاتا ہے۔ پھر اُسے دستِ قدرت قوی تر مکمل لطیف اور زیادہ صاف کر دیتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا سفر اگر باطن میں پراگندگی پیدا نہ کرے تو مبارک ہے۔ وگرنہ صوفیوں کی دولت صرف دلجمعی

اورارادوں کی یکجائی ہے۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی دلجمعی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں حاضری دی جائے تو وہ ایسی جنت ہے جس پر ہزار جنتیں قربان۔ ایسا لمحہ ضرور حاصل کرو اب تک کوئی کام نہیں ہو سکا ہے۔

شعر

بفراغ دل زمانے نظرے بخوب روئے ✽ از انکہ چتر شاہی ہمہ عمر ہاؤ ہوئے

سید محمد گیسو دراز رح فرماتے ہیں جب کبھی افضلیت صحابہ رض کا تذکرہ چھڑا تو میں نے کسی مباحثہ میں حصہ نہیں لیا۔ البتہ مخلص لوگوں سے دوران بحث میں بخدا یہ ضرور کہا ہے اور اب بھی سچے دل سے کہتا ہوں کہ سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رض اس کے بعد عمر فاروق رض اسکے بعد عثمان غنی رض اور اس کے بعد حضرت علی رض ہوئے۔ البتہ لفظی بحث بوقت ضرورت ضرور کی جاتی ہے اور میں ان اصحاب کبار و خلفائے عظام کی برکتوں اور کارناموں سے لوگوں کو بیگانہ و ناشناس نہیں رکھ سکتا۔

علماء کا باہمی اختلاف ہے کہ مسلمان کے لیے موت بہتر ہے یا زندگی؟ بعض زندگی کو ترجیح دیتے ہیں اور کچھ موت کو برتر گردانتے ہیں لیکن میری خود رائے یہ ہے کہ حیات سرور عالم میں زندگی بہتر اور آپ کے بعد موت۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت علی رض سے کہا آپ اپنے دوستوں میں سے حضرت عمار بن یاسر کے اوصاف بیان کیجئے جس پر حضرت علی رض نے فرمایا وہ پکے مومن ہیں ان میں اتنا ایمان بھرا ہوا ہے کہ بہہ رہا ہے۔ پھر حضرت سلمان فارسی رض کی بابت پوچھنے پر جواب دیا ان کے پاس اولین و آخرین کے معلومات کے خزانے ہیں۔ پھر حضرت حذیفہ رض کے متعلق جواباً کہا کہ حضرت حذیفہ رض رسالتمآب کے صاحب اسرار تھے اور ان میں ایک صفت یہ بھی تھی کہ وہ منافقین کے حالات سے باخبر تھے۔ پھر پوچھا اے علی! آپ اپنی بابت بھی فرمائیے جواب دیا۔ اچھا میری بابت پوچھتے ہو تو سنو۔ میری حالت یہ ہے

اِذَا سَأَلْتُ اُعْطِیْتُ وَ اِذَا سَکَتُّ اُبْتُدِیْتُ

جب مانگتا ہوں تو سرفراز کیا جاتا ہوں اور جب خاموش رہتا ہوں تو مجھ سے کہا جاتا ہے ہماری خواہش یہ ہے کہ ہم سے کچھ مانگو۔

قوت القلوب میں ہے کہ اللہ کا یہ کہنا کہ ہم سے مانگو ہم تمہیں دینا چاہتے ہیں یہ وہ

مقام ہے جہاں محبوب خود مرید ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت گیسو دراز نے فرمایا ہمارے صوفی مشائخ عاشق صادق تھے لیکن شیخ شہاب الدین سہروردی رح اور ان کے پیرو مرشد سب کے سب بڑے بزرگ واصل باللہ اور عارف تھے۔ اور عشق ایک دوسری ہی دنیا ہے۔ ایک مرتبہ عالموں کی مخالفت میں صوفی گفتگو کر رہے تھے جن میں میں بھی شریک تھا۔ صوفیوں کا عقیدہ صرف یہی ہے کہ وہ ذاتِ الٰہی میں بالکل جذب ہو جاتے ہیں۔ اور اپنی ذات میں خدا کی جلوہ گری پاتے ہیں مجھ سے پوچھا گیا کہ علم حجاب اکبر کے کیا معنی ہیں۔ میں نے کہا اللہ کے سوائے جتنی چیزیں ہیں سب حجاب ہیں۔ اور یہ تمام حجاب سب کے سب قبیح کثیف اور بہت ہی بُرے ہیں لیکن علم وہ حجاب لطیف ہے جس کا اٹھانا بہت ہی اچھا اور ضروری ہے۔ علم سے مراد قواعد حدیث۔ فقہ اور تفسیر وغیرہ نہیں بلکہ علم سے مراد علم ذات وصفات الٰہی ہے۔ جس کے لئے کسی دلیل وثبوت کی ضرورت نہیں بلکہ یہ بالکل ظاہر اور مشاہدہ ہے۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ مسلمانوں میں دو چیزیں خاص طور پر بدعت پیدا کر رہی ہیں۔ ایک قلندرانہ صورت دوسری یہ کہ جو لوگ کلمہ توحید کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ انہیں بے انتہا تکلیف دی جاتی ہے انہیں بدنام کیا جاتا ہے۔ ان کے بال بچوں کو قید کیا جاتا ہے۔ ذلیل کیا جاتا ہے اور اغوا کیا جاتا ہے اور اس قسم کے کرتوت کرنے والے خود کو مسلمان کہتے ہیں۔ واہ رے ایمان اور واہ رے دین۔

ایک مرتبہ دریافت پر جواب دیا کہ لاہو الا ہو کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی ماہیت اس کی ذات سے برتر نہیں بلکہ اس کی ماہیت عین ذات ہے۔ مصنف لطائف قشیری کا یہ بیان کہ پورا عالم اس کے وجود پر گواہی دے رہا ہے اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ اللہ کی ذات مع صفات تمام عالم میں کارفرما ہے۔ صوفیوں کا بیان ہے کہ اگر کسی کو حرام چیزوں کی خواہش باقی رہے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اس کو چاہیئے کہ پکی توبہ کرے طالب کی بڑی شرط یہ ہے کہ اس کے اختیار کے بغیر اس کے دل میں کوئی خواہش پیدا نہ ہو۔ بلکہ تمام خواہشات اس کے دل سے مٹ جائیں۔ تمام عقلمند تجربے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ مرتبہ حاصل ہونا ناممکن ہے البتہ دل میں کوئی خواہش پیدا نہ کرے اور جبکہ انسانی طبیعت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ مقاصد کے حصول میں غور کرتا اور حیران رہتا ہے۔ لیکن اللہ نے دل میں جو قوتِ خیال پیدا

کردی ہے وہ لوگوں کے کہنے سُننے سے کب دور ہو سکتی ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا ہر چیز کے ساتھ ایک آفت ہے اور عشق میں دو ہری۔ایک ابتدا میں دوسری انتہا میں۔ ابتدائی آفت یہ ہے کہ عاشق پر غم عشق اور غم طلب معشوق اتنا چھاجاتا ہے کہ ایک عرصہ تک وہ اسی مصیبت میں گرفتار رہتا ہے۔ اور جبکہ وصال کی کوئی راہ نظر نہیں آتی تو اس آفت میں پوری لذت حاصل ہوتی ہے اور یقین ہوتا ہے کہ درد وغم کے سوا ئے اور کوئی چیز دنیا میں موجود نہیں ہے۔ ایک عرصہ تک اسی طرح رہنے کے بعد درد وغم اس کی طبیعت میں داخل ہو جاتا ہے۔اور یہ درد وغم کا عادی بغیر کسی ذوق اور لذت و وصال و فراق کے یونہی زندگی بسر کرتا ہے۔یہاں تک کہ سوزشِ غم ٹھنڈی پڑ جاتی ہے اور پھر وہ اپنی پہلی اصلی صورت پر آجاتا ہے اور انجام کار محروم و مایوس ہو کر گھاٹے میں رہتا ہے۔ اللہ ہمیں اس آفت سے بچائے۔ انتہائی آفت وہ یہ ہے کہ جب معشوق کا وصال ہو جاتا ہے اور وصال کی لذتوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو درد وغم اور الم فراق کی سوزش اس سے دور ہو جاتی ہے اور عرصہ تک وصال ہوتے رہنے کی صورت میں اس کے اندر کوئی ذوق باقی نہیں رہتا۔ اور مقصود نظر جو ذوق و شوق اور محبوب کی خوشبو میں شرکت ہے وہ باقی نہیں رہتا حالانکہ حال بے ذوق اور فراق بے لذت کا درد وغم بالکل بیکار چیز ہے جس کی کسی انسان کو ضرورت نہیں۔ عاشق ٹھنڈا پڑ جاتا ہے عشق کی سوزش ختم ہو جاتی ہے اور ذوق و شوق جمالِ محبوب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اللہ ہم کو اس مصیبت سے بھی محفوظ رکھے جب وصال ہو گیا تو پھر ذوق و شوق کہاں۔کس چیز سے دل کو سکون پہنچایا جاسکے۔ ایسا وصال بیکار ہے۔ لیکن عشقِ کارآمد وہ ہے جس کی ابتدا میں فراق، جدائی اور ذوق و شوق کی زیادتی ہو اور جس قدر وصال ہوتا جائے اسی قدر ذوق و شوقِ وصال بڑھتا جائے مزید طلب پیدا ہوتی رہے۔ درد وغم بڑھتا رہے اور ذوق میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ایسے عاشق ہی کے لئے تو کہتے ہیں کہ اس کا انجام اچھا ہو۔ اپنے عشق کا پھل چاہیئے اور پورا حصہ حاصل کرے اگرچہ عارف اس صورت کو نقصان کہتے ہیں لیکن ذوق یہی ہے کہ کمال یا نقصان پیش نظر نہ رہے بلکہ محبوب درکار رہے۔

سید محمد گیسو دراز رحہ کا بیان ہے کہ عوارف میں تحریر ہے فقیر کامل کو قوالی کا شوق نہیں رہتا۔ اور عشق کا کمال ہی یہ ہے کہ عشق کی انتہائی صورت اس پر وارد ہو گئی ہے جو اس سے

دور رہنا چاہتا ہے۔ جو لوگ قوالی سننے کی عادت ڈال لیتے ہیں ان کا ذوق ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔
ممدوح کی انتہائی حالت جس پہ آفت نہ پڑی ہو بالکل ایسی ہوتی ہے۔

شعر

عجب نیست کہ سرگشتہ بود طالب دوست   عجب این است کہ من واصل و سرگردانم

ترجمہ۔ (دوست کے طلبگار کا حیران و پریشان ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ واصل بھی رہوں اور سرگرداں بھی)

قوالی میں ممدوح کی یہ حالت ہونا چاہیئے کہ بیخود نہ ہو بلکہ خودی میں رہے جو کچھ کہے کرے۔ اور سمجھے۔ لیکن اُس کی یہ گھٹیا حالت ہوجاتی ہے کہ اُس کے حرکات و سکنات جو وجد کی صورت میں ہوتے ہیں اُن سے وہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ غصّہ کی حالت میں ناشائستہ حرکات اور قوالی میں حال والے کا وجد بالکل یکساں ہے۔ ممدوح اور صاحب دل کا مقصود قوالی سے یہ ہے کہ اس کا دل متوجہ ہوجائے اور تمام ارادے ایک نقطہ پر آجائیں اور تمام دوسری چیزوں سے الگ ہوجائے۔ لیکن بیخودی میں جب کچھ سوجھ بوجھ اور ہوش وحواس نہ رہے تو ایسے شخص کی ہرگز ہرگز تعریف نہیں کی جاسکتی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولینا جمال الدین مغربیؒ ماہر نگینہ جات، سیاح، حکیم، جہاندیدہ اور عمر رسیدہ بزرگ تھے۔ اکثر مشائخین سے ملاقات تھی لیکن کسی بزرگ کے معتقد نہ تھے۔ بڑے زبردست عارف اور اکثر و بیشتر نگینہ جات کے خواص جاننے میں کامل تھے اور ان کے اثرات کا اعتقاد رکھتے تھے انھوں نے نگینہ جات کے اثرات میں ایک بہت عمدہ تفصیلی کتاب بھی لکھی ہے۔

میں سید محمد گیسو دراز اور یہ مولانا ایک سال تک ایک جا رہے۔ مجھے جو احادیث اور آیات سلام اللہ نگینہ جات کے اثرات میں یاد تھیں وہ ان کو بتاتا رہا۔ دوران گفتگو میں ایک دن میں نے بہ اشارہ خفیف ایک شرعی مسئلہ میں اختلاف رائے ظاہر کی تو اس طرح چونک اُٹھے جیسے کوئی نیند سے جاگتا ہے۔ اور فوراً ہی کہا آقائی سید! میں آپ کا معتقد ہوں۔ یہ باتیں کیوں کہتے ہیں؟ ابتدا سے چھ مہینہ تک آپ نے جو معقولی اور منقولی گفتگو کی اُس میں کوئی بات بالکل قابل اعتراض نہ تھی۔ آپ مجھ سے نگینہ جات کی بابتہ گفتگو کرتے ہیں جس کی مخالفت میں آپ کو جوابات دیتا ہوں اور پھر انہیں ثابت کردیتا ہوں اس کے بعد مولانا

نے کہا اے میر سید محمد درود شریف پڑھئے۔ عربوں کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص بغیر دلیل کے کوئی ناقص سی بات کہے تو سننے والا متکلم سے کہتا ہے درود شریف پڑھو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے قول کی وضاحت اور توجیہہ نہ کرو بلکہ رسول اکرم پر درود بھیجو۔ ایک دن مولانا سے زور دار بحث ہو رہی تھی اثناء بحث میں مولانا نے کہا میر سید محمد! ذرا تھوڑی دیر ہماری طرح دو زانو ہو کر مراقبہ کرو۔ مولانا اسّی سال کے بوڑھے اور میں تقریباً بیس سالہ نوجوان تھا۔ ہم نے مراقبہ شروع کیا۔ ختم مراقبہ پر مولانا نے کہا میر سید محمد! تم ایک ایسے درویش ہو جس نے ہم کو مسلمان بنا دیا ہے۔ پھر انھوں نے اپنے کان پکڑ کے سر خم کرتے ہوئے کہا جس نے سرکار دو عالم کی سنت کی پیروی کی اور سلوک کا یہ راستہ اختیار کیا وہ کسی نہ کسی چیز میں کامل و ماہر ہو گیا میں فن گفتگو میں ماہر ہو گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے اسرار بیان کرنے کی دولت عنایت کی ہے۔ میں کتنی ہی کوشش کروں کہ اپنے بیان میں لغزش کروں لیکن کوئی لغزش واقع نہیں ہوتی۔ کیونکہ میری نظر میری اپنی گفتگو پر لگی رہتی ہے۔ اور اس وجہ سے میں ہمیشہ متفکر رہتا ہوں کہ وہ حالت پیدا نہ ہو جبکہ میں اس غور و فکر اور ثبوت و دلائل سے عاجز و لاچار ہو جاؤں۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ تفسیر ام المعانی میں تحریر ہے کہ رسول اکرم نے حجۃ الوداع[1] میں حضرت علی کو کسی مصلحت کی بناء پر باہر روانہ کیا تھا جب علیؓ واپس ہوئے تو سرور عالم نے ارشاد فرمایا اے علی! تم کو معلوم ہے کہ کل رات اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کیا کہا؟ حضرت علی نے عرض کیا جی نہیں۔ یا رسول اللہ مجھے کوئی علم نہیں۔ ارشاد عالی ہوا کہ کل رات ہم نے اپنے والدین اور چچا ابوطالب کی مغفرت کی دعا مانگی۔ تو فرمان الٰہی ہوا۔ ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ جو کوئی اے محمد آپ پر ایمان نہ لائے اور باطل معبودوں سے کنارہ کش نہ ہو جائے اس کو ہرگز جنت نہیں دیں گے اچھا اے محمد اگر آپ اصرار ہی کر رہے ہیں تو فلانی گھاٹی میں جا کر اپنے والدین اور چچا کو آواز دیجئے وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آئیں اور پھر آپ ان کو دعوت اسلام دیں اور وہ ایمان لے آئیں۔ چنانچہ میں نے یہی کیا کہ ایک بلندی پر جا کر بلند آواز سے کہا اے امان۔ اے ابا اور اے چچا چنانچہ تینوں اپنی قبروں سے اٹھ کر مجھ پر ایمان لائے اور اس طرح ان تینوں نے عذاب سے چھٹکارا پایا۔

---

[1] حجۃ الوداع وہ آخری حج جو رسول اکرم نے سنہ۱۰ھ میں ادا کیا تھا۔

یہ واقعہ سید محمد گیسو دراز رح نے بیان کرنے کے بعد کہا کہ یہ تحریر میں نے بھی صرف ام معانی میں دیکھی ہے اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں ایسی عبارت نظر سے نہیں گذری۔

حضرت سید محمد گیسو دراز رح کی ایک مشہور تصنیف "کتاب اسمار" بھی ہے جس میں اشارہ و کنایہ کی زبان میں حقائق و معارف لکھے ہیں۔ اس میں کا ایک قصہ یہ ہے۔

انچاسواں قصہ

ایک دن ایسا ہوا کہ ایک لمبے چوڑے دریا میں جس کی گہرائی کمر سے زیادہ نہ تھی بہت سے لوگ گئے میں بھی ان کے مجمع میں تھا۔ دیکھا کہ ایک پندرہ سالہ ماہرو اس پانی میں چل رہی ہے اور طرہ یہ کہ سب مادرزاد ننگے تھے۔ وہ ماہرو اتنی خوبصورت تھی کہ اگر اس کا عکس کسی پر پڑ جاتا تو وہ چیز حور ہو جاتی اور یہ پیدا ہونے والی حور اپنے حُسن کے لحاظ سے خدائی کا دعویٰ کرتی۔ اسی ماہرو کے رخساروں کا رنگ روپ نرالا دلکش اور اس دوشیزہ کا قد ایک نوجوان لڑکے کی مانند تھا۔ اس کی دلکش صورت غمازی کر رہی تھی۔ اور حُسن بیزی اشاروں ہی اشاروں میں دعوت دے رہی تھی۔ میرے اُس کے درمیان تقریباً ایک میل کا فاصلہ تھا۔ کہ اُس نے مجھے بُلایا۔ میں اُس کے پاس اس طرح گیا جس طرح ایک بادشاہ اپنی دلہن کے پاس نہایت شان و شوکت سے جاتا ہے۔ تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلہ سے ہماری اس کی ملاقات ہوئی اسی اثناء میں ایک غیبی شخص آیا اور اُس نے مجھے اس طرح لباس پہنایا جیسے کوئی کسی کو کپڑے پہناتا ہے۔ پھر میں نے لباس زیب تن کر کے خوب بن ٹھن کر بڑے مزے سے اس دوشیزہ کو دیکھا۔ دیکھتے ہی میں اس کا اور وہ میری عاشق ہو گئی۔ پھر ہماری اور اس دوشیزہ کی صحبت کی بدولت حضرت عیسیٰؑ نے ظاہر ہو کر کہا۔ میں اللہ کا بیٹا ہوں۔ آخر کار اس ماہرو اور ہمارے درمیان یہ جھگڑا ہوا کہ عیسیٰؑ کس کے بیٹے ہیں۔ میں کہتا تھا کہ عیسیٰؑ میرے بیٹے ہیں اور وہ ماہرو کہتی تھی کہ عیسیٰؑ میرے بیٹے ہیں۔ اور عیسیٰؑ ہم دونوں سے بیزاری کا اعلان کرتے اور زور دار اعلان و فریاد کرتے اور کہتے تھے۔ میں نہ تمہارا بیٹا ہوں اور نہ اس ماہرو کا۔ بلکہ میں خود ہی آگیا ہوں جب عیسیٰؑ سب کچھ کہہ لیتے تو وہ ماہرو کہتی اصل بات یہ ہے کہ عیسیٰؑ میرے بیٹے ہیں۔ میں نے ان کو خود اپنی ذات میں پایا ہے۔ اور وہ میری ہی ذات ہے۔ البتہ جس جل تھل پانی کا میں نے تم سے تذکرہ کیا ہے وہ سب میری ہی ذات تھی۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

سیّد محمد بن جعفر مکّی حسینی سرہندی

حضرت چراغ دہلویؒ کے ممتاز خلیفہ. توحید و تفرید میں بلند

پیدائش۔ ۷۰۶ ـــــ وفات ـــــــــ ۸۹۱ھ پایہ اور بڑے ولی تھے سید محمدؒ[1] نے اپنے ظاہری و باطنی حالات جو لکھے ہیں اس کے مطالعہ سے عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اگر یہ سب بغیر کسی تاویل کے ظاہری طور پر تسلیم کرئے جائیں تو کہنا پڑتا ہے کہ آپ یقیناً اپنے وقت کے کامل تھے۔ آپ نے اپنی ایک کتاب بحر المعانی میں اکثر دقائق توحید، علوم اقوام اسرار معرفت بیان کئے ہیں۔ اور مستانہ وار لکھے ہیں۔ جس میں اور دو کتابیں ایک دقائق معانی اور دوسری حقائق معانی تصنیف کرنے کا وعدہ ظاہر کیا ہے۔ خدا جانے یہ کتابیں لکھی گئی ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی تصنیفات میں ایک رسالہ ردح کے بیان میں اور رسالہ پنج نکات اور بحر انساب بھی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت کا اور اپنا نسب نامہ لکھا ہے سید محمدؒ نے بہت سے دعوے کئے اور جو کچھ انھوں نے اپنے حالات بیان کئے ہیں اُن سے اِن کے دعووں کی سچّائی ثابت ہے۔ لمبی عمر پائی۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے سے سلطان بہلول کے زمانہ تک زندہ رہے۔ سو سال سے زیادہ عمر پائی آپ کے باپ دادا مکّہ کے شرفاء میں سے تھے۔ آپ مکّہ سے دہلی آئے اور پھر سرہند میں قیام کیا۔ آپ کا مزار بھی سرہند میں ہے۔ بحر المعانی میں لکھا ہے کہ میں سید محمدؒ نے ۶۰ سال علوم ظاہری میں صرف کئے اور کمالات حاصل کرتا رہا۔ اس زمانہ میں محبوب ازلی اور مقصود ابدی سے غافل رہا۔ تیس ۳۰ سال سے قوت دید جو کچھ دکھاتی ہے دیکھتا ہوں اور جو کچھ کانوں کے راستہ سنائی دیتا ہے سُنتا ہوں۔ اے محبوب۔ اہل ظاہر کے دل اور اُن کی بانج عقلیں حائل ہوگئی ہیں۔ وگرنہ صحرائے ابدی کی جانب سامان لم یزلی باندھ چکا ہوں۔ اے محبوب میں تھوڑا سا جو کچھ کہہ رہا ہوں اُسے لوگوں نے اب تک سُنا نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بغیر حرف اور آواز کے جوامع الکتاب دینے کا وعدہ کیا ہے اُسے جب حروف اور آواز کے ذریعہ ادا کرتا ہوں تو لوگ سمجھتے نہیں ۳۳ سال ہوئے کہ لوگوں کی طرح کہنے سے میں نے توبہ کرلی ہے۔ اور جو کچھ میں کہتا ہوں اُس میں کوئی غرض شامل نہیں اس کتاب میں ابدال اوتاد اقطاب

---

[1] سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۸۳۵ھ تک زندہ رہنا ان کے خطوط سے ثابت ہے۔

افراد اور تمام رجالِ غیب اُن کی تعداد نام مرتبہ وظیفہ عمرین، حالات اور قسمیں تفصیل سے بیان کی ہیں۔ اور اس طرح لکھا ہے جس سے زیادہ تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بیان میں سید محمد نے لکھا ہے کہ میں نے ان سب سے ملاقات کی اور سب سے ایک ایک نعمت پائی۔ ان کے مقامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کے علاوہ (۳۵۷) ابدال سے ملاقات کی ہے جو دریائے نیل کے ساحل پر پہاڑوں میں رہتے ہیں جو درختوں کا گوند اور جنگل کے کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ اے محبوب! ان کے سوائے اور بھی بے گنتی اشخاص ہیں جو دنیا والوں کی آنکھ سے چھپے ہوئے ہیں جنھیں قطب ہی جانتے پہچانتے ہیں اور جو کامل کہ حضرت علیؓ کے طریقہ پر درجہ سلوک طے کرتے ہیں۔ وہ قلبی تعلق کی بناء پر رسالتمابؐ کی وجہ سے مرتبہ پاتے ہیں اور حضرت علیؓ نے بلندی مراتب رسول اکرمؐ سے حاصل کئے ہیں۔ جب کوئی شخص رسول اکرمؐ سے قلبی تعلق پیدا کرکے سلوک کا راستہ طے کرتا ہے تو مقام قطبیت میں پہونچ جاتا ہے پھر جہاں سے مقام معشوقیت یعنی اَحدیّت میں مگن ہوجاتا ہے۔

اے محبوب! تمام اولیاء اللہ میں سے صرف دو اشخاص مقام قطبیت سے مقام معشوقیت میں پہونچ سکے ایک حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے حضرت شیخ نظام الدین بدایونی۔ ان دونوں بزرگوں نے رسول اکرمؐ کے سرچشمہ سے سیرابی حاصل کی ہے۔

اے محبوب! اچھی طرح یقین کرلو کہ میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ دیکھ کر اور مشاہدہ کرکے لکھتا ہوں۔

اے محبوب! ایک دن مصر کے دریائے نیل میں ایک کشتی پر ہم اور خضرؑ دونوں سوار تھے۔ اور مشاہدہ پروردگار کی بابت گفتگو ہو رہی تھی خضرؑ نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی دونوں مقام معشوقیت میں تھے۔

اسی کتاب بحر المعانی میں لکھتے ہیں اے محبوب! نو[9] سال تک جاگتا رہا پھر اکیس[21] سال ایسا مست رہا کہ تن من کی خبر نہ تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ قطب وقت شیخ یعقوب کے پڑوس میں رہا کرتا تھا جنھوں نے مجھے میرے اکیس سال کی سرگذشت سنائی۔ تب معلوم ہوا کہ اس اکیس[21] سال تک میں مست و بیخود رہا۔ پھر پیر و مرشد کی بدولت اس مقام مستی سے مقام فردانیت میں آتے ہوئے ابھی چند ہی سال گذرے ہیں

شعر

فریدم فرد بنشستم کہ در خود　　زفردیت بسے انوار دارم
اگر موسیٰ نیم موسیٰ چہ ہستم　　درونِ سینۂ موسیقار دارم

اے محبوب! شیخ ابن عربی نے اپنی کتاب فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ منصور حلاج کو جب تجلی الٰہی ہوئی تو وہ مقام فردانیت میں تھا۔ لیکن میں فقیر سید محمد کہتا ہوں کہ اگر منصور حلاج کو تجلی ذات الٰہی ہوئی ہوتی تو وہ ہرگز انا الحق نہ کہتا اور میں سبحان ہوں کے نغمے نہ الاپتا کیونکہ تجلی ذات الٰہی میں ایک خاص قسم کی محویت حاصل ہو جاتی ہے اور جو شخص کہ مشاہدہ قدرت میں محو و مستغرق ہوا سے کیا معلوم کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ اور وہ اس حالت میں کبھی بھی انا الحق اور سبحانی نہیں کہہ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ جسے عرفان الٰہی حاصل ہو جاتا ہے اُس کی زبان تجلی ذات الٰہی میں گنگ ہو جاتی ہے۔ البتہ تجلی صفات کی حالت میں زبان کھل جاتی ہے اور اس حالت میں اس کے افعال و اثار کی باتیں زبان پہ آجاتی ہیں۔ اے محبوب! جس وقت تجلی صفات الٰہی میں درویش کو استغراق حاصل ہو تو لازمی ہے کہ اپنی جمالیاتی صفات کو اللہ کی صفات سمجھے۔ یعنی صفات الٰہی میں درویش مستغرق ہو کر اس کے جمالیاتی صفات کا ایک نور بن جائے۔ اور واجب الوجود کی اس صفت کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس حالت میں درویش کا وجود جب تمام الائشوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو پھر صفت واجب الوجود درویش کو اس مرتبہ پر پہونچا کر کلام کرتی ہے اور وہی صفت خود ہی انا الحق و سبحانی کہتی ہے۔ جس کا ثبوت حدیث شریف میں یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللہَ یَنْطِقُ علیٰ بسانِ عُمرؓ۔ ترجمہ (حضرت عمرؓ کی زبان میں اللہ تعالیٰ خود کہہ رہا ہے)۔

افسوس۔ شیخ ابن عربی زندہ نہیں ورنہ جو کچھ کہنا تھا وہ کہتا اور یقین ہے کہ وہ مانتے میرے ملفوظات بحر المعانی کے سوا تے اور بھی ہیں جو کبھی اے محبوب تم کو لکھوں گا۔ بحر المعانی میں ایک جگہ لکھتے ہیں اے محبوب! میں فرد حقیقت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے مُرید ہونے کے بعد آپ کے وسیلہ سے راہ سلوک میں ترقی کرتا رہا تجلی صفات سے تجلی ذات میں جو مقام فردانیت ہے بشرط اخفائے راز داخل ہوا ہی تھا کہ ایک دن فرد حقیقت چراغ دہلوی پیرو مرشد ذکر خفی کر رہے تھے۔ میں آپ کی خدمت میں نہایت

عاجزانہ صورت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ اے شہبازِ میدانِ عالمِ لاہوت اے پاکیزۂ عالمِ جبروت۔ اے ملکوت وناسوت کی دنیا کے کھلاڑی۔ آؤ آؤ۔ اس کے بعد میری آنکھوں میں سرمہ کی ایک سلائی لگاتے ہوئے فرمایا یہ نورِ جمالِ ذاتِ پروردگار کا سرمہ ہے۔ یہ واقعہ ۷۸۵ھ کا ہے۔ چنانچہ میں اسی رات شہر ختلان سے پرواز کر کے قطب وقت شیخ اوحد سمنانی کی پابوسی کے لئے مصر پہونچا اور ان سے ملاقات کی۔ انھوں نے بھی وہی کلمات کہے جو پیر و مرشد فرمائے تھے۔ پھر مجھ کو اپنے کمرہ کے ایک کونہ میں بٹھا دیا۔ جہاں دو اشخاص اور بھی بیٹھے تھے ان میں سے ایک صوفی تھا اور دوسرا طالب علم۔ قطب عالم شیخ اوحد سمنانیؒ کی امامت میں میں نے باجماعت نماز عشا ادا کی اس کے بعد دو تہائی رات تک میں نے قرآن کریم اور تیرہ سپارے پڑھے۔ پھر میں نے خود اپنی طرف دیکھا کہ میرا دل بالکل نورانی ہے اور عرش پر محیط ہو گیا ہے۔ گویا عرش میری نظر میں ایک رائی کے دانہ کے برابر نظر آرہا تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنے بالوں کو دیکھا کہ میرا ہر بال ایک علیحدہ وجودی صورت و شکل کا ہے جب میں نے ہر بال کی الگ الگ شکل و صورت کے مجسمہ کو دیکھا جو بالکل میری صورت کی طرح تھے تو وہ تمام شکلیں مٹنے لگیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ تمام دنیا اور آسمان وغیرہ اپنی کیفیت بدلنے لگے اور تمام تجلیات صفات افعال، اسماء و آثار نے اپنی صورتیں بدلنا شروع کر دیں۔ اے محبوب! محو در محو ہونا یہی ہے۔ اس طرح میں نے پلک جھپکانے میں ستر ہزار عالم کے تجلیات کی سیر کی۔ اس کے بعد براہ راست میں نے یہ فرمان سُنا۔ اے میرے پُر جلال بندہ! حجاب جمال پیش ہے میرے بقیا انوار پُر جلال ہیں۔ اور تو اس وقت جلال و جمال کے درمیان ہے۔ غرضکہ گفتگو کے بعد میں ذات الٰہی کی تجلی سے معزز و سرفراز ہوا جس کی کیفیت صرف مشاہدہ سے متعلق ہے۔ پھر اس کے بعد مقام لاہوت میں جو مقام فردانیت ہے۔ میں نے قیام کیا اور تجلئ ذات الٰہی کے بعد سترہ دن تک میں عالم بیداری و حیرانی میں شیخ اوحد سمنانی کے کمرہ میں یہ گنگناتا رہا۔

اشعار

از شراب شوق گشتم مست او — ہست من گم گشت اندر ہست او
بود ما در بود او نابود شد — ہر چہ جز غیرش بداں مردود شد
چوں مجرد گشتم از ہستی تمام — نے وجودم ماند آنجا و نہ نام

چوں شدہ فانی محمد از وجود غیر او دیدہ کہ کس دیگر نبود

اے محبوب ۔ تجلی ذات الٰہی کے بارہ میں شیخ اوحد سمنانی کے کمرہ میں بالکل بے ہوش پڑا رہا اس زمانہ میں شیخ کمرہ میں میری پیشانی کو بوسے دیتے رہے۔ اگر شیخ کو جو صاحب دل تھے حالات معلوم نہ ہوتے تو میرے ساتھی مجھے اسی کمرہ میں دفن کردیتے کہ اس کو مرے ہوئے کئی دن ہوگئے ہیں۔ اس بیہوشی کے بعد پھر شیخ ہی کے کمرہ میں سترہ دن تک میں آنکھیں پھاڑے حیران رہا۔ جس کا سبب یہ تھا کہ تجلیات کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد میں جدھر دیکھتا مجھے ایک نور دکھائی دیتا جو مجھے چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ مقام فردانیت میں یہ وہ صورت افاقہ ہے جو تمام کائنات پر بحیثیت جواں مردی قابض و سایہ فگن ہے اور یہ تمام کیفیات صرف فرد حقیقت رسول اکرمؐ کی ذات والا صفات کی برکتیں ہیں۔

اس فقیر کے والد بزرگوار امیر کبیر جعفر نصیر ایک دن میرے پیرو مرشد چراغ دہلوی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ پیرو مرشد نے فرمایا اے امیر جعفر! سید محمد میدان لاہوت کا شہباز ہے۔ تین سو اسی ۳۸۰ سے زیادہ ولی قطب اور افراد ان سے نعمت حاصل کریں گے اور ان کی بیعت سے سرفراز ہوں گے۔ اور یہ وہ زمانہ ہے جبکہ یہ فقیر محبوب الٰہی کے خلیفہ مولانا شمس الدین یحییٰ سے تلخیص پڑھا کرتا تھا۔

اے محبوب۔ میں جب اس مقام پہ پہونچا تو میں نے یہ اشعار پڑھے۔

اشعار

گفتم اکنوں من ندانم کیستم بندۂ باری نیم بس چیستم
بندۂ شد محو و آزادے نماند ذرۂ در دل غم و شادی نماند
بے جہت گشتم، نگشتم بے جہت عارفم اما ندارم معرفت
می ندانم تو منی یا من توئی محو گشتم در تو و گم شد دوئی

اے محبوب! کوئی گمراہ یہ کلام نہیں کہہ سکتا۔ جس نے یہ کہا ہے تجلی صفات کے بعد کہا ہے۔ کیونکہ کلام سے تجلی صفات ظاہر ہورہی ہیں۔ جب چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے کچھ لکھوں تو تجلی ذات ندیم کے باعث حیران و پریشان ہوجاتا ہوں۔ وگرنہ کہاں آپ اور کہاں یہ گفتگو۔ آپ کو میرے فن میں دعا کرنا چاہئے کہ میری حیرانی کے زمانہ میں تھوڑے دنوں آپ میرے ساتھ رہیں۔ تاکہ بغیر حروف و آواز کی کتاب کا آپ پر حروف و آواز کی صورت میں

ظاہر کر سکوں۔ اے محبوب! اچھی طرح خوب غور و فکر کر کے سوچو اور انسان کی نظر سے مجھے نہ دیکھو۔

اشعار

مردانہ ورائے کاندریں راہ — نے بوُئے ہمی خرند و نے رنگ

کُلّی ز سرو جود برخیز — افتادہ مباش در رہِ تنگ

زنارِ مُغانہ برمیاں بند — وانگہ بہ کلیسیاں کُن آہنگ

میداں بہ یقیں کہ در دو عالم — در راہ تو جز تو نیست خر سنگ

فقط والسلام مورخہ ۳۰ر شوال ۸۳۴ھ

روح المعانی میں ہے کہ میرے قلم سے جو کچھ نکلتا ہے وہ میرے دل کی آواز ہے جس کو میرا دل میری روح سے اقتباس کرتا ہے۔ اور میری روح جیسے حضرت علیؓ سے اخذ کرتی ہے۔ اور حضرت علیؓ اس کو رسول اکرمؐ سے لیتے ہیں اور سرکار کائناتؐ اُسے براہ راست بغیر کسی حرف و آواز کے اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں۔

اے محبوب! میں جتنا زیادہ لکھتا ہوں اتنا ہی زیادہ مشکلات میں گرفتار ہو جاتا ہوں۔ یقین کر لینا کہ بحرالمعانی کے مضامین سالہا سال تک مجھ سے سفر و قیام کے دوران حضرت خضرؑ دریافت کرتے رہے لیکن میں نے اُن کو نہیں بتائے اور اب بھی پوچھتے رہتے ہیں مگر بخدا میں اُنہیں نہیں بتاؤں گا کیونکہ ابتدائی زمانہ میں مجھے اُن سے ملنے کی آرزو تھی۔ جب اُن سے ملاقات ہوئی اور میں نے یہ راز کی باتیں اُن سے پوچھیں تو انھوں نے کچھ ایسے جواب دیئے جن سے میری تسلی نہ ہوئی۔ آج اُن کو بے حد آرزو ہے دریافت ہے اور اب میں اُنہیں نہیں بتانا چاہتا۔ وہ اپنی جان کی حفاظت چاہتے ہیں یعنی نیم جان کی حفاظت کے خواہاں ہیں۔ اور میری حالت یہ ہے کہ اگر ہر لمحہ مجھے ہزار زندگیاں دی جائیں تب بھی میں ان سب زندگیوں کو چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ اے محبوب! تم بھی جاں نثاری اور جاں سپردگی میں مشغول رہو تاکہ خضرؑ جیسے ہزاروں تمہارے لئے سرگرداں نظر آئیں۔

"بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو" یہ حکم پیش نظر ہے۔

میں اجمالی طور پر مختصر انداز میں لکھ رہا ہوں اگر تفصیلات بیان کروں تو پھر توراۃ کی ضخامت کی طرح اونٹوں کا پشتارہ لگ جائے گا۔ چونکہ یہ تمام کلمات دراصل قرآن کریم

کی شرح ہیں اس لئے ان کو خیر الکلام کہا جائے۔

بحر المعانی میں ہے کہ اللہ کے عاشقوں کے آستانہ پر اس بوڑھے فقیر نے بیس برس تک جبیں سائی کی۔ اس کے بعد فرد حقیقت پیرو مرشد شیخ چراغ دہلوی کی خدمت میں تین مہینہ بارہ دن تک حاضری دی۔ اور مرید ہونے کے بعد آپؒ کے تین کاموں میں مشغول ہوگیا۔ پہلا یہ کہ پنجوقتہ پانی لاکر اپنے پیرو مرشد کو وضو کرانا۔ دوسرا یہ کہ پیرو مرشد کے گھر کی روشنی کا کام میرے ذمہ تھا اور میں مشعلچی تھا۔ تیسرا یہ کہ پیرو مرشد کے لئے استنجا کے لئے ڈھیلے لانا اور انہیں اپنے گالوں پر صاف کر لیتا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلطان محمد تغلق کے دور حکومت میں میرے والد کے پاس پورے علاقہ کنبہات کی جاگیر تھی اور ایک ہزار تین سو سوار بھی متعین تھے۔ پیرو مرشد کی اجازت پر میں نے تین سو بیاسی سے زیادہ اولیاء اللہ سے ملاقات کی اور ان کی خدمت کی ہے۔ ہر ایک نے مجھے نعمت سے سرفراز کیا ہے۔ ظاہر پرست اہل سلوک اور عام لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ منزل بڑی آسان ہے۔ بحر المعانی میں تین سو بیاسی مشہور بزرگوں کے نام مقام ملاقات خطہ جات حالات سفر و قیام ان کی خدمت ان کے پاس اپنے ٹھہرنے کی مدت یہ سب چیزیں تفصیل سے لکھی ہیں۔ اور لکھا ہے کہ صفوان بن قیس برادر عبد مناف جو رسول اللہؐ کے دست مبارک پر ایمان لائے۔ میں نے انہیں ایک غار میں مشغول عبادت دیکھا ہے۔ میں نے جب ان کی قدمبوسی کی تو اُن کی عمر نو سو بیانوے سال کی تھی۔ انھوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے میری درازی عمر کی دعا فرمائی ہے۔ میں مؤلف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ بحر المعانی میں صفوان کا یہ قصہ عجیب جو لکھا ہوا ہے وہی مصنف سید محمد سرہندی کی دوسری تصنیف بحر الانساب میں بھی ہے جو اصول حدیث اور سیرت کی کتابوں سے میل نہیں کھاتا۔ واقعی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ بحر المعانی میں لکھا ہے اے محبوب اس فقیر نے دنیا کی اتنی سیر کی اور اتنے مذاہب دیکھے ہیں۔ جن کی تعداد اگر لکھوں اور ہر مذہب والے سے جو میں نے علمی اور تحریری مقابلہ کیا ہے وہ بھی درج کروں تو بحر المعانی اتنی ضخیم کتاب ہو جائے گی جس کے اُٹھانے کے لئے اونٹوں کی ضرورت پڑے گی۔

ایک جگہ لکھا ہے کہ جو کلمات اس فقیر کے دل پر وارد ہوئے اُن میں سے چند عام بحر المعانی میں لکھ دیئے ہیں اگر تمام کلمات لکھتا تو تمام عالم بالکل پاگل ہو جاتا۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ جدّا مجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت و شرم کی وجہ سے میں ہراساں ہوں اور دو

شرم کے درمیان گرفتار ہوں۔ میں غیرت و شرم والا ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ شرمیلا اور غیرت دار ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ؐ نے فرمایا ہے اِنّی غَیُورٌ وَاللہُ اَغْیَرُ مِنّی۔

اے محبوب موسیٰ علیہ السلام جب علم نبوت اور ولایت میں کامل ہو گئے تو خضر علیہ السلام کی طرح وہ بھی تین علوم برداشت کرنے سے عاجز رہے اور حاصل نہ کرسکے خضر میرے ان کلمات سے حیران اور سرگرداں ہیں۔ اے محبوب! موسیٰ علیہ السلام اسرارِ الٰہی کی تین چیزوں کو برداشت نہ کرسکے اور تُو اے محبوب! رسول اللہ ؐ کے کوچہ کا فقیر بحر المعانی کے تمام کلمات کا حامل بن گیا ہے اگر موسیٰ علیہ السلام اس زمانہ میں ہوتے تو کہتے درویشانِ اسلام سے جو کچھ کہا ہے وہ ہمیں بھی بھیک دیدو۔ اس لئے لوگو! اللہ کی بے انتہا نعمت کا شکریہ ادا کرو اور ہمت بلند رکھو تاکہ باریک اور دُور رس معانی بھی تم کو تحریر کرسکوں اور میری زندگی میں ساتھ رہنے کی دعا مانگو۔

شعر

از دعائے زاہداں چوں بر نیاید کارِ من ‌ ‌ ‌ شاہداں را پائے بوسی بد کہ دل کارے کند

ترجمہ۔ (زاہدوں کی دعا سے جب مطلب برآری نہ ہوسکی تو شاہدوں کی پابوسی کی، تاکہ دل کام کرنے لگے)

بحر المعانی کے آخر میں لکھا ہے کہ جمعرات ۲۷ محرم کو ۳۶ رواں خط لکھ رہا تھا اور اسرار عشق میں قلم چل رہا تھا۔ جب اس مضمون پر پہنچا "زُرغِبًّا تَزدَدْ حُبًّا" کہ "ایک دن ناغہ کرکے ملو تاکہ محبت بڑھے" تو ایک دوسری ہی دنیا میں پہنچ گیا۔ اور گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گیا رسول مقبول ؐ کو دیکھا جو مسجدِ قبا میں تشریف فرما ہیں تمام صحابہ کرام، اولیاء اللہ بزرگ حضرت علی رضؓ سے لے کر قطبِ عالم شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی ؒ تک سب کے سب رسول مقبول ؐ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ رسول اللہ ؐ نے فارسی زبان میں مجھ سے فرمایا اللہ میں مست بیٹے! بحر المعانی لاؤ چنانچہ فوراً ہی میں نے جو ۳۵، ۳۶ مکتوب تک کتاب لکھی تھی سرور عالم ؐ کی خدمت میں پیش کی۔ آنحضرت ؐ نے نبوت کی طاقت پر جلدی سے سب پڑھ لی اور فرمایا۔ اے بیٹے! تمام تعریف اس ذات کے لئے ہے جس نے تمہیں رُموزِ الہام کئے پھر فرمایا اللہ تمہیں اور زیادہ علم دے اور زیادہ علم سکھائے پھر فرمایا۔ دوستو بحر المعانی کا یہ مصنف وہ بلند شخصیت ہے جس نے قرآن کریم کے حقیقی معنی بحر المعانی میں لکھے ہیں۔ اگر روئے زمین کے تمام

علوم دُھل جائیں اور ایک ورق بھی باقی نہ رہے تب بھی یہ شخص قلم برداشتہ تمام علوم کو پوری طرح اپنی قوت حافظہ کی بناء پر لکھ دے گا۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کے مست بیٹے! ان اسرار و رموز کو جنگل میں نہ ڈال دینا کیونکہ امورِ شرعی دنیا میں کم ہوتے جارہے ہیں۔ اور مذہبی لوگوں سے دوسرے لوگ نفرت کر رہے ہیں۔ میں نے اقرار کیا کہ آپ کا حکم قبول ہے۔ چنانچہ ۲۶ ردیں خط سے آگے لکھنا شروع کیا اور بحر المعانی مکمّل کی۔ اس کے بعد اے محبوب رسول اللہ صلعم نے ملاحظہ فرما کر یہ کتاب حضرت علی کو دی جنھوں نے بحر المعانی مطالعہ کرنے کے بعد خواجہ حسن بصریؒ کو دی اور انھوں نے خواجہ عبدالواحد بن زید کو پھر اسی طرح تمام مشائخین کے ذریعہ وہ قطب عالم شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے ہاتھ میں پہونچی۔

اے محبوب! بحر المعانی کے اعلیٰ مضامین شروع کرنے اور لکھنے میں مجھ کو منتظر سمجھو جب رسول اکرمؐ نے ارشدک اللہ فی زیادۃ علمک فرمادیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آنحضرتؐ نے تجھے اجازت تصنیف عنایت فرمادی ہے۔ والسلام

نیز بحر المعانی میں ہے کہ ابراہیمؑ صاحب ذوق۔ موسیٰؑ صاحب لذّت اور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم صاحب حلاوت تھے۔

اسی کتاب بحر المعانی میں ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے" میں نے سوتے میں پروردگار کو اُمّی صورت میں دیکھا ہے" یہ اُمّی وہی رسول اکرمؐ اُمّی ہیں جن کا فرمان ہے " تمام اولیاء اللہ میری قبا کے دامن میں ہیں لا یعرفہم غیری (جنھیں غیر نہیں سمجھتے) اس لفظ غیری میں یائے متکلم نہیں بلکہ یائے نسبتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا یعنی صرف خود اللہ تعالیٰ ہی اپنے دوستوں کو پہچانتا ہے اور اس کے دوست دوستوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔

بحر المعانی میں ہے کہ قوالی روح کی معراج ہے اور نماز دل کی معراج ہے رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے" رحمت کی ہوائیں یمن سے آرہی ہیں" اس حدیث میں یمن سے مراد آدار یمن ہے یعنی" پردہ یمن" اے محبوب تم نے وہ لے سُنی ہو گی جسے ہندوستان میں "بسنت راگ" کہتے ہیں جو" پردہ یمن" سے دھیمے سروں میں الایا جاتا ہے۔

اے محبوب! رسول اکرمؐ نے ظاہر بینوں سے قوالی سننے کو کنایۃً "واشارۃً" فرمایا ہے اے محبوب! ظاہر پرست اور نادان عالم کیا جانیں کہ میں کیا لکھتا ہوں افسوس اب کوئی

نہیں کہ جس سے یہ سربستہ راز کہہ سکوں۔ من مؤلف کتاب (شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح) کا بیان ہے کہ مست اور وجد وحال والے حالت ذوق اور غلبہ حال میں جو کچھ کہتے ہیں یہ سب لوگ قواعد عقل اور معیار قیاس سے خارج ہیں ورنہ بغیر شک وشبہ کے یقین ہے کہ پائے نسبتی ہمیشہ مشدّد ہوتی ہے اور بغیر کسی ضرورت کے ساکن نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ تمام عالموں، مشائخین اور عارفین کا اتفاق ہے کہ یمن سے مراد مشہور شہر یمن ہے جو احادیث سے بھی ثابت ہے۔ اور بعض محبت والے مجذوب ذوق و وجدان کی حالت میں جو راز منکشف کرتے ہیں وہ سربستہ ہیں جنھیں کسی نے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام عارفین کے اسرار، مقدس و پاکیزہ بنائے ہیں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

بحر المعانی میں سید محمد بن جعفر مکی سرہندی نے جو اشعار لکھے ہیں اس میں یہ غزل بھی ہے

اے صورت تو جہانِ معنی — با صورت تست جانِ معنی
یکسر شاخ گلے نہ بستہ صورت — مثل تو بہ بوستان معنی
از صورت تست خاطر ما — منزل گہ کاروانِ معنی
ہر عضو کند بصد زبان پیش — از صورت تو بیانِ معنی
در صورتِ وصف تو محمد — تا حشر نہادہ خوانِ معنی

ترجمہ:۔ تیری صورت جہانِ معنی ہے — جانِ معنی بھی تیری صورت سے،
معنی بوستان میں شاخ گل — تیری بو اور تیری صورت سے،
تیری صورت سے بس ہمارا دل — منزلِ کاروانِ معنی ہے
اور ہر عضو با زبان حال — تیری صورت بیان معنی ہے
تیری توصیف میں محمد نے — حشر تک کھولا خوان معنی ہے

ترجمہ منظوم از مترجم

سید جلال الدین بخاری

مخدوم جہانیاں لقب تھا۔ عالم، ولی اور پیر تھے۔ شیخ الاسلام شیخ رکن الدین

پیدائش ۷۰۷ھ وفات ۷۸۵ھ ابو الفتح قریشی کے مرید اور شیخ چراغ دہلوی رح کے خلیفہ تھے۔ مکہ معظمہ میں امام عبداللہ یافعی کے ساتھ رہے۔ سید بخاری نے اپنی

ملفوظات خزانۂ جلالی میں امام یافعی کا بکثرت تذکرہ کیا ہے سیّد بخاری نے بے انتہا سیر سفر کیا اور اکثر اولیاء اللہ سے نعمتیں اور برکتیں حاصل کی ہیں۔ مشہور ہے جس سے گلے ملتے اُس کی کرامتیں چھین لیتے یعنی اس کی اتنی خدمت کرتے کہ وہ بے اختیار ہوکر اپنی تمام کرامتیں اِن کو دیدیتے۔ تاریخ محمدی میں ہے کہ سید بخاریؒ نے پہلے تو اپنے چچا شیخ صدر الدین بخاری سے خرقہ پہنا پھر حرم شریف میں شیخ الاسلام سند المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری نے آپ کو کلاہ اور خرقہ عنایت کر کے مرید کیا۔ آپ دو سال تک شبانہ روز ان کی صحبت میں رہے عوارف اور سلوک کی دوسری کتابیں اُن سے پڑھیں علم طریقت سیکھا اور ذکر الٰہی کرنے کی ترکیب حاصل کی۔ شیخ عفیف الدین نے فرمایا کہ تم گاذرون میں اپنے فیض جاری کرو۔ جب یہ گاذرون پہنچے تو شیخ امین الدین مرحوم کے بھائی شیخ امام الدین نے کہا کہ بھائی شیخ امین الدین مرحوم نے بوقت انتقال مجھ سے کہا تھا کہ میری ملاقات کے لئے سید جلال بخاری اوچھا ملتان سے آرہے تھے کہ راستہ میں شیطان نے اُن سے دروغ بیانی کرتے ہوئے کہا کہ شیخ امین الدین کا انتقال ہو چکا ہے اس لئے سیّد جلال بخاریؒ مکہ معظمہ چلے گئے ہیں۔ وہ واپسی میں گاذرون آئیں گے۔ اُن کو میرا سلام کہنا میری جائے نماز اور قینچی اُن کو دیکر انہیں میرا با مجاز خلیفہ کر دینا۔ چنانچہ شیخ امام الدین نے ایسا ہی کیا سید السادات سید جلال بخاری نے ان بزرگ سے مختلف قسم کا فائدہ حاصل کیا اور وہاں سے لوٹ کر شیخ رکن الدین سے خرقہ تبرک پہنا پھر سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں شیخ الاسلام مقرر ہوئے سیوستان اور اس کا علاقہ جاگیر میں آپ کو دیا گیا۔ جہاں آپ نے خانقاہ محمدیؒ تعمیر کی پھر تھوڑے دنوں بعد سب کچھ چھوڑ کر خانہ کعبہ کا سفر کیا آپ چودہ خانوادوں کے خلیفہ تھے پھر سلطان فیروز کے زمانہ میں اوچھ کے علاقہ سے کئی مرتبہ دہلی آئے۔ سلطان فیروز اعتقاد اور خلوص کے ساتھ آپ سے ملتا۔ مخدوم جہانیاں کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے گہری محبت تھی۔ خزانہ جلالی میں لکھا ہے کہ غوث الاعظم فرماتے تھے خوشخبری ہے اُس کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور اُس کے لئے جس نے میرے دیکھنے والے کو دیکھا اور اُس کے لئے جس نے میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والے کو دیکھا۔ چونکہ غوث الاعظم قطب اور سچے ہیں۔ اس لئے اُمید ہے کہ اس کلام کے بموجب اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم و کرم کرے گا۔

اس کے بعد اس سلسلہ میں ایک واسطہ کے ذریعہ شیخ شہاب الدین سہروردی کی زبانی جس میں شیخ بہاء الدین ذکریا کا واسطہ نہیں ہے بیان کیا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا جس نے شیخ سہروردی کو دیکھا جنھوں نے شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی صحبت حاصل کی ہے۔ حکایت ہے کہ ایک دن آپ جہاں بیٹھے تھے وہاں آگ لگ گئی آپ نے مٹھی بھر مٹی وہیں سے اٹھالی اور غوث پاک کا بلند آواز سے نام لے کر وہ مٹی آگ کی طرف پھینک دی اُسی وقت آگ ٹھنڈی ہوگئی۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں جو کتاب تکملہ فارسی کے نام سے مشہور ہے یہ مخدوم جہانیاں کے ایک مُرید نے لکھی ہے جو دراصل امام عبداللہ یافعی کی کتاب روض الریاحین کے تکملہ کا ترجمہ ہے۔ مخدوم جہانیاں شب برات ۷۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور (۷۸) سال کی عمر میں بقر عید ۷۸۵ھ میں وفات پائی۔ سُنا گیا ہے کہ میر سید علی ہمدانی ایک مرتبہ بغرض ملاقات مخدوم جہانیاں کے پاس گئے اور ان کے باہر کمرہ میں بیٹھ گئے خادم نے اطلاع دی کہ سید علی ہمدانی بیٹھے ہوئے ہیں بس پر مخدوم جہانیاں نے کہا کہ اللہ غیب داں ان کے سوا کوئی اور ہمہ داں نہیں ہے۔ اور انہیں اندر نہیں بلایا۔ اس بات سے سید علی ہمدانی کو سخت دلی صدمہ ہوا۔ پھر سید علی ہمدانی نے ایک کتاب رسالہ ہمدانیہ کے نام سے لکھی۔ جو ہم نے بھی دیکھی ہے اس میں ان لوگوں کو بہت برا بھلا کہا ہے جو ہمدان نام کی مخالفت کرتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ مخدوم جہانیاں سے منسوب کرنا اُن کی عظمت وشان وجلال کے موافق نہیں ہے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ علاؤالدین ابن اسعد لاہوری بنگالی

آپ شیخ سراج الدین عثمان ملقب بہ اخی

پیدائش۔ ۷۰۱ ــــــ وفات ــــــ ۸۰۰ھ سراج الدین کے خلیفہ تھے۔ ابتدائی زمانہ میں اپنے وقت کے مالدار اور بڑے آدمی تھے اور بے انتہا عزت وشان کے مالک تھے۔ آخر عمر میں شیخ سراج اخی کے مُرید ہو کر فقر اور گوشہ نشینی اختیار کی کہتے ہیں کہ اخی سراج جب شیخ محبوب الٰہی سے خلافت لے کر رخصت ہونے لگے تو اپنے اصلی وطن جانے کی اجازت چاہی اور پیر ومُرشد سے کہا کہ وہاں شیخ علاؤالدین ایک دانش مند اور عالی قدر بزرگ موجود ہیں۔ میری اُن کی کیسے بسر ہوگی پیر ومرشد نے فرمایا فکر نہ کرو وہ تمہارا

خادم بن جائے گا۔ چنانچہ وہی ہوا جو محبوب الٰہی نے فرمایا تھا۔
حکایت ہے کہ شیخ سراج اخی اکثر و بیشتر سفر کیا کرتے تھے۔ اور پکا ہوا کھانا آپ کے ساتھ رہتا۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ کے لئے شوربے کا گرم پتیلا شیخ علاؤالدین کے سر پر رکھدیا کرتے جو اسے لئے پھرتے۔ جس کی وجہ اُن کے سر کے بال گر گئے تھے۔ شیخ علاؤالدین پتیلا اٹھائے اپنے اُن عزیزوں کے گھر کے سامنے سے جو اُس زمانہ میں بادشاہ کے وزیر اور بڑے بڑے حاکم تھے گزرتے لیکن رشتہ داروں کی عزّت و شان سے ان کی موجودہ حالت میں کوئی تبدیلی یا فرق پیدا نہ ہوا۔
حکایت ہے کہ شیخ علاؤالدین کی خانقاہ میں کچھ قلندر آئے جن کے ساتھ ایک بلّی بھی تھی جو کہیں چلی گئی۔ قلندروں نے کہا شیخ ہماری بلّی ڈھونڈھ لاؤ۔ شیخ نے کہا تم بلّی کہاں سے لائے تھے۔؟ ایک قلندر نے کہا سینگ پر سے دوسرے نے کہا خُصیہ پر سے۔ جن کے جواب میں شیخ نے کہا کہ سینگ ہی ملے گا۔ چنانچہ شیخ ان قلندروں کے ساتھ باہر آئے جس نے سینگ کہا تھا ایک گائے نے آکر اس کو سینگ مارا۔ اور جس نے خصیہ کہا تھا اُس کے خصیے اتنے متورم اور سوج گئے کہ وہ اسی ورم کی وجہ سے مر گیا۔
شیخ علاؤالدین بے انتہا خرچ کیا کرتے تھے۔ آپ کا خرچ اتنا زیادہ تھا جس پر بادشاہ وقت کو بھی رشک ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے کہا میرے خزانہ سے زیادہ شیخ کے باپ کے پاس ہے جو انہیں خرچ کے لئے دیتا ہے۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ شیخ علاؤالدین میرے اس شہر سے باہر سنار گاؤں چلے جائیں۔ چنانچہ سنار گاؤں پہونچکر شیخ نے اپنے خادمیوں سے کہا پہلے تم جتنا خرچ کرتے تھے اب اس سے دوگنا خرچ کرو۔ چنانچہ پہلے سے دوچند خرچ ہونے لگا۔ شیخ کے اخراجات بہت زیادہ تھے لیکن آمدنی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا۔ شیخ کے بزرگوں کے دو باغوں پر جن کی سالانہ آمدنی آٹھ ہزار نقرئی ٹنکہ تھی ایک آدمی نے ناجائز قبضہ کر لیا تھا لیکن شیخ نے کبھی اُس سے واپسی کا مطالبہ نہ کیا۔ اور اس سے کبھی نہ کہا۔ شیخ کا ہاتھ کھلا ہوا تھا وہ بے حساب لوگوں کو داد و دہش کرتے اور کہتے ہمارے پیرومرشد جتنا خرچ کیا کرتے تھے میں اس کا ۱/۱۰ حصہ بھی خرچ نہیں کرتا۔ شیخ علاؤالدین کا مزار پنڈوا میں ہے۔ جنھوں نے ۸۰۰ھ میں انتقال کیا۔ آپ پہ اللہ کی رحمتیں ہوں۔

مولانا خواجگی رحمۃ اللہ علیہ شیخ چراغ دہلوی کے خلیفہ۔ مولانا معین الدین عمرانی کے شاگرد اور قاضی شہاب الدین کے اُستاد تھے۔

پیدائش۔ ۷۶۸ وفات ۸۱۹ھ مولانا خواجگی جس زمانہ میں دہلی میں پڑھا کرتے تھے تو سبق کے بعد اپنے اُستاد مولانا عمرانی کے پاس سے اُٹھ کر شیخ چراغ دہلوی کی خدمت میں چلے جاتے تھے۔ اور مولانا عمرانی اس عام مخالفت کی وجہ جو درویشوں سے ہوتی ہے چراغ دہلوی کے مرتبہ کے قائل نہ تھے اور کبھی ان کی ملاقات کو نہیں گئے تھے۔ ایک مرتبہ مولانا عمرانی کو بُری طرح کھانسی ہوگئی۔ حکیموں نے علاج سے ہاتھ اٹھالیا اور مولانا کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ تو ایک دن مولانا خواجگی نے عرض کیا۔ قبلہ محترم اس میں کیا ہرج ہے کہ چراغ دہلوی کی ملاقات کے لئے تشریف لے چلیں۔ اُن سے صحت کی دعا کرائی جائے ممکن ہے ان کی برکتِ صحبت اور نظر سے صحت حاصل ہو جائے۔ یہ مشورہ اگرچہ پہلے پہل مولانا عمرانی نے قبول نہیں کیا لیکن جب کھانسی کی بیماری کی وجہ سے سخت پریشان ہو۔ گئے تو راضی ہوئے اور چراغ دہلوی سے ملنے کے لئے روانہ ہوئے۔ دروازہ سے ہو کر خانقاہ میں گئے ہی تھے کہ حضرت چراغ دہلوی اسی وقت خانقاہ سے نکل کر گھر میں گئے کھانا پکا تیار رکھا تھا لیکن سادہ چاول اور دہی بھی کھانے میں لانے کا حکم دیکر فوراً ہی خانقاہ میں واپس ہو گئے اور پھر مولانا عمرانی سے ملاقات کی۔ تھوڑی دیر صحبت گرم رہی تھی کہ خادم نے دسترخوان بچھا کر مختلف کھانے چُن دیئے پیرو مرشد چراغ دہلوی نے چاول اور دہی جو عام طور پر کھانسی کے مریض اور بلغمی مزاج والوں کے لئے سخت نقصان دیتا ہے یہ دونوں چیزیں مولانا عمرانی کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا بسم اللہ نوش فرمائیے۔ مولانا عمرانی نے جتنا انکار کیا شیخ نے اتنی ہی زیادہ اصرار کے ساتھ زور دیا۔ آخرکار شیخ کے رُعب کی وجہ مولانا پھر انکار نہ کرسکے اور چند نوالہ دہی چاول کے کھالئے دسترخوان اُٹھنے کے بعد کھانسی کو زور ہوا۔ شیخ کے حکم سے طشت لایا گیا اور تمام بلغمی مادہ جس سے کھانسی ہوتی تھی وہ سب کا سب طشت میں آرہا۔ غرضکہ مولانا عمرانی کو شیخ چراغ دہلوی کے پاس بیٹھ کر دہی چاول کھانے سے مکمل صحت ہوگئی۔ اس کے بعد مولانا عمرانی کا شیخ چراغ دہلوی کی ملاقات سے انکار ارادتمندی میں تبدیل ہوگیا اور مولانا کو شیخ سے بے انتہا عقیدت ہوگئی۔ اور ایک دوسرے سے خوشی خوشی ملنے لگے۔ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

نے ایک سچا خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ اب مغلوں کا دور حکومت ہونے والا ہے۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جبکہ تیمور گورگان ابھی ہندوستان میں آیا بھی نہ تھا کہ حضرت گیسودراز کے اس خواب وتعبیر کے پیش نظر مولانا خواجگی دہلی چھوڑکر کالپی چلے گئے۔ وہیں سکونت اختیار کرلی اور زندگی بھر کالپی میں رہے آپ کا مزار بھی شہر کالپی کے بیرونی حصہ میں ہے جہاں عام و خاص زیارت کے لئے آتے رہتے ہیں۔

مولانا معین الدین عمرانی رح

بہت بڑے عالم اور شہر بھر کے اُستاد تھے۔ حاشیہ کنز الدقائق حسامی اور مفتاح آپ کی مشہور تصانیف ہیں۔

پیدائش ۶۸۳ــــــ وفات ــــــ ۷۹۲ھ

کہتے ہیں سلطان محمد تغلق نے جب قاضی عضد کو ہندوستان میں بلانا چاہا تاکہ وہ شرح مواقف لکھ کر سلطان کے نام سے موسوم کردیں تو مولانا معین الدین عمرانی کو بحیثیت استاذ سلطان روانہ کیا کہ وہ قاضی عضد کو بلا لائیں۔ مولانا عمرانی جب قاضی عضد کے مسکن اور شہر میں پہونچے تو انھوں نے اپنے فضل وکمال کے وہاں جوہر دکھائے جس کی وجہ قاضی عضد ہندوستان نہ آسکے۔ نیز اُن کے ہندوستان نہ آنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ قاضی عضد کے جب ہندوستان جانے کی اطلاع بادشاہ وقت کو ہوئی تو وہ کاروبار سلطنت چھوڑکر فوراً ہی سیدھا قاضی عضد کے پاس آیا اور کہا آپ تخت حکومت پر تشریف رکھیں میں آپ کی خدمت کروں گا۔ اور میری بیوی کے علاوہ جو کچھ اب تک میرا ہے وہ سب کا سب آپ کی نذر ہے آپ اُس کے بالکلیہ مالک ہیں۔ اور بہت کچھ اصرار کیا۔ چنانچہ قاضی عضد نے بادشاہ وقت کی بخشش، مہربانی اور اصرار کے پیش نظر ہندوستان کا رُخ نہیں کیا بلکہ وہیں اپنے وطن میں اپنی پوری زندگی بسر کی۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

مولانا احمد رح

تھانیسر کے باشندہ اور شیخ چراغ دہلوی کے مُرید تھے۔ فضل وکمال کے ساتھ علوم ظاہری میں بے انتہا کامل اور ماہر تھے۔

پیدائش ۷۴۹ وفات ۸۲۰ھ

اگرچہ مولانا خواجگی سے آپ کا بھائی چارہ تھا۔ دہلی چھوڑتے وقت آپ نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ پھر ہوا یہ کہ امیر تیمور گورگانی کی عظیم الشان فوج نے یلغار کی۔ اور دہلی میں لوٹ مار کا بازار خوب گرم کیا۔ اسی افراتفری میں مولانا احمد کے متعلقین گرفتار کرلئے گئے۔ پھر جب فتنہ وفساد کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو

پھر آپ امیر تیمور گورگانی کے درباری ہو گئے تھے امیر تیمور کے دربار میں مولانا برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ کے پوتے شیخ الاسلام اور آپکے درباں میں ادھر ادھر کی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ امیر تیمور نے شیخ الاسلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا احمد سے کہا آپ جانتے ہوں گے کہ یہ مولانا برہان الدین مرغینانی کے پوتے ہیں جنھوں نے ہدایہ لکھا ہے جس پر مولانا احمد نے جواب دیا۔ ان کے دادا صاحب جنھوں نے ہدایہ لکھا ہے اس میں کئی جگہ غلطیاں کی ہیں۔ اگر ایک جگہ غلطی کی ہوتی تو کوئی ہرج نہ تھا۔ جس پر شیخ الاسلام نے پوچھا ذرا بتائیے تو کہ کہاں کہاں غلطی کی ہے۔ اور اس کا ثبوت بھی دیجئے اس پر مولانا احمد نے اپنے بیٹوں اور شاگردوں سے کہا کہ وہ تقریر شروع کر دیں لیکن امیر تیمور نے حفظ ناموس و عزت کی خاطر یہ مجلس دوسری صحبت کے لئے ملتوی کر دی اس کے بعد مولانا احمد دہلی سے روانہ ہو کر بال بچوں سمیت کالپی آکر مقیم ہو گئے جہاں پھر مولانا خواجگی سے برادرانہ تعلقات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

اسی زمانہ میں مولانا احمد کے بیٹوں اور مولانا خواجگی کے معنوی فرزند و شاگرد قاضی شہاب الدین کے درمیان چشمک ہو گئی۔ قاضی نے مولانا احمد کے بیٹوں کی شکایت اپنے استاد مولانا خواجگی سے کرتے ہوئے مدد چاہی تو مولانا خواجگی نے شکایت کے جواب میں شیخ سعدی رح کے یہ دو شعر قاضی کو لکھ بھیجے۔

اشعار

اے بیش ازانکہ در قلم آید ثنائے تو   واجب براہل مشرق و مغرب ثنائے تو
اے در بقائے عمر تو نفع جہانیاں   باقی مباد آنکہ نخواہد بقائے تو

مولانا احمد کا مزار قلعہ کالپی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے مولانا احمد نے ایک نعتیہ قصیدہ لکھا ہے جس میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہائے ہیں۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں

اطارکتی حنین الطائر الفرد   وہاج لوعتہ قلبی الثائیہ الکمد
واذکرتنی عہوداً بالحمی سلفت   حمامۃ صدحت من لاعج الکبد
لیس فی الدین والدنیا و آخرتی   سوی جناب رسول اللہ معتمد
بر رؤف رحیم سید سندٌ   سہل الفناء رحیب الباع والعضد

باعلم مکتنف بالحلم متصف | باللطف ملتحف بالبر متسد
بالخلق مشتمل بالرفق مکتحل | بالحق متصل بالصدق منفرد
العدل سیرۃ والفضل طینۃ | والبذل شیمۃ فی الوجدوالوبد

اسی طرح رسول اکرم ؐ کے معجزات و محامد بیان کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے

قصیدہ

یاافضل الناس من ماض ومو تنق | واکرم الخلق من حر ومن عبد
افدیک بالروح والقلب المشوق معاً | والنفس والمال والاہلین و الولد
قدعاقنی البعد عن مرای یاسکنی | وطال شوقی الی لقیاک یا سند
یاحیاتی ویا روحی ویا جسدی | یا فوادی ویا ظہری ویا عضد
مالی الیک بقطع البید من قبل | ولیس لی باصطبار عنک من مدد
ارجوالوفادۃ فی ارض حللت بہ | یالہف نفسی اذا ماکنت لم افد
عطفاً علیّ و رفقاً لی وکرمۃً | فلیس غیرک یا مولای ملتحد
شفع الیٰ اللہ لی فی ان یشتبطنی | عن الہویٰ وذوی الدنیا وعن سدد
یارب صل وسلم دائماً ابداً | علی النبی نبی الحق والرشد
وصحبہ وذویہ الطاہرین ومن | اجتبہم شغفاً فی الغیب والخند
مالاح برق وما سحّ الغمام علی | ربی العلا فکساہا حلۃ القتد
واحتق الروض بالازہار مو تنقۃ | ممطورۃً بحٰی باکر فرد
وباتغر وغرید عـلی فنن | غض الارومۃ مخضل وملتبد

حکیم شیخ صدرالدین دہلوی رح

شیخ چراغ دہلوی کے جلیل القدر خلیفہ اور محبوب الٰہیؒ کے منظور نظر تھے۔ کہتے ہیں

پیدائش۔ ۶۰۲ ــــــ وفات ــــــ ۶۸۴ھ

کہ آپ کے والد تاجر تھے محبوب الٰہی کے معتقد تھے اگرچہ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے تھے لیکن عمر بھر کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ اس غم میں مبتلا رہتے تھے۔ ایک دن جبکہ محبوب الٰہی پر حال کی کیفیت تھی کہ ان کی پیٹھ سے شیخ نے اپنی پیٹھ رگڑ دی اور بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔ چونکہ محبوب الٰہی کے پکے معتقد تھے اس لئے بیٹے کی خواہش میں اپنی بیوی کے پاس

گئے۔ پھر اللہ نے ان کو اُمید سے رکھا جب صدرالدین پیدا ہوئے تو ان کے والدان کو شیخ محبوب الٰہی کے پاس لے گئے۔ شیخ نے ان کو گود میں لے لیا۔ صدرالدین جب تک گود میں رہے اس وقت تک شیخ کے چہرہ پر نظریں جمائے رہے۔ صدرالدین کی آنکھوں سے شعور کے اثرات ظاہر تھے جسے حاضرین مجلس نے دیکھا پھر محبوب الٰہی نے اپنی قبا میں سے تھوڑا سا کپڑا پھاڑ کر صدرالدین کے لئے اپنے ہاتھ سے کرتہ سیا۔ اور ان کو شیخ چراغ دہلوی کے حوالہ کر دیا۔ اور ان کے آیندہ عظیم الشان و جلیل القدر ہونے کی اطلاع بھی دی۔

حکیم شیخ صدرالدین نے چند کتابیں نہایت ہی فصیح اور سلجھی ہوئی عبارت میں تصنیف کی ہیں جن میں معارف، حقائق، وعظ و نصیحت اور حکمتیں قلمبند کی ہیں نیز حکیم شیخ صدر الدین فن طب میں بھی ماہر و کامل تھے۔

حکایت ہے کہ حکیم صدرالدین کو ایک مرتبہ پریاں اڑا لے گئیں تاکہ ایک بیمار پری کا علاج کرائیں۔ اللہ کا کرنا کہ آپ کے علاج سے وہ بیمار پری صحت یاب ہوگئی تو اُس نے حکیم صاحب کو ایک خط لکھ کر دیا اور کہا دہلی کی فلاں گلی میں جو کتا پڑا رہتا ہے اس کو یہ خط دکھا دینا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے اُسی پتہ پر پہونچ کر اُس کتے کو وہ خط دکھایا۔ وہ کتا یہ خط دیکھتے ہی آگے آگے چلنے لگا پھر ایک جگہ پہونچ کر ٹھہرا اور زمین کُریدنے لگا۔ اور اُس جگہ کا نشان بتایا جہاں ایک بہت بڑا خزانہ اور دفینہ موجود تھا۔ لیکن حکیم صدرالدین نے درویشوں جیسی بلند ہمتی کے مدنظر یہ دفینہ اور خزانہ نکالنے کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ آپ کا مزار قدیم دہلی میں قلعہ علائی کے اندر ہے۔ آپ کے خطوط حقائق و معارف سے پُر ہیں۔ جن کے منجملہ ایک خط یہ ہے جس میں آیندہ کے تدارک کا ذکر کیا ہے۔

خط میرے مذہبی بھائی۔ اللہ دوجہاں میں تمہیں عزت دے مقاصد بر آئیں اور انجام بخیر ہو۔ آیندہ ہونے والی کیفیات کا مجھے علم نہیں اسے تو کوئی شیخ کامل ہی جانتا ہے لیکن آپ کی دریافت پر عرض ہے کہ بھائی پہلے اپنے گناہ و جرم کے اسباب پر غور کرو اپنے جرائم دیکھو اور یقین کرلو کہ خدائے ناظر جو دل کے حالات سے باخبر ہے وہ خود فرماتا ہے اِنَّ السمع والبَصَرَ والفؤادَ کُلُّ اولئک کان عنہ مسئولا۔

ترجمہ۔ (آنکھ کان دل سب کے سب دربار الٰہی میں جوابداری کریں گے) اور حدیث شریف اِن لم تکن تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ۔ ترجمہ۔ (اگر تم اللہ کو نہیں دیکھ سکتے تو اس کا یقین کرلو

کہ الٹا تم کو دیکھتا ہے) کو ہمیشہ پیش نظر رکھو زندگی کا بھروسہ نہیں موت گھات میں ہے اس لئے اُمیدیں اور آرزوئیں کم کر دو اور جب اس پر کامزن ہو گے تو شرم وخوف غالب ہو کر دشمن مغلوب ہو جائے گا دوسری بات یہ کہ خواہش شکم و دوشاخہ کی بیماری جو شیطانی معجون کی پیداوار ہے اور جس کے ذریعہ انسان کی رگوں میں خون کے ساتھ شیطان داخل ہوتا ہے۔ اس کے تمام راستوں کو بند کرنے کی خاطر بھوک پیاس سے اس کا علاج کرو اور دیدار کی فرحت بیزی سے دل خوش رکھو۔ بھوک کے دسترخوان پر صدیقوں کی مانند کھاؤ۔ اور روزہ کی نہر سے جبکہ روزہ کا بدلہ اللہ خود دیتا ہے سیرابی حاصل کرو تاکہ خواہش شکم و دوشاخہ کی بیماری سے نجات مل کر ایمانی صحت و تندرستی حاصل ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ اپنی ذات اور متعلقین کی بربادی کا غم نہ کرو کیونکہ اللہ نے کہا ہے وَمَنْ یَخْرُجْ مِنْ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔ ترجمہ:۔ (جو کوئی اپنے گھر سے اللہ و رسول اکرمؐ کے احکام کی تعمیل کے لئے نکلے اور راستہ ہی میں اسے موت آجائے تو اس کے عمل کا بدلہ اللہ کے ذمہ ہے) اور یقین کر لو کہ زندگی و رزق مقرر ہے جو دوڑ دھوپ کرنے سے کم و بیش نہیں ہوتا ہے۔ جبکہ رزق کسی شرط پر نہیں دیا جاتا تو بہتر یہی ہے کہ عمر کو طلب حق میں مشغول رکھا جائے اور سلوک کی آخری منزل طے کی جائے۔ سب جاندار اللہ کے بندہ ہیں جن کو رزق دینا اللہ کا کام ہے۔ جیسا کہ اللہ نے خود صاف صاف کہا ہے۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ ترجمہ:۔ (ہر جاندار کو روزی دینے کا کام اللہ نے اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے) اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا ہے نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِیَّاهُمْ ۔ ترجمہ:۔ (اے لوگو ہم تم کو اور ان کو روزی پہنچاتے ہیں جو تا حال ظاہر نہیں ہوئے ہیں) اس کے علاوہ قسم کھا کر کہا ہے فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ ترجمہ:۔ (آسمان و زمین کی ربوبیت کی قسم! روزی دینا ہمارا حق ہے اور ویسا ہے جیسا کہ تم لوگ کہتے ہو) اے برادر جواں ہمت! جو کوئی اس کا یقین نہ کرے وہ مومن نہیں بلکہ کافر ہے۔ روزی ملنے کے یقین کے معنی یہ ہیں کہ حق و صداقت کے کام کرے اور اللہ کے لطف و کرم پر پکا بھروسہ کرے خود اپنے تئیں ہیچ اور ناکارہ سمجھ کر تمام مخلوق اور ان کے بھروسہ کو معدوم تصور کرے

اے دوست یقین کر لو کہ دو غم ایک دل میں اور دو تلواریں ایک نیام میں ہرگز نہیں رہ سکتے۔

شعر

حسن گر عشق می ورزی چنیں بر جاں چہ می لرزی
بیک دل در نمی گنجد غم جاناں و غم جاناں

ایک اور بزرگ نے خوب لکھا ہے کہ اگر موتی میں لاکھوں جھائیاں ہوں اور تمام مخلوق میری ایسی اولاد ہو جس کو پریشانیاں لاحق ہوں تب بھی میں اس موتی کی جانب رُخ نہیں کروں گا۔

چوتھے یہ کہ فرض و سنت کو کافی سمجھ کر نفل چھوڑ دینے والوں کو جواب دو کہ رسول اکرم ؐ کی زبانی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نفلوں کی حالت میں میرا بندہ مجھ سے اتنا زیادہ قریب ہو جاتا ہے کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان۔ آنکھ۔ ہاتھ اور زبان بن جاتا ہوں یہاں تک کہ وہ میرا بندہ میرے ہی ذریعہ سے سنتا، دیکھتا۔ قوت آزمائی کرتا اور بات چیت کرتا ہے۔

بے نمازی اور نماز میں کوتاہی و کمی کرنے والوں سے کہو کہ پنجوقتہ کی نماز ہم پر فرض ہے اور اللہ نے پانچ وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ نماز میں یہ خیال رکھنا کہ ہم اللہ کے سامنے حاضر ہیں فرض عین ہے جیسا کہ ارشاد ہے لا صلوٰۃ الا بحضور القلب۔
ترجمہ:- (حضور قلبی کے بغیر نماز نہیں ہوتی) اور یہ حضور قلب پنجوقتہ کی ہر نماز میں ازابتدا تا انتہا ہونا ضروری ہے جیسا کہ رسالہ نماز میں مکمل انشاء اللہ تحریر کروں گا۔

لیکن اگر کسی فرض کفایہ سے فرض عین میں خلل واقع ہوتا ہو تو ایسے فرض کفایہ کو چھوڑ دینا چاہیئے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبادت لازم سے عبادت متعدی بہتر ہے اُن کو جواب دو کہ رسول اکرم ؐ نے فرمایا ہے میری امت پہ ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں دین و مذہب اسلام اپنی اصلی صورت پر قائم نہ رکھیں گے بلکہ ایک بلندی سے دوسری بلندی پر دوڑتے پھریں گے اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں راہ فرار اختیار کریں گے۔ اور ایک پتھر سے دوسرے پتھر پر بھاگیں گے جو کوئی ایسے زمانہ میں ہو اُسے چاہیئے کہ فرائض اور خصوصی احکام کے ادا کرنے اور عبادت لازم ہمیشہ کرتے رہنے کا حکم دے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم کا یہ حکم

پیش نظر رکھو یا ایھا الّذین اٰمنوا علیکم انفسکم۔ ترجمہ:۔ (اے مسلمانوں اپنی ذات پر احکام الٰہی کی تعمیل کو لازم قرار دو)

پانچویں یہ کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ بغیر مال و دولت اور عزت و شان کے حقیر و ذلیل ہو جاؤ گے تو ان دشمنان اسلام کے سر پر اللہ تعالیٰ، رسول اکرمؐ اور تمام مسلمانوں کی مانی ہوئی اور مقررہ عزت کی تلوار مارو۔ اور بھروسہ کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ بہت کافی ہے کا تیر ایسے دشمن کے سینہ کے پار کرو۔ اور اللہ اپنے بندوں کے لئے بہت کافی ہے کا خنجر ان شریر دشمنوں کے لئے کافی سمجھو۔ اور ان دشمنوں سے صاف کہدو اپنی ہستی دیکھتے رہو مستی نہ کرو۔

شعر

با دوست کنج فقر و بہشت و بوستاں ۔۔۔ بے دوست خاک بر سر جاہ و توانگری

چھٹے یہ کہ رشتہ دار، متعلقین اور اہل و عیال اگر تم سے اپنے اخراجات کی تکمیل کے لئے جھگڑے کریں تو ان کو صاف صاف قرآن کا حکم سنا دو۔ اے بی بیو! اگر تم کو دنیاوی زندگی، اور دنیاوی زیب و زینت وغیرہ درکار ہے تو آؤ میں تم کو ضروری سامان اور نان نفقہ دے کر اپنے گھر سے رخصت کئے دیتا ہوں۔ اور اگر تم کو اللہ رسول اکرمؐ اور آخرت کی اچھائیاں درکار ہیں تو یقین کر لو کہ اللہ نے تم اچھی بی بیوں کے لئے اجر عظیم اور بڑی بڑی بھلائیاں مقصود کر رکھی ہیں وہ تم کو آخرت میں سربلند اور عزت دار بنائے گا۔ اور اگر مطالبہ ادائگی مہر کی حد تک پہونچ جائے تو بی بیوں کے مہر فوراً ادا کر دو یا دوسروں کے ذریعہ ادا کرا دو یا پھر بدرجۂ مجبوری خود کو جیل خانہ کے حوالہ کر دو۔ اور جیل خانہ کی تنہائی میں خوش رہو۔ لیکن اگر سالک و فقیر اپنے کام میں سچا ہے تو اس کے اہل و عیال وغیرہ سب اس کی موافقت کریں گے۔ اور بالآخر اسی کی راہ اختیار کریں گے۔ اور اس کی صحبت کی برکت سے جملہ متعلقین بھی نیکی کے خوگر ہو جائینگے

ساتویں یہ کہ اگر خدا نخواستہ والدین تم کو کسی شرک کرنے کا حکم دیں تو ایسے حکم کو نہ مانو۔ اور تمہارا یہ حکم نہ ماننا شرک خفی ہوگا جسے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا کیونکہ تم نے اللہ سے شرک نہ کرنے کی تعمیل کی ہے البتہ ایسی حالت میں بھی والدین کو نرمی و ادب سے جواب دو۔ احکام الٰہی کی تعمیل میں چست رہو اور اگر دوسرے رشتہ دار کچھ کہیں تو ان سے کہو

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو ۔۔۔ ترا سعادت بادا مرا نگو نساری

اے عزیز! جو کوئی تم کو احکام الٰہی سے روکے وہ تمہارا دشمن ہے اور دشمن کی بات

پر کبھی کان نہ دھرو۔
آٹھویں یہ کہ بیکار کی محنت مشقت اور بے وقت کے مجاہدہ وریاضت دور کرنے کے لئے پیرومرشد اور شیخ کی ضرورت ہے تاکہ محنت وریاضت سے فائدہ حاصل ہوسکے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے جو موانع درپیش ہوتے ہیں اُسے شیخ ہی پہچانتا اور ان کو ایمان وتلقین کے ذریعہ دُور کراتا ہے۔
نویں یہ کہ وجود الہی کی قوت کے ذریعہ لوگوں کی کج اعتقادی دُور کرکے ان میں صرف اللہ کے روبرو عاجزی کرنے کی قوت پیدا کرو اسی کے ساتھ خود اپنی ذات کو مردہ جانو اور مخلوق کو پتھر اور ڈھیلے سمجھو۔ اور یقین کرلو کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے میں فائدہ ونقصان پہونچانے مارنے وجلانے اور زندگی وپھیلاؤ کی کوئی قوت نہیں ہے۔ اور جب بندہ بلکہ عاجز ہے تو پھر وہ کسی کو فائدہ یا نقصان کسی طرح بھی نہیں پہونچا سکتا۔ اور جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ کسی کو اس کے انجام کی خبر نہیں ہے اور انکار وقبول اطاعت اس کا اختیاری فعل نہیں ہے کیونکہ اچھے کام کرنے کی صرف اللہ تعالیٰ ہی توفیق دیتا ہے تو ان دونوں باتوں کو اپنے دل کی تختی پر اچھی طرح لکھ لو تاکہ اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرکے تمام مصائب سے تم کو محفوظ رکھے۔
اے جوانمرد۔ یہ راہ بڑی لمبی ہے جو تقریر وتحریر کے ذریعہ طے نہیں ہوسکتی۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس راستہ کو طے کرانے کے لئے شیخ کی ضرورت ہے وہ سوچ سمجھ کر تم کو اس راہ پر چلا سکے گا اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دیتا ہے تمام تعریفیں دو عالم کے پالنے والے کیلئے ہیں اور درود وسلام ہو سرکار دوعالمؐ پر اور آپ کی آل واصحاب پر اور سب پر۔ والسلام

شیخ سراج الدین ملتانی

آپ کے والد کا نام عالم اور دادا کا نام قوام الدین تھا۔ آپ شیخ زین الدین خوانی کے دوست اور خلیفہ تھے۔ علوم ظاہری وباطنی کے زبردست عالم تھے۔ اگرچہ سراج الدین ملتانی کے باپ دادا ملتان کے باشندے تھے لیکن آپ کی نشو ونما ہرات میں ہوئی۔ شیخ زین الدین خورفی کے انتقال کے بعد شیخ کی وصیت کے مطابق لوگوں نے آپ کو شیخ کا جانشین بنایا۔ چنانچہ آپ نے ہرات میں اپنے پیرومرشد کے اوراد واذکار زندہ رکھنے کے لئے قیام کیا۔ اور وہیں ہرات میں عبادت

پیدائش ۔۶۰۳ ــــــ وفات ــــــ ۶۷۲ھ

واذکار الٰہی کرنے لگے۔

حکایت ہے کہ شیخ زین الدین خوافی نے کہا ہزاروں لوگ میرے مرید ہوئے لیکن کسی نے میری پسندیدگی کو اتنا ملحوظ نہ رکھا۔ جتنا کہ سراج الدین ملتانی نے جس نے برسوں تک میری خدمت کی ہے۔ مشائخین ہرات کے تذکرہ میں ہے کہ ایک بندگ نے کہا جن اولیاء اللہ کو میں جانتا ہوں ان میں سے شیخ سراج الدین ملتانی بھی ایک ولی اللہ ہیں۔ علاقہ گجرات کے ایک شہر نہروالہ میں آپ کا مزار ہے۔

سید تاج الدین شیر سوار

آپ کا مزار نارنول میں ہے۔ آپ شیخ قطب الدین منور ہانسوی کے مرید تھے۔

پیدائش۔ ۷۰۵ــــ وفات ــــ ۷۹۴ھ نارنول کے پہاڑوں میں آپ نے بے انتہا ریاضت کی اور اتنا ریاض کیا کہ چرند و پرند آپ کے مطیع ہو گئے، درندے اور چڑیاں آپ سے مانوس ہو گئیں۔ کہتے ہیں کہ آپ جب اپنے پیرومرشد سے ملنے ہانسی جانا چاہتے تو جنگل سے ایک شیر پکڑ کر اس پہ سوار ہو جاتے اور سانپ کو ہنٹر بنالیا کرتے تھے۔ اور اسی حالت میں پیرومرشد سے ملنے کے لئے روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ اور جب شہر ہانسی کے قریب پہونچتے تو شیر اور سانپ کو شہر کے باہر چھوڑ کر پیدل پیرومرشد کے پاس حاضر ہو جاتے تھے۔

حکایت ہے کہ ایک دن شیخ قطب الدین منور ایک دیوار پر بیٹھے ہوئے تھے۔ سید تاج الدین ملتانی پر حالت طاری ہوتی اور وہ اسی حالت بیخودی میں شیر پر سوار اپنے پیرو مرشد کے سامنے حاضر ہو گئے۔ شیخ نے آپ کو دیکھ کر شیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا سید! یہ حیوان تو جاندار ہے۔ اللہ والے اگر دیوار کو بھی حکم دیں جو پتھر ہے تو وہ بھی چلنے لگے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اسی وقت وہ دیوار بھی جس پہ شیخ بیٹھے ہوتے تھے ہلنے لگی۔ دیوار کو ہلتا ہوا دیکھ کر شیخ نے کہا اے دیوار میں نے تو یہ بات برسبیل تذکرہ کہی تھی تو اپنی جگہ رُکی رہ۔ آپ کا مزار نارنول کے باہر شہر سے قریب ہی ہے۔ آپ کی پیدائش بھی نارنول ہی میں ہوئی تھی۔ سید تاج الدین کے لڑکے شیخن کو ابدال کہتے تھے۔ وہ دنیاداری سے دور تھے لیکن بقدر ضرورت دنیا سے متصل تھے وہ ہمیشہ یاد الٰہی میں مشغول رہا کرتے۔ آپ کے گھر کے دروازہ پر ایک پتھر پڑا ہوا تھا جو اب بھی پڑا

ہوا ہے۔ آپ اپنی زندگی میں اس پتھر پر ایک کٹھالی رکھ دیا کرتے تھے اور آنے جانے والے اس میں کچھ ڈال دیا کرتے تھے جس کے ذریعہ روزانہ آپ کی گذر بسر ہوا کرتی تھی لطف یہ ہے کہ جس قدر آپ کو ضرورت ہوتی تھی صرف اتنی ہی چیز اس لکڑی کے پیالے میں ہوا کرتی تھی۔ اگر غلہ مہنگا ہوتا تو اس کٹھالی میں سے زیادہ رقم نکلتی اور اگر سستے کا زمانہ ہوتا تو صرف اسی دن کی ضرورت کے موافق اُس میں سے رقم ملا کرتی تھی۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

قاضی شمس الدین شیبانی

بڑے زبردست عقلمند تھے۔ تغلق شاہ کے زمانہ میں دہلی سے نارنول

پیدائش ۷۴۰ —— وفات —— ۸۰۹ھ گئے۔ ابتدائی زمانہ میں جبکہ شادی نہیں کی تھی کہ حج کرنے کے ارادہ سے نکلے راستہ میں جب گجرات پہونچے تو ایک مسجد میں دیکھا کہ ایک معتزلی برسر منبر کھڑا ہوا اپنے مذہب معتزلہ کے مدنظر بندوں کے خلق افعال پر تقریر کر رہا ہے۔ اس نے دوران تقریر میں کہا دیکھو یہ میرا ہاتھ ہے۔ اگر میں اسے کھولنا چاہتا ہوں تو یہ کھلتا ہے اور اگر مٹھی بند کرنا چاہتا ہوں تو بند ہو جاتی ہے (گجرات والوں میں اس سے مقابلہ کی قوت نہ تھی) قاضی شمس الدین نے یہ سن کر کہا اگر تم خود مقتدر ہو اور ہر کام اپنی قدرت کی بناء پر کر سکتے ہو تو پھر اپنے اس ہاتھ کو اپنی پیٹھ پر لیجا کر ملا کیوں نہیں سکتے؟ قاضی شمس الدین کا یہ اعتراض حاکم گجرات کو بہت پسند آیا۔ اور پسندیدگی کا اظہار اس طرح کیا کہ دارالحرب سے جو لونڈیاں آئی تھیں ان میں سے ایک لونڈی آپ کو نذرانہ دی جس کے بطن سے آپ کو اولاد ہوئی۔ اللہ نے آپ کی اولاد میں برکت دی اور سب کو تعلیم یافتہ بنایا۔ ان سب پہ اللہ رحمتیں نازل کرے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ جن کا لقب تاج الافاضل تھا۔ ان کے پانچ لڑکے ہوئے جو سب کے سب تعلیم یافتہ متقی و عقلمند تھے۔ جن میں سے یعنی تاج الافاضل کے ایک صاحبزادہ قاضی مجد تھے جو شیخ احمد مجد کے والد تھے۔ جن کے حالات ان کے بیان میں لکھے جائیں گے۔ جن کے سات لڑکے تھے جو سب کے سب عالم اور عامل تھے۔

سید یوسف حسینی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد کا نام سید جمال حسینی ہے۔ آپ کے بزرگوں نے مشہد سے آکر ملتان کو وطن بنایا۔ سلطان

پیدائش ۷۰۲ ـــ وفات ـــ ۷۹۰ھ فیروز کے زمانہ میں آپ ایک فوجی کی حیثیت میں ملتان سے دہلی آئے۔ آپ دہلی پہونچ کر فوج میں تھے کہ سلطان فیروز نے آپ کی بزرگی، عقلمندی کے پیش نظر آپ کو اس مدرسہ میں جہاں اُس نے حوض خاص علائی اور اپنا مقبرہ بنایا تھا مدرس مقرر کر دیا آپ نے برسوں تک اس مدرسہ میں پڑھایا اور لوگوں کو عام فائدے پہنچائے۔

حکایت ہے کہ سید یوسف حسینی ہمیشہ جمعرات کے دن رات کے وقت رسول اکرم کو خواب میں دیکھتے تھے۔ آپ نے قاضی نصیر الدین بیضاوی کی مشہور کتاب لب الالباب فی علم الاعراب کی ایک طویل و بسیط شرح لکھی ہے جو یوسفی کے نام سے مشہور ہے۔ لب الالباب فی علم الاعراب ایک مختصر و کار آمد کتاب ہے جو ہمارے شہر دہلی میں بڑی مشہور کتاب ہے۔ نیز آپ نے مشہور کتاب مفتاح کی بھی شرح لکھی ہے جس کا نام توجیہہ الافکار رکھا ہے۔ آپ کے استاذ مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ تھے جو مولانا قطب الدین رازی کے شاگرد تھے اور مولانا قطب الدین رازی وہ مشہور شخصیت ہیں جنھوں نے شمسیہ اور مطالع کی شرح لکھی ہے۔ سید یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مزار بھی حوض خاص علائی پر ہے۔ آپ نے ۷۹۰ھ کے قریب وفات پائی۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

قاضی عبد المقتدر

آپ کے والد کا نام قاضی رکن الدین شریحی کندی تھا۔ آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے خلیفہ تھے۔

پیدائش ۷۰۲ ـ وفات ۷۹۱ھ آپ زبردست عقلمند، فیاض اور کامل درویش تھے قاضی شہاب الدین کے استاد تھے آپ کا کلام نہایت فصیح و بلیغ ہے۔ آپ نے قصائد و غزلیں بھی کہی ہیں۔ مشہور قصیدہ لامیہ کے جواب میں آپ نے قصیدہ لامیۃ العجم لکھا ہے جو آپ کی کمال فصاحت کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ ہمیشہ درس و تدریس اور افادیت علم میں مشغول رہے۔ حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اکثر خلفاء کا یہی طریقہ رہا کہ وہ تعلیم دہی اور فائدہ رسانی میں مشغول رہے پیر و مرشد چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں سے یہی فرماتے تھے کہ علم میں مشغول رہ کر شریعت کی حفاظت کرتے رہو۔ قاضی صاحب فرماتے تھے کہ ہزار رکعتوں کی عبادت

جن میں مکاری و ریا کاری شامل ہو ان پر افضلیت اس لمحہ کو ہے جس میں کسی شرعی مسئلہ پر غور و فکر کی ہو۔

کہتے ہیں کہ قاضی عبدالمقتدر اپنی طالب علمی کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ شیخ چراغ دہلویؒ سے پڑھا کرتے تھے بحث و مباحثہ میں کافی حصہ لیتے تھے۔ شیخ آپ کے بحث و مباحثہ کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے اور مزید حصول علم کی ترغیب و تحریص دیتے تھے۔ آخر کار آپ شیخ کے مرید ہوئے اور باطنی نعمتیں ظاہری فضیلت علم کے ساتھ حاصل کیں۔ قاضی صاحب کے ایک مرید و معتقد نے مناقب الصدیقین لکھی ہے جس میں تمام مشائخین چشت کے حالات درج کرتے ہوئے قاضی عبدالمقتدر صاحب کے اکثر حالات وکرامات کا تذکرہ کیا ہے۔ اسی کتاب مناقب الصدیقین میں لکھا ہے کہ ایک دن قاضی شہاب الدین کو (جو قاضی عبدالمقتدر کے شاگرد تھے) کہیں سے کچھ سونا ملا۔ تو انھوں نے اپنی والدہ سے تنہائی میں کہا اس سونے کو کہیں زمین میں چھپا دینا چاہیئے اس کے بعد شہاب الدین اپنے استاذ قاضی عبدالمقتدر کی مجلس میں آگئے۔ قاضی عبدالمقتدر نے ان کو دیکھتے ہی کہا شہاب الدین تم تو سونا دفن کرنے کی فکر میں پڑے ہوئے ہو۔ علم میں کب مشغول ہو گے؟ قاضی عبدالمقتدر صاحب کہا کرتے تھے میرے پاس ایک طالب علم آتا ہے جس کی کھال سر، ہڈیاں علم اور بھیجہ بھی علم ہے اور اس جملہ سے آپ کی مراد ہمیشہ شہاب الدین ہوتے تھے۔

قاضی عبدالمقتدر نے (۸۱) سال کی عمر میں ۲۶ محرم ۷۹۱ھ[1] کو وفات پائی۔ آپ کا اور آپ کے والد بزرگوار کا مزار قطب صاحب میں حوض شمسی کے جنوبی طرف ہے۔ جسے شیخ عبدالصمد کی خانقاہ کہتے ہیں۔ اور شیخ عبدالصمد وہ بزرگ ہیں جو اپنے زمانہ کے بڑے رئیس تھے اور سلطان سکندر کے عہد حکومت میں جونپور سے دہلی آتے تھے جھوں نے اپنے باپ دادا کے مقبرے بھی بنائے جو اس وقت بھی موجود ہیں۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔ آپ کا قصیدہ لامیہ بھی عربی زبان میں تحریر کیا ہے جس کے آخری حصہ میں رسول اکرمؐ کی نعت لکھی ہے۔

---

[1] ۱۹۴۷ء سے پہلے تک ابھی عالیشان گنبد موجود ہوں گے لیکن اب اس پرانی دلی میں کھنڈر زیادہ ہیں اور خانقاہ موجود نہیں۔ (مترجم اقبال الدین احمد ۱۳۹۱ھ)

شیخ زین الدین

آپ حضرت چراغ دہلویؒ کے بھانجے، خلیفہ اور خادم تھے۔ حضرت چراغ دہلویؒ کی کتب خیر المجالس اور ملفوظات میں آپ کا تذکرہ موجود ہے۔ آپ کے ایک پیدائش ۷۲۲ھ ۔ وفات ۸۲۰ھ مُرید مولانا داؤد نے اپنی تصنیف جندآین کی ابتداء ہی میں آپ کی تعریف کی ہے۔ آپ کا مزار حضرت شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے گنبد کے پائیں والے اُس گنبد میں ہے جو قبرستان کے صحن میں ہے

شیخ نور الحق

شیخ نورِ قطب عالم کے نام سے مشہور تھے۔ شیخ علاؤ الحق کے بیٹے تھے اُنہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ ہندوستان کے مشہور پیدائش ۷۲۲ھ وفات ۸۱۳ھ ولی ہوئے۔ عشق و محبت ذوق و شوق اور نصرت و کرامت کے مالک تھے۔

حکایت ہے کہ آپ اپنے والد بزرگوار کی خانقاہ کے تمام فقیروں کی خدمت کرتے' اُن کے کپڑے دھوتے اور ان کے لئے پانی گرم کیا کرتے تھے پہلے پہل آب دارخانہ کا انتظام آپ کے سپرد تھا۔ آپ اپنے مقررہ وقت پر پانی کا انتظام کر رہے تھے کہ اچانک ایک فقیر کے پیٹ میں شدّت کا درد ہوا وہ سیدھا آبدارخانہ میں گھس آیا پھر اس کو اتنا بڑا دست ہوا جس سے نور الحق کا جسم اور کپڑے لت پت ہو گئے۔ اتفاقاً اسی وقت آپ کے والد شیخ علاؤ الحق بھی وہاں سے گذرے تو اپنے بیٹے نور الحق کو اس حالت میں دیکھ کر بہت مسرور ہوئے اور پھر دوسرا کام آپ کے حوالہ کر دیا کہ اب یہ کام کیا کرو۔
شیخ حسام الدین مانکپوری کی ملفوظات رفیق العارفین میں لکھا ہوا ہے کہ شیخ نور الحق نے آٹھ سال تک اپنے پیر و مرشد کے گھر میں لکڑیاں چیری ہیں۔ شیخ نور الحق کے بڑے بھائی اعظم خان نے جو اس زمانہ میں حکومت کے وزیر تھے اپنے چھوٹے بھائی کی یہ حالت دیکھ کر کہا کرتے تھے قاضی نور الحق! تم نے تمام اچھائیاں غارت کر دیں اور عزت خاک میں ملا دی۔

ایک دن شیخ علاؤ الحق نے کہا اے نور الحق! یہ عورتیں جہاں پانی بھرتی ہیں، زمین چکنی ہو گئی ہے یہاں پاؤں پھسلتے ہیں اور گھڑے ٹوٹتے رہتے ہیں اس لئے تم یہاں سے بھرے گھڑے اپنی گردن پر اٹھا کر باہر لیجا کر دیا کرو۔ چنانچہ شیخ نور الحق نے چار سال تک

یہ خدمت بھی انجام دی۔ شادی بیاہ اور عرس کے موقع پر تمام پانی بھرنا آپ کا کام تھا جسے بخوبی انجام دیا کرتے تھے آپ کے اکثر دستار بند دوست گھڑے بھر کے آپ کے حوالہ کرتے جنہیں آپ اپنی گردن پر اٹھا کر باہر لا کر ان لوگوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ جس پر بنگالی اکثر ہنسا کرتے اور آپ کا مذاق اڑاتے تھے۔ شیخ نور الحق کا خود بیان ہے کہ ہمارے پیرو مرشد شیخ علاؤ الحق نے فرمایا ہے کہ گذشتہ کے بزرگوں نے اسماء الٰہی کی مانند سلوک کی ننانوے منزلیں مقرر کی ہیں تاکہ سالک اس راہ سلوک میں مکمل ہو سکے اور ہمارے بزرگوں نے راہ سلوک کی پندرہ منزلیں متعین کی ہیں اور اس فقیر نور الحق نے تین منزلیں مقرر کر دی ہیں۔

منزل اول یہ ہے کہ دوسروں کی دریافت سے پہلے ہی اپنے نفس و حالات کا محاسبہ کر لیا کرو۔

دوسری منزل یہ ہے کہ جس نے گذشتہ کل کو آج کی مانند پایا وہ سست اور فریب خوردہ ہے۔

تیسری منزل یہ ہے کہ فقیر اس طرح عبادت کرے گویا دین اسلام کے کاموں کی تکمیل کرتے ہوئے کوئی خطرہ دل میں نہ آنے دے۔ اور تین طریقوں و منازل کی تکمیل کے ساتھ سالک کی اپنی منزل انشاء اللہ پوری ہو جائے گی۔

مؤلف ملفوظات کا بیان ہے کہ ایک دن شیخ نور الحق عبادت الٰہی میں مشغول تھے کہ ان پر ایک کیفیت طاری ہو گئی اور وہ اسی حالت وجد میں عبادت خانہ سے نکل کر ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے جہاں غیب سے آواز آئی۔

مصرعہ

حیات رہا کن عاشقا مردانہ شو و دیوانہ شو

ملفوظات میں ہے کہ ایک دن پیر و مرشد نور الحق اپنے گھر سے پالکی میں سوار ہو کر ایک بیوہ بڑھیا کے گھر گئے اور اس سے کچھ دینی مسائل دریافت کر کے روتے ہوئے واپس آئے۔ جاتے وقت آپ کی زبان پہ یہ مصرعہ تھا۔

مصرعہ

ہمہ شب بزاری و زاریم شد

پھر وہاں سے واپسی کے وقت فرمایا اگر میری بخشش ہوئی تو اس بڑھیا کے طفیل میں ہو جائے گی۔ نورالحق کا بیان ہے کہ پیرو مرشد ملا والحق ایک دن سوار جارہے تھے اور بہت سے لوگ آپ کی جلو میں تھے جو مست اور بیخود تھے۔ یہ سب بے انتہا رو رہے تھے۔ یہ خادم نورالحق آگے بڑھا تو پیرو مرشد نے فرمایا اللہ نے اتنی بہت سی مخلوق میری مطیع کر دی ہے۔ کچھ سجدہ کرتے ہیں کچھ پابوسی کرتے ہیں۔ کچھ مصافحہ کرتے ہیں۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ کل روز محشر یہ لوگ میرا سر کچل ڈالیں۔

نورالحقؒ کا بیان ہے کہ شیخ پیرومرشد فرماتے تھے ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ ہر وقت سوتے جاگتے دل کو یاد الٰہی میں مشغول رکھے جیسے وہ بچہ جو سونے سے پہلے جس کھیل میں لگا ہوتا ہے جاگنے پر بھی وہ اسی کھیل کو تلاش کر کے اس میں لگ جاتا ہے۔

شیخ نورالحقؒ کا بیان ہے کہ پیرو مرشد نے مجھے رخصت کرتے وقت فرمایا سخاوت میں آفتاب کی طرح تواضع وانکساری میں پانی کی طرح برداشت میں مٹی کی طرح رہ کر لوگوں کے ظلم سہتے رہنا۔

ملفوظات میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ میرے پیرو مرشد علاءالحقؒ صرف جاڑے کے زمانہ میں گدڑی پہنا کرتے تھے۔ کبھی بھی سجادہ پر نہیں بیٹھے بلکہ فرمایا کرتے تھے سجادہ نشینی کا اس کو حق حاصل ہے جو سجادہ پر بیٹھ کر اپنے دائیں بائیں نہ دیکھے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے آکر پیرو مرشد کو ہر قسم کی گالیاں دیں۔ پیرو مرشد کا اس کی سب گالیاں سننے کے بعد بھی رنگ رخ تبدیل نہیں ہوا۔ اس آنے والے نے آخری جملہ یہ کہا۔ آؤ اے خدا کے چور! یہ سن کر پیرو مرشد نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ کے کہا ہم خدا کے ساتھ ہیں اور خدا ہمارے ساتھ ہے اتنا کہہ کر سب لوگوں کے ساتھ آپ بھی بیٹھ گئے لیکن اس شخص نے کہا یہ زمین حرام ہے۔ پھر شیخ نے دسترخوان بچھوا کر کھانا منگوایا تو اس شخص نے کہا یہ مینڈک کا گوشت ہم نہیں کھاتے۔ آخرکار پیرو مرشد نے اُسے اشرفیاں دیں اور وہ چلا گیا۔ اُس کے جانے کے بعد پیرو مرشد نے فرمایا۔ دوستو! تم نے دیکھا کہ اس فقیر نے کتنا اُدھم مچایا۔

نیز اسی کتاب رفیق العارفین میں لکھا ہے کہ ایک آدمی خانہ کعبہ سے پیرو مرشد کے پاس آیا اور کہا اے مخدوم آپ سے مجھ سے باب السلام میں ملاقات ہوئی تھی جس پہ شیخ

نے فرمایا۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ میں نے آج تک گھر سے باہر قدم نہیں نکالا۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے کے مشابہ اور ہم شکل وصورت ہوتے ہیں لیکن اس نووارد نے کہا لیکن واقعہ یہ ہے کہ میری آپ کی خانہ کعبہ میں ملاقات ہوتی ہے۔ آخرکار پیرو مرشد نے اُسے کچھ دے کر روانہ کیا اور رخصت کراتے وقت فرمایا یہ واقعہ کسی سے نہ کہنا۔

اسی ملفوظات میں ہے کچھ لوگوں نے ہمارے پیرو مرشد نورالحق سے پوچھا کہ فرض نماز کے بعد مشائخ جو آپس میں مصافحہ کرتے ہیں اس میں کیا راز ہے؟ پیرومرشد نے جواب دیا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی مسافر جب سفر سے واپس آتا ہے تو اپنے دوستوں سے مصافحہ کرتا ہے۔ اور درویش جب نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز میں اتنا کھو جاتا ہے کہ خود اپنے کو بھی بھول جاتا ہے۔ اور جب نماز ختم کر چکتا ہے تو گویا باطنی سفر پورا کر لیتا ہے چنانچہ نماز ختم کر کے سلام پھیرنے کے بعد خودی میں آجاتا ہے اس لئے وہ باہم ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ شیخ نورالحق یعنی شیخ نور قطب عالم کے خطوط میں شیریں الفاظ کے ساتھ وہ لطف بیان ہے جو اہل دل کے درد کا علاج ہے اور محبت والوں کے لئے سراسر الفت ہے۔ آپ کے خطوط میں سے ایک خط یہ ہے۔

منجانب نور بخدمت نجم!

بیچارہ غریب وغم زدہ نور کی عمر ختم ہو رہی ہے اور گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ اور حیرت وحسرت کے بعد ان میں اگنبد کی طرح لڑھکتا رہا۔

شعر

ہمہ شب بزاریم شد کہ صبا نداد بوئے — ندمید صبح بختم چہ گنہ نہم صبارا

عمر ساٹھ سے زیادہ ہو چکی ہے۔ تیر کمان سے چھوٹ چکا ہے۔ زندگی بھر نفس امارہ کے شر و فساد سے ایک لمحہ کے لئے بھی الگ نہیں رہا فضا میں خالی ہاتھ مارتا رہا۔ جگر میں آگ سلگتی رہی۔ آنکھوں سے پانی بہتا رہا سر پر خاک پڑتی رہی سوائے شرمندگی کے کچھ اور نہ ملا۔ اور آہ وفغاں سے بچ نہ سکا۔ اے بھائی درد وغم کے خوگر بن جاؤ۔

شعر

دل مردان دین پُر درد باید — ز محنت فرقِ شاں برگرد باید

اگرچہ میں نے ہر قسم کی ہر طرح کوشش و محنت کی کہیں منزلِ مقصود نہ ملی۔

قطعہ

گفتم مگر کہ کار بسامانِ خود نشد یار از جفائے خویش پشیمان شود نشد
گفتم مگر زمانہ عنایت کند نکرد بخت ستیزہ کار بفرمان شود نشد

دُنیا مغرور ہے۔ تمہاری ذات اس درخت کے تنہ کی طرح ہے جس کی چھال اُتار دی گئی ہو اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی غیور و غیرت مند ہے۔ ان حالات کے پیش نظر دل میں سرود و خوشی کیسے سما سکتی ہے اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤدؑ کو وحی کی اور فرمایا اے داؤد! گنہ گاروں کو خوشخبری دیدو کہ میں غفور اور بخشش کرنے والا ہوں اور صدیقین کو متنبہ کر دو کہ میں غیور و غیرت مند ہوں۔

شعر

راہ نا ایمن است و منزل دور مرکبت لنگ و یار سخت غیور

غیرت الٰہی کا منشا یہ ہے کہ درمیان میں کوئی غیر نہ رہے اور جس نے بغیر اُس کے پرواز کی اس کو پگھلا دیا اور گھُلا ڈالا۔

شعر

باہر کہ اُنس گیری از و سوختہ شوی بنگر کہ اُنس چیست و مصحف ز آتش است

اے بھائی برسوں تک مختلف ریاضتوں کے ذریعہ اس نفس امارہ کو اپنانا چاہا لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی اس کے شر و فساد سے رستگاری نہ ملی اور ایک منٹ کے لئے بھی آرام سے نہ رہا۔

اشعار

کردیم بسے سپید رسمے ازما نشد ایں سیہ گلیمے
شستیم بسے بچارہ سازی پیراہنِ ما النشد نمازی

اس کے علاوہ شیخ نور الحق نے دوسرے خطوط میں لکھا ہے۔

درویش کو بیقراری میں قرار آتا ہے۔ درویش کی عبادت میں حق کے سوائے کچھ اور نہیں اور اگر کچھ اور نظر آئے تو وہ سراسر بیزاری ہے حق کے سوائے دوسرے میں مشغول ہونا گرفتاری ہے۔ استغراق دل و باطن کے علاوہ عبادت بیگار و بیکاری ہے۔ اور ظاہری

طور پر عبادت کا اظہار کرنا بدکاری ہے۔ اپنا خون جگر کھانا بزرگوں اور غیر سے آنکھیں بند کر لینا برخورداری ہے۔ عام لوگ ظاہری پاکیزگی کی کوشش کرتے ہیں اور خاص اپنے باطن کو پاکیزہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی خشمگیں آواز آرہی ہے اے میرے بندہ! تو نے برسوں تک اپنے جسم کو پاک وصاف کیا لیکن کہا کسی لمحہ میرے منظر کو بھی پاکیزہ کیا جس کو لیٹے ہوئے تو نے پوری عمر گذار دی ہے؟

ظاہری طہارت کسی چیز کے نکلنے یا پیشاب پائخانہ کی وجہ جاتی رہتی ہے اور باطنی طہارت اللہ کے سوا کسی مخلوق کی یاد کی وجہ ختم ہو جاتی ہے۔ مشائخ کا بیان ہے جس کے دل میں دنیا کا خیال آجائے تو اس کو اسی طرح غسل کر لینا چاہیئے جیسے ناپاکی کی وجہ سے عام لوگ نہاتے ہیں۔ کسی چیز میں دل نہ لگاؤ اور کسی غیر اللہ کی محبت کا سکہ اپنے دل میں نہ جماؤ کیونکہ تمام مخلوقات کی پیشانی پر بے وفائی اور بدعہدی لکھی ہوئی ہے۔

شیخ نورالحق رحؒ نے ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی آپ کا مقبرہ شہر پنڈوا میں ہے۔

سید صدر الدین راجو قتال بخاریؒ

آپ اپنے والد بزرگوار سید احمد کبیر کے مرید و خلیفہ تھے

پیدائش۔ ۷۴۱ھ ــــــــ وفات ــــــــ ۸۲۷ھ اور اپنے بھائی مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری کی اجازت پر اُن کے بعد خلیفہ و سجادہ نشین ہوئے۔

لوگ کہتے ہیں کہ مخدوم جہانیاں اکثر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مخلوق میں مشغول رکھا ہے اور شیخ راجو کو خود اپنے میں لگا لیا ہے۔ سید صدر الدین راجو قتال بخاریؒ ہمیشہ عالم استغراق میں رہتے اور مخلوق خدا سے میل جول نہ رکھتے تھے۔ تاریخ محمدی میں ہے کہ اکثر لوگ براہ راست راجو قتال کے مرید ہیں اور پھر آپ کے فرزند شیخ ناصر الدین محمود کے مرید اور آپ کے سلسلہ میں شامل ہیں۔ غرضکہ راجو قتال بڑے بزرگ صاحب تصرف تھے۔ آپ کا مزار اُچہ (ملتان) میں ہے۔

خواجہ اختیار الدین عمرؒ ایرجی

آپ کے آبا و اجداد علاقہ ایرج کے معزز لوگوں میں سے تھے

پیدائش۔ ۷۳۸ھ ــــــــ وفات ــــــــ ۸۰۹ھ جو حکومت کے بڑے بڑے

عہدوں پر فائز ومقرر تھے۔ آپ نے جذبۂ حق کے پیش نظر دنیاوی عزت سامان آسائش اور وظائف وانعامات وغیرہ کو برضا درغبت خود چھوڑ کر علم و زُہد کی طلب میں قدم رکھا۔ اور شیخ چراغ دہلوی کے مُرید وخلیفہ قاضی محمد ساوی سے جو اپنے وقت کے صالح اور عالم تھے تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ بعد فراغت علم انہی کے مُرید ہوئے اور انہی سے خلافت واجازت حاصل کی۔ ۱۴ محرم ۸۱۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ بھی ایرج میں ہے

شیخ یوسف بدہ ایرجی

آپ کے معزز آبا واجداد زمانہ کے حادثات کی وجہ خوارزم سے ہندوستان آئے اور ایرج میں مقیم پیدائش۔ ۷۷۲۔ وفات ۸۳۴ھ ومتوطن ہو گئے۔ خواجہ اختیار الدین عمر ایرجی کے آپ مرید خلیفہ اور شاگرد تھے۔ نیز سید جلال بخاری و شیخ راجو قتال کی خدمت کرتے ہوئے ان دونوں سے بھی خلافت واجازت حاصل کی۔ کئی کتابوں کے مؤلف تھے۔ امام غزالی کی کتاب منہاج العابدین کا ترجمہ کیا ہے۔ بلند پایہ شاعر تھے تاریخ محمدی کے مصنف بھی آپ ہی کے شاگرد مُرید تھے۔

آپ ایک دن اپنی خانقاہ میں بیٹھے قوالی سُن رہے تھے کہ اسی حالت میں ۸۳۴ھ میں جان جانِ آفریں کے حوالہ کی وہیں خانقاہ کے صحن میں مزار ہے۔ سلطان علاؤ الدین مندوی نے اپ کے مزار پر ایک عالیشان گنبد تعمیر کرایا ہے۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

شیخ قوام الدین رح

مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری کے مُرید تھے۔ خود مُریدین کی تربیت و رُشد وہدایت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ پیدائش ۷۲۷۔ وفات ۸۱۰ھ آپ کا مزار لکھنؤ (یوپی) میں عام وخاص کی زیارت گاہ ہے آپ نے ۸۱۰ھ میں وفات پائی۔

شیخ سارنگ رح

آپ ابتدا میں سلطان فیروز شاہ کے معزز امرا میں سے تھے۔ ہندوستان کا مشہور شہر سارنگپور آپ ہی نے آباد پیدائش۔ ۷۷۵ وفات ۸۳۲ھ کیا تھا۔ آخر کار جذبات عنایت الٰہی کی وجہ سے راہ سلوک میں قدم رکھا جو اہل وصول کے لئے مخصوص ہے۔ آپ نے پہلے پہل شیخ قوام الدین کی خدمت کی اور اُن کے مُرید ہوئے۔ اُنہی سے شغل باطن اور ذکر خفی کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد حجاز کا سفر کرتے ہوئے حرمین شریفین کی زیارت کی۔ فتح وقت

شیخ یوسف ایرجیؒ کی عرصہ تک صحبت میں رہ کران سے علوم طریقت حاصل کئے[۵۱]۔ آخر کار شیخ راجو قتال نے خرقہ اور دوسری امانتیں جو پیران طریقت سے ان کو ملی تھیں سب کی سب آپ کی طلب کے بغیر آپ کے پاس آپ کے گھر روانہ کیں۔ آپ نے وہ سب چیزیں واپس کرتے ہوئے دریافت کرایا کہ یہ چیزیں ہمارے پاس کس نیت وارادہ سے بھیجی گئی ہیں؟ لیکن شیخ راجو قتال نے وہ تمام امانتیں دوبارہ شیخ سارنگ کے گھر بھجوائیں اور شیخ حسام الدین سہروردی کو حالات سے باخبر کرتے ہوئے تاکید کردی کہ یہ خرقہ وغیرہ شیخ سارنگ کے قبضہ میں دینے کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ شیخ حسام الدین نے شیخ راجو قتال کی بھیجی ہوئی چیزوں کو قبول کرنے کے لئے شیخ سارنگ کو ترغیب و تحریص دی۔ آخر کار شیخ سارنگ فرستادہ اشیاء قبول کرکے ان غیبی سعادتوں سے بھی مشرف و بہرہ یاب ہوئے[۵۲]۔ آپ نے ۸۲۳ھ میں وفات پائی۔

شیخ محمد شاہ میناؒ

شہر لکھنؤ (یوپی) کے صاحب ولایت تھے آپ کا نام شیخ محمد تھا شیخ قوام الدینؒ نے آپ کو بچپن میں تربیت دی اپنی پرورش میں رکھا اور نعمت سے نوازا۔ پھر آپ نے شیخ سارنگؒ کے مرید ہوکر بڑے بڑے کام انجام دیئے۔

پیدائش۔ وفات ۔۔ ۸۷۰ھ

حکایت ہے کہ شیخ قوام الدین کے لڑکے کا نام شیخ محمد تھا جسے شیخ مینا کہا کرتے تھے۔ باليان لکھنؤ کی بولی میں مینا اسے کہتے ہیں جس سے محبت زیادہ ہو اور وہ عزت دار سربلند بھی ہو۔ اور دہلی والے بھی یہ محاورہ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں یہ شیخ محمد مینا ابن قوام الدین نوجوانی کے زمانہ میں خواہشات کے اسیر اور جوانی کے دوسرے کاموں کے شوقین، ایک بادشاہ وقت کے ملازم تھے۔ چونکہ اکثر امراء و حکام وقت آپ کے والد بزرگوار قوام الدین

---

[۵۱] یوسف ایرجی، شیخ قوام الدین اور ابوالفضل شیخ راجو قتال یہ تینوں حضرات مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے مشہور خلیفہ تھے۔ [۵۲] شیخ سارنگؒ کو حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال الدین بخاریؒ کی صحبت حاصل تھی جس کی وجہ سے دنیاوی امارت ترک کرکے راہ طریقت میں قدم رکھا۔ [۵۳] حضرت شاہ مینا لکھنویؒ آپ کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ اور آپ کا مزار مگوان (نواح لکھنؤ) میں ہے۔

کے مرید و معتقد تھے اس لئے بھی شیخ محمد مینا کو ہر قسم کی آسائش میسر تھی۔ لیکن شیخ قوام الدین کو آپ کے اطوار پسند نہ تھے۔ اور بیٹے کے حالات کی طرف سے باپ کی رضامندی کے آئینہ پر کچھ گرد و غبار جمع ہو گیا تھا۔ یہ اس زمانہ کے واقعات ہیں جبکہ شیخ محمد مینا لکھنؤ سے باہر بادشاہ کے حکم سے کہیں متعین تھے۔ جہاں سے انھوں نے اپنے پدر بزرگوار کو خوش کرنے کی کوشش کی لیکن شیخ قوام الدین راضی نہ ہوئے چنانچہ انھوں نے اپنے پدر بزرگوار کے دو بدو اپنے جرائم و گناہ معاف کرانے کے لئے لکھنؤ آنے کے ارادہ سے سفر کیا جب ان کے لکھنؤ آنے کی لوگوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے آپ کے پدر بزرگوار کو اس کی اطلاع دی۔ جس پر شیخ قوام الدین رح نے فرمایا ہم نہیں چاہتے کہ وہ نابرخوردار و غیر معقول ہمارے سامنے آئے چنانچہ اسی دن جبکہ وہ اپنے مقام تعنیاتی سے روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ یکایک ایسا بیمار ہوا کہ مر کر ہی پیچھا چھوٹا۔ اس کے بعد شیخ قوام الدین نے اپنے خادم خاص شیخ قطب سے فرمایا ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے بیٹا پیدا ہو اور اس کا نام شیخ محمد مینا رکھا جائے۔ اور تمام اولاد کا وہ نعم البدل ہو۔ غرضکہ شیخ قطب کے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام شیخ محمد مینا رکھا گیا شیخ قوام الدین نے اپنے مرید خاص شیخ قطب کے ان صاحبزادہ شیخ محمد مینا کی اپنے بچوں کی طرح تربیت دی اور ان سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔[لہ]

حکایت ہے کہ شیخ محمد شاہ مینا رح نے پہلے ہی دن مکتب میں جاکر اب ت ث کے وہ معنی اور حقائق بیان کئے جس سے حاضرین مجلس حیران و ششدر رہ گئے۔ حضرت شاہ مینا رح تارک الدنیا رہے۔ شادی نہیں کی۔ سلوک کے زمانہ میں بے انتہا ریاضت کی۔

کہتے ہیں کہ شیخ شاہ مینا رح اپنے پیرو مرشد شیخ سارنگ کے مزار پر جو لکھنؤ سے تقریباً چالیس میل دور ہے ہمیشہ پیدل کھڑاؤں پہنے یا ننگے پاؤں جایا کرتے تھے۔ راستہ نہایت ہی خراب تھا جس میں اکثر جگہ کانٹے دار درخت بھی تھے غرضکہ تکلیفیں سہتے پیرو مرشد کے مزار پر حاضری دیا کرتے۔ اپنے سلوک کے زمانہ میں ریاض کا یہ عالم تھا کہ راتوں کو اکثر دیوار پر بیٹھ کر اس لئے عبادت کرتے تھے کہ جب نیند کا غلبہ ہو تو زمین پر گر کر بیدار ہو جائیں

لہ یہ وہی شاہ مینا صاحب رح ہیں جن کا مزار لکھنؤ میں میڈیکل کالج کے سامنے شاہ مینا روڈ پر مرجع خاص و عام ہے نوچندی کو ہمیشہ سے گلنار قوالی ہوتی ہے۔ از مترجم۔

اور جب کسی زمین پر بیٹھ کر عبادت کرتے تو اپنے چاروں طرف کانٹے جمع کر لیتے تاکہ اگر نیند کے جھونکے سے گر پڑیں تو کانٹے چبھ کر ان کو بیدار کر دیں۔ سلوک کے زمانہ میں اکثر و بیشتر برسوں تک یہ کیا کہ جاڑے کے زمانہ میں اپنے جسم کے کپڑے بھگو کر خوب گیلے کر لیتے تھے۔ غرضکہ آپ جب اپنے پیرو مرشد شیخ قوام الدین کے مزار پر حاضری دیتے تو وہیں مزار کے سامنے صحن میں بیٹھے جاگتے رہتے۔ شیخ محمد شاہ مینا کا مزار لکھنؤ میں مرجع خاص و عام ہے۔

شیخ احمد کھتو

علاقہ گجرات کے زبردست شیخ المشائخ تھے۔ احمد آباد (گجرات) کے ایک گاؤں سرکھیج (سرخیز) میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کا مقبرہ نہایت ہی پاکیزہ، دیدہ زیب، عمدہ اور ہوادار ہے پیدائش۔ ۷۳۷ وفات ۸۴۹ھ اور اس کی مثال دنیا میں شاید ہی کہیں ہو۔ کھتو ایک گاؤں کا نام ہے جو اجمیر شریف کے قریب ہی ہے۔ شیخ احمد کے آباو اجداد دہلی کے باشندے تھے آپ بھی بچپن میں دہلی ہی میں تھے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ آپ ایک گاؤں میں گاؤں کے دوسرے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ سخت آندھی آئی جو آپ کو وہاں سے اڑا کر کہیں دور لے گئی۔ اور آپ اپنے وطن سے دور بیگانوں کی طرح بے یار و مددگار پردیسی ہو گئے۔ پردیس میں اِدھر اُدھر پھرتے رہتے تھے کہ ایک دن درویش کامل بابا اسحق مغربی کے ہاتھ لگ گئے۔ وہ آپ کو اپنی قیام گاہ کھتو[۵۱] میں جو اجمیر کے قریب ہی ہے لے آئے۔ آپ نے بابا اسحق مغربی کے سایہ میں تربیت پائی اور ان کی عنایتوں سے مالامال ہوئے جنھوں نے آپ کو کامل بنا دیا۔ اور پھر خلافت و اجازت سے مشرف کیا۔ آپ کا سلسلہ شیخ ابو مدین مغربی سے ملتا ہے۔ چونکہ آپ نے بڑی لمبی عمر پائی تھی اس لئے رسالتماب کے اور آپ کے زمانہ میں صرف چند مشائخ کا واسطہ ہے یعنی صرف پانچ واسطوں کے ذریعہ رسالتماب تک آپ کا سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔ آپ کے بزرگوں میں سے تقریباً ہر ایک کی عمر ڈیڑھ سو سال بلکہ اس سے زیادہ ہی ہوئی ہے۔

شیخ احمد کھتو نے اپنے پیرو مرشد بابا اسحق مغربی کے انتقال کے بعد دہلی آکر علم حاصل کیا اور بعد فراغت تعلیم مسجد خان جہاں میں بے انتہا ریاضت کی۔ آپ اسی زمانہ میں سوکھی باسی کھلی کے ایک ٹکڑے سے افطار کیا کرتے تھے اور بس یہی آپ کی جملہ غذا تھی۔ پھر آپ جس

---

۵۱ کھتو علاقہ مارواڑ جودھپور کی سرزمین میں ہے۔

زمانہ میں چلہ کھینچتے تو چالیس دن تک متواتر صرف ایک کھجور کھاتے تھے۔ آپ نے ترک دنیا کرتے ہوئے عمر بھر شادی نہیں کی اور اسی زمانہ میں عالم بالا و فرشتگان کی سیر کیا کرتے تھے۔ آپ حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ رسالتمآبؐ نے آپ کو خوشخبری دی تھی۔ آخر کار چند مشائخ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ ظفر خان جو منجانب حکومت سلطنت فیروز شاہ کسی زمانہ میں نہروالہ کا حاکم تھا اور بعد کو سلطان مظفر کے لقب سے یاد کیا گیا یہ جب گجرات کا بادشاہ ہوا تو اُن قدیم تعلقات کی بناء پر جبکہ شیخ احمد کھتو دہلی میں مقیم تھے اور باہمی شناسائی تھی اور ان کی برکتوں اور فیض رسانی کو بچشم خود دیکھ چکا تھا اس سلطان مظفر نے شیخ احمد کھتو کو ازراہ مہربانی وحصول برکات مجبور کیا کہ آپ گجرات تشریف لاکر گجرات کو وطن بنالیں۔ چنانچہ شیخ احمد کھتو نے سرکھج میں اقامت اختیار کی۔ آپ کی ظاہری و باطنی برکتوں سے وہاں کی رعایا نے فائدے اٹھائے آپ تمام کی دستگیری کرتے تھے بالآخر سب لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت جاں گزیں ہوگئی۔ چونکہ آپ کی زندگی میں تمام فقرا کے لئے آپ کا دسترخوان وسیع تھا اس لئے آپ کے انتقال کے بعد بھی آپ کے مزار پر ایسا لنگر جاری ہے جس سے فقیر امیر، غریب اور بادشاہ سبھی سیراب ہوتے ہیں۔

شیخ احمد کھتو کے ایک مرید محمود بن سعید ایرجی نے آپ کے ملفوظات و حالات وغیرہ جمع کر کے اس کا نام تحفۃ المجالس رکھا ہے۔ اس کتاب میں ہے کہ میں جب شیخ احمد کھتو سے قدمبوس ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا ایک مرتبہ ایک بہت بڑا تاجر تقریباً (۲۰) سیر مصری اور مُشک کا ایک بڑا نافہ لے کر ہمارے پاس مسجد خاں جہاں میں آیا میں نے اُس مالدار تاجر سے کہا آپ کہاں سے آرہے ہیں اور ہمیں کب سے جانتے ہیں؟ اُس نے جواب دیا میں شیخ نورؒ کا مرید ہوں جو پنڈوہ میں رہتے ہیں وہیں سے آرہا ہوں۔ اس سے قبل کئی مرتبہ دہلی آنا ہوا اس دفعہ جب دہلی سے مال کی خرید و فروخت کے پنڈوہ واپس ہوا تو پیرو مرشد شیخ نور کی خدمت میں حاضری دی۔ انھوں نے فرمایا تم نے دہلی میں کون کون سے مشائخ سے ملاقات کی؟ میں نے جن جن سے ملاقات کی تھی سب کے نام بتائیے تو پیرو مرشد نے فرمایا کیا شیخ احمد کھتو سے ملے؟ یہ سن کر میں خاموش ہوگیا تو ارشاد فرمایا اگر تم شیخ احمد کھتو سے نہیں ملے تو نے دہلی میں اپنی عمر برباد کی الحاصل پیرو مرشد کا یہ حکم سُن کر میں بیقرار و پریشان ہوکر وہاں سے چلا اور یہاں دہلی میں پیرو مرشد کے حکم پر آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

اتنا کہہ کر شیخ احمد کھتو نے فرمایا کہ اس سوداگر کے پیر شیخ نور سے ہماری کبھی ملاقات نہیں ہوئی ہیں نے انہیں دیکھا اور نہ انھوں نے مجھے لیکن ان بزرگوار نے اپنے کشف و کرامت کے ذریعہ جو اللہ کی دین ہے مجھ کو خود ہی پہچان لیا ہے۔

اس مقام پر لکھا ہے کہ سلطان فیروز کو شیخ سے بے انتہا اعتقاد تھا۔ امیر تیمور کے دہلی آنے سے پندرہ دن پہلے شیخ نے اپنے کچھ معتقدوں مریدوں اور سلطان فیروز کو بھی دہلی پر امیر تیمور کے قبضہ کرنے کی اطلاع دیدی تھی۔ چنانچہ سلطان فیروز شیخ کی پیش گوئی پر دہلی سے جونپور چلا گیا اور شیخ نے فرمایا کہ ہم کو دہلی والوں کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ آخر کار شیخ اور آپ کے بعض معتقد اور مرید مغلیہ فوج کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ آپ کے کرامات کی جب امیر تیمور کو اطلاع ہوئی تو اس نے ادب اور عزت کے ساتھ رہائی دی۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ہمارے ساتھ چالیس فقیر جیل میں بند تھے۔ غیب سے گرم گرم چالیس روٹیاں ہمارے کھانے کے لئے اللہ بھیجتا۔ اس کے بعد شیخ نے لکھا ہے کہ ہم رہائی کے بعد حج کے لئے روانہ ہوئے۔ ہمارا بحری جہاز جا رہا تھا۔ میں وضو کر رہا تھا کہ میرا پاؤں پھسلا اور میں سمندر میں گر گیا۔ سمندر میں گرتے ہی میں نے یا حافظُ یا حفیظُ یا رقیبُ یا وکیلُ یا اللہ پڑھنا شروع کیا۔ میں تھوڑے ہی دور تیرا تھا کہ مجھے اپنے پاؤں کے نیچے ایک پتھر معلوم ہوا۔ اور میں اس پر کھڑا ہو گیا۔ پانی کمر تک تھا اور میں اُوپر کا اسم اعظم پڑھ رہا تھا۔ اس کے بعد ملّاح اور جہاز کے کپتان نے مجھ کو مچھلی کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ غرضکہ میں خانہ کعبہ پہنچا۔ حج کیا اور مدینہ منوّرہ کی زیارت کی۔ ہمارے ساتھ امام خان جہاں شیخ تاج الدین سرہچی اور ایک دوسرا آدمی تھا۔ جب ہم مسجد نبوی میں ٹھہرے تو ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ کھانے کا انتظام کرنا چاہیئے میں نے کہا ہم لوگ رسول اللہ صلعم کے مہمان ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ کھانا کھا کر واپس آئے۔ ہم سب نے ایک ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ عشاء کی نماز کے بعد وہ تو سو گئے اور میں ہاتھ دھو کر تسبیح پڑھنے لگا۔ اچانک ایک آواز آئی۔ رسول اللہ صلعم کا مہمان کون ہے؟ میں سمجھا کسی دوسرے آدمی کو آواز دی جا رہی ہوگی۔ دوسری مرتبہ کے بعد جب تیسری مرتبہ بلند آواز آئی تو میں سمجھا کہ رسول اللہ صلعم کا مہمان میں ہوں۔ چنانچہ میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو کر آواز دینے والے کے پاس پہنچا جو اپنے ہاتھ میں ایک خوان لئے کھڑا تھا۔ اُس نے کہا رسالت مآب صلعم نے بھیجا ہے میں نے دامن پھیلایا اُس نے خوان کی کھجوریں میرے دامن میں ڈال دیں اور خالی خوان لے کر چلا گیا۔ اُن کھجوروں

لذّت اور مٹھاس بیان نہیں کی جاسکتی۔ اِس کے بعد میں سو گیا۔ صبح کو جو خواب میں نے دیکھا
ہی خواب میرے اِن تینوں دوستوں نے دیکھا خواب یہ تھا کہ رسول اللہ ؐ ایک ہوادار روشن
غام میں تشریف فرما ہیں اور صحابہ کبار کھڑے ہیں۔ اور ایک عورت بہی سجائی زیور پہنے
سالت مآب ؐ کے سامنے حاضر ہے۔ رسالت مآب ؐ نے اپنی زبانِ مبارک کے ذریعے مجھ سے
رمایا۔ اسے قبول کرو۔ میں نے عرض کیا ہمارے بزرگوں نے قبول نہیں کیا۔ اس پر سرکارِ
وعالم ؐ نے اپنے ہاتھ سے حضرت علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ تمہارے والد
ہ۔ جب میں نے مُڑ کر دیکھا تو حضرت علی اپنی انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے تھے اور کہہ
ہے تھے۔ بابا احمد! رسالت مآب ؐ کے حکم کی تعمیل کرو اور اس عورت کو قبول کرو۔ چنانچہ
ں نے اُس عورت کو قبول کیا اور فوراً ہی میرے دل میں آیا۔ عورت کی صورت میں جو چیز ہے
ہ دنیا ہے۔ اور رسول اللہ ؐ کے صدقہ میں پوری دنیا مجھے مل گئی۔ مدینہ منورہ سے واپسی کے
قت میں اپنے تینوں ساتھیوں سمیت روضۂ مبارک اور آخری سلام کے لئے حاضر ہوا۔
رام روضۂ مبارک دس گز کے فاصلے پر اپنے ہاتھوں پر کالے دستانے چڑھائے کھڑے
وئے اور مجھ سے کہا یہ عمامہ باندھ لو۔ فقیر نے جواب دیا ہمارے پیر اور مرشد نے دستار
ہیں باندھی بلکہ ٹوپی پہنتے تھے۔ اِس پر خدام روضہ مبارک نے کہا رات خواب میں رسول اللہ ؐ
نے ہمیں حکم دیا ہے کہ تمہیں دس گز کپڑا اضافہ باندھنے کے لئے دیدیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ
مارا حکم ہے کہ تم اس کو اپنے سر پر باندھ لو اور مخلوقِ خدا کو اسلام کی دعوت دو۔ چنانچہ میں
نے وہ عطیہ کپڑا لے کر چوما اور پھر سر پر باندھ لیا۔ اس کے بعد شرفِ قدمبوسی حاصل ہوا۔ اور
رشاد ہوا یہ فقیر دہلی کی مسجدِ خانجہان میں رہ کر پہلے سے زیادہ ریاضت عبادت اور مجاہدہ کرے
ما سیّد جلال الدین بخاری کو بھی غیب کی آواز سنائی دی کہ ایک جوان صالح مسجد خانجہان
ں مشغولِ عبادت ہے اور بے انتہا ریاض کر رہا ہے۔ ہماری واپسی پر دہلی کی مسجد خانجہان
ں سیّد جلال الدین بخاری میری ملاقات کے لئے آئے۔ جب مسجد کے قریب پہنچا تو ان
کے ایک معتقد نے آکر مجھے اطلاع کی کہ مخدوم جہانیاں آپ سے ملنے تشریف لا رہے ہیں۔
ہنانچہ میں فوراً ہی اُٹھا اور مسجد کے دروازہ پر پہنچا۔ میری نظر بزرگ کی پالکی پر پڑی اور مخدوم
ہانیاں کے معتقدوں نے اپنے پیر و مرشد کو اطلاع دی جو فوراً ہی پالکی سے نیچے واپس آگئے۔
نی دیر میں میں اُن کے پاس پہنچ گیا۔ مخدوم جہانیاں نے مجھے سینے سے لگایا اور بہت دیر

تک اپنے سینے سے چمٹائے رکھا۔ پھر میرے کان پر اپنا منہ رکھتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا۔ اے جوان دوست کی خوشبو آرہی ہے اے جوان دوست کی خوشبو آرہی ہے اے جوان دوست کی خوشبو آرہی ہے۔ اس کے بعد خدا حافظ کہتے ہوئے فرمایا۔ اچھے وقت میں ہمیں یاد کرنا بھول نہ جانا۔ اس کے بعد پالکی میں بیٹھے اور واپس ہو گئے۔ اور یہ فقیر مسجد میں لوٹ کر اپنی جگہ واپس آیا اور عبادت میں مشغول ہو گیا۔ اور اس طرح قدمبوسی حاصل ہوئی۔

ایک جگہ شیخ احمد فرماتے ہیں کہ اس فقیر نے ننگے پاؤں بغیر کسی ساتھی اور سامان کے سفر کیا ہے جس شہر اور قصبہ میں جاتا رات وہاں کی مسجد میں گذارتا۔ اس فقیر کو اللہ کے فضل و کرم سے کبھی نہانے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ ہمیشہ اللہ نے خود حفاظت کی ہیں ہمیشہ عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتا رہا۔ سفر میں روزے رکھتا اور اتنا ریاض کرتا جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ شیخ احمد نے فرمایا ہے کہ سفر میں بے انتہا تکلیفیں ہوتی ہیں لیکن حضور حق کی فرحت، خوشی اور مسرت دل کو زیادہ حاصل ہوتی ہے۔ اس فقیر نے پیدل سفر رسالت آب ؐ کی اس حدیث کے پیش نظر کیا ہے۔ دور و دراز میدانوں میں پیدل سفر کرو گے تو اللہ کو قریبی زمانہ میں اپنی آنکھوں دیکھ لو گے۔

شیخ کہتے ہیں کہ ایک دن ایک فقیر ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا۔ بابو جیو مجھے روزانہ چار روپے دیتے ہیں۔ میں نے بابو جیو سے کہا کہ یہ فقیر بے انتہا بھنگ پیتا ہے اور ابھی ان روپوں کی بھنگ خریدے گا اور چٹ کر جائے گا۔ بابو جیو نے جواب دیا ہم سے ہمارے کام کی دریافت ہوگی اور اس سے اس کے کام کی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ میری عمر بارہ سال کی تھی۔ اس دن سے آج کی گھڑی تک میں بابو جیو کی بات کی پیروی کرتا ہوں۔ شیخ کہتے ہیں ایک دن بابو جیو نے مجھ سے فرمایا۔ بابا احمد تم سخاوت بہت کرتے ہو بھائی کبھی کبھار ہاتھ اونچا کیا کرو میں نے کہا بابو جیو دعا کرو کہ میرا ہاتھ ہمیشہ اونچا رہے اور کبھی نیچا نہ ہو۔ اس پر بابو جیو نے کہا۔ ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ بابا احمد کا ہاتھ ہمیشہ اونچا رہے اور خدا کی مخلوق ان سے لیتی رہے۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا۔

شعر

ہمت بلند دار کہ داور کردگار بر ہمت بلند کند فضل خود نثار

اس کے بعد یہ حدیث شریف پڑھی یا ابن آدم انفق انفق (اے اولاد آدم خرچ کر

خرچ کر) اور پھر یہ آیت پڑھی وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ ھو خیراً واعظم اجرا ترجمہ :۔ (تم اپنی زندگی میں جو کچھ آیندہ کے خیال سے عمدہ طور پر خرچ کرو گے اس کا اللہ کے پاس عمدہ بدلہ پاؤ گے اور اللہ کا بدلہ بہت ہی اچھا و بہتر ہے۔

ایک دن شیخ نے کہا فقیروں کی مجلس میں آنا آسان ہے لیکن واپسی مشکل ہے۔ جس پر میں محمود بن سعید ایرجی مرتب کنندۂ ملفوظات نے عرض کیا۔ آقائی سید السادات سید بہاء الدین جو میری والدہ کے دادا تھے فرمایا کرتے تھے۔ تم اپنے پاس آنے والوں کو درویش نہ سمجھو۔ اگر تم میں ہمت ہے تو ان کی آنکھ کان اور زبان پر قبضہ کر کے اُن کے دلوں کو حاضر بنا دو۔ میرے اتنا کہنے پر شیخ نے جواب دیا سمرقند کی ایک مسجد میں میں اُس وقت پہنچا جبکہ وہاں ایک عقلمند پڑھا رہا تھا اور پڑھنے والے اس کے اطراف بیٹھے پڑھ رہے تھے۔ میں درویشی ٹوپی اور فقیروں جیسے کپڑے پہنے ان طالب علموں سے دُور بیٹھ گیا۔ ایک طالب علم حسامی پڑھ رہا تھا لیکن غلط پڑھ رہا تھا۔ میں دُور بیٹھے ہوئے کہا زبر زیر ٹھیک پڑھو۔ میری آواز سُنتے ہی عقلمند اُستاد اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھ سے ملا۔ اور پھر مجھے لیجا کر اپنے پاس بٹھایا جہاں سبق پڑھا رہا تھا۔ پھر اُس نے علم اصول کے چند سوالات پوچھے میں نے اس کا تسلی بخش جواب دیا۔ تب اُس عقلمند نے کہا اس علم کے باوجود یہ پھٹے پُرانے کپڑے اور فقیروں کی ٹوپی کیوں پہن رکھی ہے۔ میں نے جواب دیا علم کی موجودگی میں اگر عمدہ کپڑے پہنوں تو نفس بدخوئی اور شرارت کرے گا۔ اس لئے اس فقیر نے خود کو اس لباس میں چھپالیا ہے۔ تحفۃ المجالس کے مصنف نے لکھا ہے کہ ایک رات شیخ احمدؒ نے مولانا محمد قاسم سے کہا تم فلانے گاؤں چلے جاؤ۔ واقعہ یہ ہے کہ تراویح میں مولانا ختم قران شریف سُن رہے تھے اور صرف سورہ سبح اسم ربک سے باقی رہ گیا تھا۔ اُن کے دل میں خیال آیا کہ اب آج رات کو نماز تراویح میں قران شریف پورا ہوجائے گا۔ بس کل صبح ہی صبح روانہ ہوجاؤں گا۔ لیکن شیخ احمد کے حکم پر بے ادبی کے مدنظر زبان سے کچھ نہ کہا۔ جب تھوڑی دیر ٹھہرے رہے تو شیخ احمد نے مکرر حکم دیا کہ جاؤ فلانے گاؤں میں چلے جاؤ۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم سلام کر کے اس گاؤں کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور قصبہ دولقہ میں پہونچ کر فوراً ہی جامع مسجد میں نماز عشا کے لئے گئے۔ امام کے ساتھ عشا کے فرض پڑھے اور پھر سنتوں کے بعد امام نے سورۂ سبح اسم ربک سے تراویح پڑھانا شروع کی۔ مولانا قاسم نے سبح اسم ربک

تک تو پورا قرآن شریف تراویح میں سُن ہی لیا تھا اب اس امام کے پیچھے سبح اسم ربک سے نماز تراویح میں یہ سلسلہ سننا شروع کیا چنانچہ اس گاؤں سے مولانا محمد قاسم لوٹ کر شیخ احمد کے پاس حاضر ہوئے اور قدمبوسی کے بعد عرض کیا مخدوم معاف فرمایئے۔ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں توقف اس لئے کیا تھا کہ ختم قرآن شریف میں سبح اسم ربک سے باقی رہ گیا تھا۔ میرے دل میں آیا تھا کہ پورا قرآن شریف سننے کے بعد کل صبح تڑکے چلا جاؤں گا۔ اس پر شیخ احمد نے جواب دیا مولانا! کسی دنیاوی کام کے عوض درویش تمہارے دینی کام میں نقصان نہیں ڈالے گا۔ درویش کام کے انجام سے پہلے واقفیت حاصل کر لیتے ہیں۔ چونکہ امام مسجد دولقہ سبح اسم ربک سے پڑھنے والا تھا اس لئے تم کو حکم دیا تھا کہ فوراً ہی دولقہ چلے جاؤ۔ یاد رکھو درویش جس کام کو کہے اس کی تعمیل میں دیر نہ لگاؤ۔

شہر احمد آباد (گجرات) کی بنیاد رکھنے والا اور اس کو آباد کرنے والا سلطان احمد گجراتی ہے جس کی سلطنت کے زمانہ میں شیخ احمد کھتو کی مشیخت کا آفتاب جگمگا رہا تھا۔

گجراتی سلطنت کی مختصر سوانح یہ ہے کہ سلطان محمد بن سلطان فیروز بادشاہ دہلی نے سنا کہ علاقہ گجرات میں کافروں نے خوب فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے۔ اور گجرات کے دریائی جانب کے ایک شہر دیو پٹن میں مشہور بت خانہ ہے جیسے سومنات کہتے ہیں۔ اور یہاں کے گورنر نظام مفرح نے حکومت کی بغاوت پر کمر باندھ لی ہے۔ اور علاقہ کنھایت میں آزادی کے ساتھ بادشاہی ٹھاٹ کر رہا ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ مسلمانوں پر بڑا ہی ظلم و زیادتی کر رہا ہے۔ اُن کا مال و دولت اور سامان تجارت زبردستی چھین رہا ہے۔

سلطان فیروز کو دہلی میں جب یہ پرچہ پہونچا تو اس نے فوراً ہی اپنے ایک جیوٹ فوجی افیسر ظفر خان کو علاقہ گجرات کی جانب روانہ کیا تاکہ شر پسند عناصر کے فتنہ و فساد کو دور کر دے۔

ظفر خان وہ شخص ہے جس نے ایک عرصہ تک علاقہ گجرات اور اس کے آس پاس کے مقامات فتح کئے۔ چنانچہ ظفر خان نے حکم شاہنشاہ کی فوراً تعمیل کی۔

تھوڑے دنوں بعد ظفر خان کے بیٹے نے اپنا لقب محمد شاہ رکھا اور ۸۰۶ھ میں علاقہ گجرات کا بادشاہ بن بیٹھا۔ اسی زمانہ میں جبکہ محمد شاہ نے تھوڑے ہی دنوں گجرات کی بادشاہت کی تھی کہ اُس نے ایک دن دہلی پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ اور بحکم خدا اسی دن

مرگیا۔ محمد شاہ کی وفات کے بعد اسی سال ۸۰۶ھ میں ظفر خان پھر گجرات پہنچا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر کے اُس نے اپنا لقب مظفر شاہ رکھا۔ چنانچہ مظفر شاہ نے علاقہ گجرات میں تین سال آٹھ مہینہ بادشاہی کی۔ اس کے بعد اس کا پوتا سلطان احمد ابن سلطان محمد شاہ ابن سلطان مظفر شاہ بادشاہ ہوا۔ جس نے شہر احمد آباد کی بنیاد رکھی اور یہ شہر آباد کیا اور اس نے بتیس ۳۲ سال چھ مہینہ بادشاہت کی۔ اور اس کے بعد اس کی اولاد میں سے بادشاہ ہوئے جن کے نام و نشان بھی بحالت موجودہ باقی نہیں ہیں[1] اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

احمد آباد شہر بسانے اور بنیاد رکھنے کی تاریخ ۸۱۰ھ ہے اور جامع مسجد کی بنیاد و عمارت کی تاریخ ۸۱۲ھ ہے جس کے اعداد لفظ "خیر و بخیر" سے نکلتے ہیں۔

قطب عالم

مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری کے پوتے تھے۔ اپنے اصلی وطن سے گجرات آکر مقیم ہو گئے۔ اور گجرات ہی کو اپنا وطن بنا لیا آپ کا نام سید برہان الدین تھا لیکن قطب عالم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ احمد آباد سے چھ میل دُور قصبہ بتوہ میں آپ کا مزار ہے۔ آپ نے ۸۵۷ھ میں وفات پائی جس کے اعداد مطلع یوم الترویہ سے نکلتے ہیں۔ آپ کے مزار کے دروازہ پر ایک پتھر پڑا ہوا ہے جس میں پتھر، لوہے اور لکڑی کی تینوں صفتیں ایک ساتھ اکٹھی ہیں۔ کوئی شخص صحیح طور پر بالکل تشخیص نہیں کر سکتا کہ یہ کس چیز کی ساخت ہے پہلی نظر میں اگر پتھر نظر آئے اور پھر غور سے دیکھیں تو وہ لوہا معلوم ہوتا ہے اور پھر اگر مزید غور سے دیکھیں تو لکڑی معلوم ہوتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ لوہا، لکڑی اور پتھر کی تینوں صفات اس میں موجود ہیں کسی حصّہ کا کوئی علیحدہ تجزیہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایک عجیب چیز ہے دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہتے ہیں کہ قطب عالم ایک دن کہیں پانی میں گئے جہاں ان کے پاؤں میں کوئی چیز چبھی۔ لوگ اسے نکال کر لائے آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا پتھر ہے یا لوہا یا لکڑی۔ غرضکہ اللہ تعالیٰ نے تینوں صفتیں اس میں اکٹھی کر دیں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

پیدائش۔ ۸۰۱ وفات ۸۵۷ھ

شاہ عالم

قطب عالم کے بیٹے تھے۔ ان کا نام شاہ منجھن اور لقب شاہ عالم تھا آپ کا مزار بھی احمد آباد میں ہے۔ آپ کا روضہ زیارت گاہ

پیدائش ۸۲۵ وفات ۸۸۰ھ

---

[1] البتہ تاریخ کی کتابوں، قدیم مخطوطات اور سرکاری دستاویز میں موجود ہیں۔

اور سیرگاہ باشندگان احمد آباد ہے جو ایک بلندی پہ پاکیزہ و فرحت ناک شادہ مقام ہے۔ جمعرات کے دن رات کے وقت شہر کے اچھے اور بڑے اکثر لوگ آپ کے مزار پہ جاتے ہیں اور رات بھر وہیں رہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ شاہ عالم کی سلوک میں کچھ عجیب و غریب کیفیت تھی اکثر اوقات مستی کا عالم چھایا رہتا۔ کبھی کبھی ریشمی لباس بھی زیب تن کرتے اور ملامتی فرقہ کے قدم بہ قدم چلتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود آپ کی ولایت ظاہر تھی جس کی خاص علامات بھی تھیں۔ شیخ احمد کھتو نے آپ کی تربیت کی اور آپ کو رہنما بنایا آپ کی بہت سی کرامتیں اکثر ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔

۸۸۰ھ میں آپ نے وفات پائی جس کا مادہ تاریخ لفظ فخر سے ظاہر ہے۔ شیخ قطب عالم اور شاہ عالم کے چند خلفا بھی احمد آباد ہی میں مدفون ہیں۔ اور پٹن جو گجرات کا ایک قدیم شہر ہے اس سرزمین میں اکثر مشائخین آرام کر رہے ہیں۔

پٹن میں خاص طور پر شیخ نظام الدین اولیاء کے مشہور خلیفہ شیخ حسام الدین ملتانی ولی کا مزار بہت مشہور ہے جن کا تذکرہ پہلے کیا جا چکا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سرزمین سے عشق و محبت کی خوشبو آتی ہے۔ اس کے جنگلوں اور کھنڈرات سے برکت ولایت کی نورانیت درخشاں ہے۔ چونکہ یہ شہر اہل دل سے کبھی خالی نہیں رہا آج بھی یہاں اہل دل موجود ہیں

شعر

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف او زدہ است   ہنوز از سر آں بوے عشق می آید

غرضکہ شاہ عالم اپنے وقت کے صالح اور مقبول بارگاہ خداوندی تھے جن کی برکتیں اس شہر میں جلوہ گر ہیں۔

داد را الملک

نام عبداللطیف تھا۔ یہ عام لوگوں میں رہتے سہتے ہوئے بھی سپاہیوں کا لباس پہنتے تھے لیکن خاص علامتوں کے ولادت ۹۵۲ وفات ۱۰۳۱ھ مالک تھے۔ آپ کے مناقب بکثرت ہیں عظمت و قبولیت عام کے آثار بے شمار ہیں۔

علاقہ گجرات میں جونا گڑھ کے قریب آپ کا مزار ہے اس علاقہ کے اور خطۂ دکن کے اکثر لوگ دور و دراز سفر کر کے آپ کی زیارت کے لئے سالانہ جمع ہوتے ہیں۔ اندھے و بیمار تو خاص طور پر آتے رہتے ہیں جس طرح ہمارے یہاں دہلی میں پیر بہلیم کی ولایت

کا شہرہ ہے ویسا ہی گجرات میں داودرا لملک کی ولایت کا عام چرچا ہے پیریہلیم کے ذریعہ داودرا لملک کی اجمالی طور پر یہ حالت معلوم ہوئی کہ وہ پہلے پہل اسلامی جنگ میں شریک ہوئے اور بہت کچھ شہر فتح کرتے ہوئے آخر کار شہید ہو گئے۔ اس کے سوائے بھی داودرا لملک کے عمدہ حالات وا وصاف سب لوگوں میں مشہور ہیں۔

تاریخ فیروز شاہی میں ہے کہ داودرا لملک کا نام دراصل سپہ سالار مسعود غازیؒ ہے اور سلطان محمود غزنوی کے ساتھ کے غازی ہیں۔

سلطان محمد تغلق بادشاہ جب بہرائچ جاتا تو لازماً آپ کی زیارت کرتا آپ کے مزار کے مجاوروں کو داد و دہش سے مالا مال کرتا۔ داودرا لملک سے خواجہ معین الدین کے مرید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں نیز آپ کے ملفوظات میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں۔

اور یہ جو مشہور ہے کہ آپ کو جھنڈیاں بہت پسند تھیں اور ہمیشہ سے ان کے پاس اور ان کی قبر پر جھنڈیاں لانا اور لگانا ضروری ہے یہ سب زمانہ حال کی پیداوار اور بدعت ہے۔

خلاصہ یہ کہ داودرا لملک علاقہ گجرات میں ایک بہت بڑے ولی ہوئے۔

قاضی محمود

صاحب سکر و ذوق تھے۔ عشق و محبت آپ کا مشرب تھا اور حلاوت آپ کی حالت تھی۔ ہندی زبان میں آپ نے پیدائش۔ ۸۴۶ وفات ۹۲۵ھ جگریاں کہی ہیں جو اس علاقہ کے قوال اکثر گاتے رہتے ہیں۔ یہ لوگوں کو بے انتہا پسند ہیں ان میں اثر کے ساتھ بے تکلفی بھی ہے۔ آپ کے کلام میں عشق و وجدان کے اثرات ظاہر ہیں۔

حکایت ہے کہ قاضی محمود کو دفن کرتے وقت آپ کے والد نے آپ کے منہ پر سے کفن کا کونہ ہٹا کر دیدار کیا تو آپ آنکھیں کھول کر ہنسنے لگے اس پر آپ کے والد نے کہا بابا محمود یہ بچوں جیسی ادا کیسی؟ چنانچہ آپ نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ آپ نے ابتدائی زمانہ میں جبکہ سلطان مظفر بن سلطان محمود کی حکومت تھی اسی احمد آباد میں سرمایہ داری، دولتمندی ظاہر و باطن کی دل جمعی کے ساتھ جیسا کہ بڑے لوگ اور مشائخ رہا کرتے ہیں بڑے ٹھاٹ سے زندگی بسر کی۔ سنہ ۹۲۰ھ میں آپ اپنے آبائی وطن قصبہ بسرپور علاقہ گجرات میں تشریف لے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی آپ کا مزار بھی اسی قصبہ میں ہے۔ آپ اپنے اس علاقہ کے متاخرین مشائخ میں سے ہیں۔

شیخ وجیہہ الدین

سن رسیدہ کامل بزرگ، جامع کمالات وبرکات اہل ریاضت تھے پڑھانے، تصنیف وتالیف اور طالب علموں کی تربیت وہدایت میں مشغول رہا کرتے۔ آپ نے

پیدائش۔ ۸۹۵ وفات ۹۹۷ھ

اکثر کتابوں پر حاشیے اور ان کی شرحیں لکھی ہیں شہر کے عام لوگوں جیسا لباس پہنتے تھے۔ علم تصوف میں آپ کو شیخ محمد غوثؒ سے نسبت وعقیدت حاصل تھی۔ اور مُرید کسی اور کے تھے۔ ۹۹۷ھ میں آپ نے وفات پائی۔ اور اپنی خانقاہ کے صحن میں مدفون ہیں۔ مولف کتاب (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) جب مدینہ منورہ سرکار دوعالمؐ کی زیارت کے لئے جا رہا تھا تو راستہ میں گجرات پڑا جہاں شیخ وجیہہ الدینؒ سے ملاقات ہوئی۔ سلسلہ عالیہ قادریہ کے اکثر اذکار واشغال کیا کرتے تھے۔ اب بحالت موجودہ آپ کے حقیقی فرزند شیخ عبداللہ جانشیں ہیں جو علم، بُردباری، ریاضت، ہمت، پاکدامنی میں یکتا اور درویشوں کے تمام اخلاق واصاف کے مالک ہیں۔

شیخ علاؤ الدین قریشی گوالیریؒ

آپ کا اصلی وطن گوالیر تھا۔ حضرت سید محمد گیسو درازؒ کے مُرید وخلیفہ تھے۔ علوم ظاہری وباطنی میں کامل

پیدائش۔ ۵۸۹ ـــ وفات ـــ ۷۳۰ھ

تھے۔ سید صاحب نے جب آپ کے حالات اپنے نور فراست سے معلوم کرلئے تو آپ کو ترک دنیا اور مخلوق سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا۔ آپ آخری عمر تک گوشہ نشین رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے اپنے خادم کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ گھر کا کوڑا کرکٹ سب دروازے پر ڈال دیا کرے تاکہ لوگوں کو یہاں آبادی کا سان وگمان تک نہ ہو اور ان کی آمد سے شیخ کے اوقات خراب نہ ہوں۔ محمد آباد عرف کالپی کے شہر میں آپ کا مزار مرجع خاص وعام ہے۔

شیخ ابوالفتح علائی قریشیؒ

سید محمد گیسو درازؒ کے مرید اور خلیفہ علوم ظاہری وباطنی میں کامل تھے۔ حج کیا، پیرومرشد سے عوارف المعارف وغیرہ کتابیں پڑھیں

پیدائش۔ ۱۳۹۳ء وفات ـ ۱۴۶۴ء

پھر خلافت حاصل کی آپ کی تصنیفات میں سے علم نحو میں تکمیل علم تصوف میں مشاہدہ وغیرہ کئی کتابیں ہیں۔ آپ کا مزار بھی کالپی میں ہے۔

شیخ سراج سوختہ رح

حافظ قرآن تھے۔ ابتداً مخدوم جہانیاں سیّد جلال الدین بخاری کی صحبت میں رہے۔ اور برسوں

پیدائش ۱۳۳۱ ۔ وفات ۔ ۱۴۰۲ء وہاں امامت کی۔ مخدوم جہانیاں کی عنایت و شفقت کی وجہ سے دوسرے امام جو علوم ظاہری پڑھ چکے تھے۔ آپ پر رشک کرتے تھے۔ مخدوم جہانیاں کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا۔ سراج جب تک خانۂ کعبہ کو نہیں دیکھ لیتا تکبیر تحریمہ نہیں کہتا۔ کہتے ہیں کہ آپ سے بہت سی کرامتیں اور لوگوں کی خلاف عادات کام خود بخود ظاہر ہوجاتے تھے اگرچہ آپ انھیں چھپانے کی بے انتہا کوشش کرتے تھے۔

حکایت ہے کہ جب شاہ مدار شیخ سراج سوختہ رح کے زمانے میں ہر مز سے کالپی تشریف لائے ہوئے تھے جن کے پاس لوگوں کا ہجوم رہتا۔ بڑے مشہور ہو گئے تھے۔ شاہ مدار کے بعض طور طریقے اسلامی شریعت کے بظاہر خلاف تھے۔ اسی زمانے میں قادر شاہ ولد سلطان محمد جو سلطان فیروز شاہ تغلق کی اولاد میں سے تھا اور اپنے والد کے انتقال کے بعد اس علاقے کا حاکم اعلیٰ تھا۔ شاہ مدار کی شہرت سن کر ان سے ملاقات کے لئے وہاں آیا جہاں شاہ گوشہ نشین تھے۔ شاہ مدار کے خادموں نے قادر شاہ بادشاہ سے کہا اس وقت ملاقات نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ ایک فقیر کے ساتھ تنہائی میں گفتگو کر رہے ہیں اور ہم کو اطلاع دینے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ نیز کہا کہ یہ ایک جوگی ہے جس سے شاہ مدار مصروف گفتگو ہیں۔ یہ سن کر قادر شاہ بادشاہ نے شاہ مدار کے نوکروں سے کہا کہ شاہ مدار سے کہہ دینا کہ ہمارے شہر میں نہ رہے اتنا کہہ کر قادر شاہ بادشاہ اپنے محل کی طرف لوٹ گیا۔ حکم شاہی کی اطلاع پا کر وہاں سے نکلے اور بددعا دیتے ہوئے ندی پار چلے گئے اور اپنے معتقدوں سے کہا کہ تین دن بعد ہمیں بادشاہ کی حالت کی اطلاع دینا۔ شاہ مدار کے ندی پار ہوتے ہی قادر شاہ بادشاہ کے جسم پر خود بخود چھالے آ گئے جس کی تپش سے بے تاب ہو کر وہ شیخ سراج سوختہ رح کے پاس آیا۔ شیخ نے اپنا کرتہ بادشاہ کو پہنایا جس کے پہنتے ہی چھالے غائب ہو گئے اور ان کی کوئی تپش باقی نہ رہی۔ شاہ مدار کے معتقدوں نے جب دیکھا کہ بادشاہ شیخ سراج کی پناہ میں آ گیا ہے تو تین دن کے انتظار کے بعد مایوس ہو کر ندی پار جا کر شاہ مدار کو حالات بتائے۔ جہاں سے شاہ مدار جونپور گئے پھر وہاں سے لوٹ کر علاقہ قنوج کے ایک گاؤں لکن پور میں قیام کیا۔

شاہ بدیع الدین مدار رح

لوگ آپ کے عجیب و غریب حالات میں کہتے ہیں کہ آپ مقام صمدیت میں تھے جو سالکوں

پیدائش - ۷۱۷ — وفات — ۸۵۱ ھ کا ایک مقام ہے بارہ برس تک آپ نے کھانا نہیں کھایا۔ ایک مرتبہ جو کپڑا پہن لیتے پھر اسے دھونے کے لئے جسم سے نہ اُتارتے۔ اور اکثر اوقات منہ پر نقاب ڈالے رہتے۔ آپ کے چہرہ پر جس کی نظر پڑجاتی وہ بے اختیار ہو کر سجدہ کرتا۔ کہتے ہیں کہ درازی عمر یا کسی اور وجہ سے پانچ چھ واسطوں کے ذریعہ آپ کا سلسلہ رسول اللہؐ تک پہونچتا ہے۔ سلسلۂ مداری کے بعض لوگ بغیر کسی واسطہ کے آپ کو رسول اللہؐ کے سلسلہ سے منسوب کرتے ہیں۔ بعضے کچھ اور کہتے ہیں لیکن ان سب کہا وتوں کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور یہ سب باتیں حدو شریعت و طریقت سے خارج ہیں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی (دکھنی) بھی آپ ہی کے زمانہ میں تھے۔ ایک خط لوگوں میں بڑا مشہور ہے جس کی بابتہ لوگ کہتے ہیں کہ شاہ بدیع الدین نے یہ خط قاضی شہاب الدین کو لکھا تھا۔ شیخ سراج سوختہ کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ کالپی کے مشہور علماء کی زبانی سُنا گیا ہے۔ یہی مشہور علماء کہتے ہیں کہ اس خط وغیرہ کا قصہ ہمارے ہاں مشہور ہے۔ لیکن اس کی کوئی سند نہیں ہے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ اللہ ان پر اور تمام اہل اللہ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ سخائی

صاحب کشف و کرامت اور بابرکت درویش تھے سلسلہ سہروردی کے فرد تھے اور شیخ نور الدین کے ہمعصر تھے۔

پیدائش ۸۹۴ وفات ۹۷۵ ھ حکایت ہے ایک دن شیخ سخائی کو خیال آیا کہ یہاں قطب آئیں گے چنانچہ شیخ نے مجلس و نشست کا انتظام کیا۔ اور شیخ نور الدین قطب کو کہلا بھیجا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا ہے اور اس زمانہ میں سوائے آپ کے اور کوئی قطب نہیں ہے راہ کرم آپ غریب خانہ پر تشریف لایئے۔ شیخ نور الدین نے آپ کا بُلاوا منظور کیا۔ اور شیخ سخائی کے گھر آئے۔ کھانے سے فراغت کے بعد قوال حاضر ہوتے۔ شہر کے بڑے بڑے بزرگ۔ قاضی اور مفتی وغیرہ موجود تھے۔ جب قوالی شروع ہوئی تو صدر جہان قاضی شہر نے کھڑے ہو کر کہا قوالی ناجائز ہے اور مجلس سے چلے گئے۔ ان کے پیچھے

مفتی اور وہ سب لوگ جو قوالی کے خلاف تھے چلے گئے۔ البتہ شیخ علاؤالحق کے داماد مولانا تاج الدین ابی جابی جو بڑے سمجھدار تھے بیٹھے رہے۔ قوال یہ شعر دُھرا رہے تھے۔

شعر

آن سوار کج کلہ کز ناز سلطان منست
بس خرابی ہا کزو برجان ویران منست

مولانا نے قوالوں کو اس شعر کے دُھرانے سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے شیخ نورالدین کو اس شعر پر لطف آرہا تھا اور وہ جھوم رہے تھے۔ قوالی کے دوران ہی میں مولانا تاج الدین[1] نے قوالی کے خلاف بحث شروع کردی۔ شیخ نورالدین جواب دیتے رہے۔ جب مولانا نے زیادہ شور مچایا تو شیخ نورالدین کو غصہ آگیا اور کہا مولانا اتنی بشوخی نہ کیجئے۔ اس کے بعد مولانا اپنے گھر روانہ ہوگئے۔ گھر پہونچنے پر انھوں نے دیکھا کہ اُن کے پورے جسم پر بڑے بڑے چھالے پڑگئے ہیں۔

اللہ کے غضب سے ہم اللہ کی پناہ میں آتے ہیں۔

مولانا تقی الدین اودھی بڑے متقی بزرگ تھے۔ آپ کا دستور تھا کہ رات کے آخری حصہ میں اپنی کتاب وظیفہ لے کر گھر سے روانہ ہوجاتے دن بھر کسی جگہ بیٹھ کر اس کے ذکر واذکار میں مشغول رہتے اور پھر جب رات کی سیاہی چھا جاتی تو اپنے گھر واپس آجاتے تھے۔

پیدائش ۷۷۵ھ ـــــ وفات ـــــ ۸۳۵ھ

حکایت ہے کہ چند ابدال درویش آپ کے پاس آئے اور کہا مولانا آپ ہمارے ساتھ رہئے۔ مولانا نے جواب دیا بال بچوں کا بوجھ میرے کندھوں پر ہے۔ اور تم جیسے بے گھروں کے ساتھ ہماری گذر نہیں ہوسکتی۔ مولانا کے پاس ایک زرخرید لونڈی تھی۔ ایک دن اُس نے اپنے بچوں کو یاد کیا جو اُس کے اصلی وطن میں تھے۔ چنانچہ مولانا آدھی رات کے وقت اس لونڈی کو اپنے ساتھ گھر سے باہر لے گئے اور اس کو چلے جانے کی اجازت دیدی۔ صبح کو مولانا کی بیوی نے لونڈی کو نہ پایا اور جب پورا قصہ سنا تو بہت خفا ہوئیں۔

---

[1] مولانا تاج الدین ہمعصر شیخ امان اللہ پانی پتی۔

تھوڑے دنوں بعد وہ لونڈی اپنے بچوں اور خاوند سمیت مولانا کے گھر آئی اور مولانا کے قدموں پر گر پڑی اور اس نے کہا مولانا! ہم سب آپ کے غلام ہیں۔ جس پر مولانا نے فرمایا ہم نے تم سب کو آزاد کر دیا۔ اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

شیخ رفقۃ الدین

آپ شیخ نورالدین قطب عالم کے بڑے لڑکے تھے۔ بڑے بزرگ متواضع منکسر المزاج اور صاحب حال تھے۔

پیدائش۔ ۸۳۰ وفات ۸۹۹ھ

شیخ حسام الدین مانکپوری کا بیان ہے کہ شیخ رفقۃ الدین کہتے تھے بخدا میں بازاری کتنے سے بھی زیادہ گیا گزرا ہوں۔ ایک دفعہ مصنف کتاب اخبار الاخیار نے یہ قصہ اپنے پدر بزرگوار سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا میں نے اپنی پوری عمر یہ بات اپنے حسب حال پائی ہے۔ اللہ ان پر اور تمام عارف باللہ حضرات پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ انور

شیخ نورالدین قطب عالم کے چھوٹے بیٹے تھے۔ لیکن بڑے بزرگ اور سخی سردار تھے۔ بکریاں پال کر موٹی کرتے اور انہیں ذبح کر کے فقیروں کو کھلایا کرتے۔ اور اس میں سے خود کچھ نہ کھاتے۔ شیخ حسام الدین نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے۔

پیدائش۔ ۸۳۲ وفات ۸۹۸ھ

مخدوم زادہ شیخ انور سے میں نے ایک دن پوچھا عشق کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا جو لوگ آنکھیں کھول کر یہ دیکھتے ہیں کہ دوست یا خیال دوست یا پیام دوست آرہا ہے تو وہ درحقیقت دیکھتے ہیں ورنہ وہ آنکھیں کھول کر کیوں دیکھتے۔

میر سیّد اشرف سمنانی

آپ کو سید جہانگیر بھی کہتے ہیں۔ صاحب کرامت و تصرف بڑے کامل بزرگ تھے۔ سید علی ہمدانی کے ساتھ سیر و سیاحت میں رفیق سفر رہے۔

پیدائش۔ ۷۰۷ وفات ــــ ۸۷۱ھ

بالاخر ہندوستان آئے اور شیخ علاؤ الحق کے مرید ہوئے۔ بیعت سے پہلے ہی آپ کشف و کرامت کے بلند مقامات حاصل کر چکے تھے حقایق اور توحید کے بیان میں بڑے پائے کی باتیں کہی ہیں۔ آپ کے مکتوبات میں عجیب و غریب تحقیقات ہیں۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی (دکھنی) کے ہم عصر تھے۔ قاضی صاحب نے آپ سے فرعون کے ایمان کی بحث میں جس کا فصوص الحکم میں اشارہ کیا گیا ہے تفصیلی گفتگو اور تحقیق چاہی تھی جس کا

میر صاحب نے جواب لکھا ہے۔ آپ کا مزار جونپور کے ایک گاؤں کجو نجہ میں ہے جو ایک حوض کے بیچ میں ہے جہاں فیض عام جاری ہے۔ اس علاقے میں جن وغیرہ دور کرنے کے لئے آپ کا نام بڑا مشہور ہے۔ آپ کے ملفوظات بھی آپ کے ایک مُرید نے جمع کئے ہیں۔ آپ کے خطوط میں سے بائیسواں خط یہ ہے۔ برادر عزیز باتمیز جامع علوم قاضی شہاب الدین نور اللہ بنور الیقین دعائے فقیر از طرف اشرف قبول فرمائیں۔ آپ کا خط جس میں کئی باتیں لکھی تھی پہونچا اور فرعون کے متعلق آپ نے جن چیزوں کو دریافت کیا ہے ملا۔ یہ وہی استفسار ہے جس کا جواب فصوص الحکم میں درج ہے۔ سنو فصوص الحکم میں اس کے متعلق دس مقامات پر دس دلائل کے ذریعے جوابات دیئے گئے ہیں اور یہ وہ مشکل مقامات ہیں جس میں شرح کرنے والے الجھ گئے اور اصل مطلب تک نہ پہونچ سکے۔ شیخ رضی کا بیان ہے کہ فرعون جو پانی میں ڈوبنے اور ہلاکت کے خوف سے ایمان لایا یہ دراصل ایمان لانا نہیں کیونکہ ایمان دراصل دوزخ کے خوف اور آخرت کے عذاب کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ یہ ہی تیصری نے بھی لکھا ہے کہ فرعون نے غرغرہ[1] لگنے سے پہلے جب دریا میں وہ کھلا راستہ دیکھا جس سے بنو اسرائیل پار چلے گئے تھے تو وہ اس وقت ایمان لایا جبکہ آخرت کے احکام کا ظہور نہیں ہوا تھا جیسا کہ لوگوں کا غرغرہ لگنے سے پہلے ایمان لانے کا سوال درست ہے۔ کیونکہ غرغرہ لگنے سے پہلے عذاب آخرت دیکھے بغیر ایمان بالغیب لانا صحیح و درست ہے۔ اور اس کی صحت بالکل ویسے ہی درست ہے جیسی کہ کافروں کا قتل گاہ میں ایمان لانا درست مانا گیا ہے۔ اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

فصوص الحکم میں یہ بھی لکھا ہے کہ فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰ کے بارے میں کہا ہے اے موسیٰ تم ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔ اور اے فرعون جو تم کو ٹھنڈک پہنچاتا ہے وہی میرے لئے بھی مکمل طور پر باعث تسکین ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ فرعون کو غرق ہونے سے پہلے اللہ نے ایمان عنایت فرمایا اور اس کی روح اس وقت پرواز ہوئی

---

[1] مرنے سے چند لمحہ پہلے سینہ میں دم گھٹ کر گلے سے جو آواز نکلتی ہے اسے غرغرہ لگنا کہتے ہیں۔

جبکہ اس میں خباثت باقی نہیں رہی تھی۔ اور وہ ایمان لانے کے بعد کسی قسم کے گناہ میں مبتلا نہیں ہوا۔ اور اسلام بھی اسی ایمان کو صحیح و درست کہتا ہے جبکہ ایمان لانے کے بعد آخری وقت تک ایمان سلامت رہے۔ اور چونکہ وہ حسب احکام الٰہی خدا کے احسانات سے مایوس نہیں ہوا۔ اس لئے بھی اس کا ایمان مُسلّم ہے۔ اگر فرعون ایمان لانے سے مایوس ہو جاتا تو حضرت موسیٰؑ کی بابتہ فرعون کی بیوی یہ نہیں کہتی کہ موسیٰؑ تیرے آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے لئے بھی راحت ہے۔ انہیں (موسیٰؑ کو) قتل نہ کرو بہت ممکن ہے کہ یہ ہمارے لئے مفید و کارآمد ثابت ہوں گے۔ اور اللہ کا یہ حکم" کہ اے فرعون تو اب سے پہلے گنہ گار اور فسادی تھا" اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اب تو ایمان لاچکا ہے اور ایمان لانے سے پہلے غیر مومن و فتنہ پرداز تھا۔ اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی اس کی صفت کو بطور عتاب و غصہ کے بیان کیا ہے۔ اور اس وقت کی بات ہے جبکہ وہ اللہ کی جانب متوجہ ہوا اور ایمان لے آیا۔

قیامت کے دن گنہ گاروں کو دوزخ میں ڈالنا اور دوزخ کو بدترین ٹھکانہ کہنا اور کسی کا ایمان لے آنا یہ دونوں باہم مختلف کیفیات نہیں ہیں۔ کیونکہ ان گنہ گاروں کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رکھا جائے گا جو ملعون ہیں۔ دوزخ میں جانے اور ایمان لانے میں کوئی باہم مخالف چیز مائل نہیں ہے۔ ایماندار گنہ گار بھی دوزخ کی سزا پائیں گے۔ غرضیکہ فرعون کے ایمان لانے کے بعد اس کے کافر باقی رہنے کی کوئی کُھلی آیت موجود نہیں ہے۔ اور یہ جو حکایت ہے کہ وہ پہلے ایمان لاچکا تھا صحیح ہے ایمان لانے کا فائدہ ہی یہ ہے کہ گناہ گار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں مبتلا نہیں رہے گا البتہ ظلم فتنہ و فساد اور لوگوں کے حقوق اسلامی احکام کی تعمیل نہ کرنے کی وجہ دوزخ کا عذاب ضروری ہے۔ شیخ نے اس چیز کا انکار نہیں کیا ہے جو رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ منکر مغرور کے برابر نہیں معذور اختیار کے برابر نہیں۔ اور یہی اللہ کا بھی حکم ہے کہ گناہوں کے بعد ایمان لانے کی وجہ سے جبکہ ایمان کے بعد کوئی گناہ نہ کیا ہو ایسے مومن کو اللہ اس کے جسم کے ساتھ دوزخ کے عذاب سے چھٹکارا دے گا وافعی اللہ ہی مسلمان اور کافر کے دل کے پوشیدہ بھید سے واقف ہے۔ برادر عزیز عالم فاضل زمانہ اللہ کی عنایت اور عالموں کی مہربانی کی وجہ صوفی خیالات رکھتے ہیں اس عالی ترین اور بزرگ تر تصور کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے کہ کوئی شخص اللہ

کی عنایت کے بغیر اس بلند درجے پر نہیں پہنچتا۔ آپ کو جو کچھ بزرگی حاصل ہے وہ سب اللہ کی مہربانی ہے اور اللہ اپنی عنایت و مہربانی جس پر چاہتا ہے مبذول کرتا ہے۔ تصوف اور علم عزت دار منصب کو امام غزالی نے یوں فرمایا ہے۔ جس شخص میں علم نہ ہو اور جو کوئی علم شریعت اور تصوف سے بے بہرہ ہو اس کی بُری وفات کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اہل تحقیق اور صاحبان علم پر اللہ کی مہربانی یہ ہے کہ وہ کم از کم اللہ اور رسول اللہؐ کی تصدیق کر کے اسلامی احکام کو عملی طور پر مانتے ہیں۔ شرک خفی کی دریا کے بھنور سے نکلنے کے لئے توحید و رسالت کو ماننا ہی زبردست عقیدہ ہے۔ مشائخ چشت نے جو کچھ کہا ہے جسے میں بتا چکا ہوں اسے تم اپنا روزمرہ بناؤ اور اس کے بعد جو کچھ ظاہر ہو وہ ہمیں لکھ بھیجو تاکہ اس کے موافق شیطان کے وسوسوں سے چھٹکارہ دلانے کی انشا اللہ کوشش کی جائے گی اور جب ملو گے اس وقت روبرو عوارف اور معارف اور معلومات بہم پہونچائے جائیں گے۔ میرے خط پہونچنے سے پہلے شیخ رضی کا خط تم کو مل چلے گا جو انھوں نے سلطان ابراہیم کو لکھا ہے مطالعہ کر چکے ہو گے۔ آپ کے برادرانہ اخلاق اور بزرگانہ انداز سے اُمید ہے کہ اس کہاوت کے موافق عمل کرنے میں کوئی کسر نہ رکھو گے۔ مسلمان کے دل میں سمندر کے پانی کی طرح خوشیاں داخل ہوتی ہیں اور دوسری عبادتوں کی مثال ایک قطرہ کی طرح ہے اور رسول اللہؐ نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی راہ میں پاؤں رکھا اس کے جسم پر اللہ نے دوزخ کا عذاب حرام کر دیا۔

اشعار

گر بر آید کارے از دستِ کسے ۔۔۔ بہ کہ در کارش زند صد دست و پا
کار باید کرد کاں از روئے دل ۔۔۔ کار او نبود، بود کارِ خدا

زمانے کے فقیروں اور دل زخمی لوگوں کو معلوم ہے کہ والا جناب کو مجھ فقیر سے رازدارانہ محبت ہے اس لئے بھی ضرورت ہے کہ کبھی کبھی آپ کو تکلیف دیتا رہوں امید ہے کہ معذور سمجھیں گے فقط والسلام

شیخ فتح اللہ اودھی

حکیم شیخ صدر الدین کے خلیفہ تھے۔ برسوں جامع مسجد دہلی کے نیچے منار شمسی کے مدرسہ میں افادیت و تعلیم کی مسند پر رونق افزا رہے۔ اس زمانہ

ابتداء میں آپ دہلی کے بڑے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ آخر عمر میں حکیم شیخ صدرالدین کے مرید ہوئے اور انہی کے ذریعہ سلوک کی منزلیں طے کیں۔

کہتے ہیں کہ آپ نے بے انتہا ریاض کیا لیکن عالم بالا کی روح پرور ہواؤں سے اچھی طرح محظوظ نہیں ہوئے۔ اس حالت کی جب شیخ صدرالدین سے شکایت کی تو انھوں نے فرمایا پڑھنا پڑھانا چھوڑ دو اور کتابوں کی دنیا کو اپنے ملک سے نکال باہر کرو۔ چنانچہ آپ نے ویسا ہی کیا۔ البتہ چند نفیس اور عمدہ کتابیں اپنے پاس رکھ لیں۔ باب معرفت کھلنے میں دیر لگی تو آپ نے وہ باقی عزیز ترین اور نایاب کتابیں بھی اپنے پاس سے دور کر دیں۔ لوگوں نے دیکھا کہ دریا کے کنارہ بیٹھے کتابوں کے اوراق دھوتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بندھ جاتی تھیں۔ اس عمل کو بہت کافی زمانہ گزرتا گیا یہاں تک کہ آپ کے دل کی تختی ماسوا اللہ سے بالکل پاک و صاف ہوگئی۔ اور علم شریعت کے بدلہ میں علم باطن حاصل ہو گیا۔

شیخ قاسم اودھی دہلوی آپ کے مرید نے اپنی تصنیف کردہ کتاب آداب السالکین میں لکھا ہے کہ پیرو مرشد اپنے مریدوں کو جانماز۔ تسبیح۔ کنگھا۔ لاٹھی۔ قینچی۔ سوئی۔ لوٹا کاسہ۔ نمکدان۔ طشت۔ آفتابہ۔ جوتا اور کھڑاؤں وغیرہ جو عنایت کرتے تھے ان میں سے ہر چیز ایک خاص معنی و مفہوم کو ظاہر کرتی ہے۔

جانماز ثبوت ہے اس امر کا کہ اطاعت و عبادت میں ثابت قدم رہو گے۔

تسبیح۔ ثبوت ہے اس امر کا کہ دل اچاٹ ہونا ختم ہو چکا ہے۔ البتہ تسبیح کے متفرق دانوں کی طرح صرف ایک خوف باقی تھا وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ اور تم کو تسبیح کے دانوں کے اکٹھا ہونے کی طرح دل جمعی حاصل ہے۔

کنگھا۔ اچھائی و بھلائی کی علامت ہے کہ شر و فساد اب مرید سے دور ہو چکا ہے۔

لاٹھی۔ ثبوت ہے اس امر کا کہ اعتماد و بھروسہ صرف ایک ذات مطلق خداوندی پر کیا جائے۔

قینچی۔ ثبوت ہے اس امر کا کہ دنیا کے بُرے تعلقات اور ناقص و ناکارہ آرزوئیں باقی نہیں رہی ہیں۔

سوئی۔ ثبوت ہے اس امر کا کہ صورت و معنی اور ظاہر و باطن کو ایک ہی طرز پر سی

دیا گیا ہے۔ لیکن ننگی سوئی نہیں دیتے بلکہ اس میں تاگا پرو کر دیتے ہیں۔

شعر

سوزن و رشتہ از پئے پیوند آن بدو این بدوست حاجتمند

لوٹا و کاسہ۔ ثبوت ہے اس امر کا کہ فقیروں اور مہمانوں کو کھلانے پلانے کا خاص نظام رکھا جائے۔

نمکدان، طشت و آفتابہ۔ ثبوت ہے اس امر کا کہ بزرگوں اور پیروں کی خصلت اس میں پیدا ہو چکی ہے جو اس کے حوالے کی گئی۔ جوتا اور کھڑاؤں ثابت قدمی کا ثبوت ہے۔ کنگھی جب کسی کو دیتے ہیں تو کھلی نہیں دیتے بلکہ کپڑے یا کاغذ میں لپیٹ کر دیتے ہیں کیونکہ جدائی کا ایک آلہ ہے۔ اور چاقو جب کسی کو دیتے ہیں تو وہ بند کر کے اور لپیٹ کر دیتے ہیں اور اس کے ساتھ خربوزہ یا گوشت بھی دیتے ہیں۔ صراحی اور لوٹا اور اس کی طرح کی جو چیزیں دیتے ہیں وہ پانی بھر کر دیتے ہیں۔ کنگھا کنگھے دان میں رکھنے کی ترکیب یہ ہے کہ اس کے دندانے اندر کی طرف کرتے ہیں کیونکہ بالوں کو الگ کرنے کے لئے کنگھا ہی سب سے بڑا آلہ ہے یعنی کنگھے کی خاصیت تفریق اور جدائی الگ اور بہت دور ہو جائے۔

مسعود بک رح

سلطان فیروز شاہ تغلق کے رشتہ دار تھے ان کا اصلی نام شیر خان تھا۔ عرصہ تک سرمایہ داری کے ساتھ ساتھ دولتمندوں جیسا لباس استعمال کرتے رہے۔ اچانک جذبہ حق دامن گیر ہوا چنانچہ فقیروں کی خدمت اور صحبت میں رہتے ہوئے آخر کار شیخ رکن الدین بیمان ابن شیخ شہاب الدین امام کے مرید ہوئے[1]۔ اکثر اوقات مست رہتے تھے۔ شراب وحدت اور خم خانۂ حقیقت میں مست تھے مستانہ باتیں کہتے تھے۔ آپ کی طرح کسی نے بھی اسرار حقیقت کھول کر بیان نہیں کئے اور سرمستی کا اظہار نہیں کیا کہتے ہیں آپ کے بہنے والے آنسو اتنے زیادہ گرم ہوتے تھے کہ اگر کسی کے ہاتھ پر گر پڑے تو اس کا ہاتھ جل جاتا۔ علم تصوف و توحید

---

[1] یہ دونوں حضرات حضرت محبوب الٰہی کے زبردست محبوب خلیفہ تھے۔ شیخ شہاب الدینؒ کو امام اس لئے کہتے ہیں کہ محبوب الٰہیؒ صرف آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ کو محب محبوب الٰہی بھی کہتے ہیں۔

میں اکثر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ عین القضات ہمدانی کی تمہیدات کی طرح آپ کی بھی مُصنفہ کتاب تمہیدات[۵۱] ہے جس میں اکثر حقایق اور دقایق اشعار قصائد و غزل وغیرہ وغیرہ میں امیر خسرو کے جواب میں اکثر قصائد و اشعار کہے ہیں اگرچہ ان میں بعض مقام پر فن شاعری کی کچھ غلطیاں ہیں۔ اس کے علاوہ نہایت لطیف و مستحسن اشعار بھی کہے ہیں اپنی ایک تصنیف مِراۃ العارفین میں لکھا ہے۔

ما نسخۂ محمدؐ مرسل فتادہ ایم زیرا کہ ہر دل است بدیں نسخہ نبی لا اُردو

سرائے (دہلی) میں خواجہ قطب الدین کے مزار کے پاس اپنے پیرو مرشد کے مقبرہ میں آپ کا مزار ہے جو خاموش و یکہ و تنہا مقام ہے۔

مرأۃ العارفین کے دیباچہ میں لکھتے ہیں زمانہ کی زبان گویا ہے غائب کی آنکھ نگراں ہے۔ ہم لوگ جو غائب تھے اس وقت حاضر و موجود ہیں اور جو موجود تھے وہ غائب ہو گئے۔ ہم اپنے وجود کے لحاظ سے ظاہر نہیں ہیں اور نہ ہونے کے پیش نظر ہم لوگ موجود ہیں۔ اگر کشف رموز کو عیب جوئی خیال کرتے ہو تو اس صورت میں خود کو لفظاً ہم سے تعبیر نہ کرو۔ حروف دراصل پردوں کے برتن ہیں۔ نقطے دراصل اسرار و رموز کی اصلیت ہیں۔ دنیا میں جو سفیدی نظر آتی ہے یہ دراصل چشم دل میں سیاہی پیدا کرتی ہے اور سیاہی جو دکھائی دیتی ہے یہ درحقیقت دماغ میں سوداویت پیدا کرتی ہے۔ نور درحقیقت چشم افروز اور آگ پردہ سوز ہے ہم دراصل طور کا سبز درخت ہیں جس کا نور آگ معلوم ہوتا ہے اس کا نور ہم کو جگمگا رہا ہے اور ہماری تاریکیوں کو دور کر چکا ہے اس حالت میں وہ ہم کو ہمارے بغیر پا کر سب کچھ کہتا ہے اور تم کو تمہارے بغیر تلاش کرتا ہے۔ یہی سب سے بڑا حجاب ہے جسے دُور کرو اور خود کو محرم اسرار بناؤ۔ یہاں جو شکل و صورت ہے وہ آئینہ کشف میں صاف دکھ دیتی ہے۔ اور یہ وہ دلہن ہے جو اسرار و رموز کے زیوروں سے آراستہ ہے یہی عارفوں کے آئینہ کا جلوہ ہے۔ دیکھو اگر تم کو چشم یقین میسر ہے۔

یہ کتاب مرأۃ العارفین کا دیباچہ ہے اور صرف اتنی سی عبارت اس کتاب کے اعلیٰ

---

[۵۱] اس تمہیدات کا نام ام الصحائف فی عین المعارف ہے۔ اس نادر کتاب کا ترجمہ مکتبہ منتہا کراچی سے شائع کیا جا رہا ہے۔

افضل عمدہ و برتر ہونے کا کافی ثبوت ہے کتاب میں چودہ کشف تحریر کئے گئے ہیں چنانچہ چودھویں کشف میں روح کا بیان ہے۔ درحقیقت جتنے عوارف واعلیٰ مضامین اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں وہ کسی اور کتاب میں نہیں ملتے۔ چودھویں کشف میں روح کی بابتہ لکھا ہے۔ سنو!

روح کا راز سربستہ تمام کائنات سے پوشید ہے۔ عقل وشعور یا چشم ظاہر کے ذریعہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ حکم الہٰی اَلرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی ۔ ترجمہ:۔ (روح دراصل اللہ کا حکم ہے) درحقیقت وجود روح کو ثابت کر رہا ہے۔ اور مَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ۔ ترجمہ (تم کو جو کچھ علم دیا گیا ہے) یہ طلب شہود سے انکار ہے روح اگرچہ اپنے آثار کے لحاظ سے ظاہر ہے لیکن عقل اس کی ماہیت سے ناواقف ہوتے ہوئے بھی اس کے جاننے کی شیدائی ہے۔ روح کی ماہیت وکیفیت کو کلام کے ذریعہ بتانا ناممکن ہے۔ حقیقت شناس کہتے ہیں کہ روح کو روح ہی شناخت کرتی ہے۔ روح کی اصلیت اس وقت معلوم ہوتی ہے جبکہ پروردگار عالم اپنے جمال کا نقاب اٹھا لیتا ہے اور پھر شمع عقل اس کی نور معرفت سے درخشاں ہو کر استفادہ کرتی ہے۔ روح درحقیقت انسان ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے۔ وَکُنْتُ بِالرُّوحِ لَا بِالْجِسْمِ اِنْسَانًا۔ ترجمہ:۔ (میں جسم کے ساتھ نہیں بلکہ روح کے ساتھ انسان ہوں) اور انسان رحمٰن کی صورت میں ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ ترجمہ (اللہ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ہے)

روح ایک نور ہے جو اللہ کے جمال سے درخشاں ہے جس آئینہ میں جو ہر قابل موجود ہوتا ہے وہ جمال خداوندی کو خود ہی قبول کر کے جلوہ ریز ہو جاتا ہے۔

روح کی بابتہ گفتگو کرنا ممنوع ہے کیونکہ اللہ نے تمام کائنات کو پیدا کیا ہے۔ روح کوئی مخلوق نہیں ہے اور اللہ کے سربستہ راز کو ظاہر کرنا کفر ہے۔

اے دوست آئینہ جس میں اپنی صورت دیکھتے ہو اس کی حالت یہ ہے کہ آئینہ تو درحقیقت موجود ہے اور جس میں دیکھنے والا صرف اپنی صورت دیکھتا ہے۔ بس اسی طرح روح بھی آئینۂ انسانیت میں پروردگار کا جمال ہے۔ اس ترکیب کے مدنظر جو کوئی اللہ کا جمال دیکھتا ہے وہ آئندہ کی راہ میں قدم رکھ سکتا ہے۔ اور جو شخص کہ آئینہ کے معرفت مدنظر دیکھتا ہے وہ اپنے دامن

کو لوث حدوث اور مخلوق ہونے کی مادیت سے آلودہ کرتا ہے۔ حدوث اور فنا ہونے کے میدان میں ظہور کو فنا ہے اس کی ویسی ہی مثال ہے جیسی آئینہ میں اپنی صورت دیکھنے والا کہ جب آئینہ کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو اس کی صورت بھی آئینہ سے الگ ہوجاتی ہے۔

اے دوست روح کے بارے میں اتنی مختلف کیفیات ہیں جو کسی دوسری چیز میں نہیں ہیں جو کوئی روح کو عرض کہتا ہے وہ پاگل و بیمار ہے۔ اور جس کا خیال یہ ہو کہ روح ایک جسم رکھتی ہے وہ بھی ناواقف اور جاہل ہے البتہ جو شخص یہ یقین رکھتا ہے کہ روح نام ہے ایک جوہر کا تو ایسے شخص کا دل دماغ بھی ایک حلقہ میں گرفتار ہے۔ جو شخص کسی طریقہ سے بھی روح کا کوئی نام تجویز کرے تو وہ اپنی واقفیت و معرفت ہی سے ناواقف ہے۔ کیونکہ معلوم کرنے کی تعریف ہی یہ ہے کہ کسی چیز کے معلوم کرنے سے عاجز رہنا ہی علم و درک ہے غرضکہ روح کو اگر کوئی دوسرا نام دیا جائے تو وہ نام صحیح اور درست نہیں ہو سکتا۔ بعض صوفیوں کا بیان ہے روح ایک لطیف چیز ہے جو اللہ سے شرما کر متفرق مقامات میں پھر رہی ہے۔ اور لطف یہ کہ اس کی زیادتی کے باوجود اس کی حقیقت کا بیان ناممکن ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ روح شراب ہے نہ پیالہ۔ بادل ہے اور نہ چاند بعض تحقیق کرنے والوں نے لکھا ہے کہ روح کو اعتباری طور پر سراجی و زجاجی ہی کہا جا سکتا ہے۔

سراجی بمعنی چراغ کی طرح اور زجاجی لالٹین کی طرح۔ عالموں نے اپنے کشف کے ذریعہ روح کو زجاجی کہا اور سراجی کیفیت سے کوئی سروکار نہیں رکھا بعض محقق کہتے ہیں کہ اللہُ نُورُ السموات والارض کے سراج کے سامنے ہزاروں اور لاکھوں لالٹینیں ہیں اسی ایک سراج سے یہ سب درخشانی عکس حاصل کر رہی ہیں۔ روح میں نور د و زیادتی اعداد سراج کے لحاظ سے نہیں بلکہ لالٹین کے اعتبار سے ہے۔

آفتاب ایک ہی ہے اور ہزاروں آئینہ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں یہی صورت لالٹین کی ہے جو اپنی صفائی کے مدنظر نباتات، حیوانات اور انسانوں کی صورت میں موجود ہے آفتاب جو مشرق سے نکلتا ہے اس سے زمین تین طرح کے اثرات قبول کرتی ہے۔ ایک تو سایہ جو دوری کی وجہ سے حائل ہوتا ہے۔ دوسرا اثر یہ کہ بغیر کسی چیز کے حائل ہوئے آفتاب کی روشنی کا اثر مرتب ہوتا ہے۔ اور تیسری چیز یہ کہ ہر صاف مقام آفتاب کا عکس قبول کر لیتا ہے اگرچہ یہ تمام کیفیاتی اثرات باہم دگر مختلف ہیں لیکن سورج کی تیزی میں کسی

قسم کا فرق نہیں کر سکتی ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ نباتات کی روح دراصل ایک سایہ کی مانند ہے جو واقع ہوتا ہے۔ اور حیواناتی روح کی مثال آندھی اور سخت گرمی کی مانند ہے جو بغیر کسی مزید حالات کے خود بخود نمودار ہو جاتی ہے۔

انسانی روح کی مثال عکس کی طرح ہے جو اپنی صفائی کی وجہ سے براہ راست آفتاب سے حاصل ہوتا ہے۔

اے بھائی یہ بہت بڑا راز ہے۔ تحقیق و تفتیش کی نظروں میں عکس ہی کو اصل شخص کہتے ہیں کیونکہ عکس تو کوئی اپنی علیحدہ ذات نہیں رکھتا بلکہ اصل شخص یا اصل چیز ہی کے سایہ کو عکس کہتے ہیں اور اس شخص میں بھی کوئی نور نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے وہ اصل چیز ہی کی حرکت وغیرہ کا عکس ہے اور جس طرح عکس و سایہ کو متعین و مقررہ وجود مانتے ہیں اسی طرح اصل چیز کا بھی متعین وجود تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور واللہ اس سے بلند و بالا ہے۔ عکس اگر درحقیقت عکس ڈالنے والی چیز ہی نہ رکھے تو اس کا عکس ہی نہ پڑے گا۔

بس اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کیسے اپنا جمال دکھاتا ہے اگر تم یہ سمجھو کہ انسانی روح باہم ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہے تو یہ بھی ناممکن اور غلط ہے کیونکہ اختلاف اور الگ ہونا یہ جوہر قابل کے لحاظ سے ہے ورنہ آفتاب تو ہر جگہ یکساں اپنی روشنی ڈال رہا ہے۔ جو ظرف جس قابل ہوتا ہے وہ اتنی ہی روشنی و حرارت حاصل کرتا ہے۔ اس لحاظ سے نوع انسان کے مدنظر تمام آدمی برابر نہیں۔ اور جب صاف مقام میں روشنی پڑتی ہے تو اس کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے نَفَخۡتُ فِیۡهِ مِن رُّوحِی کے الفاظ سے یاد کیا ہے اور اس معنی کے مدنظر فرشتے بھی احکام الٰہی کی ایک صورت ہیں اس واقعہ کے مدنظر انسانوں اور فرشتوں کی روح میں ستارہ اور چاند کی نسبت قائم ہوتی ہے۔

چاند اگرچہ اپنے ظہور میں کچھ فرق رکھتا ہے لیکن بہرحال اس کی رفتار میں ترقی ہی ہوتی رہتی ہے اس کے برخلاف تمام ستارے ایک ہی قسم کی روشنی رکھتے ہیں اور ان سب کا ظہور ایک ہی طرح ہوتا ہے۔ ان کی ہیئت میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ سب آفتاب کے دیدار سے بہت دور ہیں۔ یہی حالت فرشتوں کی ہے کہ وہ بھی کسی قسم کی ترقی نہیں کرتے جیسا کہ قرآن شریف میں مَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ۔ ترجمہ:- ہم میں سے ہر فرشتہ کا ایک مقام مقرر ہے جس سے آگے وہ نہیں بڑھ سکتا اور اسی لئے وہ دیدار الٰہی سے پس

پردہ رہتے ہیں ستارے کسی حالت میں بھی آفتاب کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور چاند سے کسی قسم کی روشنی حاصل نہیں کرتے کیونکہ چاند خود ہی روشنی نہیں رکھتا بلکہ وہ سورج کی روشنی کی وجہ سے روشن ہوتا ہے دل کے شہر میں کسی کی بادشاہت وخلافت پیدا کرو تو بآسانی سمجھ میں آجائے گا کہ روح کیا چیز ہے۔ وہ دل جس میں جوہر قابل موجود ہو وہ سمجھ سکتا ہے ممکن کو اسی وجہ سے ممکن کہتے ہیں کہ اس کا نہ ہونا مُسَلَّم و زیادہ قابل اعتبار ہے۔ ہر شخص نے اپنی اپنی سمجھ کے موافق روح کے سربستہ راز کو کشف کے ساتھ اشارۃً بیان کیا ہے اور اسے کوئی نہ کوئی نام دیا ہے۔ لیکن کشف کے ماہر و کامل کہتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ روح ایک لطیف چیز ہے جس کی ذات پوشیدہ اور اس کے آثار و حالات ہویدا ہیں وہ اپنے ساتوں[1] صفاتی تصرفات کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور جسم سے متعلق رہتی ہے۔ اور جب جسم سے علیحدہ ہوجاتی ہے تو زائل اور دور ہوجاتی ہے۔ ہم نے جو یہ تعریف کی ہے یہ دراصل اللہ تعالیٰ کے دنیا میں تصرفات کی ایک ظاہری صورت ہے جسے محسوسات یا عقل و شعور معلوم کرنے سے عاجز ہیں۔

اے عزیز روح کی کیفیت یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے پوشیدہ اور اپنی صفات کے اعتبار سے ظاہر ہے اسی طرح روح بھی ذاتی طور پر پوشیدہ اور اثرات کے لحاظ سے جسمانی زندگی پر اثر انداز ہے۔ جبتک جسم میں تصرف کرتی ہے موجود رہتی ہے اور جب جسم سے الگ ہوجاتی ہے تو زائل ہوکر چلی جاتی ہے۔ اس کی مثال اس دنیا میں پیش کرنا ہم سے ناممکن ہے۔ دل دنیا کا نمونہ ہے جسم کے تمام اعضاء اس کے رہین منت ہیں۔ اور یہی کیفیت دنیا میں نباتاتی اجسام کی ہے کہ ان میں روح ہے تو وہ زندہ ہیں۔ وگرنہ فنا ہوجاتے ہیں اسی مثال کے پیش نظر روح دراصل جمال خداوندی کا عکس ہی نہیں بلکہ سایہ کا سایہ ہے۔ اللہ نہ تو دنیا میں ہے اور نہ دنیا سے الگ۔ اسی طرح روح ہے کہ جب وہ کسی چیز میں آتی ہے تو موجود پائی جاتی ہے۔

اے عزیز! اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو جسے روح کہتے ہیں اگر جسم انسانی کے سپرد نہ کرتا تو اللہ کی معرفت ناممکن ہوتی اس نے پہلے پہل انسانی آئینہ میں اپنی صفات کو ظاہر کیا جس کے ذریعہ انسان نے اس کو پہچانا اور روح کو معلوم کیا۔ اللہ کے علم و ارادہ کی بدولت انسان

---

[1] سبع صفات حسب ذیل ہیں حیات۔ علم۔ ارادہ۔ قدرت۔ کلام۔ سمع۔ بصر۔ از مترجم

میں علم وارادہ جلوہ گر ہے اور اللہ کی قدرت حیات ہی کی وجہ سے انسان میں کام کرنے کی قدرت اور زندہ رہنے کی سکت پائی جاتی ہے۔ انسان کا سننا، بولنا۔ دیکھنا، چھونا غرضکہ ہر انسان کا کام دراصل اللہ کے علم وکارفرمائی کی وجہ سے ہے اسی لئے تو کہا گیا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اُس نے اللہ کو جان لیا۔ اور اسی ذوق کی وجہ سے چونکہ حسن کی صورت میں انسان جلوہ گر ہے اس لئے اس کی معرفت کے لئے بیانات کی ضرورت درپیش ہے۔

روح کی تجلیات سے پوری دنیا مبدا، ومعاد کے ساتھ سجی اور سنوری ہوئی ہے صوفیا نے روح کے بارے میں عجیب وغریب پُراسرار بیانات دیئے ہیں وہ مبداء خلق کو سر روح کہتے ہیں جو پروردگار کی قدوسیت وسبوحیت کا ازلی جمال ہے جس کو علم قوت بھی کہتے ہیں جس طرح آفتاب میں تنویر اور درخشانی کی قوت ہے اور نتیجۃً وہ چمکتا نظر آتا ہے۔ یہی کیفیت دل کے آئینہ کی ہے جس کے ظہور کے کئی طریقے ہیں۔ جس طرح چاند کو سورج روشنی پہونچاتا ہے اسی طرح دل کو منور کیا جاتا ہے۔ جو چیز جتنی صاف شفاف ہوگی اس میں اتنی ہی روشنی نظر آئے گی۔ یہی کیفیت روح کی ہے جو مبداء کے لحاظ سے ازلی اور معاد کے مدنظر جمالی ہے۔ لوگوں کے دلوں میں کفر وایمان نیک بختی وشقاوت بھی اسی وجہ سے ہے۔ جس طرح آفتاب کا نور چاند کی ابتدائی وانتہائی صورت میں جلوہ گری کرتا ہے اسی طرح ہر کمال کی طلب میں چند راز ہیں۔ سورج کی روشنی جس سے چاند روشن ہوتا ہے یہ سورج کی روشنی ہے۔ چاند علیحدہ جسم ہے اور سورج الگ چاند کی جگمگاہٹ کی وجہ سے کوئی شخص اس کو سورج نہیں کہتا حالانکہ اپنی حیات تابندگی میں مکمل طور پر سورج کا دست نگر ہے اور کوئی شخص چاند کو پورا سورج یا سورج کا کوئی حصہ نہیں کہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کائنات کی تمام چیزیں ایک دن فنا ہوجائیں گی معاد کا وجود بھی ازلیت کے ظہور کی وجہ سے ہے۔ اور حدوث وفنا اپنی وجود کے ظہور کے آخری درجے ہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہر چیز اللہ کے نور سے روشن اور زندہ ہے جسے میں نے ان اشعار میں قلمبند کیا ہے۔

گر از خودیٔ خویش بُروں آئی تو

در پردۂ توحید درون آئی تو

ورنہ از روشن چون دچرا بگزری
از خود شدہ بے چراغ چوں آئی تو[1]

سید یداللہ رح آپ حضرت میر سید محمد گیسو دراز رح کے پوتے اور اُن ہی کے خلیفہ تھے۔ عشق و محبت آپ کا مرغوب مسلک تھا۔

پیدائش ۸۱۱ وفات ۸۴۹ھ حکایت ہے سید یداللہ کم عمر تھے۔ ایک دن حضرت گیسو دراز رح نے مسح کرنے کے لئے اپنی ٹوپی اپنے سر سے اُتار رکھی تھی اتنے میں سید یداللہ آئے اور بچوں کی عادت کے موافق وہ ٹوپی اٹھا کر خود پہن لی یہ دیکھکر حضرت گیسو دراز رح نے فرمایا یہ خلعت مبارک ہو۔ اور الحمدللہ کہ امانت مستحق و اہل کو مل گئی۔

اس واقعہ کے بعد حضرت گیسو دراز جس کو مرید کرتے اسے سید یداللہ کی جانب رجوع کر دیتے البتہ ذکر کی خود ہی تربیت، تلقین دیا کرتے کہتے ہیں کہ سید یداللہ کو ایک عورت سے محبت ہو گئی تھی جس کی الفت برسوں تک چھپائے رہے آخر کار اس سے شادی کر لی شہر کے دستور کے موافق صبح تڑکے جلوہ ہوا۔ سید یداللہ رح نے اس عورت کے خوبصورت چہرہ کو دیکھا ہی تھا کہ اس عورت نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی اور جان جان آفریں کے حوالہ کر دی۔ شادی کی محفل غم سے بدل گئی۔ سید یداللہ رح نے اپنی بیوی کا سر پکڑا اور اس سے پہلے کہ یہ اُس کے پاس سنبھل کے بیٹھتے خود سید یداللہ رح نے بھی جان دیدی۔ دونوں کو برابر برابر دفن کیا گیا۔ اللہ کی دونوں پر رحمت ہو۔

شیخ پیارے آپ سید یداللہ کے مُرید اور حضرت گیسو دراز کے تربیت یافتہ تھے۔

پیدائش ۸۰۴ وفات ۸۶۲ھ کہتے ہیں کہ شیخ پیارے جب پہلے پہل حضرت گیسو دراز رح کے پاس آئے تو حضرت گیسو دراز رح نے پوچھا اے درویش تم نے کہیں عشق کیا ہے ؟ شیخ پیارے نے شرمندگی کے ساتھ بے تکلف کہا۔ بندہ عشق سیکھنے ہی کے لئے تو خدمت عالی میں حاضر ہوا ہے۔ مجھے کیا معلوم عشق کیا ہوتا ہے۔ جس پر حضرت گیسو دراز رح نے فرمایا

---

[1] حضرت مسعود بک رح کے مشہور خلیفہ سید السادات حنیف صاحب بیدر (دکن) میں اپنی عظیم الشان خانقاہ میں آرام فرما ہیں۔

اس دریافت سے تمہاری حالت کا امتحان اور تمہارے طور طریقہ کی کیفیت معلوم کرنا ہے۔ عشق کے میدان میں تم پر جو واقعہ گذرا ہے وہ کہہ ڈالو۔ حجاب وشرم نہ کرو۔ چنانچہ شیخ پیارے نے کہا ایک مرتبہ میں ایک ہندو عورت پر ریجھ گیا کسی طرح اس سے ملنے کا موقع ہاتھ نہ آتا تھا چنانچہ میں جنیو گلے میں ڈال کر اُس مندر میں گیا جہاں وہ پوجا پاٹ کرنے آتی تھی تاکہ اس کو جی بھر کے دیکھ سکوں۔ یہ سُن کر سید محمد گیسو دراز رح نے شیخ پیارے کو گلے سے لگایا اور فرمایا تم جیسا بلند ہمت مجھے کہاں ملے گا جس کو میں اللہ سے محبت کرنے کا طریقہ سکھاؤں تمہارا یہ کام بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایمان سے زیادہ اور کون چیز عزیز ہوسکتی ہے جسے تم نے محبت کی راہ میں صرف کر دیا۔ اب میں تم کو عشق حقیقی کی تعلیم دوں گا۔ چنانچہ شیخ فریدالدین شکر گنج رح کے کمرہ میں جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح کے روضہ میں ہے۔ شیخ پیارے کو مسلسل چلّے کرنے کا حکم دیا اور پھر انوار معرفت حاصل کرنے کے قابل بنا دیا۔ اس کے بعد حضرت گیسو دراز رح کے حکم پر شیخ پیارے سید یداللہ کے مرید ہوئے اور کوشش کر کے درجہ کمال تک پہونچ گئے۔

شاہ جلال رح گجراتی

شیخ پیارے کے مُرید اپنے زمانہ کے کامل بزرگ صاحب تصرف وکرامت تھے۔ اور ظاہر وباطن میں

پیدائش ۸۳۹ھ — وفات — ۸۹۹ھ بڑا مرتبہ ودرجہ رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ دراصل علاقہ گجرات کے رہنے والے تھے لیکن گور وبنگالہ میں قیام کے زمانہ میں شاہوں کی طرح رہتے اور بادشاہوں کی مانند احکام جاری کرتے تھے۔

بادشاہ گور کے دل میں غرض پرستوں نے وہم دلائے اور شک وشبہ پیدا کئے اس لئے اُس نے آپ کو شہید کرا دیا۔

حکایت ہے کہ قاتل آپ کی خانقاہ میں آئے اور خوں ریزی شروع کی۔ وہ جب آپ کے کسی مرید کو شہید کرتے تو آپ یا قہار و یا قہار فرماتے۔ لیکن جب آپ پر تلوار کا وار کیا تو آپ نے یا رحمٰن و یا رحمٰن کہا۔ اور یہی کلمہ یا رحمٰن و یا رحمٰن کہتے ہوئے جاں بحق ہوئے آپ کا سر جو زمین پر پڑا تھا وہ اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔ اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

شیخ محمد ملاوہ رح

لوگ آپ کو مصباح العاشقین کہتے تھے۔

پیدائش — ۸۰۲ وفات — ۹۰۰ھ پہلے پہل شیخ احمد راوتی کے مُرید ہوئے اور انہی

کی خدمت میں رہ کر ریاض و مجاہدے کئے۔ پھر آخر میں شیخ جلال گجراتی کے پاس پہونچے عشق و محبت کی نسبت ان کے ذریعہ حاصل کی۔ شیخ کامل اور صحیح الحال تھے قوالی اور وجد کے بڑے شوقین تھے۔

کہتے ہیں کہ ایک قوال آپ کے سامنے وہ چیز گارہا تھا جس میں فراق کا تذکرہ تھا۔ آپ کو ایسا وجد آیا کہ آپ کی روح نکلنے کو باقی رہ گئی۔ یہ حالت دیکھ کر اُس شخص نے جو آپ کی حالت سے واقف تھا قوال سے کہا وہ چیز شروع کرو جس میں قرب اور وصال کا مضمون ہو۔ چنانچہ دوسری چیز سنتے ہی آپ میں ایسی تازگی اور فرحت آگئی گویا ئے سرے سے آپ کے جسم میں جان پڑگئی ہے۔

اَلوَصْلُ یُحْیِی وَالفِرَاقُ یُمِیتُ۔ فَمَا زِلتُ فِی العِشقِ حَیًّا وَمَیِّتًا

ترجمہ:۔(وصل زندہ کرتا ہے اور فراق مارتا ہے۔ اور میں ہمیشہ عشق و محبت میں زندہ ہوتا اور مرتا رہتا ہوں)

گہ بلطفم می نوازد گہ بنازم می کشد   زندہ می سازد مرا آں شوخ و بازم می کشد

ترجمہ:۔(وہ کبھی مجھے اپنی مہربانیوں سے نوازتا ہے اور کبھی اپنے ناز و ادا سے کشتہ کرتا ہے۔ وہ شوخ مجھے زندہ کرتا ہے اور پھر مارتا ہے)

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگی اور گھر میں غلہ وغیرہ جو کچھ تھا سب جل کر خاکستر ہو گیا۔ غلہ کے انبار میں تھوڑے سے تخم ریزی کے دھان بھی رکھے ہوئے تھے وہ بھی جل گئے۔ جب تخم ریزی کا زمانہ آیا تو آپ سے ماجرا بیان کیا گیا کہ تخم ریزی کے جو دھان رکھے تھے وہ بھی نذر آتش ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا۔ ہم سوختہ سامان کے پاس جلے دھانوں کے سوا اور کیا رہے گا؟ اس کے بعد تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور مناجات میں کہا اے اللہ! تو ہمیشہ اپنی حکمت کے موافق کام کرتا ہے اس مرتبہ اپنے بندہ کے واسطہ اپنی قدرت ظاہر کر۔ اے اللہ میرے پاس جتنے دھان تھے وہ سب تیرے حکم کے موافق نذر آتش ہو گئے۔ اب میرے پاس دھان کی تخم ریزی کے لئے کوئی دانہ نہیں ہے۔ بتا اب میں کیا کروں۔

کہتے ہیں اس سال ان کے کھیتوں میں اتنے زیادہ دھان پیدا ہوئے جنہیں دیکھ کر بادشاہ وقت سلطان سکندر نے اللہ کے حضور سجدہ شکر کرتے ہوئے کہا میری مملکت

میں ایسے اللہ والے بھی موجود ہیں کہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

حکایت ہے کہ ایک دن شیخ محمد ملاوہ قوالی سنتے ہوئے وجد کر رہے تھے اس زمانہ کا ایک رئیس ہندو سردار اس راستہ سے گزرا اور تماشا دیکھنے کے خیال سے اُس نے آپ کے کمرہ کی کھڑکی میں سر ڈالا۔ جہاں آپ وجد کر رہے تھے۔ وجد کی حالت میں آپ کے چہرہ کو دیکھتے ہی اُس نے اپنے ہندو ساتھی سے کہا "مجھے گھسیٹ لو ورنہ چلا"۔ چنانچہ اُس کا ہندو ساتھی اس کو کھڑکی سے گھسیٹ کر بدقت اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ ہندو سردار عرصہ تک بے خود سا رہا۔ پھر جب اُسے ہوش آیا اور اُس کے دوست احباب نے واقعہ پوچھا تو اُس نے کہا۔

یہ مسلمان' خدا کو اپنی گود میں لئے ناچ رہا تھا۔ اگر تم لوگ مجھے اس کھڑکی میں سے باہر نہ گھسیٹ لیتے تو میں اس کی طرف چل دیا تھا اور اس کے پاؤں پر گر کر اس کے مذہب میں شامل ہو گیا ہوتا۔

عاشق گرد و ہر کہ بکویت گذر رو آرے ز درو بام تومی بارو عشق

شیخ محمد ملاوہ نے ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔ علاقہ قنوج کے مشہور قصبہ ملاوہ میں آپ کا مزار ہے۔ اکثر لوگ آپ کے مُرید و خلیفہ ہوئے۔

مصنف کتاب اخبار الاخیار کے دادا علامہ شیخ سعداللہ بھی شیخ محمد ملاوہ کے مُرید تھے اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ سعد اللہ

شیخ محمد ملاوہ کے مُرید تھے۔ سلطان سکندر کے زمانہ میں جب شیخ محمد ملاوہ دہلی آئے تو آپ کی خدمت میں

پیدائش۔ ۸۵۱ وفات ۹۱۷ھ شیخ سعداللہ عرصہ تک آتے جاتے اور خدمت کرتے رہے۔

شیخ سعداللہ مرحوم نے اپنے پیرو مرشد سے درد و عشق اور محبت و ثابت قدمی کے سبق حاصل کئے۔

آپ اس فقیر بیچدان مصنف کے بڑے چچا تھے۔

شیخ رزق اللہ

مشتاق تخلص کرتے تھے۔ شیخ محمد ملاوہ کے مُرید تھے اور پیرو مرشد کی بھی آپ پر خاص عنایت تھی۔ شیخ رزق اللہ

پیدائش۔ ۸۹۷ وفات ۹۸۹ھ مردِ کامل و فاضل عارف و نوادرِ روزگار اور بزرگوں

کی یادگار تھے۔ ظاہری وباطنی فضائل کا مجموعہ ہونے کے ساتھ مسلک عشق ومحبت سلامتی عقل، بلند حوصلہ، مشکلات پر صابر وشاکر۔ دوام حضور اور استقامت احوال میں یکتائے روزگار تھے۔ بانوے سال کی عمر میں بھی ذوق عشق و درد محبت جوان تھا۔

مصرعہ

من اگر پیر شدم عشق جوان است ہنوز

آپ کے شایان شان تھا۔ جو کوئی آپ سے ملاقات کرتا اُس سے ایسے ایسے معارف آمیز اور محبت والے رموز و اسرار کہتے جو وجد و ذوق والے بیان کرتے ہیں جس کے سننے سے مسرتیں چھا جاتی تھیں۔ شیریں بیانی و خوش فکری کے ساتھ قصے، مشائخین کے حالات، ہندوستانی بادشاہوں کی تاریخ بڑے اچھے انداز میں بیان کرتے تھے۔ آپ جیسے بزرگ بہت کم ہوئے ہیں۔ آپ گفتگو نہایت اطمینان کے ساتھ شیریں اور لطیف انداز میں کیا کرتے۔ محبت کی باتیں نہایت ذوق وشوق سے کہتے اور سنتے تھے اور اس وقت باچشم نم آپ کی ایک خاص حالت ہوتی تھی۔ آپ نے بے انتہا سفر کئے۔ لوگوں کی صحبت حاصل کی آپ تجربہ کار بزرگ تھے۔ آپ کی ہمیشہ فقیروں، غریبوں اور مشائخین سے خوب گرما گرم صحبتیں جاری رہیں۔ ہندی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے۔ مدت تک ہندی زبان میں اشعار کہے۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ پہچان اور جوت ونرنجن بہت مقبول اور مشہور ہے۔ ہندی زبان کی شاعری میں راجن اور فارسی میں مشتاق تخلص کرتے تھے بشہ ۹۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰ ربیع الاول ۹۸۹ھ میں انتقال کیا۔ مصنف اخبارالاخیار نے آپ کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

قطعہ

مخدومی عارف زمان مشتاقے ۔۔۔ وے گفت بوقت نقل مشتاق حقم

حقے چو بتاریخ وفاتش نگریست ۔۔۔ نوک قلمش ہماں سخن کرد رقم

اللہ آپ پر اور ہمارے تمام بزرگوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ آمین۔

شیخ ابوالفتح جونپوری

پیدائش ۷۷۲ھ ـــ وفات ـــ ۸۵۸ھ

اپنے دادا قاضی عبدالمقتدر کے شاگرد اور مُرید تھے۔ اپنے دادا ہی کے طریقہ پر گامزن رہے۔ زبردست فاضل اور عقلمند تھے۔ اور انہی کی وصیت کے موافق ہمیشہ پڑھانے اور عوام کو فائدہ پہونچانے میں مشغول رہے۔ عربی زبان میں قصائد اور

فارسی میں اشعار کہتے تھے۔

قاضی شہاب الدین سے اصول علم کلام اور فقہی مسائل میں اکثر مناظرے اور بحثیں ہوئی ہیں۔ کالی بلی کے پسینہ کو قاضی صاحب پاک اور شیخ ابوالفتح ناپاک کہتے تھے۔ فقہی مسائل میں آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں. آپ کی اولاد میں سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شیخ ابوالفتح موالیوں کی طرح بدزبان تھے دشمنوں کو گالی گلوچ دیتے اور اُن پر غضبناک ہوجاتے تھے بہت ممکن ہے کہ مباحثہ کی صورت میں ان کی خود یہ حالت ہوجاتی ہو یا وہ دیدہ ودانستہ دشمنوں کو بُرا کہتے ہوں۔ اس کو اللہ ہی جانتا ہے۔ مشہور ہے کہ ان کے گھر میں سونے کی بارش ہوا کرتی تھی۔ اگرچہ یہ کہاوت عام لوگوں کی زبان زد ہے لیکن اُن کے کسی خلیفہ نے یہ بات نہیں کہی اور انھوں نے اپنی کسی تصنیف میں بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ان کی اولاد بھی اس واقعہ کی تصدیق نہیں کرتی۔ البتہ ان کی اولاد میں سے شیخ عبدالوہاب جو بڑے بزرگ آدمی ہیں ان کا بیان ہے کہ شیخ ابوالفتح نے اپنے دادا قاضی عبدالمقتدر کے ملفوظات جمع کئے ہیں جس میں لکھا ہے کہ قاضی شاہ جو قاضی عبدالمقتدر کے خلیفہ تھے انھوں نے ایک مرتبہ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی کے پاس حاضری دی اور کہا کہ میں ایک دن قاضی عبدالمقتدر کے پاس گیا اُن کے گھر میں تین دن سے فاقہ تھا جس کا تذکرہ بھی قاضی صاحب نے مجھ سے کیا۔ چنانچہ میں اُن کے پاس سے اُٹھ کر باہر آیا۔ غم والم اور پریشانی کے عالم میں ابھی میں اُن کے گھر ہی میں کھڑا تھا کہ بندہ بیس کانی سکہ رائج الوقت کی آسمان سے مجھ پر بارش ہوئی۔ میں نے ان چاندی کے سکوں کو اٹھالیا اور وہ سب لیے قاضی صاحب کے پاس واپس گیا۔ اور ان کی خدمت میں پیش کردیئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ اس پر وہ سخت غضبناک ہوئے میں نے بے انتہا عاجزی کی کہ یہ سب قبول فرمائیے یا ان میں سے تھوڑے سے لے لیجئے لیکن جتنا میں نے اصرار کیا اتنا ہی اُن کے غصہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور انھوں نے اس میں سے کوئی سکہ قبول نہیں کیا نقری سکوں کی آسمانی بارش یہ دراصل قاضی عبدالمقتدر کی کرامت تھی کہتے ہیں کہ بعد کو قاضی عبدالمقتدر کے معتقدوں نے قاضی شاہ سے وہ نقرئی سکے ایک بڑی رقم کے عوض خرید لئے۔

شیخ ابوالفتح پہلے تو دہلی میں رہا کرتے تھے لیکن امیر تیمور کے ہنگامہ میں دہلی کے دوسرے بزرگوں اور بڑے لوگوں کے ساتھ جونپور گئے۔ اسی افراتفری کے زمانہ میں قاضی شہاب الدین بھی دہلی سے جونپور پہونچے. شیخ ابوالفتح ۱۳ا۔ محرم ۸۰۰ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے اور

بروز جمعہ بتاریخ ۱۳- ربیع الاول ۸۵۸ھ میں وفات پائی۔ اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ تقی رح

کڑہ مانکپور میں رہا کرتے تھے۔ پیشہ مداحی تھا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو تقویٰ، برکتیں اور کرامتیں دی تھیں۔

پیدائش ــــــ وفات ۸۹۸ھ آپ کا نام لینے سے حشرات الارض کے کاٹے کا زہر فوراً اُتر جاتا ہے۔

سانپ پکڑنے والوں میں مشہور ہے کہ آپ کا نام خاص طور پر سانپ کے کاٹے کا زہر اُتارنے کے لئے بڑا ہی زود اثر ہے۔

سید شمس الدین ظاہر رح

شیخ نور الدین قطب عالم کے مُرید اور بہت بڑے بزرگ تھے۔ شہر نہرور میں رہا کرتے تھے۔

پیدائش ۵۹۱ ــــ وفات ــــ ۷۴۱ھ تھے۔ بہت بوڑھے تھے۔ عمر ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال کی تھی۔ خواجہ معین الدین چشتی رح کے معتقد تھے اور اُن ہی سے محبت رکھتے تھے۔ اس بڑھاپے کے باوجود اجمیر کے کسی گلی کوچہ میں آپ نے ناک کی ریزش نہیں پھینکی اور کسی جگہ تھوکا نہیں۔ پیشاب و پاخانہ کا تو ذکر ہی کیا۔ آپ شہر میں بغیر طہارت داخل نہ ہوتے۔ آپ نے اپنی ڈیڑھ سو سالہ عمر کے دوران بارہ شہروں میں سکونت کی۔ آپ جب شہر میں آتے تو پوری طہارت کے ساتھ آتے تھے۔ جب وضو کی ضرورت ہوتی تو فوراً شہر سے باہر چلے جاتے تاکہ شہر میں وضو نہ ٹوٹ جائے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ عبد اللہ شطاری

شیخ شہاب الدین سہروردی رح کی اولاد میں تھے ظاہری و باطنی دبدبہ و شوکت کے مالک تھے

پیدائش ۱۵۰۶ء ــــ وفات ــــ ۱۶۰۱ء اپنے وقت کے زبردست مُرشد تھے سلسلۂ شطاریہ کے مخصوص و مشہور اشغال واذکار کی تلقین کرتے رہنے میں یگانہ تھے۔ مشہور ہے کہ وہ نقارہ بجا کر آواز لگایا کرتے تھے جو طلبگار ہو وہ آجائے تاکہ اُسے اللہ کا راستہ بتادوں جب مجلس میں بیٹھتے تو ہر طرف دیکھنے کے بعد کہتے یہاں کوئی تختہ سیاہ یعنی بدعقیدہ اور شک و شبہ کرنے والے لوگ نہ رہیں تاکہ اللہ کی باتیں کہی جا سکیں۔ آپ نے اپنے مشہور رسالہ شطاریہ میں طریقہ شطاریہ کے اذکار و اشغال و مراقبے لکھے ہیں۔ رسالہ کی ابتداء میں شیخ شہاب الدین سہروردی رح تک اپنا سلسلہ نسب بھی درج کیا ہے۔

شیخ نجم الدین کبریٰ تک پانچ واسطوں کے ذریعہ آپ کا سلسلہ ارادت پہونچتا ہے۔
کہتے ہیں کہ جب کوئی طلبگار آپ کے پاس آتا تو اس کے عقل وحواس کا امتحان لینے کے لئے اس کے پاس ایک روٹی دوسری کھانے کی روٹیوں کے ساتھ بھیجتے اور ایک آدمی مقرر کرتے جو یہ دیکھتا رہے کہ اُس نے یہ روٹی دوسرے کھانے کی روٹیوں کے ساتھ کھائی ہے یا ایک روٹی چھوڑ دی ہے۔ اگر وہ سب کھا لیتا تو یہ اس کی دانائی کی علامت تصوّر کرتے تھے۔ اور اس کو باطنی ذکر وشغل کے لئے کوئی چیز عنایت فرماتے۔ اور اگر یہ دیکھا جاتا کہ اُس نے ایک روٹی چھوڑ دی ہے تو اس کے حالات کو غیر مضبوط اور اس کو بے خبر قرار دے کر کوئی وظیفہ یا دُعا جو ظاہری حالت سے متعلق ہوتی سکھا دیا کرتے تھے۔
آپ کا مزار قلعہ مندو میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

شیخ حسام الدین مانکپوری

شیخ نورالدین قطب عالم کے مُرید وخلیفہ اور اپنے وقت کے بڑے مشائخ تھے۔

پیدائش۔ ۱۳۴۱ء — وفات — ۱۴۴۹ء

علم شریعت و طریقت کے عالم تھے۔ رفیق العارفین آپ کی ملفوظات ہے جسے آپ کے مُریدوں نے اکٹھا کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے مریدوں کی پیروں سے متعلق وہی مثال ہے جیسے کپڑے میں پیوند۔ لیکن سچا پکا مُرید جو اپنے پیر کے کہے پر عمل کرتا ہے اس کی مثال اُس پیوند کی طرح ہے جو اصل کپڑے کے دُھلنے کی وجہ سے کپڑے کے ساتھ خود بھی بالکل سفید ہو جاتا ہے۔ جو فیض پیر کو حاصل ہوتا ہے وہ اس مرید کو بھی مل جاتا ہے۔ اور اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اور جو کوئی اپنے پیر و مرشد کے کہے پر عمل نہیں کرتا وہ رسمی و رواجی مُرید ہے۔ یعنی وہ مرید ایک سفید کپڑے میں سیاہ پیوند ہے۔
اگرچہ پیر و مرشد کا فیض اُس کے نافرمان مرید پر بھی ہوتا ہے لیکن اس کو اتنا فائدہ نہیں پہونچتا جتنا نفع ہونا چاہیئے تھا فیض رسانی کی دولت کوئی معمولی بات نہیں ہے ہر ایک پیر و مرشد میں فیض رسانی کی قوت و طاقت پوری طرح موجود رہنی چاہیئے۔
حکم ہوا ایک مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک مینڈک پُھدکتا ہوا مجلس کے قریب آ گیا۔ یہ دیکھ کر ایک عقلمند اس مینڈک کے پاس سے بھاگ کھڑا ہوا جس پر لوگ ہنسنے لگے اور انھوں نے پوچھا تم مینڈک سے کیوں ڈرتے ہو؟ اس عقلمند نے

کہا مینڈک سے میں نہیں ڈرتا البتہ اس بات سے ڈرتا ہوں کہ اس کے پیچھے کوئی سانپ آرہا ہو اسی طرح اگر کوئی درویش کمزور ہو اور اس کا سلسلہ نہایت مضبوط ہو تو اُس سے ڈرنا چاہیئے کہ اُس کمزور درویش کے وجد وغیرہ کرانے کے ذریعہ اُس کے تمام شیخ و پیر مغموم و رنجیدہ ہوجائیں گے۔

حکم ہوا۔ اپنے سر پر صافہ باندھنے اور خود رکھنے سے روتے رہنا زیادہ اچھا ہے۔

ایک اونٹ کو جنگل میں چرتا دیکھ کر ایک چوہے نے کہا اے اونٹ تم کسی کے ہو رہو اونٹ نے جواب دیا۔ میں تمہارا ہو گیا۔ ایک دن وہ اونٹ درخت کے ہرے ہرے پتے کھانے لگا تو اس کی نکیل ایک درخت میں پھنس گئی اور اونٹ عاجز ہو گیا۔ اُس نے اس بُرے وقت میں چوہے کو یاد کیا چنانچہ وہ چوہا اپنے دوسرے چوہوں کے ساتھ آیا۔ سب نے مل کر درخت میں پھنسی ہوئی رسی کُتر دی اس طرح اونٹ نے نجات پائی۔

یقیں میداں کہ شیرانِ شکاری   دریں رہ خواستند از مور یاری

حکم ہوا سالک ذکر و اشغال کے ذریعہ عاشق بن جاتا ہے اور فکر کرتے کرتے عارف ہوجاتا ہے۔

حکم ہوا۔ اللہ کی برکتیں اچانک ہوتی ہیں اور دل آگاہ تک جا پہونچتی ہیں۔ اس لئے سالک کو منتظر رہنا چاہیئے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

حکم ہوا۔ نزاق کہاں ہے؟ وہ خود موجود ہے یا اس کا نور یا اس کا پرتو نور موجود ہے۔

حکم ہوا۔ ایک درویش دوسرے درویش کے پاس گیا جو اس کو اپنے گھر میں لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد آنے والے درویش نے اللہ کہا۔ یہ دیکھ کر گھر کے مالک نے اپنی بیوی کے منہ کے سامنے پردہ کھینچ دیا بیوی نے خاوند سے اتنی دیر بعد پردہ کرنے کا سبب پوچھا تو خاوند نے کہا جب یہ درویش آیا تھا اُس وقت اسے کچھ خبر نہ تھی اور یہ اپنا تھا لیکن جب اُس نے یا اللہ کہا تو بیگانہ اور غیر ہو گیا کیونکہ یہ بےخودی سے ہوش میں آگیا ہے۔

حکم ہوا۔ خلافت ملنے کے بعد سات سال تک میں فقیر رہا اور فاقہ کرتا رہا جب بھوک ستاتی تو پانی پی لیتا اور ذکر الٰہی میں مشغول ہوجاتا ایک دن میرا ایک لڑکا بھوک سے نڈھال ہو کر میرے پاس آیا اور رونے لگا اس وقت میری زبان سے صرف یہ نکلا۔

مصرعہ

اے عجبا چوں توئی ہمچو منے را نہ بس

اس پر ایک شخص نے کھانے کا ایک بھرا ہوا خوان بھیجا جس نے کبھی کوئی چیز نہیں دی تھی اور ایک دوسرے شخص نے تقریباً چالیس من ماش بھیجے۔ اس سے مجھ کو بے انتہا پشیمانی ہوئی کہ اس امداد کے لئے میری زبان کیوں کھلی؟ اپنی اس خواہش طلب پر میں اپنی ذات کو عرصہ تک مارتا پیٹتا رہا۔

حکم ہوا۔ مجھے اکثر کتابیں زبانی یاد تھیں لیکن جب پیر و مرشد کے پاس پہونچا تو سب کچھ بھول گیا۔ لیکن کتابی علوم کی بہ نسبت اب بدرجہا بہتر علم کا مالک ہوں جس کے ذریعہ ہر چیز اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا اگر کوئی چاہے تو میں فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کو سلوک کی زبان میں کہہ سناؤں گا۔ اس کے بعد فرمایا کہ والد بزرگوار مجھ سے پہلے پہل ناراض تھے کہ میں نے پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا ہے۔ یہ بات جب میرے پیر و مرشد قطب عالم تک پہونچی تو انھوں نے فرمایا فقیر کی یہ خواہش ہے کہ وہ اپنا مطیع رہے اور عقلمند کی آرزو یہ ہے کہ ہوش و حواس جمع رکھے۔ لیکن جوان مرد اور باہمت وہ ہے جو دونوں کام کرتا ہے۔ اس کے بعد میں کچھ کچھ بیان کرتا رہا لیکن اپنا کہا ہوا خود مجھے یاد نہیں ہے۔ کہتے وقت سوچ کر کہتا اور سمجھ کر جواب دیتا تھا لیکن اس کے بعد سے پانی اتر گیا اور مرد اپنے حال پر آگیا۔ مستی اور جذبہ کا یہ عالم ہوا کہ اللہ اللہ کہنا بھی دشوار ہو گیا۔ میں جب اللہ اکبر کہتا تو بے تاب ہو کر اتنا تڑپتا کہ دیکھنے والے افسوس کرتے اور کہتے یہ نوجوان بڑا ہی سمجھ دار اور عقلمند تھا ہائے دیوانہ ہو گیا

اس عالم میں پیر و مرشد قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوا جو ہر منزل میں خواب میں کہتے میں تمہارے ساتھ ہوں۔ درخ نہ کرد منزل بہ منزل چلتے چلتے جب کشتی میں سوار ہوا تو میرے ساتھ ایک گدڑی والا فقیر بھی سوار ہوا۔ جب کشتی کنارہ پر پہونچی تو وہ فقیر پانی میں کود گیا اور کسی کو اس کا حال نہ لگا اس کے بعد جب میں نے پنڈوہ پہونچکر پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری دی تو اس گدڑی والے فقیر اور پیر و مرشد کی صورت یکساں پائی۔

راہ دانی کہ ملائک سپے اند   در رہ کشف نہ کشفے کم نیند

حکم ہوا۔ میں ابتدا۔ صبح سویرے روزانہ پندرہ سپارے پڑھتا پھر نماز چاشت تک وظیفے پورے کرتا۔ تفسیر مدارک میرے پاس رہتی جب کسی لفظ کے مطلب و معنی سمجھنے میں دقت ہوتی فوراً تفسیر اٹھا کر دیکھ لیتا۔ اس طرح تلاوت قرآن شریف میں بڑا ہی لطف آتا تھا۔ ایک دن غیب سے آواز آئی خوب پڑھتے ہو اسی طرح پڑھتے رہو۔

حکم ہوا۔ اگر کوئی مقام قطبیت میں پہونچ جائے تب بھی وہ تلاوت قرآن شریف نہ چھوڑے اور کم سے کم ایک سپارہ تو ضرور ہی پڑھتا رہے۔
حکم ہوا۔ درویش کے پاس چار چیزیں ضرور ہونی چاہئیں دو درست و صحیح اور دو ٹوٹی ہوئی دین و یقین درست اور پاؤں و دل شکستہ۔
حکم ہوا لالچ کرنا بیماری ہے۔ دست سوال دراز کرنا نزع وسکرات ہے اور دینے والے کو روکنا موت ہے۔
حکم ہوا۔ دنیا سایہ کی طرح ہے۔ اور آخرت کی مثال آفتاب کی مانند۔ کوئی شخص کتنا ہی سایہ کو پکڑنا چاہے کبھی نہیں پکڑ سکتا ہاں جو کوئی روشنی میں چلتا ہے وہ اپنے سایہ کو ساتھ ساتھ لئے چلتا ہے۔
حکم ہوا۔ ایسے میٹھے نہ ہو کہ مکھیاں چٹ کر جائیں۔
حکم ہوا۔ سب سے مل جل کر رہو اور کسی سے بھی کٹے نہ رہو۔
حکم ہوا۔ مرید ہونے کے بعد کوئی اپنے پرانے دشمنوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرے کیونکہ وہ بھٹکا کر تمہاری راہ میں خلل ڈالیں گے۔ اور دہلیز پر بھی بر سر راہ نہ بیٹھے ورنہ شیطان صفت لوگ آکر راستہ سے ہٹا دیں گے۔

مولانا جلال الدین مانکپوری رح

آپ شیخ حسام الدین مانکپوری کے دادا تھے۔ بڑے عالم، عابد صابر اور پرہیزگار تھے۔

پیدائش ۱۲۳۱ء ——— وفات ——— ۱۳۲۵ء کہتے ہیں کہ نماز عشاء پڑھنے کے بعد آپ اس وقت تک آرام کیا کرتے جب تک عام طور پر لوگ جاگتے رہتے ہیں۔ جب لوگ سو جاتے تو آپ اُٹھ کر فجر کی نماز تک عبادت کرتے اور نفل پڑھا کرتے تھے روزانہ اکتالیس مرتبہ سورۂ یٰس پڑھتے۔ اور نماز چاشت کے بعد لوگوں کو مذہبی علوم پڑھایا کرتے۔ کتابت آپ کا ذریعہ معاش تھی۔ قرآن شریف لکھ کر دہلی بھیجتے جو پانچسو ٹنکہ میں ہدیہ ہوتا۔ بغیر وضو کئے ہاتھ میں کبھی قلم نہیں لیتے تھے جس زمانہ میں چوروں اور ڈاکوؤں کا شہر میں زور شور ہوتا تو آپ اس خیال سے گوشت نہ کھاتے کہ شاید یہ چوری کے جانوروں کا گوشت ہوگا۔
حضرت نظام الدین اولیاء رح کے خلیفہ شیخ محمد رح کے آپ معتقد تھے۔ شیخ محمد رح بزرگ تھے جو بادشاہوں جیسا لباس زیب تن کرتے۔ سرمایہ داروں کی طرح رہتے

بادشاہوں کے پاس آمد و رفت کیا کرتے تھے۔

حکایت ہے ایک مرتبہ شیخ محمدؒ مانکپور پہونچے ان سے ملنے کے لئے شہر کے قاضی اور ان کے صاحبزادے بھی آئے اور اپنے دل میں کہا اگر یہ شیخ محمد ہمارے لئے مصری منگوادیں توہم ان کو صاحب کشف وکرامت جانیں۔ اُدھر شیخ محمدؒ نے کہا اے مولانا جلال الدین! کچھ لوگ ہمارا امتحان لینے آرہے ہیں۔ تم تھوڑی سی مصری لے آؤ۔

قاضی صاحب وغیرہ جب حاضر خدمت ہوئے تو انھوں نے اپنی نیت کے موافق مصری موجود پائی۔ یہ دیکھ کر شرمندہ ہوئے اور قاضی شہر نے کہا والاجناب غریب خانہ میں مہمان بن کر میزبانی کی عزت سے سرفراز فرمائیں اس پر شیخ محمدؒ نے فرمایا۔ چالیس سال ہوئے کسی قاضی کے گھر کھانا نہیں کھایا ہے۔ جب یہ دیکھا کہ اس جملہ سے قاضی شہر دل شکستہ ہوئے تو ارشاد ہوا آپ کے صاحبزادہ کی محکمہ انصاف (جج سکشن) سے پنشن وغیرہ کچھ مقرر ہے؟ قاضی صاحب نے جواب دیا جی نہیں۔ تو فرمایا یہ لڑکا اپنی ملکیت سے کھانا فراہم کرے تو ہم ضرور کھائیں گے۔

مولانا خواجہؒ

شیخ حسام الدین مانکپوری کے والد بزرگوار تھے۔ بڑے مشہور عقلمند اور پرہیزگار تھے۔ اکثر اوقات فاقے کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے تین دن سے فاقے ہورہے تھے۔ ایک شخص کوئی فتویٰ لینے آیا اور ساتھ ہی تھوڑا سا سونا بھی بطور نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے فتویٰ اس کے حوالہ کیا اور سونا اس کو واپس کردیا۔ اس پر آپ کے گھر والے آپ پر بڑے ناراض ہوئے۔

بیدائش۔ ۱۳۰۲ء وفات ۱۴۰۹ء

مغرب کی نماز کے وقت ملک علین الدین مانکپور آئے تھے۔ ایک دُعا کے الفاظ سمجھنے میں انہیں کچھ دقت ہوئی۔ پوچھا یہاں کوئی عالم ہیں؟ مصاحبوں وغیرہ نے کہا جی ہاں مخدوم مولانا خواجہ ایک عقلمند ہیں پھر مولانا کو بلوا کر اپنی پیش آمدہ مشکلات دور کیں۔ اور جتنی نقدی کہ پہلے والا فتویٰ پوچھنے والا شخص لایا تھا اتنے ہی زر نقد کے ساتھ کپڑے اور کھانے کی چیزیں اضافہ کرکے مولانا خواجہ کی خدمت میں پیش کیں۔ مولانا نے گھر واپس ہو کر اپنے گھر والوں سے کہا میں نے ہمت کرکے جب مشکوک مال واپس کردیا تو اللہ نے مجھے وہی مال حلال طریقہ سے حاصل کیا ہوا عنایت کیا۔

شیخ کالو رح آپ شیخ حسام الدین مانکپوری کے مُرید و خلیفہ تھے آپ کا اصلی نام اگرچہ شیخ کمال تھا لیکن شیخ کالو کے لقب سے مشہور تھے پیدائش ۱۳۸۹ء وفات ۱۴۵۰ء بہت بڑے بزرگ اور صاحب ریاضت تھے۔ آپ کا مزار کترہ (مانکپور) میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

مولانا شیخن رح حافظِ قرآن شریف تھے اور مانکپور میں گوشہ نشین رہے۔ بے انتہا لوگ آپ کے پاس آتے تھے۔ جو کوئی آپ کے لئے کھانا پیدائش ۱۳۸۲ء وفات ۱۴۴۲ء لاتا تو اس میں سے ایک لقمہ تناول کر کے باقی اسی کو واپس کر دیا کرتے۔

جب کوئی کاشتکار آپ کے پاس آتا تو فرماتے تمہارے جانور اچھے نہیں اور کھیتی باڑی ٹھیک ہے۔ شیخ حسام الدین مانکپوری رح کا بیان ہے میں نے مولانا شیخن سے پوچھا تم یہ کیا باتیں کہتے ہو؟ مولانا شیخن نے جواب دیا ان بیچاروں کو علم سلوک و دیگر علوم سے کیا واسطہ۔ ان کی متعلقہ چیزوں کی دریافت سے یہ خوش ہو جاتے ہیں اور اپنے گھر جا کر فخر سے کہتے ہیں کہ مخدوم نے ہم سے یہ پوچھا اور یہ فرمایا۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ علی پیرو رح علاقہ گجرات میں تھے صوفی توحید پرست عالم تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کامل تھے۔ نہایت عمدہ اور کارآمد کتابوں کے مصنف و مولف تھے۔ آپ کی تفسیر تفسیر رحمانی جو مختصر اور پُر تحقیق ہے جس میں قرآن کریم سے امتزاج دیا ہے زواد ف شرح عوارف بھی آپ کی تصنیف ہے۔ فصوص الحکم کی شرح لکھی ہے جس میں ظاہر و باطن کو مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ رسالہ ادلۃ التوحید بہت ہی مختصر اور پاکیزہ مضامین کا حامل ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اکثر کتابیں آپ نے تصنیف کی ہیں۔ رسالہ ادلۃ التوحید میں عقلی و قطعی دلائل جن میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے بڑے ہی دلچسپ طور پر تحقیق و باریک بینی کے ساتھ سپرد قلم کئے ہیں۔ اس رسالہ کے شروع میں آیات و احادیث لکھی ہیں جو نفس مضمون پر کافی روشنی ڈالتی اور ان کے مطالب کو واضح کرتی ہیں جیسا کہ لکھا ہے یہ وہ دلائل توحید ہیں جو منکرین کے دلوں پر سے تردید کے پردے اٹھاتی ہیں۔ اور تقلید کے شبہے قرآن مجید کی ان آیات سے دور ہو جاتے ہیں
فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ۔ ترجمہ:۔ (تم جدھر رُخ کرو ادھر

اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا علم نہایت وسیع ہے) سَنُرِیْهِمْ آیٰاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ ترجمہ:۔ (دنیا اور ان کے نفوس میں ہم اپنی علامات دکھاتے ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ پروردگار ہی حق ہے)

اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ترجمہ:۔ (پروردگار عالم کی شہادت کے لئے یہ بہت کافی ہے کہ وہ ہر چیز پر گواہ ہے)

اَلَا اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ۔ اَلَا اِنَّهُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ۔

ترجمہ:۔ (وہ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہیں۔ اچھی طرح جان لو کہ اللہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ

ترجمہ:۔ (اللہ تعالیٰ ہی اول و آخر، ظاہر و باطن میں ہے اور وہی ہر چیز کو جانتا ہے)

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ

ترجمہ:۔ (ہم تم سے تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں)

وَهُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ۔ ترجمہ:۔ (تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے)

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ

ترجمہ:۔ (کائنات میں جو کچھ ہے سب فنا ہو جائے گا اور پروردگار صاحب جلال و اکرام باقی رہے گا)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ترجمہ:۔ (اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے)

عرب کے مشہور شاعر لبید نے خوب کہا ہے

اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ ترجمہ:۔ (اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو چیز ہے وہ فنا ہو جائے گی)

احادیث نبوی جو سب کی سب سچی ہیں ان میں ہے

نفل پڑھتے ہوئے بندہ اللہ سے بالکل قریب ہو جاتا ہے اور اللہ کو محبوب رکھنے لگتا ہے بندہ جب اللہ کو محبوب ہو جاتا ہے تو وہ اس کی قوت سماعت بن جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ سنتا ہے۔ قوت دید بن جاتا ہے جس کے ذریعہ دیکھتا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد رسول اللہ کی جان ہے اگر تم لوگ ذرا سی بھی اللہ سے پہلو تہی کروگے تو اللہ کا غضب نازل ہو جائے گا۔

غرضکہ آیات واحادیث اور جمہور کے حالات وطریقوں سے اگر لوگ اعتراض و بے توجہی نہ برتیں گے اور شکوک وشبہات سے دور رہیں گے تو لازمی طور پر فوراً اللہ کی معرفت حاصل کریں گے۔

شیخ محمد عیسیٰ

جونپور کے مشہور بڑے بزرگ تھے۔ راہ الٰہی میں صادق اور مقامات عالیہ وحالات سعیدہ کے علمبردار تھے۔ آپ کی ولایت عظمت وکرامت پر سب متفق ہیں

آپ شیخ فتح اللہ اودھی کے مرید تھے۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ احمد عیسیٰ دہلی کے بڑے عزت دار تھے۔

امیر تیمور کی آمد پر دہلی کے ہنگامہ کی وجہ سے دہلی کے اکثر عزت دار جونپور چلے گئے جن میں شیخ احمد عیسیٰ بھی شامل تھے جس وقت امیر تیمور کا دہلی میں ہنگامہ ہوا اور آپ کے والد دہلی سے جونپور کی جانب روانہ ہوئے اس وقت شیخ محمد عیسیٰ کی عمر تقریباً سات آٹھ سال کی تھی۔ بچپن ہی میں سعادت ازلی اور فطری استعداد کی وجہ سے شیخ فتح اللہ کے آپ مرید ہوئے اور پیر ومرشد کے کہنے پر ایک مدت تک ملک العلماء قاضی شہاب الدین سے مذہبی وعقلی تعلیم حاصل کی۔

قاضی صاحب نے بحث امر تک اصول بزدوی پڑھائی تھی جس کی آپ نے شرح لکھی ہے۔ علوم ظاہری سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد پھر پیر ومرشد کی خدمت میں باطن کے تصفیہ کے لئے حاضر ہوگئے۔ اور باطنی علوم پوری طرح حاصل کئے باطن میں اس قدر زیادہ مشغول ہوگئے کہ ظاہر کی کچھ خبر نہ رہی۔ کہتے ہیں کہ آپ کے کمرہ کے سامنے ایک درخت اُگا۔ اور خوب بڑا ہوگیا برسوں تک آپ کو اس درخت کے اُگنے اور اس کے بڑے ہونے کی خبر تک نہیں ہوئی۔ ایک دن آپ کی نشست گاہ پر اس درخت کے پتے گرے۔ پوچھا یہ پتے کہاں سے آگئے؟ لوگوں کی اطلاع پر اس وقت معلوم ہوا کہ کمرہ کے دروازہ ہی پر ایک درخت اُگ آیا ہے اور بڑا ہوگیا ہے۔

غرضکہ شیخ محمد عیسیٰ ہمیشہ مراقبہ میں رہا کرتے تھے جسم کی تمام ہڈیوں کے ساتھ گردن کی ہڈیاں تک اُبھر آئی تھیں۔ ٹھوڑی اور سینہ اندر کی طرف گھس گئے تھے۔ آپ کا مزار جونپور میں ہے۔

قاضی شہاب الدین دولت آبادی

آپ کے اوصاف کی شہرت بیان کی محتاج نہیں۔ آپ پیدائش۔ ۷۶۱ ـــــ وفات ـــــ ۸۴۸ھ کے زمانہ میں اگرچہ بڑے بڑے مشہور عقلمند موجود تھے جو آپ کے استاد اور آپ کے ہم عصر تھے لیکن اللہ نے جو شہرت و قبولیت آپ کو دی وہ آپ کے کسی ہم عصر کو نہ ملی۔ آپ کی تصنیفات میں سے ایک مشہور کتاب کافیہ کا حاشیہ ہے جو اپنی لطافت و متانت میں بے مثل ہے۔ جو آپ کی زندگی ہی میں پوری دنیا میں کافی مشہور ہو گیا تھا۔ علم نحو میں آپ نے ایک اور کتاب ارشاد لکھی جس میں تعبیرات کے تحت مثالیں دی ہیں۔ اور ایک خاص نئی ترتیب سے یہ کتاب لکھی ہے۔ اس کی عبارت نہایت لطیف دلنشین اور بے مثل ہے۔ علم بلاغت میں قرین اور بدیع البیان لکھی ہیں جس میں سجع کو پیش نظر رکھا ہے۔ فارسی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بحر مواج کے نام سے لکھی ہے جس میں۔ بیان ترکیب و معنی وصل و فراق تحریر کئے ہیں اس میں بھی سجع کے تکلفات موجود ہیں۔ یہ نہایت عمدہ مختصر اور پاکیزہ ہے بحث امرتک اصول بزدوی کی شرح اور دوسری کتابیں عربی و فارسی زبان میں تصنیف کی ہیں۔ تقسیم علوم و صنائع بدائع میں کئی رسالے فارسی میں تحریر کئے ہیں۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ ایک بادشاہ کے نام ایک لونڈی کی ضرورت کے لئے آپ نے یہ قطعہ لکھا ہے جو بہت مشہور ہے۔

قطعہ

این نفس خاکسار کہ آتش سزائے اوست   پُر باد گشت لائق بے آب کردن است،

یک کس چناں فرست کہ پا بر سرم نہد   ریزد ہمہ منی و تکبر کہ در من است

آپ نے ۸۴۸ھ میں وفات پائی آپ کا مزار جونپور میں ہے قاضی شہاب الدین اپنے ایک رسالہ مناقب السادات میں لکھتے ہیں میں نے اس رسالہ میں اہل بیت نبوت کی عقیدت و محبت تحریر کی ہے جو سرمایہ سعادت اور انشاء اللہ آخرت میں موجب نجات ہوگا ـــــ اس کتاب کی تصنیف کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں سید اجمل ایک بہت بڑے بزرگ اور سید تھے۔ لیکن علم و فضل کے زیور سے دور تھے۔ شاہی محفلوں میں ان سے اور قاضی سے اول و آخر نشست و درجہ وغیرہ کے بارے میں کچھ تکرار تھی قاضی شہاب الدین پہلے پہل تو عالم کی فضیلت کے قائل تھے اور علوی سید و دوسروں پر عالم کو مقدم

کرنے اور ترجیح دیتے تھے لیکن پھر غیر سید کو عالم کے برابر اور سید کو غیر عالم کے برابر کہنے لگے۔ آخر کار قاضی صاحب نے اس بارے میں ایک رسالہ لکھا کہ ہمارا عالم ہونا محقق اور یقینی ہے اور اے لوگو! تمہارا سید ہونا مشکوک ہے۔ اس لئے تم پر ہم کو ترجیح حاصل ہے۔ قاضی شہاب الدین کی اس کتاب کے الفاظ آپ کے ایک استاد کو بُرے معلوم ہوئے اور وہ ان سے کشیدہ خاطر ہو گئے تو قاضی شہاب الدین نے پھر اپنے خیالات سے توبہ کر کے سادات کے مناقب و فضیلت میں کتاب مناقب السادات لکھی اور پہلے جو کچھ کہا یا لکھا تھا سب سے معذرت خواہی کی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا کہ آپؐ نے قاضی شہاب الدین کو تنبیہ فرمائی اور سید اجمل کو راضی کرنے کا شوق دلایا۔ اس خواب کے بعد قاضی شہاب الدین نے سید اجمل کے پاس جا کر معذرت خواہی اور توبہ کی اور پھر مناقب السادات لکھی باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

قاضی نصیرالدین گنبدیؒ

ایک دانش مند درویش تھے۔ دنیا کی کسی چیز سے تعلق رکھتے اور نہ دنیا والوں کی جانب متوجہ ہوتے۔

پیدائش ۷۷۱ ـــــ وفات ـــــ ۸۶۲ھ

کہتے ہیں کہ آپ کے طالب علم آپ کی خانقاہ کی زنجیر اس خوف سے پکڑ کر کھڑے ہوتے تھے کہ فاقہ نقاہت و کمزوری کے باعث کہیں زمین پر گر نہ پڑیں۔

حکایت ہے قاضی شہاب الدین نے اپنی کتاب حاشیہ کافیہ لکھ کر قاضی نصیرالدین گنبدی کے پاس بھیجی اور التماس کی کہ اس میں مزید کچھ تحریر فرما دیجئے تاکہ اور بھی زیادہ فائدہ رساں ہو جائے۔ قاضی نصیر نے اشغال باطنی یا بحث و تکرار کے سد باب کے لئے اس کتاب پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔ آپ نے ماشاء اللہ خوب لکھی ہے اس میں ہمیں مزید لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قاضی نصیرالدین گنبدی کا مزار بھی جونپور میں ہے۔

شاہ میاں جیوؒ

ایک واسطہ کے ذریعہ میر سید محمد گیسو درازؒ کے مرید اور کامل درویش تھے علاقہ مندو میں آپ کے زمانہ میں آپ سے بزرگ کوئی اور نہ تھا۔ آپ علاقہ مندو کے ولی تھے۔ آپ کی عمر ایک سو بیس ۱۲۰ برس کی تھی اور آپ کے پیر و مرشد ڈیڑھ سو سال کے تھے۔

پیدائش ۸۰۹ ـ وفات ۸۸۷ھ

کہتے ہیں کہ رجب کے مہینہ کے شروع سے دسویں محرم تک آپ اعتکاف میں بیٹھے رہتے تھے۔ اور کمرہ کے دروازہ کو پتھروں سے چنوا دیا کرتے تھے۔ اس طرح ان چھ مہینوں میں کچھ کھاتے نہ تھے البتہ حسب عادت تھوڑا سا پانی پی لیا کرتے تھے۔ چھ ماہ کے اعتکاف کے بعد جب کمرہ سے باہر نکلنا چاہتے تو کمرہ کے اندر سے زور سے چیختے تاکہ کوئی آدمی سامنے نہ رہے ورنہ آپ کی نظر جلال کی تاب نہ لا سکے گا۔ اتفاق سے اگر کوئی آدمی حاضر رہتا اور آپ کی نظر اس پر پڑ جاتی تو وہ ایک دو دن تک بے ہوش پڑا رہتا۔

شہر کے قاضی آپ کی کرامتوں اور بزرگیوں کے منکر تھے۔ اور اکثر آپ سے احتساب کرتے رہتے تھے۔ ایک دن آپ کے کمرہ سے نکلتے وقت قاضی شہر آپ کے کمرہ کے سامنے موجود تھا۔ آپ کی نظر جو قاضی پر پڑی تو قاضی بے خود ہوکر بے ہوش ہوگیا۔ کہتے ہیں قاضی شہر ایک دن شاہ میاں جیو سے احتساب کرنے کے لئے آپ کے مکان پر چوپہلے میں سوار ہوکر آیا۔ شیخ کے دروازہ پر جب پہونچا تو شیخ کو اطلاع کرائی گئی۔ شیخ نے اپنے کوٹھے کی کھڑکی سے قاضی کو دیکھا۔ اسی وقت کہاروں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور قاضی کے ہاتھ سے دُرّہ گر پڑا۔ قاضی مذہب میں بڑا پکا تھا۔ اُس نے زمین پر سے دُرّہ اٹھالیا اور شاہ میاں جیو کے کوٹھے پر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ اتنے میں شیخ خود ہی کوٹھے سے اُترے۔ قاضی کا ہاتھ پکڑ کے کوٹھے پر چڑھ گئے۔ قاضی کی نظر شراب کی بوتل پر پڑی تو اُس نے پوچھا یہ کیا ہے؟ شیخ نے پیالہ بھر کر قاضی کو دیا اُس نے دیکھا کہ وہ خالص مصری کا شربت تھا۔ اس کے باوجود بھی قاضی نے وہ شربت کا گلاس نہ پیا۔ اور نیچے اُتر آیا۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ شیخ فرید ابن عبدالعزیز بن شیخ حمیدالدین صوفی ناگوری المتوفی ۶۷۳ھ کی اولاد میں سے ہیں۔ بزرگ تھے۔ اور پیدائش ۷۹۹ وفات ۸۶۳ھ صاحب مقام تھے علوم ظاہری و باطنی کے کامل و جامع تھے۔ کتاب دہن جوضو مصباح کی شرح ہے آپ کی مُصنفہ ہے۔

ناگوری کافروں کی فرقہ پردازی کی وجہ آپ گجرات چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ اللہ آپ پہ رحمتیں نازل کرے۔

خواجہ حسین ناگوری

آپ بھی شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کی اولاد میں سے ہیں۔ بڑے بزرگ صاحب مقامات عالیہ

پیدائش ۱۳۹۰ء وفات ۱۴۹۵ء و کرامات تھے۔ علم شریعت، طریقت اور حقیقت کے جامع تھے۔ تمام ناگوری آپ کی ولایت اور عظمت کا اقرار کرتے ہیں۔ ذوق کامل، عشق تمام اور کافی علم کے مالک تھے۔ زہد و پرہیزگاری میں مشہور تھے۔ شیخ وحید کی اولاد میں سے ہیں۔ شیخ کبیر کے مرید تھے۔ گجرات میں مدت تک اپنے پیر و مرشد کی خدمت کرتے رہے اپنی ذاتی محنت اور عطیہ الہٰی کی بدولت علوم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آئے۔ عرصہ تک خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار کے مجاور رہے۔ اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔

جن دنوں اجمیر میں ویرانی تھی اور اس کے آس پاس شیروں کی کچھاریں تھیں اور خواجہ چشتؒ کے مزار پر گنبد وغیرہ نہ تھا تو سب سے پہلے آپ ہی نے خواجہ چشت کے روضہ پر عمارت بنانے کی پہل کی۔ اور خواجہ اجمیری ہی کا روحانی اشارہ پاکر آپ ناگور گئے جہاں مذہبی علوم کی تعلیم اور ارباب یقین کے تلقین کے طریقوں کی تکمیل کی۔

آپ نے ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس کا نام نور الہٰی ہے جس میں ہر پارہ کی علیحدہ علیحدہ تفسیر کی ہے اور ہر ایک کی ایک ایک جلد بنوائی ہے۔ اس تفسیر میں حل تراکیب اور قرآن کریم کے وہ معنی جو دوسری تفسیروں میں ہیں تفصیل کے ساتھ آسان زبان میں بیان کئے ہیں۔ قسم ثالث مفتاح کی بھی شرح لکھی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ کہتے ہیں کہ سوانح شیخ احمد غزالی کی بھی شرح لکھی ہے۔ رسول اکرمؐ کی محبت میں بے انتہا سرشار تھے۔ اپنا گھر بار، کنواں، باغ سب کچھ سرور عالمؐ کے نام پر وقف کر دیا تھا۔

حکایت ہے کہ خواجہ حسین ناگوری نے اپنے دادا کا عرس کیا۔ اور کھانا پکوا کر لوگوں میں تقسیم کیا۔ اپنے حصہ کا کھانا اپنے افطار کے لئے اٹھا رکھا۔ ناگور والے بھی اس عرس میں چاول ساگ پکواتے اور دہی کے ساتھ تقسیم کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس کا کھانا بھی آپ نے اپنے حصہ کا لیا اپنے پاس کا اور یہ سب اکٹھا کر کے ایک برتن میں شام کو افطار کے وقت کھانے کے لئے رکھ دیا اتفاقاً غیب سے چار آدمی آئے جنہیں کسی نے دیکھا نہیں تھا اور نہیں کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ یہ چاروں کوڑھ کے مریض تھے۔ ان چاروں کو اتنا سخت

کوڑھ تھا کہ ان کی انگلیوں سے خون و پیپ ٹپک رہا تھا۔ ان چاروں نے آکر خواجہ حسین ناگوری سے کھانا مانگا۔ خواجہ نے جو کھانا اپنے افطار کے لئے رکھا تھا وہ ان چاروں کو دیدیا۔ ان چاروں نے اس برتن میں سے کھا کر تھوڑا سا اسی برتن میں چھوڑ دیا اور خواجہ حسین سے کہا یہ تم کھا لینا۔ چنانچہ خواجہ حسین ناگوری نے غلبۂ حال، طلب صدق اور کامل طلب کے پیش نظر وہ پس خوردہ سب صاف کر لیا۔ اس دن کے بعد سے خواجہ حسین کو ایک دوسری ہی نئی چیز حاصل ہو گئی۔

حکایت ہے ناگور والوں کی طرح خواجہ حسین کے پاس بھی ایک چھکڑا تھا جس پر سواری کرتے اور خود ہی بیلوں کو ہنکاتے تھے چھکڑے کے بیلوں کی خود ہی نگہداشت کیا کرتے۔ اور بڑے پھٹے پُرانے کپڑے پہنا کرتے تھے۔

آپ کی اولاد میں سے ایک شخص شیخ عبدالقادر فقیر مسلک دہلی آیا جس کے پاس خواجہ حسین ناگوری کی اکثر چیزیں تھیں۔ اس کے پاس آپ کی پگڑی۔ کرتہ اور پائجامہ بھی تھا۔ ان کپڑوں میں سے دو ایک کی قیمت ایک پیسہ فی گز ہوگی۔ مصنف کتاب اخبار الاخیار نے ان چیزوں کو اس شخص کے پاس خود دیکھا ہے۔

حکایت ہے ایک دن خواجہ حسین ناگوری پر سماع کی حالت طاری ہوئی آپ اس حالت میں جنگل کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ ایک شخص جھاڑو دینے والا آپ کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا وہ اور کچھ قوال بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ یہ نومسلم ظاہری و باطنی پاکیزگی حاصل کر چکا تھا۔ ناگور شہر کے باہر ایک بڑا گہرا حوض ہے خواجہ حسین اُس حوض میں بحالت جذب اس طرح چلنے لگے جیسے کوئی زمین پر چلتا ہے۔ خواجہ صاحب کے پیچھے یہ نومسلم بھی اس حوض میں تھوڑی دور چلا اور پھر کھڑا ہو گیا۔

حکایت ہے کہ خواجہ حسین کو سلطان غیاث الدین خلجی نے جو منڈو کا بادشاہ بھی تھا بہت بُلایا لیکن آپ اس کے پاس نہ گئے۔ ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین خلجی کے پاس موئے مبارک رسول اکرم ﷺ لایا گیا۔ لوگوں نے کہا اگر موئے مبارک کی اطلاع خواجہ حسین کو مل جائے تو وہ بے اختیار فوراً یہاں آجائیں گے۔ چنانچہ سلطان نے خواجہ حسین کو موئے مبارک کی اطلاع دی تو آپ اُسی وقت منڈو کا احرام باندھ کر نہایت ذوق و شوق سے درود شریف پڑھتے ہوئے روانہ ہوئے اور جب منڈو شہر کے قریب پہونچے تو سلطان اپنے شاہی

اعزاز کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے شہر پناہ تک آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک غبار آلود شخص پرانے کپڑے پہنے خود ہی چھکڑا ہانکتا چلا آرہا ہے۔ وہ سمجھا کہ شیخ خواجہ حسین ناگوری کوئی اور ہوں گے۔ جب لوگوں نے کہا کہ شیخ یہی ہیں تو اس نے آپ کی مزاج پرسی کرنا چاہی لیکن شیخ کو موئے مبارک کے دیدار کے اشتیاق میں اتنی فرصت کہاں تھی وہ تو خود بیخود ہو رہے تھے۔ کہتے ہیں موئے مبارک پر خواجہ حسین کی نظر پڑتے ہی یہ اڑ کر خود آپ کے ہاتھ میں آگیا پھر سلطان آپ کو اپنے والد کی قبر پر لے گیا اور اُن کے لئے دعائے خیر کی درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی اور کشف کے ذریعہ صاحب قبر کا جو حال تھا وہ بیان کیا۔ سلطان نے آپ کو بیش قیمت تحفے دینا چاہے لیکن آپ نے کوئی بھی قبول نہیں کیا۔

کہتے ہیں یہ تحفے دیکھ کر خواجہ حسین کے ایک صاحبزادہ کو دل ہی دل میں ان کی جانب رغبت ہوئی۔ شیخ نے اپنے کشف کے ذریعہ یہ حالت معلوم کر کے فرمایا یہ سانپ ہیں۔ اور سانپ کو کوئی شخص اپنے پاس پرورش نہیں کرتا۔ جب لڑکے کو دیکھا کہ وہ بیش قیمت تحائف پر ریجھ گیا ہے تو فرمایا۔ اچھا ان میں سے تھوڑا سا کچھ لے لو۔ خواجہ بزرگ اور اپنے دادا کے مقبروں کی عمارت بنا دو۔ کیونکہ ہمارے پیرومرشد شیخ کبیر کا حکم بھی یہی تھا کہ تم کو دولت ملے گی اس کو اپنے بزرگوں کے مقبروں کی عمارت بنوانے پر خرچ کر دینا ـــــ کہتے ہیں کہ خواجہ حسین کے ان صاحبزادوں کو سوائے اس کے جو منڈو میں دولت ملی تھی پھر کبھی کسی جگہ دولت ہاتھ نہ آئی۔

خواجہ حسین ناگوری کے مزار کے اوپر کی عمارت سلطان غیاث الدین خلجی نے خود بنوائی ہے۔ البتہ آپ کے روضہ کا دروازہ سلطانؒ کے بعد منڈو کے دوسرے بادشاہوں نے بنوایا ہے۔

شیخ حمید الدین صوفی ناگوری کے دروازہ اور روضہ کی عمارت جو ناگور میں ہے وہ اور مقبرہ ناگور کی چار دیواری بھی سلطان محمد تغلق نے بنوائی ہے۔

شیخ احمد مجد شیبانی

بزرگ تھے۔ علوم شریعت و طریقت میں کامل۔ پرہیزگاری اور تقویٰ میں یکتا۔ ذوق اور وجد و حال کے مالک تھے اچھے کاموں کے حکم کرنے اور بُرے کاموں سے روکنے میں بڑی جانبازی دکھاتے۔ دنیا والوں کی آپ کے

پیدائش۔ ۸۳۲ ـــ وفات ـــ ۹۲۷ھ

آگے کوئی عزت نہ تھی۔ آپ کی مجلس حضرت سفیان ثوریؒ کی طرح تھی۔ آپ خواجہ حسین ناگوریؒ کے شاگرد اور مُرید تھے۔

کہتے ہیں اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم پڑھاتے تھے۔ نارنول (گجرات) میں پیدا ہوئے اور اجمیر میں پرورش پائی۔ آپ کا مزار ناگور میں ہے آپ کے والد قاضی مجدالدین بن قاضی تاج الافاضل بن شمس الدین شیبانی تھے۔ اور یہ امام محمد شیبانی کی اولاد سے تھے جو امام اعظم کے ساتھی تھے۔ قاضی مجدالدین کے سات بیٹے ہوئے جو سب کے سب عقلمند متقی۔ دیانتدار اور عالم تھے جن میں سب سے بڑے صاحبزادے شیخ احمد مجد شیبانی تھے۔ جو علم و عمل میں سب سے زیادہ برتر تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں عالموں سے بحث کرتے اور عربی فارسی میں تقریر کرتے تھے۔ بادشاہوں اور امیروں کی مجلسوں میں جاتے اور کھل کر گفتگو کرتے۔ جوانی ہی میں خواجہ حسین ناگوری کے مُرید ہوئے جس کے بعد مباحثہ اور بادشاہوں کے پاس جانے سے توبہ کی۔ علم طریقت اپنے پیر و مرشد سے حاصل کیا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں نارنول سے اجمیر آئے اور ستر سال تک یہاں پرہیزگاری ریاضت اور نیک کاموں میں عمر بسر کی۔ اچھے کاموں کے کرنے اور برائیوں سے روکنے کے لئے۔ امیر فقیر اپنے اور غیر سب آپ کے نزدیک برابر تھے۔ کبھی طرفداری سے کام نہیں لیا۔

حکایت ہے کہ شیخ احمد مجد کہتے تھے ایک مرتبہ میں اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مدد معاش کے لئے مندو گیا اس زمانے میں کم عمر تھا۔ شیخ محمود دہلوی وہاں کے شیخ الاسلام تھے اور تمام عالموں کے صدر تھے نماز میں امام سے پہلے انھوں نے اللہ اکبر کہہ کے ہاتھ باندھ لئے۔ نماز سے فراغت پا کر ان کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے کسی نے بھی اُن کی طرفداری کے پیش نظر اُن سے کچھ نہ کہا میں نے جب یہ دیکھا کہ کوئی بھی اُن کی طرفداری کے خیال سے اُن سے کچھ نہیں کہہ رہا ہے۔ تو میں آگے بڑھا اور شیخ الاسلام سے کہا آپ کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ امام کی تکبیر سے پہلے ہی آپ نے اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لیئے۔ مندو کی شاہی رسم یہ تھی کہ لوگ اچھی طرح زمین کی طرف جھک کر اور اپنا انگوٹھا زمین پر رکھ کر شیخ الاسلام کو سلام علیک کیا کرتے تھے۔ لیکن شیخ احمد مجد اور قاضی ادریس دہلوی جو ایک زبردست عالم تھے یہ دونوں شاہی رسم کے موافق اس لئے سلام نہیں کرتے تھے کہ یہ بدعت ہے بلکہ یہ دونوں السلام علیک کہتے [illegible]

قاضی ادریس کو اجمیر کا قاضی بنایا اور چار گاؤں انعام میں دیئے۔ اور فتویٰ دینے کا کام جو شیخ احمد مجد کے بزرگوں میں چلا آتا تھا وہ آپ کے حوالہ کیا یعنی شیخ احمد مجد کو مفتی بنایا۔ شیخ احمد مجد کو خاندان نبوی سے بے انتہا الفت و محبت تھی۔ اپنے پیرومرشد کے دستور کے موافق دسویں محرم اور بارہ ربیع الاول کو نئے اور دُھلے ہوئے کپڑے زیب تن نہ کرتے اور ان راتوں میں زمین پر سویا کرتے اور سیدوں کے قبرستان میں اعتکاف کرتے۔ اور دن کے وقت زیادہ سے زیادہ سرورِ عالمؐ و ازواج مطہراتؓ کے نام پر لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے دسویں محرم کو کورے لوٹے شربت سے بھر کے اپنے سر پر رکھ کر سیدوں کے گھر جاتے اور یتیموں و فقیروں کو پلایا کرتے۔ دسویں محرم کو اتنا روتے گویا سانحہ کربلا ان کی آنکھوں دیکھا ہے۔ جب اس شہر کے دستور کے موافق یہاں کی لڑکیوں اور خواتین کے رونے کی آواز آپ کے کان میں آتی تو بیخود ہو جاتے اور خون کے آنسو روتے تھے۔

صحابہؓ اور تمام مشائخین کی فاتحہ خوانی حتی الامکان ترک نہ کرتے قوالی سننے کے عاشق تھے لیکن خود قوالی نہیں کراتے تھے۔ قوالی میں کبھی وجد و حال نہ لاتے۔ مجالس محرم کبھی نہ کرتے۔ عام طور پر کم قیمت لباس پہنتے اور ایسے کپڑے نہ پہنتے جو بہت زیادہ صاف دُھلے ہوئے ہوں۔ اکثر اوقات صرف ٹوپی پہنے رہتے۔ البتہ نماز کے علاوہ طبعی حرارت کے پیش نظر زیادہ تر سر پر عمامہ نہ باندھتے۔ ہاں ایک عمدہ عمامہ اور ایک نفیس پوشاک ہمیشہ تیار رکھتے تھے جو نماز جمعہ اور عیدین میں استعمال فرماتے۔ اور اگر کوئی بڑا دنیادار آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اس وقت بھی یہ قیمتی لباس پہن کر نفیس عمامہ باندھ لیا کرتے تھے۔ مجلس میں شیروں کی طرح بیٹھتے۔ اللہ و رسول اکرمؐ کے احکام پوری ہیبت و عظمت کے ساتھ اس طرح بیان فرماتے کہ بادشاہوں کا پتہ پانی ہو جاتا۔ اپنے مریدوں سے فرماتے دنیا والوں کے ذریعہ دین والوں کو ذلیل نہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ دنیا والے صرف ظاہرا دیکھتے ہیں۔ شیخ اپنے زمانہ اور شہر بھر کے فقیروں اور مجذوبوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ آپ جب کبھی سواری پر کہیں جاتے ہوتے اور راستہ میں کوئی مجذوب دکھائی دیتا تو سواری سے اُتر کر اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہو جاتے وہ مجذوب جو کچھ کہتا آپ ویسا ہی کرتے۔ اگر کوئی آپ کے سامنے کسی کی غیبت کرتا یا ناشائستہ باتیں کرتا تو اس سے فرماتے بابو خاموش ہو جاؤ۔ اگر کوئی آپ کا نام آپ کے سامنے عزت و احترام سے لیتا جیسا کہ عام

طور پر مریدوں کا قاعدہ ہے تو آپ چشم پُرنم ہوکر فرماتے احمد موذی زیا نکار کو یہ القاب سزاوار نہیں۔

حکایت ہے کہ خواجہ حسین رح کو بھی اپنی تعریف اچھی معلوم نہیں دیتی تھی اگر کوئی ان کے پاس آکر ان کی تعظیم کرتا تو وہ کہا کرتے ملا حسین رانکٹ[1] و کمینہ ہے۔ اور یہی آپ کا بھی دستور تھا۔ اگر کوئی شخص آکر کہتا کہ میں نے رسول اکرم ؐ کو خواب میں دیکھا ہے تو آپ دو زانو ہوکر ادب سے بیٹھ جاتے اس کا پورا خواب سنتے اور اس کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دیتے اُس کے دامن و آستین کو اپنے مُنہ پر ملواتے۔ اور آنے والا جس مقام پر خواب دیکھتا وہاں خود جاتے اور اس جگہ کو بوسہ دیتے۔ وہاں کی خاک و گرد و غبار کو اپنے چہرہ اور بالوں پر ملتے اگر وہ مقام پتھر ہوتا تو اس پتھر کو دھلواتے اور اس پانی کو پیتے اور اپنے اوپر گلاب کی طرح چھڑکتے۔

اگر کسی سیّد سے کسی کی لڑائی جھگڑا ہوتی تو آپ اُس کے پاس خود جاتے اور اس کی خوشامد درآمد کرکے سیّد کی بات اونچی رکھتے۔ اور فرماتے کسی سیّد کو غیر غلط باتیں نہ کہو بلکہ ہمیشہ مُروت سے پیش آیا کرو۔

حکایت ہے کہ جب اجمیر میں خوب افراتفری ہوئی اور زبردست بُت پرست رانا سانگا نے مسلمانوں کے مقابلہ میں قلعہ اجمیر پر قبضہ کرلیا اور اکثر مسلمانوں کو شہید کردیا تو اس واقعہ سے سات دن پہلے شیخ احمد مجدرح نے بحکم خواجہ معین الدین چشتی رح شہر سے باہر نکل کر شہر کے تمام مسلمانوں کو خبردار کیا اور کہا اس شہر پر کچھ جلال و قہر الٰہی کی نظر میں دکھائی دے رہی ہیں اور خواجہ معین الدین چشتی رح کا حکم ہے کہ مسلمان اس شہر سے باہر چلے جائیں غرضکہ آپ پیر کے دن ۹۲۲ھ[2] کو مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ اجمیر سے باہر چلے گئے اور پھر دوسرے پیر کے دن اجمیر پر کافروں نے حملہ کردیا اور پورا شہر تلپٹ کردیا۔

آپ اٹھارہ سال کی عمر میں اجمیر آئے جہاں تقریباً نوے برس کی عمر تک رہے اسکے

---

[1] اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں میں بہت ہی گرا پڑا اور ذلیل ہو۔

[2] اجمیر چھوڑتے وقت ۹۲۲ھ میں آپ کی عمر تقریباً نوے برس کی تھی۔ اس لحاظ سے سنہ پیدائش ۸۳۲ھ ہوتا ہے۔ از سیر اولیا مرتبہ حکیم مسیح الدین احمد خان یمپ۔

بعد تین چار سال نارنول میں رہے نارنول میں ایک دن ایک مجذوب آپ کے پاس آیا اور اُس نے کہا احمد آپ کو آسمان پر بلایا جا رہا ہے۔ اپنے پیر و مرشد کے پاس جاؤ۔ آپ نے خود بھی اسی رات اسی طرح کی ایک چیز دیکھی۔ چنانچہ آپ فوراً ناگور روانہ ہو گئے اور تھوڑے دنوں بعد دنیائے فانی سے دار بقا کی جانب کوچ کر گئے۔

کہتے ہیں کہ نزع کی حالت میں جب ذرا سا افاقہ ہوتا تو اس لمحہ آپ ہاتھ اٹھاتے تکبیر تحریمہ کہتے اور پھر بے خود ہو جاتے۔ اسی حالت میں اللہ اکبر کہتے ہوئے ۲۵ صفر ۹۲۷ھ کو جاں بحق ہوئے۔ روضۂ مخدوم بزرگ سلطان التارکین میں اپنے پیر و مرشد کے پائیں دفن ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات آپ کے مُرید ملا محمد نارنولی نے لکھی ہے جو مرد صالح، مقبول خاص و عام، معتقد مشائخین اور اس علاقہ کا مورخ ہے۔

نظر بستہ بود احمد محمد شیباں زدون خدا مجو زاہد زشاہد
کہ تاریخ آن پیر خود نارنولی برآورد از جملۂ شیخ زاہد
(یعنی شیخ احمد)

حکایت ہے کہ نارنول کا ایک مشہور شاہی رئیس اپنے کمزور بھائیوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ جو آپ کا مرید ہوا۔ ایک دن یہ رئیس اپنے سر پر پانی کی بھری ہوئی صراحی رکھ کر شیخ احمد کی خانقاہ کی جانب روانہ ہوا۔ شہر بھر میں شور مچ گیا کہ فلاں رئیس اپنے سر پر پانی لئے شیخ احمد کی خانقاہ جا رہا ہے۔ شیخ احمد نے جب اس رئیس کو اپنی خانقاہ میں اس حالت کے ساتھ دیکھا تو فرمایا بابو تمہارے صرف اس کام سے احمد تجھ خوش نہیں۔ جاؤ اپنے بھائیوں کا جھگڑا ختم کر کے پہلے ان کو خوش کرو تو میں بھی تم سے خوش ہو جاؤں گا۔

اس کے بعد اُس رئیس نے شاہی دربار میں آمد و رفت کم کر دی۔ حکایت ہے کہ شیخ احمد آدھی رات کو خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر جاتے جہاں تہجد پڑھتے اور پھر اس وقت سے چاشت کی نماز تک کسی سے گفتگو نہ کرتے۔ چاشت کی نماز کے بعد مذہبی علوم پڑھاتے اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتے۔ ظہر سے عصر تک وظیفے پڑھتے اور نماز عصر کے بعد لوگوں کو تفسیر مدارک پڑھاتے اور اُسے تفصیل سے بیان کرتے۔ تفسیر مدارک میں جہاں جہاں عذاب کا تذکرہ آتا وہاں اس طرح گریہ وزاری کرتے جیسے قوالی میں صوفی آہ و بکا کرتے ہیں کثرت گریہ کے باعث آپ کی آنکھیں ہمیشہ سرخ رہا کرتی تھیں۔ تفسیر مدارک پڑھانے کا آپ نے

وہی طریقہ رکھا تھا جو خواجہ حسین ناگوری اور شیخ حمید الدین ناگوری صوفی کا تھا۔آپ نے ستر سال تک اجمیر میں اسی طرح زندگی بسر کی۔

حکایت ہے کہ شیخ احمد مجد جب اپنے مکان سے خواجہ چشت؄ خواجہ شیخ محمد کے روضہ پر جاتے تو روضہ کا دروازہ خود بخود کھل جاتا۔جب یہ بات لوگوں میں عام ہوگئی تو ایک آدمی اس سربستہ راز کے معلوم کرنے کے لئے ایک رات آپ کے پیچھے پیچھے چلا شیخ احمد جب روضہ پر پہونچے تو روضہ کا دروازہ کھلا اور آپ اندر چلے گئے۔اس شخص نے بھی اندر جانا چاہا لیکن دروازہ کے دونوں پٹ اس طرح بند ہوگئے کہ یہ شخص ان میں دب گیا۔دبنے کی تکلیف برداشت نہ کرکے اس شخص نے کہا شیخ احمد مجد میاں جیو میں توبہ کرتا ہوں۔چنانچہ دروازہ ڈھیلا پڑگیا۔

مولانا محمد نارنولی جو شیخ احمد مجد کے مرید تھے اپنے استاد مولانا عبدالمقتدر عالم وعامل شرع فقیہ وثقہ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے بھی نارنول میں چند لوگوں کے ساتھ شیخ احمد مجد کے لئے رات کے وقت روضہ کا دروازہ خود بخود کھلتے دیکھا ہے۔اور یہ روضہ شیخ محمد ترک کے قبرستان میں ہے۔

اللہ ان سب صالح بندوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ حمزہ دھرسوری

آپ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا؄ کی اولاد میں سے ہیں آپ کا سلسلہ نسب حضرت سید محمد گیسو دراز؄ تک پہونچتا ہے۔آپ

پیدائش ۸۹۲ھ — وفات — ۹۵۷ھ

بڑے بابرکت، صاحب نعمت وکرامت ہمیشہ عبادت گذار، باہند اوقات اور زیادہ عمر والے پیر ومرشد تھے۔

سلطان بہلول کے عہد سے اسلام شاہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔جوانی میں کسی بادشاہ کے ملازم تھے۔ایک رات اس کے محل کی نگرانی کر رہے تھے کہ اچانک آپ کے دل میں خیال آیا۔مجھے اس کا کام کرنا چاہیئے جو میری حفاظت کرے نہ یہ کہ میں دوسروں کا نگراں رہوں۔یہ خیال آتے ہی آپ سیدھے حضرت معین الدین چشتی کی زیارت کے لئے اجمیر کی جانب روانہ ہوگئے۔وہاں پہونچکر ایک دیوانہ سے ملاقات ہوئی جن کا نام بھی معین الدین تھا انہی کے ذریعہ نعمتیں پائیں۔اور شیخ احمد مجد کی صحبت بھی حاصل کی پھر

وہاں سے اپنے شہر دھرسو آئے جو نارنول سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اور یہیں سکونت اختیار کی۔ آپ کے والد اور دوسرے عزیز نرھر میں تھے۔ لیکن آپ دھرسو میں اس لئے مقیم ہو گئے کہ یہاں کے اکثر سید زادے اپنے چال چلن اور وضع قطع سے دور ہو گئے تھے آپ نے ان سب کی تربیت فرمائی اور ان کو زیور تعلیم سے سنوارنے کے لئے ایک عربی داں اور ایک فارسی داں استاد مقرر کئے استادوں وغیرہ کی بھی خود ہی نگرانی کرتے اور تمام طالب علموں کو خود بھی پڑھاتے تھے۔ ان سب سے شہر کے دوسرے لوگوں اور فقیروں سے محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔

غیب سے آپ کو بہت کچھ ملتا جس میں کبھی کوئی کمی نہ ہوتی۔ آپ کو غیب سے جو کچھ ملتا وہ سب خرچ کر دیتے اور اس میں کچھ اُٹھا نہ رکھتے۔ اپنے بال بچوں کو بھی بلحاظ تقسیم دیتے۔ ان کو ان کے حصہ سے زیادہ نہ دیتے۔ جس دن سے گوشہ نشین ہوئے پھر کبھی کسی دنیا دار کے پاس خود گئے اور نہ اپنے کسی ملازم وغیرہ کو اُن کے پاس روانہ کیا۔

حکایت ہے کہ آپ ہمیشہ جمعہ کی نماز کے لئے دھرسو سے نارنول آتے۔ راستہ میں لکڑیوں کے گٹھے جمع کرتے چلتے پھر جہاں کوئی فقیر بیٹھا مل جاتا ایک گٹھا اس کو دیدیا کرتے۔

حکایت ہے شیخ حمزہ کہا کرتے تھے دنیا کی مثال آگ کی طرح ہے اس میں سے اتنی ہی لی جائے جس کے ذریعہ کچھ پکا کر کھا سکیں اور سردیوں میں گرم رہیں۔ یہ آگ جب زیادہ ہو جاتی ہے تو جلا کر خاکستر اور ہلاک کر دیتی ہے۔ آپ کے ایک مُرید کا بیان ہے کہ شیخ حمزہ نے مجھے ایک ریگستان کی جانب روانہ کیا۔ میں اس ریگ زار میں پہونچکر بھوک پیاس سے سخت پریشان ہو گیا میرے دل میں خیال آیا کہ پیر اپنے مُرید کو وہاں بھیجتے ہیں جہاں پانی کے بدلے دودھ ملتا ہے اور ہمارے پیر و مرشد نے مجھے اس بیابان میں بھیجا ہے جہاں پیاس سے مر رہا ہوں۔ اسی سمے بہت دور مجھے ایک چرواہا دکھائی دیا جو اپنی بکریاں چرا رہا تھا۔ میں نے اس کے پاس پہونچ کر کہا۔ تم اپنی بغل کی مشک سے میرے منہ میں پانی کی کچھ بوندیں ٹپکا دو۔ میں پیاس سے مر رہا ہوں۔ اُس نے یہ کہتے ہوئے کہ اس میں پانی نہیں بلکہ دودھ ہے تھوڑا سا مجھے پلایا۔ اس کے بعد میں آگے چل دیا اور پیاس نے مجھے پھر بے تاب کر دیا۔ اس بیابان میں ریت کے پہاڑوں میں پھر مجھے ایک نشیبی مقام ملا جہاں میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا چشمہ تھا وہاں میں نے جی بھر کے پانی پیا گویا مجھے نئے سرے سے زندگی

مل گئی ہو۔

شیخ حمزہؒ نے ۹۵۰ھ میں وفات پائی۔ ۲۵۔ ربیع الثانی کو مغرب کی دو رکعت پڑھ چکے تھے کہ تیسری رکعت پڑھتے میں جان بحق ہو گئے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

شیخ احمد عبدالحق

پیدائش۔ ۷۷۶ وفات ۸۳۷ھ

شیخ جلال پانی پتی کے مُرید اور صاحب تصرف وکرامات تھے شوق و ذوق کے ساتھ بیخودی کی حالت میں تجرد کی زندگی بسر کرتے رہے۔ پُرکشش تھے۔ موثر نظر اور تصرف کے مالک تھے۔ ردولی شریف (ضلع بارہ بنکی) یوپی میں پیدا ہوئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔

حکایت ہے کہ شیخ احمد عبدالحق کی عمر جب سات برس کی تھی اُس زمانہ میں آپ کی والدہ تہجد کے لئے اٹھا کرتی تھیں۔ آپ بھی اسی وقت اس طرح بیدار ہو کر اُٹھتے کہ والدہ کو مطلق خبر نہ ہوتی اور گھر کے ایک کونہ میں تہجد پڑھ لیا کرتے۔ والدہ کو جب آپ کے اُٹھنے اور تہجد پڑھنے کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے آپ کو محبت مادری کے سبب منع کیا چونکہ آپ پر اللہ کی محبت غالب تھی اس لئے آپ نے کہا ماں راہ زن ہیں جو اللہ کی عبادت سے مجھے روکتی ہیں۔ اس لئے طلب حق کی خاطر گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی۔ آپ اپنے بھائی تقی الدین کے پاس دہلی پہونچے۔ شیخ تقی الدین عالم تھے وہ آپ کو پڑھانا چاہتے لیکن آپ نہ پڑھتے اور کہتے۔ مجھے اس علم ظاہری سے جو آپ پڑھانا چاہتے ہیں کوئی سروکار نہیں۔ مجھے تو علم معرفت حق درکار ہے۔ آخر کار آپ کے بھائی شیخ تقی الدین عالم آپ کو اپنے ساتھ شہر کے دوسرے علماء کے پاس لے گئے اور کہا یہ میرا بھائی ہے میں جو کچھ اسے پڑھاتا ہوں وہ پڑھتا نہیں اور مجھے پریشان کرتا ہے۔ آپ ہی اسے کچھ سمجھائیں تاکہ اثر پذیر ہو۔

ان علماء نے بھی احمد عبدالحق کو علم صرف کی کتابیں پڑھانا چاہیں جس پر انھوں نے کہا مجھے ان کتابوں سے کوئی سروکار نہیں مجھے تو معرفت علم الٰہی سکھائیے کیونکہ یہی میری دلچسپی کا سبب ہے۔ تمام علمائے دہلی ایک ایک کر کے حیران و پریشان ہو گئے۔ اس کے بعد احمد عبدالحق اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ کر اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔

حکایت ہے کہ آپ کے بھائی شیخ تقی الدین عالم نے آپ کی کہیں نسبت ٹھہرائی۔ جب

آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ دُلہن والوں کے گھر گئے اور اُن سے کہا میں نامرد ہوں براہ کرم میرے ساتھ شادی نہ کرائیے۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ شیخ جلال الدین پانی پتی کے ایک مُرید نے اپنے پیر و مرشد کی دعوت کی جس میں شیخ احمد عبدالحق کو بھی بلایا شیخ احمد نے اس مجلس میں کچھ صاحب شریعت لوگوں کو بھی دیکھا جو شریعت کو زیادہ ترجیح دے رہے تھے۔ یہ کیفیت دیکھ کر شیخ احمد نے اپنے پیر و مرشد شیخ جلال الدین پانی پتی کا دیا ہوا خرقہ وغیرہ ان کو واپس کیا اور فوراً ہی وہاں سے اٹھ کر جنگل کی راہ لی۔ جہاں ایک درخت پر چڑھ بیٹھے۔ ابھی یہ درخت پر بیٹھے ہوئے تھے کہ دو آدمیوں کو اپنی طرف آتا دیکھکر درخت سے اُترے اور اُن سے جنگل میں سے نکلنے کا راستہ پوچھا۔ ان دونوں نے کہا تم شیخ جلال الدین پانی پتی کی راہ چھوڑ چکے ہو۔ جس پر شیخ احمد عبدالحق نے جواب دیا ہاں واقعہ تو یہی ہے۔ چنانچہ ان دونوں نے کہا تو پھر واقعہ یہی ہے کہ راستہ گم ہے۔ آخر کار شیخ احمد عبدالحق نے یہ معلوم کر کے کہ یہ دونوں آنے والے فرستادہ خدا تھے۔ پھر اپنے پیر و مرشد کی خانقاہ کی جانب واپس ہوئے اور پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری دے کر اپنے اعتراضات سے توبہ کی اور مکرر اپنے پیر و مرشد کی فرمانبرداری کرنے لگے۔

حکایت ہے ایک مرتبہ سفر کرتے ہوئے شیخ احمد عبدالحق ایک مسجد میں پہنچے یہ جمعہ کی رات تھی اور لوگ اپنے رواج کے مطابق شب جمعہ میں سات مرتبہ اذان کہا کرتے تھے ان سے بھی کہا کہ تم بھی اذان دو۔ انھوں نے پوچھا کہ سات مرتبہ اذان دینے کی ضرورت کیا ہے؟ محلہ والوں نے بتایا ہم نے سُنا ہے کہ شب جمعہ میں اگر سات مرتبہ اذان دی جائے تو ایک ہفتہ تک کوئی بلا اس شہر میں نہیں آتی۔ اور ہمارا یہی طریقہ ہے کہ ہم شب جمعہ میں سات مرتبہ اذان دیتے ہیں۔ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ شیخ احمد عبدالحق نے جواب دیا اس کام میں میری نیت میرا ساتھ نہیں دیتی۔ واقعہ یہ ہے کہ نیکیاں حاصل کرنے کے لئے بندہ اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہے اور تمام بلاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور جو کوئی بندوں کے کہنے پر کرے وہ بندوں کا بندہ ہو جاتے گا اور اللہ کا بندہ نہ رہے گا۔

حکایت ہے شیخ احمد عبدالحق تلاش حق کی خاطر شیخ نور قطب عالم کی خدمت میں گئے۔ چونکہ اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے اس لئے شیخ نور قطب عالم کی خدمت میں حاضری

دیتے وقت ایک ہرا پتہ لے گئے اور اُن کے سامنے رکھتے ہوئے کہا بابا پاک وصاف ہے شیخ نور قطب عالم نے جواب دیا بابا عزت دار ہے۔ تھوڑی دیر وہاں خاموش بیٹھے رہے پھر وہاں سے خاموشی کے ساتھ لوٹ آئے۔ شیخ عبدالقدوس نے انوار العیون میں لکھا ہے کہ درویش جب پاکی وصفائی دیکھتا ہے تو اس میں تمام تر حق کا ظہور پاتا ہے۔ شیخ احمد نے شیخ نور سے اس درجہ و مرتبہ کی تسخیر طلب کی چنانچہ شیخ نور نے ان کے جواب میں ان کو عزت دار فرمایا۔ حالانکہ مرتبہ تنزل میں یہ ایک کم تر مقام ہے۔ چونکہ شیخ احمد نے شیخ نور سے اپنی مطلب برآری نہ دیکھی اس لئے واپس ہو گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد شیخ احمد وہاں سے شہر بہار پہونچے جہاں دو دیوانے تھے ایک کو شیخ علاؤالدین کے نام سے یاد کرتے اور دوسرا ننگے سر اور ننگے جسم پھرا کرتا تھا صرف چیتھڑے کی ایک لنگوٹی باندھے رہتا تھا ان دونوں دیوانوں سے شیخ احمد عبدالحق نے مقصود حاصل کیا۔ پھر یہاں سے چل کر شہر اودھ میں شیخ فتح اللہ اودھی سے ملاقات کی شیخ فتح اللہ اودہی صاحب شریعت تھے۔ زاہدوں کی طرح رہتے عشق و محبت اُن کا مسلک تھا۔ ان سے مل کر بھی شیخ احمد نے خود اپنے سے کہا اے احمد! میں نے اپنی زندگی کا مقصد نہ پایا۔ ابھی اور چند دن اللہ والوں کی صحبت میں رہ تاکہ ان سے کچھ مل سکے۔ غرضکہ چند سال تک شہر اودہ میں یا ہادی یا ہادی کہتے پھرتے تھے۔ پھر اپنی زندگی ہی میں اپنے ہاتھ سے اپنی قبر کھودی اور کہا اے احمد اب مرنا چاہیئے چنانچہ چھ ماہ تک اسی قبر میں بیٹھے یا الہٰی کرتے رہے۔

حکایت ہے آپ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عزیز رکھا گیا۔ جب وہ بچہ پیدا ہوا تو اُس کی زبان سے حق حق کی آوازیں نکلتی تھیں۔ اس کے بعد اس بچہ سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں جن کا لوگوں میں شور ہو گیا۔ ایک دن شیخ احمد نے لوگوں کا یہ شور و غوغا سُنا تو کہا ہمارے گھر میں یہ شور نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ فوراً ہی گھر سے نکل کر قبرستان گئے اور وہاں ایک جگہ کا انتخاب کر کے کہا یہاں عزیز کی قبر ہوگی۔ اس کے بعد آپ کا وہ لڑکا عزیز دو تین ہی دن زندہ رہا۔ اور عالم جاودانی کو کوچ کر گیا۔

حکایت ہے شیخ احمد عبدالحق کہا کرتے تھے۔ منصور، بچہ تھا۔ ضبط نہ کر سکا اور اسرار الٰہی فاش کر بیٹھا بعض لوگ اب بھی ایسے ہیں جو سمندر پی جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے نیز کہا کرتے تھے نظامی ایک ناقص شاعر تھا جس نے یہ شعر کہا ہے

شعر

صحبت نیکاں زجہاں دور گشت　　خوانِ عسل خانہ زنبور گشت

رسول اکرمؐ کی صحبت جیسی کہ صحابہ رضؓ کو حاصل تھی ویسی ہی اب بھی آپؐ کی صحبت صاحبانِ حال اور محبانِ ذوالجلال کو حاصل ہے۔

حکایت۔ ہے کہ شیخ احمد عبدالحق جامع مسجد میں اوّل وقت جاتے اور اپنے ہاتھ سے اس میں جھاڑو دیا کرتے تھے۔ چالیس سال تک آپ نے جامع مسجد میں جھاڑو دی لیکن جامع مسجد کا راستہ پہچان نہ سکے۔ جامع مسجد جاتے وقت آپ کے مُرید آپ کے ساتھ لفظ حق حق کہا کرتے اور جدہر چلتے آپ بھی ادھر ہی جاتے کیونکہ ہر وقت بیخودی کے عالم میں آنکھیں بند رکھتے تھے۔ آپ اور آپ کے مُرید ذکر حق کیا کرتے تھے آپ کے سلسلہ والے السلام علیکم کے بجائے حق حق کہتے ہیں چھینکنے والے کے جواب میں بھی حق حق ہی کہتے ہیں اور اپنی خط وکتابت میں سرورق یا سرنامہ پر تین مرتبہ حق حق حق ہی لکھتے ہیں۔ دُنیا کے تمام کام کرنے وقت اور نماز و تکبیر وغیرہ کے بعد لفظ حق تین مرتبہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔ یہ رسم عام اگرچہ اب باقی نہیں البتہ تحریرات میں سرنامہ پر تین مرتبہ لفظ حق اب بھی لکھا جارہا ہے جس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ ان سنتوں کا چھوڑ دینا نا مناسب ہے۔ اور چھینکنے والے کے جواب میں "یرحمک اللہ" کہنا سُنّت اور لازم ہے۔ شیخ احمد عبدالحق نے بزمانہ سلطان ابراہیم مشرقی ۱۵۔ جمادی الثانی ۸۳۷ھ کو وفات پائی۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

حکایت ہے شیخ احمد عبدالحق کہا کرتے تھے حق کی ذات پاک اور بے نام ونشان ہے اگر اس ذات پاک کا کوئی نام مقرر کریں تو حق سے زیادہ کوئی اور بہتر نہیں ہے کیونکہ حق کے معنیٰ جملہ کمالات کا سزاوار اور ثابت بالذات ہے اس لئے ذات پاک کو حق کہنا اس کے کمال کی وضاحت کرتا ہے۔

شیخ عبدالقدوس نے اپنی کتاب انوار العیون میں اسم حق کی توجیہ میں بعض باتیں آپ کے موافق اصلاح تحریر کی ہیں۔ آپ کے بعض مُریدوں کے انتقال کے وقت بھی لفظ حق حق ہی ان کی زبان پر تھا۔ آپ کی خانقاہ میں غیب سے حق حق کی آوازیں سُنائی دیتی ہیں۔

حکایت ہے شیخ احمد عبدالحق نے ایک دن اپنے دوستوں سے کہا گازرون کے شہر میں خواجہ اسحٰق گازرونی کا چراغ جل رہا ہے جو قیامت تک روشن رہے گا۔ میں نے بھی

ایک دیگ کھانے کی پکائی دنیا بھر کے لوگوں نے اس میں سے کھایا اور اس میں سے ذرا سا بھی کم نہ ہوا یہ کھانے کی دیگ میں نے شاہراہ پر رکھ دی تاکہ ہر ایک آنے جانے والا اس میں سے کھاتا رہے۔ ایک دیگ اس طرح کھانے کے لئے رکھ دی اور دوسری دیگ پکوانا شروع کر دی۔ کھانے کے لئے جو دیگ شاہراہ پر رکھ دی تھی اس میں سے ہر ایک نے تین دن تک لگاتار کھایا لیکن وہ جوں کی توں بھری رہی تین دن بعد میں احمد عبدالحق نے خود اپنے آپ سے کہا شہرت بھی ایک آفت ہے۔ اور رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے وہ اپنے بندوں کو جانتا اور انہیں کھلاتا ہے۔ چنانچہ وہ دیگ جو پکنے کے لئے میں نے چڑھائی تھی چولھے پر سے اُتارلی اور حق کہہ کر زمین پر اوندھا دی اور طلب گاران فقر کے لئے لفظ حق کا اضافہ کر دیا۔ آپ پر اور تمام خاص بندگان خدا پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔

شیخ صلاح درویش

ردولی ضلع بارہ بنکی میں حوض کے اوپر آپ کا مزار ہے۔

پیدائش ۷۵۶ھ — وفات — ۸۲۵ھ شیخ احمد عبدالحق کا بیان ہے کہ سفر سے جب میں اپنے وطن ردولی واپس ہوا تو میں نے یہاں ٹھہرنے کی شیخ صلاح سے اجازت مانگی کیونکہ وہ یہاں کے صاحب ولایت تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں ردولی آکر اُن کے روضہ پر گیا فاتحہ خوانی کے بعد درود شریف پڑھ کر میں شیخ صلاح کے مزار پر بیٹھا اور میں نے کہا مجھے صرف جائے نماز اور ایک پانی کا گھڑا کافی ہے آپ مجھے یہاں قیام کی اجازت دیدیں اس پر شیخ صلاح کی قبر سے آواز آئی اے عبدالحق حوض پر آؤ اور جائے نماز و گھڑا لے لو۔ چنانچہ میں نے حوض میں ہاتھ ڈالا تو سب سے پہلے میرے ہاتھ میں گھڑا آیا میں نے وہ نکال کر دوبارہ ہاتھ ڈالا تو پلنگ کا پُرانا جھنگولا میرے ہاتھ لگا میں نے وہ بھی نکال لیا کہ شاید میری جائے نماز یہی مقرر کی گئی ہے۔

شیخ جمال گوجری

آپ شیخ صلاح درویش کے مُرید تھے اور اودھ میں شیخ احمد عبدالحق کی صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے۔

پیدائش ۷۹۸ھ وفات ۹۲۲ھ شیخ احمد عبدالحق کا بیان ہے میں نے پنڈوہ تک دیار بکر (مملکت عرب) سے سفر کیا لیکن راہ میں کسی مسلمان سے ملاقات نہ ہوئی۔ البتہ شیخ جمال گوجر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اودھ میں اس لڑکے کو

حکایت ہے شیخ احمد اودھ میں اپنے ساتھ ایک کتیا رکھتے تھے۔ اس نے بچے دیئے تو شیخ احمد نے اس کے بچے دینے پر شہر بھر کے رئیس، حاکم اور عوام کو دعوت دی اور انہیں کھانا کھلایا۔ دوسرے دن شیخ جمال گوجری نے آپ سے شکایت کی کہ آپ نے شہر بھر کو مدعو کیا لیکن مجھے کیوں نہیں بلایا تو آپ نے جواباً کہا کتیا کی دعوت میں شہر کے کتوں کو بلایا تھا کیونکہ اَلدُّنیا جِیفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ ترجمہ:۔ (دنیا مردار ہے اور کتے اس کے طلب گار ہیں) اور تمہارا شمار آدمیوں میں ہے اس لئے تم کو کیوں بلاتا۔

شیخ بختیار

آپ بھی شیخ احمد عبدالحق کے مرید اور خاص رازدار تھے سفر و حضر میں شیخ کے ساتھ رہتے تھے۔ شیخ عبدالحق کے پیدائش ۷۹۷ وفات ۸۵۸ھ مریدوں میں سے آپ کے سوائے کسی اور پر شیخ کی یہ خصوصی مہربانی نہ تھی کہ وہ شیخ کا ساتھی اور شریک ہوتا۔ شیخ بختیار ایک سوداگر کے غلام تھے جب وہ سوداگر اپنے جواہرات کی تجارت کی غرض سے ردولی آیا تو آپ بھی اس کے ساتھ تھے۔ شیخ احمد عبدالحق کو دیکھ کر آپ معتقد ہو گئے روزانہ صبح و شام شیخ احمد عبدالحق کی خدمت میں حاضری دیتے اور کھڑے رہتے۔ چھ مہینہ اسی طرح گذر گئے اور شیخ احمد عبدالحق نے آپ کی جانب توجہ نہ کی اور پوچھا تک نہیں کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام ہے؟ چھ ماہ بعد جب بختیار پر نظر کی تو شیخ احمد عبدالحق کی اس ایک نظر ہی میں بختیار مست ہو گئے اور اسی مستی میں گستاخی کے ساتھ کہا شیخ احمد عبدالحق تم اتنی نعمتیں رکھتے ہوئے بندگان خدا کو محروم رکھتے ہو۔ شیخ احمد نے بہت سمجھایا لیکن بختیار مستی کی حالت میں یہی الفاظ کہتے رہے آخر کار شیخ نے انہیں تھوڑا سا پانی پلایا تو بختیار ہوش میں آئے۔ اس کے بعد شیخ نے کہا بختیار! اپنے آقا کے پاس اور اُن کی مرضی کے مطابق کام کاج کرو۔ چنانچہ بختیار نے سر تسلیم خم کیا اور اپنے آقا کے پاس جونپور گئے جہاں اس کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس سوداگر جواہرات نے جب بختیار کا یہ حال دیکھا تو انہیں آزاد کر دیا بختیار میں آتش عشق و محبت ایسی سلگ رہی تھی کہ انہیں ایک لمحہ کے لئے بھی قرار نہ تھا۔ یہ اپنے پیر و مرشد شیخ احمد عبدالحق کے لئے بے تاب تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین پانی پتی نے عالم اسرار میں شیخ احمد عبدالحق سے بختیار کی سفارش کی اور کہا بختیار کی طرح تم کو دنیا میں کوئی نہیں پہچانتا۔ غرضکہ بختیار بے چارہ مال

واسباب وعزت وغیرہ چھوڑ چھاڑ بادل ناخواستہ جونپور سے رودولی آیا اور شیخ احمد عبدالحق کی خدمت میں مشغول ہوگیا۔ اور صداقت وخلوص سے پیش آتا رہا۔

حکایت ہے ایک دن شیخ احمد عبدالحق نے کہا بختیار! میں چاہتا ہوں کہ خانقاہ کے صحن میں ایک کنواں کھودا جائے یہ سنتے ہی بختیار فوراً پھاوڑہ لے آئے اور کنواں کھود کر اس میں سے پانی نکال لیا۔ شیخ نے اس پانی کو دیکھ کر اللہ اکبر کہا اور فاتحہ پڑھ کر وہ پانی لوگوں کو تقسیم کیا۔ پھر فرمایا اے بختیار اس کنویں کو باہر کی مٹی سے پاٹ دو۔ اور کنوئیں کی مٹی سے ایک چبوترہ بنا دو۔ بختیار نے باہر کی مٹی سے کنواں پاٹ دیا اور کنوئیں کی نکلی ہوئی مٹی سے چبوترہ بنا دیا اور بالکل دریافت نہیں کیا کہ کنواں کھودنے اور پاٹ دینے سے مقصد کیا تھا؟

حکایت ہے ایک دن شیخ احمد عبدالحق اپنے کمرہ میں بیٹھے تھے اور بختیار اُن کے سامنے کھڑے تھے۔ شیخ نے کہا بختیار کیا دیکھتے ہو؟ بختیار کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ کمرہ میں خالص سونا بھرا ہوا ہے اس کے بعد شیخ نے فرمایا بختیار اگر چاہیئے تو لے لو۔ میں نے عرض کیا خادم بختیار کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد شیخ نے فرمایا اچھا اب دیکھو۔ چنانچہ میں نے پھر کمرہ کو بغور دیکھا تو کمرہ اپنی اصلی صورت میں مٹی ہی کا تھا۔

حکایت ہے ایک دن شیخ احمد عبدالحق نے اپنے بیٹے شیخ عارف کو بختیار کے بلانے کے لئے بھیجا۔ شیخ عارف نے شیخ بختیار کے گھر پر آواز دی۔ شیخ بختیار اُس وقت اپنی بیوی کے ساتھ تھے اور ہم بستر ہوا ہی چاہتے تھے کہ شیخ کا بلاوا سن کر فوراً ہی کپڑے پہن کر پیرومرشد کی خدمت میں دوڑے ہوئے حاضر ہوگئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ بختیار میں بے انتہا شہوت تھی اور مجامعت کے لئے وہ فطری طور پر مجبور تھے۔ شیخ نے اپنے مرید بختیار کو عین اس حالت میں صرف امتحان کی غرض سے طلب کیا کہ وہ اس حالت میں بھی اپنے پیر کی سنتے ہیں یا دیر لگاتے ہیں۔

حکایت ہے ایک دن شیخ بختیار اپنے پیرومرشد کے پاس آئے اور عرض کیا میں تجارت کرنے جانا چاہتا ہوں شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جاؤ لیکن دریا پار نہ جانا کیونکہ دریا کے اس کنارے تک ہماری ولایت ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ بختیار کچھ پڑھے نہ تھے لیکن اپنے پیرومرشد شیخ احمد عبدالحق کی فیض

صحبت نے اُن میں یہ بات پیدا کر دی تھی کہ ان کی ہر بات قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطابق ہی ہوتی تھی۔ اللہ آپ پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ عارف

شیخ احمد عبدالحق رح کے فرزند تھے۔ اور اُن کے ہی جانشین ہوئے تقریباً چالیس سال کی عمر پائی۔ ہر قسم کے درویشوں کے محرم اسرار تھے اور تمام آدمی آپ سے خوش رہے۔

پیدائش ۸۱۵ وفات ۸۵۵ھ

حکایت ہے کہ شیخ احمد عبدالحق کے جولڑکا ہوتا وہ زندہ نہ رہتا۔ ایک دن آپ کی بیوی نے آپ سے شکایت کے طور پر کہا ہماری قسمت میں ایک بھی بیٹا نہیں۔ جو ہوتا ہے فرشتہ اُسے اللہ کی رحمت میں لے جاتا ہے۔ اس پر شیخ نے جواب دیا۔ ایک بیٹا دینا ہم پہ ضروری ہے وہ انشاء اللہ تم کو مل جائے گا لیکن ابھی وہ پختہ نہیں ہوا ہے۔ روم کے سفر میں اُسے پکا کر کے انشاء اللہ تمہارے حوالہ کروں گا مگر شرط یہ ہے کہ اُسے کچھ کہنا نہیں۔ اور ہمیشہ اس کی خوشنودی میں لگی رہنا۔ غرضکہ تھوڑے دنوں بعد ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عارف رکھا گیا۔ ان شیخ عارف کے بیٹے کا نام شیخ محمد ہے جو شیخ عبدالقدوس کے پیر مرشد تھے۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

شاہ داؤد

سرہر پور کے باشندے تھے چند واسطوں کے ذریعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رح کے خلیفہ تھے شاہ خضر تک آپ کا سلسلہ نسب جا ملتا ہے۔ شاہ داؤد ایک بڑے کامل درویش تھے۔

پیدائش ۹۴۰ وفات ۱۰۰۱ھ

کہتے ہیں کہ شیخ عبداللہ شطاری جب یہاں آئے تو لوگوں کا اُن سے ملنے کے لئے ٹھٹ لگ گیا۔ شاہ داود بھی ان کی ملاقات کے لئے ان کے دولت کدہ پر گئے۔ شیخ عبداللہ شطاری نے اپنی قدیم رسم کے موافق اپنے دروازہ پر ایک چوکیدار متعین کر لیا تھا کہ وہ بغیر اجازت کسی کو نہ آنے دے۔ شاہ داؤد نے شیخ سے ملنا چاہا لیکن چوکیدار نے منع کر دیا اس پر شاہ داؤد نے اپنی جسمانی قوت سے کام لے کر چوکیدار کو دھکا دیا اور اس کے سینہ پر پاؤں رکھتے ہوئے شیخ کے پاس زبردستی جا پہونچے۔ اور جس کرسی پر شیخ فروکش تھے اسی کرسی پر خود بھی بیٹھ گئے۔ شیخ نے شاہ کی عزت افزائی کی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اثنائے نشست میں شیخ کے نوکروں نے آپس میں کہا کوئی بے ادب خدا رسیدہ نہیں

ہوا اس پر شاہ داؤد نے جواب دیا کوئی با ادب خدا تک نہیں پہونچا۔ لوگوں نے کہا آپ کیا فرمارہے ہیں تو شاہ داؤد نے مکرر جواب دیا اگر میں ادب سے کام لیتا چوکیدار کو نہ مارتا تو شیخ کے حضور کیسے پہونچتا اور خدا تک رسائی کیسے ہوتی۔ شیخ عبداللہ شطاری یہ بات سن کر خوش ہوئے اور پھر شاہ داؤد پر مزید عنایت کی۔

شاہ نور

پیدائش ۹۵۱ وفات ۱۰۲۰ھ

شاہ داؤد کے مرید اور بزرگ آدمی تھے۔ صاحب تصرف اور کشف تھے۔ ابتداء میں دھوبی کا پیشہ کرتے تھے ایک مرتبہ کپڑے دھو رہے تھے کہ شاہ داؤد ان کے پاس اچانک پہونچ گئے اور ان میں جوہر قابل دیکھ کے فرمایا بابا کب تک لکڑیوں پر مارتے رہو گے؟ کوئی دوسرا کام شروع کردو۔ چنانچہ شاہ نور شاہ داؤد کے حکم پر دھوبی پن چھوڑ کر ریاضت الٰہی میں مشغول ہوگئے اور کمال حاصل کیا۔

شاہ نور کے ایک مرید و خلیفہ پیرک تھے جو انبالہ میں رہا کرتے تھے اگرچہ انھوں نے شیخ یوسف قتال کی بھی بیعت کی ہے لیکن ان کی تربیت و تمام تر انہی شاہ نور نے فرمائی ہے۔ چنانچہ وہ شاہ نور کے سلسلہ میں لوگوں کو مرید کیا کرتے تھے۔ کافی عمر کے صاحب حال و تصرف بزرگ تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ یوسف قتال کے انتقال کے بعد وہ دہلی آگئے اور انہی کے روضہ میں مشغول عبادت ہوگئے۔ ان کے شیخ نے ان سے فرمایا تھا کہ میں نے تم کو بابا ابراہیم خلیل کے سپرد کردیا ہے۔ شیخ پیرک گھوڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ گھوڑے بیچتے ہوئے علاقہ بہار کے گاؤں خرید میں پہونچے کہ انھوں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو زرق برق کپڑے پہنے بیٹھے ہوئے تھے۔ پیرک نے ان سے کہا ہندوستان کے پیر و مرشد بھی زرق برق لباس پہنتے ہیں۔ ان بزرگ نے باطنی طور پر معلوم کرلیا اور کہا تمہارے پیر نے جس کی بابت کہا تھا میں وہی ابراہیم خلیل ہوں چنانچہ پیرک نے ان کی خدمت کی اور انھوں نے ان کو خوب تربیت دی اور وصیت کی کہ کسی سے شرم نہ کرنا اس کے بعد وہ قندھار چلے گئے اور پیر کے حکم کے موافق عمل پیرا رہے۔ یہ شیخ پیرک سلطان بہلول کے زمانہ سے اکبر شاہ کی ابتدائی حکومت کے زمانہ تک زندہ رہے۔ اللہ ان سب پہ رحمتیں نازل کرے۔

شیخ سعدالدین خیرآبادی

آپ حضرت شاہ میناؒ[1] (لکھنوی) کے مُرید، حدودِ شریعت و طریقت کے عالم و محافظ، بلند ہمت بزرگ تھے۔

پیدائش ۸۷۲ھ — وفات — ۹۹۳ھ

اپنے مرشد کے طرز پر دنیا سے الگ مُجرّدانہ زندگی بسر کی۔ قوالی کے عاشق تھے علوم نحو، فقہ اور اصول میں چند کتابیں لکھی ہیں جیسے شرح مصباح۔ شرح کافیہ۔ شرح حسامی اور شرح بزدوی وغیرہ نیز رسالہ مکیہ کی خزانہ جلالی کی طرح جس میں مخدوم جہانیاں کے ملفوظات ہیں شرح لکھی ہے جس کا نام مجمع السلوک ہے جس میں عام طور پر حضرت شاہ میناؒ کے ملفوظات وحالات قلمبند کئے ہیں۔ جب حضرت شاہ میناؒ کا تذکرہ کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ میرے شیخ و پیرو مرشد حضرت شاہ میناؒ نے یوں فرمایا ہے۔ اور جب صرف لفظ شیخ لکھتے ہیں تو اس سے شیخ قوام الدین لکھنوی مراد ہوتے ہیں۔

شیخ سعدالدین نے علوم ظاہری کی تکمیل مولانا اعظمؒ سے کی جو اپنے زمانہ کے زبردست فقیہ اور عالم تھے۔

حضرت شاہ میناؒ نے بھی مولانا اعظم ہی سے عوارف المعارف پڑھی تھی۔

شیخ سعدالدین کے بکثرت مُرید تھے۔ چنانچہ شیخ صفی جو صاحب ذوق وحال بزرگ تھے اور شیخ مبارک سندیلوی جو احکام شریعت و آداب طریقت میں کامل تھے اور شیخ سالار، سید صفی انبالوی۔ شیخ اللہ دیا وغیرہ یہ سب آپ ہی کے مُرید تھے۔ شیخ اللہ دیا ملکی ہنگامہ کے باعث لکھنؤ آئے بڑے بزرگ اور سن رسیدہ تھے جنھوں نے ۹۹۳ھ میں وفات پائی اللہ ان سب پر رحمتیں نازل فرمائے۔

شاہ سیدو

ابتدائی زمانہ میں خاص بادشاہی ملازم تھے۔ اور بڑے دولتمند تھے لیکن جذبہ الہٰی کے مدنظر سب دنیادی ٹھاٹ باٹ چھوڑ چھاڑ کر شیخ حسام الدین مانکپوری کے پاس حاضر ہوئے اور ان کی خدمت کر کے خرقہ درویشی زیب تن کیا کہتے ہیں وہ اپنی جوانی میں کسی خاتون پر عاشق

پیدائش ۱۴۳۲ء وفات ۱۵۲۵ء

---

[1] آپ کا نام شیخ محمد تھا لیکن شاہ مینا کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کا مزار شاہ مینا روڈ متصل میڈیکل کالج لکھنؤ مرجع خاص و عام ہے آپ نے ۸۸۴ھ میں وفات پائی۔

تھے. درویش بننے کے بعد ایک دن خرقہ درویشی پہنے اُس خاتون کے پاس گئے۔ اس نے دیکھ کر کہا سیدو تم الہیہ ہو گئے. لکھنؤ چوک کی زبان میں الہیہ فقیر کو کہا کرتے تھے. اس واقعہ کے بعد ان کا لقب سیدو الہیہ ہو گیا۔ اور وہ خاتون بھی محبت کی وجہ سے فقیر بن گئی. شاہ سیدو شاعر بھی تھے چنانچہ ان کی غزل کا ایک شعر یہ ہے۔

شعر

دل گویدم سیدو بگو احوال خود یک یک براُو
آندم کہ خود می آید او سیدو کجا گفتار کو

کہتے ہیں ایک دفعہ شیخ حسام الدین، راجی شاہ اور شاہ سیدو تینوں کے پاس کپڑے نہ تھے۔ البتہ صرف ایک روئی بھری قبا موجود تھی. چنانچہ شیخ حسام الدین نے اس کے تین حصّہ کرکے ابرہ ایک کو دیا اور استر دوسرے کو اور باقی روئی خود پہن لی اور اس کو ایک رسّی سے باندھ لیا. یہ تینوں ننگے سر بھی تھے چنانچہ اسی حالت میں یہ سب جامع کی طرف روانہ ہو گئے راستہ میں ایک شخص نے کچھ حلوا پتوں میں لپیٹ کر پیش کیا تو حلوا باہمی تینوں نے تقسیم کرکے ان پتوں کی ٹوپیاں بنا کر پہن لیں۔ اللہ ان سب پر رحمتیں نازل کرے۔ شاہ سیدو کا مزار کڑہ مانکپور کے قریب فتح پور ہنسوہ میں ہے۔

راجی حامد شاہ

آپ شیخ حسام الدین مانکپوری کے مرید۔ صاحب نسبت و حال صاف باطن بزرگ تھے۔

پیدائش۔ ۸۰۹ وفات ۹۰۸ ھ کہتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں سادات گردیز کے دو بھائی دہلی آئے ایک کا نام سید شمس الدین تھا جنھوں نے میوات میں سکونت اختیار کی اور ان کی اولاد وہیں رہی ۔ دوسرے سید شہاب الدین تھے جن کی اولاد میں راجی حامد شاہ ہیں۔ ان کے آبا و اجداد بزرگ اور عزت دار تھے۔ دہلی والے ان کو راجی کہتے تھے۔ یہ پہلے پہل سپاہیوں کے لباس میں رہا کرتے تھے۔ آخر کار شیخ حسام الدین کی خدمت میں پہونچے. ان کی صحبت میں رہے اور سخت ریاض کیا. جس کی وجہ صفائی باطن اور حضور وقت حاصل ہوا. اگرچہ بقدر ضرورت علوم ظاہری کے مالک تھے لیکن بڑے بڑے علماء اور عقلمند آپ کے پکے معتقد تھے۔

کہتے ہیں اگر کوئی اپنے دل میں چاہتا کہ آپ کشف کے ذریعہ اس کے حالات بتائیں

تو آپ اس کے حالات خود ہی بیان کرنا شروع کر دیتے اور اسی سلسلہ میں اُس کے مقصود کو ظاہر کر کے اُس کا حل بھی بیان کر دیا کرتے تھے۔ آپ کا مزار بھی مانکپور میں ہے

راجی سیّد نور

راجی حامد شاہ کے فرزند تھے۔ اور اپنے والد کی طرح صاحب کرامت بزرگ تھے۔

پیدائش۔ ۹۰۱ وفات ۹۹۷ھ سپاہیانہ لباس پہنتے جس میں اپنے حال اور مشغولی باطن کو چھپائے رکھتے تھے۔ آپ کا مزار بھی مانکپور میں ہے۔

شیخ حسن طاہر

راجی حامد شاہ کے مُرید اور سید نور کے خلیفہ تھے۔ شیخ حسن طاہر کے والد جن کا نام شیخ طاہر تھا ملتان سے بہار آئے

پیدائش ۸۳۱ وفات ۹۰۹ھ اور عرصہ تک شیخ بڈہ حقانی سے تعلیم حاصل کی۔ بہار ہی میں شیخ حسن طاہر پیدا ہوئے۔ نوجوانی ہی سے درد طلب آپ کا دامن گیر تھا چنانچہ آپ درویشوں کی صحبت میں رہے۔

حکایت ہے کہ شیخ حسن طاہر نے فصوص الحکم جب ایک شیخ سے پڑھنا شروع کی اور آپ کے والد فصوص الحکم کی تحریرات وغیرہ کے مخالف تھے انھوں نے آپ سے ایک دن مسئلہ توحید کی تحقیق کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے مسئلہ توحید کو علمائے ظاہر کے مسلک کی طرح تفصیل سے بیان کیا۔ اس سے آپ کے والد مولوی شیخ طاہر کے مشکل عُقدے حل ہوگئے اور فصوص الحکم پڑھنے کی پھر اجازت دیدی اسی زمانہ میں راجی حامد شاہ کی بزرگی و مشیخت کی سب میں شہرت ہو چکی تھی۔ شیخ حسن بھی بغرض امتحان ان کے حالات دیکھنے گئے اور پہلی ہی ملاقات میں قوت جاذبہ ازلی کے سبب راجی حامد شاہ کے معتقد ہو گئے۔

شعر

زہرہ آنم کر بایں جاذبہ شوق   رخسار ترا بینم و بیتاب نگردم

علماء میں سے سب سے پہلے آپ ہی سید راجی حامد شاہ کے مُرید ہوئے۔ شیخ جونپور کے مشائخین میں سے تھے۔ سلطان سکندر کے زمانہ میں اسی کی خواہش پر جونپور سے ادھر آئے حکایت ہے کہ سلطان سکندر کا ایک بھائی جس کو سلطنت کرنے کا سودا سمایا ہوا تھا وہ شیخ حسن طاہر کا مُرید تھا اسی خیال کو لئے وہ ایک دن آپ کے پاس آیا اور عرض کیا حضور

دعا کریں تاکہ دہلی کی سلطنت مجھے مل جائے۔ آپ نے اس کو اس سودائے خام سے منع کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ایک کو ترقی دی ہے تم اس سے پرخاش نہ رکھو اور اس کی فرمانبرداری کرو۔ جب آپ کے اس جملہ کی خبر سلطان سکندر کو ہوئی تو وہ آپ کی کرامت و دیانت کا معتقد ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ پہلے سے بھی مشائخین دہلی سے ملنے کا مشتاق تھا اور یہ تو اس کی آتش شوق پر اور مہمیز ہوگئی۔

شیخ پہلے پہل جونپور سے آگرہ آکر عرصہ تک مقیم رہے۔ اور دہلی پہونچکر جے منڈل میں جس کا حصار و گنبد سلطان محمد تغلق نے تعمیر کرایا تھا مع اہل و عیال سکونت پذیر ہو گئے۔ یہیں آپ نے ۲۲- ربیع الاول ۹۰۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کی اکثر اولاد کی قبریں بھی یہیں ہیں۔

طریقۂ سلوک اور علم توحید میں آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ چنانچہ اپنی کتاب مفتاح الفیض میں بطور سوال و جواب لکھتے ہیں۔

سوال۔ سلوک کیا ہے۔ سالک کون ہے تزکیہ قلب و نفس، تخلیہ سر اور تجلی روح کیا چیز ہے۔ منزل، مقصد اور جذبہ کسے کہتے ہیں؟ وصول کیا چیز ہے؟ شریعت، طریقت اور حقیقت کا کیا مطلب ہے اور ان کے مقامات کیا ہیں؟

جواب۔ سلوک کے معنی لغت میں چلنا ہے۔ اور حسی طور پر چلنے کے معنی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جانا۔ اور یہاں سلوک سے معنوی طور پر چلنا اور معنوی انتقال مراد ہے۔ اسی سلوک و انتقال کو مرتبہ نفس میں تزکیہ کہتے ہیں تزکیہ نفس یہ ہے کہ نفس کو حیوانی بُری صفتوں سے دور کرکے فرشتہ صفت اچھے اوصاف سے متصف کر لیا جائے نیز نفس امارہ کو نفس لوامہ و نفس مطمئنہ سے بدل لیا جائے۔ دل کے سلوک کو تصفیہ کہتے ہیں۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ آئینہ دل کو دنیاوی رنج و غم کے زنگار سے اور دنیاوی رغبت و حرص و محبت اور غیر ضروری فکروں سے پاک و صاف کر لیا جائے۔ تخلیہ سر یہ ہے کہ اپنے سر میں غیر اللہ کی کوئی فکر نہ رکھے اور حق کے سوائے ہر چیز سے خواہ وہ جنت ہی ہو اس سے بھی علیحدہ رہے۔ اور سر کی نگرانی کرے یعنی اللہ کے سوائے دوسرے اندیشوں کو اپنے بھیجے اور سر میں نہ آنے دے۔ اور اگر اچانک کچھ دوسرے خیالات آجائیں تو فوراً دل سے ان کو نکال باہر کردے۔ تجلی روح یہ ہے کہ نور مشاہدہ حق، ذوق و شوق و محبت اسرار و انوار مشاہدہ کے ذریعہ روح کو پاک و صاف اور آراستہ کرے۔ حقیقت سلوک کے معنی یہ

ہیں کہ حیوانی اخلاق، انسانی اوصاف سے نکل کر اخلاق الٰہی میں سمو جائے۔

حضرت قطب عالم نے اپنے رسالہ مہمات میں شریعت، طریقت وحقیقت کی بابتہ تحریر فرمایا ہے کہ شریعت نام ہے پیروی کرنے کا۔ اور طریقت نام ہے انقطاع کا اور حقیقت کہتے ہیں اطلاع کو۔

غرضکہ شریعت نام ہے درمیانہ روی میں کمربستہ ہونے کا، طریقت نام ہے خود کو چھوڑ دینے کا اور حقیقت کہتے ہیں دوست سے پیوستہ ہو جانے کو۔ یعنی راضی خوشی فرمانبرداری کرنا شریعت ہے۔ غیر سے بیزار ہو جانا طریقت کہلاتا ہے اور دوست سے فائدے حاصل کرنا حقیقت ہے۔

شریعت غنا ہے، طریقت فنا ہے اور حقیقت بقا ہے۔ سالک ابتدا میں اچھی حالت رکھتا ہے درمیان میں معاد کی عقل پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں وہ اللہ کا نور بن جاتا ہے۔ راہ الٰہی میں کوئی منزل اور راستہ نہیں ہے کیونکہ راستہ ومنزل ہمیشہ دو چیزوں کے درمیان ہوا کرتا ہے اور جب دوئی اور غیریت نہیں ہے تو نہ راستہ رہا اور نہ منزل۔ حضرت حسین منصور حلاج سے لوگوں نے پوچھا کہ راستہ کا کیا حال ہے؟ جواب دیا کہ راستہ دو چیزوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ اور راہ الٰہی میں سیر کرنے کی بے انتہا منزلیں ہیں کیونکہ ان کی حدود وانتہا نہیں ہے۔

مقصد یہ ہے کہ وحدت حقیقی تک رسائی ہو۔ شرک احساس خودی اور غیریت سے علیحدگی ہو جائے۔

اور جذبہ کے معنی رحمت خاص کے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا۔ ترجمہ:۔ اسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عنایت کی! نیز رسول اکرمؐ کی دعا بھی یہی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِكَ تَهْدِیْ بِهَا قَلْبِیْ ترجمہ:۔ (اے اللہ میں آپ سے اس رحمت کا طلب گار ہوں جس سے میرا دل راہ راست پر آجائے) اسی کو فیض حق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ پاکیزہ انس وجن کا عمل مساوی ہوتا ہے اور یہ جذبات حق میں کا ایک جذبہ ہے۔

شعر

تو مستحق نظر شو کمال وقابل فیض   کہ منقطع نشود فیض ہرگز ازفیاض

اور اسی کی جانب رسول اکرمؐ نے یوں اشارہ فرمایا ہے اِنّی لاجِدُ نَفَسَ الرَّحمٰن مِن جَانبِ الیَمَنِ۔ ترجمہ:۔ (یمن کی جانب سے مجھے نفس رحمۃ کی خوشبو آرہی ہے)

مرد باید کہ بوئے داند برد ورنہ عالم پر از نسیم صبا است

شعر

دریں دیار ازاں سرخوشم کہ گاہے نسیم بوئے تو ام زیں دیار می آید

یہ بھی تجلی دائم اور فیض حق کی جانب ایک اشارہ ہے۔ جذبہ حق اور وصول بحق کے معنی یہ ہیں کہ اپنے زعم اور غیریت سے علیحدگی اور انقطاع کر لیا جائے اور وجود مطلق کی شان میں جہل و علم کو علیحدہ رکھ دیا جائے۔

مولانا الہ داد جونپور کے زبردست عالم تھے۔ کافیہ۔ ہدایہ۔ بزودی اور مدارک کی شرح لکھی ہے۔ طالب علمی ہی کے زمانہ سے تحریر و تنقیح کی مکمل قدرت رکھتے تھے۔ راجی حامد شاہ کے مُرید اور ایک واسطہ سے قاضی شہاب الدین کے شاگرد تھے۔

پیدائش ۱۴۴۹ء وفات ۱۵۲۶ء

حکایت ہے کہ شیخ حسن طاہر اور مولانا الہ داد طریقت و سلوک کا علم حاصل کرتے وقت ایک دوسرے کے ساتھی اور ہم سبق تھے۔ اور دونوں میں بڑی گہری محبت اور دوستی تھی شیخ حسن طاہر جب راجی حامد شاہ کے مُرید ہوئے تو مولانا الہ داد نے کہا میاں حسن تم نے طالب علمی کی عزت خاک میں ملادی۔ جس پر شیخ حسن نے جواب دیا۔ تم ایک دن اُن کے پاس چل کر امتحان کر لو پھر مجھے خود بخود معذور سمجھ لوگے۔ دوسرے دن دونوں دوست راجی حامد شاہ کے پاس جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ مولانا الہ داد نے جاتے وقت ہدایہ اور بزودی کے چند مسئلے جنھیں اسمات اشکالی کہتے ہیں اچھی طرح یاد کر کے ان کو ذہن میں رکھ لیا جب راجی حامد شاہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنی عادت کے موافق اپنے حالات بیان کرنا شروع کئے جس سے مولانا الہ داد کے مسائل خود بخود حل ہو گئے۔ چنانچہ مولانا الہ داد بھی راجی حامد شاہ کے مُرید ہو گئے۔ اور راہ سلوک کے حصول کے لئے ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔

شیخ معروف جونپوری آپ مولانا الہ داد شارح کے مُرید تھے مجاہدہ، ریاضت، ذوق و شوق میں کامل اور صاحب

پیدائش ۸۶۹ وفات ۹۸۷ھ

حال بزرگ تھے۔

آپ کے مُریدوں میں سے شیخ احمد زین جونپور میں بڑے متوکل، متقی اور زبردست عالم و بابرکت شخصیت تھے۔ اللہ ان دونوں پہ اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ بہاؤ الدین جونپوری

جونپور کے مشہور مشائخین میں سے تھے اور شیخ محمد عیسیٰ کے مُرید تھے۔ ترک

پیدائش۔ ۸۷۱ ـــــ وفات ـــــ ۹۴۷ھ

و تجرید اور صداقت و پاکیزگی میں نہایت ثابت قدم تھے۔

کہتے ہیں کہ صاحب نعمت و احسان شیخ حسین علاقہ گجرات کے دولتہ سے شیخ محمد عیسیٰ کی ملاقات کے شوق میں جونپور آئے ہوئے تھے۔ اور شیخ بہاء الدین اس زمانہ میں ایک صالح اور قابل طالب علم تھے۔ ان کی شیخ حسین سے ملاقات ہوگئی۔ اور یہ شیخ حسین کیمیا بنانا جانتے تھے یہ شیخ بہاء الدین جیسے قابل نوجوان کو فقیر و مستحق سمجھ کر دل میں گر رہے اور ان سے کہا تم کو ہمارے ساتھ جنگل چلنا چاہیئے۔ چنانچہ دونوں جنگل گئے۔ شیخ حسین نے وہاں کیمیا کی اکسیر بنائی اور شیخ بہاء الدین کو دیتے ہوئے کہا اس سے اپنی ضرورت کے موافق سونا بنا لیا کرو جب یہ ختم ہو جائے تو پھر ہم سے کہنا ہم اور بنا دیں گے۔ اس پر شیخ بہاء الدین نے جواب دیا یہ کیمیا کی اکسیر میرے کسی کام کی نہیں ہے بلکہ خادم کو آپ سے اک دوسری ہی کیمیا کی طلب ہے یہ سُن کر شیخ حسین بہت خوش ہوئے اور ان کی باطنی تربیت میں اور اضافہ کر دیا۔ اور اس باطنی تعلیم کا سلسلہ اس وقت تک جاری رکھا جب تک کہ خود شیخ عیسیٰ سے خلافت حاصل نہ کی۔ لیکن شیخ حسین جب شیخ عیسیٰ سے خلافت اور خرقہ لے کر اپنے مسکن دولتہ جانے لگے تو شیخ بہاء الدین نے شیخ حسین سے عرض کیا اب آپ مجھے مُرید کر لیجئے اور اجازت دیجئے۔ جس پر شیخ حسین نے کہا تمہارے پیر و مرشد اسی شہر میں ہیں۔ ہم سے تم کو جتنا مل سکتا تھا وہ مل گیا۔ اس کے بعد شیخ حسین دولتہ چلے گئے پھر ایک عرصہ بعد شیخ بہاء الدین کا دل ازلی علاقہ کے سبب شیخ عیسیٰ کی جانب متوجہ ہوا۔ اور یہ شیخ عیسیٰ کے مُرید ہو گئے اور اُن سے فیض حاصل کئے۔ ابھی خلافت حاصل کرنے نہ پائے تھے کہ شیخ عیسیٰ کا آخری وقت آ پہونچا۔ اور انھوں نے فرمایا اے بہاء الدین تم کو خرقہ خلافت میرے سید پہنائیں گے جو خلفا نے قریبی زمانہ

میں مانکپور تشریف فرما ہوں گے۔ غرضکہ مقررہ زمانہ کے موافق عین مقررہ وقت پر راجی سید حامد شاہ جونپور آئے۔ شیخ بہاء الدین نے ان کا استقبال کیا۔ جنھوں نے پہلی ہی ملاقات میں شیخ بہاء الدین کو خرقہ پہنا کر اپنا خلیفہ بنایا۔

شیخ بہاء الدین نے ــــــھ میں وفات پائی۔

شیخ بہاؤ الدین شطاری

آپ کے والد ابراہیم عطاء اللہ انصاری قادری شطاری حسینی تھے جو صاحب

پیدائش ۸۲۱ ــــ وفات ــــ ۹۲۱ھ حال اور جامع برکات وکرامات تھے۔ آپ کا وطن سرزمین ہند کے قصبہ جید میں ہے جہاں کسی مندوٹی بادشاہ پر آپ نے سکونت اختیار کی۔ سلسلہ قادریہ سے تعلق تھا اور شطاری مسلک رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی ایک کتاب میں شطاریہ مسلک کے اذکار و اشغال طریقے اور آداب بیان کئے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ قادریہ درج ذیل ہے۔ زمینوں اور آسمانوں کے شیخ سید سلطان حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانی رح کے ذریعہ اُن کے فرزند دلپسند شیخ عبدالرزاق جن سے دوسرے شیوخ مقررہ کے ذریعہ میرے پیرو مرشد سید احمد جیلی قادری شافعی تک سلسلہ پہونچتا ہے میرے پیرو مرشد سید احمد جیلی قادری شافعی نے مجھے تمام اذکار و اشغال سکھائے اور خرقہ قادریہ مجھے حرم شریف میں پہنا کر مطلق اجازت دی کہ میں دوسرے مستحق لوگوں کو مُرید کر کے خرقہ پہناؤں۔ اور جو کوئی میرا مُرید ہو جاتا ہے میں اس کو خرقہ پہنا دیتا ہوں۔

حکایت ہے کہ شیخ بہاؤ الدین کو عمدہ خوشبو سونگھنے سے وجد و حال کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ مرنے کے قریب ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ جبکہ آپ بے انتہا کمزور ہو گئے تھے ایک شخص نے عمدہ خلخہ سونگھایا جس کے سونگھتے ہی وجد آیا اور اسی حالت میں ۹۲۱ھ میں آپ نے انتقال کیا۔

رسالہ شطاریہ میں آپ نے لکھا ہے کہ اللہ تک رسائی کے اتنے ہی طریقے ہیں جتنے کہ مخلوقات کی سانسیں ہیں لیکن ان میں سے تین طریقے زیادہ مشہور ہیں۔

پہلا طریقہ اخیار اور اچھے لوگوں کا ہے اور وہ روزہ، نماز، تلاوت قرآن کریم، حج اور جہاد ہے۔ اور اس طریقہ پر رہنے والے بہت عرصہ تک عمل کرنے کے بعد تھوڑا سا مقصود حاصل کر پاتے ہیں۔

دوسرا طریقہ مجاہدہ اور ریاضت کرنے والوں کا ہے جو بُرے اخلاق کو تزکیہ نفس

تصفیہ قلب اور تجلی روح میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ اور یہ طریقہ پاکباز لوگوں کا ہے اور اس راہ میں چلنے والے اس راہ سے زیادہ اکثریت میں ہیں تیسرا طریقہ شطاری ہے جو ابتدا ہی میں اس مقام وصل تک پہونچ جاتے ہیں جہاں دوسروں کی انتہا میں بھی بمشکل رسائی ہوتی ہے۔ اور یہ طریقہ شطاریہ پہلے دونوں طریقوں کی بہ نسبت اللہ تک رسائی کا آسان اور نزدیک ترین راستہ ہے۔

طریقہ شطاریہ کے دس اُصول حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توبہ یعنی اللہ کے سوائے دیگر تمام مقاصد سے علیحدہ ہو جانا۔

۲۔ زہد۔ دنیا اور دنیاوی محبت سے کنارہ کشی خواہ کم ہو یا زیادہ۔

۳۔ توکل۔ یعنی اسباب سے قطع تعلق کر لینا۔

۴۔ قناعت یعنی خواہشات نفسانی سے بالکل الگ ہو جانا۔

۵۔ عزلت وگوشہ نشینی۔ مرنے تک لوگوں کے میل جول سے الگ ہو جانا۔

۶۔ توجہ بخدا۔ یعنی ہر خواہش سے جو غیر اللہ کو دعوت دیتی ہو اس سے علیحدہ ہو جانا یہاں تک کہ صرف اللہ ہی مطلوب ومحبوب ومقصود بن جائے۔

۷۔ صبر یعنی مجاہدہ کے ذریعہ نفسی خوشیوں کا خاتمہ کر دینا۔

۸۔ رضائے الٰہی۔ یعنی اپنی ذاتی خواہشات کی جگہ اللہ کے منشا وخوشنودی کو داخل کرنا اور اپنی زندگی بھر اللہ کے احکام ازلی کے آگے سرتسلیم خم کر کے اپنا سب کچھ تدبیر الٰہی کے سپرد کر دینا۔

۹۔ ذکر۔ ذکر الٰہی کے ماسوا سب کچھ ترک کر دینا۔

۱۰۔ مراقبہ۔ یعنی اپنی پوری زندگی میں موت آنے تک اپنی طاقت کے موافق اپنے وجود و وقوت سے علیحدہ ہو جانا۔

یاد رکھا جائے کہ اسماء ذکر کی تین قسمیں ہیں۔

اسم جلال۔ اسم جمال اور اسم مشترک۔ جب غرور وسختی کو اپنی ذات میں دیکھو تو پہلے اسم جلال کا ورد کرو تاکہ نفس سرکش تمہارا مطیع وفرمانبردار ہو جائے جیسے یا قہار، یا جبار یا متکبر وغیرہ۔ اس کے بعد اسمائے جمال جیسے یا مَلِکُ یا قُدُّوس یا عَلِیمُ وغیرہ پڑھو اس کے بعد اسمائے مشترک پڑھو جو یا مُومِنُ یا مُہَیمِنُ وغیرہ ہیں اور پھر جب تم میں انکساری وخاک

کی صفت جلوہ گر ہوجائے تو پہلے اسمائے جمالی اور پھر اسمائے مشترک اور آخر میں اسمائے جلالی کا وظیفہ پڑھتے رہو تاکہ تمہارا دل بالکل پاک وصاف اور روشن ہوجائے۔ اور ذکرِالٰہی سے دل کو صبر و قرار حاصل ہو۔ مقام ذکر کے لئے ننانوے نام متفرق رنگ کاری کے لئے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ صدم[1] ایک خاص مقام تمکین وصبر ہے۔ اور ذکر کرنے والے کو اسم اللہ کے ذکر میں صبر وقرار آتا ہے کیونکہ اللہ اسم ذات ہے اور باقی ننانوے نام اس کی صفتیں ہیں۔ یاد رہے جب تک ذکرِالٰہی میں اسمائے صفات شریک رہیں گے اس وقت تک متفرق قسم کی رنگ کاری ہوتی رہے گی۔ ذاکر کی جب اسم ذات تک رسائی ہوجاتی ہے تو اللہ اللہ کے لفظ کی سوزش ودرخشانی سے ذاکر کا خود کا وجود فانی مضمحل اور سوختہ ہوجاتا ہے تب جاکر کہیں مقام فنا حاصل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وجود فانی کے ختم ہوجانے کے بعد مقام بقا میں قدم رکھنا نصیب ہوتا ہے اندریں حالات مُرید صادق کو چاہیئے کہ ذکرِالٰہی کے بغیر دم نہ لے اور ذکرِالٰہی کے ذریعہ اپنے دل کو کشادہ کرے اور جب دل منور ہوجاتا ہے تو کشف کے ذریعہ تمام چیزیں اس پر کھل جاتی ہیں۔ یہ عالم بالا میں پرواز کرکے ہر ایک سے ملاقات کرتا ہے۔ اور ذکر حقیقی جو دراصل شہود حق ہے اس منزل میں نصیب ہوتا ہے۔

نیز اس کتاب میں سلوک کی کیفیت اور اس کے آداب وطریقے، شرائط ذکر اور اس کی اقسام و اسماء لکھتے ہوئے لکھا ہے۔

کشف ارواح کے لئے یا احمد و یا محمد پڑھنے کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ یا احمد کو داہنی طرف اور یا محمد کو اُلٹی جانب پڑھتے ہوئے دل میں یا مصطفیٰ کا خیال کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ کا چھ طرفہ ذکر کرے۔ تو تمام ارواح کا کشف ہوجاتا ہے۔ نیز مقرب فرشتوں کے نام بھی یہی اثر کرتے ہیں یعنی یا جبرائیلؑ و یا میکائیلؑ و اسرافیلؑ یا عزرائیل کا چار ضربی ذکر بھی یہی تاثیر رکھتا ہے۔ نیز یا شیخ یا شیخ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ حرفِ ندا یا کو دل کی سیدھی جانب سے کھینچے اور لفظ شیخ کی ادائگی کے ساتھ دل پر ضرب لگائے۔ اس سے بھی کشف ارواح ہوتا ہے۔

---

[1] صدم کے لغوی معنی زبردستی ہٹانا۔ سخت چیز کو سخت چیز پر مارنا اور یہ صوفیوں کی ایک اصطلاح بھی ہے یعنی ہر طرح۔ صبر کرنا از مترجم اقبال الدین احمد

درازی عمر کے لئے نماز فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک ہزار مرتبہ یاحیُّ یا قیّومُ پڑھے اور ظہر کی نماز کے بعد ہزار مرتبہ وَھُوَ العَلِیُّ العظیم پڑھے اور عصر کے بعد ھو الرحمن الرحیم ہزار مرتبہ پڑھے اور مغرب کے بعد ھُوَ الغنی الحمید ایک ہزار مرتبہ پڑھے اور عشاء کی نماز کے بعد ایک ہزار مرتبہ ھُوَ اللطیف الخبیر پڑھے۔ یعنی بتجو فتۃ اسمائے مندرجہ بالا پڑھنے سے عمر دراز حاصل ہوجاتی ہے۔ مراقبہ کی بابتہ لکھا ہے قرآن کریم کی وہ تمام آیات وکلمات جن سے توحید کے معنی سمجھے جاتے ہیں یہ سب اسمائے مراقبہ ہیں یعنی ان کو پڑھ کر مراقبہ کیا جائے جیسے کلمات مراقبہ کی مثالیں یہ ہیں۔ وَھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَمَا کُنۡتُمۡ۔ اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ۔ اَلَمۡ یَعۡلَمۡ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی۔ نَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ۔ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُحِیط۔ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ اِنَّ رَبِّیۡ مَعِیَ سَیَہۡدِیۡنِ۔

اللّٰہُ حاضری، اللّٰہُ ناظری اللّٰہُ شاھدی اللّٰہُ مَعِیَ۔ (۹) مراقبہ ذات محض۔ (۱۰) مراقبہ یاحَیُّ یاقیّوم (۱۱) مراقبہ انیس وعزیز (۱۲) مراقبہ تمام اسمائے حُسنیٰ (۱۳) مراقبہ تلاوت قرآن حکیم۔ (۱۴) شیخ کا خود میں فنا ہونے کا تصوّر۔ یہ چند رموز مراقبہ تحریر کئے گئے ہیں تاکہ قوم کے افراد ان میں سے کسی کو پسند کر کے مراقبہ شروع کردیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات کو اپنے تمام حالات میں ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ مسلماں جہاں اور جس حالت میں ہو اللہ اللہ دل میں کہتا رہے تاکہ دل پاک وصاف اور روشن ہوجائے۔

مراقبہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مراقبہ مشتق ہے رقیب سے جس کے معنی ہیں حفاظت کرنے والا یعنی مُرید جب تک مراقبہ میں ہے تو وہ اپنی جسمانی لذتوں کے مشاغل سے شیطانی وسوسوں سے۔ نفسانی خواہشات سے بے پرواہ اور سب غیراللہ سے الگ ہو کر صرف اللہ کے حضور میں متوجہ ہوجائے۔ اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ فکر افضل ہے ذکر سے کیونکہ یہ وہ باطنی شغل ہے جس کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ غرضکہ مراقبہ اس کو کہتے ہیں کہ جو دل کی نگہبانی وحفاظت کرے اور دل کو اللہ کی طرف لگائے رکھے۔ اور حق اللہ کے سوائے جو اور چیزیں ہیں ان کو مطلق دل میں نہ آنے دے۔ اور ایسے ہی صد رکھنے والے صوفی کو صاحب دل کہتے ہیں۔

شیخ بڈھن شطاری

آپ شیخ عبداللہ شطاری کی اولاد میں سے تھے سلطان سکندر کے زمانہ میں آپ کی مشیخت' ارشاد اور تربیت کا نقارہ بجتا تھا آپ طریقہ شطاری کے طلب گاروں کو تلقین کرتے تھے۔ مولف کتاب اخبار الاخیار کے چچا شیخ رزق اللہؒ نے بھی شیخ بڈھن شطاریؒ سے ملاقات کر کے ذکر الہی کی تلقین حاصل کی۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

پیدائش ۸۰۱ھ — وفات — ۸۹۹ھ

مخدوم مولانا عماد الدین غوری

نارنول کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے آبا و اجداد عرب سے عجم آئے اور پھر غور سے سلطان شہاب الدین غوری کے ساتھ ہندوستان آئے۔

پیدائش ۱۲۷۱ء — وفات — ۱۳۴۱ء

حکایت ہے کہ مولانا عماد الدین نے ابتدائی عمر میں تحصیل علم کی کوشش نہیں کی۔ وہ ایک بڑے پہلوان تھے اور پہلوانوں سے کشتی لڑا کرتے تھے۔ ایک دن اپنے سے زیادہ طاقتور پہلوان کو زمین پر چت گرا کر اتراتے ہوئے شیخی میں اپنے گھر لوٹ رہے تھے کہ ایک عالم نے ان کو اس حالت میں دیکھ کر افسوس کرتے ہوئے طعنہ دیا اور کچھ بُرا سا کہا۔ جس پر عماد الدین کو غیرت آئی۔ اور اپنی وضع قطع سے پشیمان ہو کر علم حاصل کرنے کی درخواست کی۔ چونکہ بچپن میں کچھ لکھا پڑھا نہ تھا اس لئے جوانی میں ان مولوی صاحب سے کچھ پڑھ نہ سکے۔

پھر نارنول میں شیخ محمد ترک کے روضہ میں رہنے لگے۔ ہمیشہ طہارت کے ساتھ ذکر' نوافل اور قرآن حکیم پڑھتے رہتے تھے۔ طہارت حاصل کرنے کے لئے روضہ میں سے باہر نکلا کرتے تھے۔ اور شیخ محمد ترک کی روحانیت سے حصول علم کے طلب گار و خواستگار تھے اٹھارہ سال تک اسی طرح عبادت کرتے رہے۔ ایک رات طہارت کے لئے روضہ میں سے نکلے تو پیچھے سے کسی نے ان کو پکڑ کر کہا مانگو کیا مانگتے ہو؟ یہ چونکہ اپنے باپ دادا کے طریقہ کے طلبگار تھے اس لئے انھوں نے علم و تقویٰ کی درخواست کی۔ جس پر انھوں نے کہا جاؤ اپنے بزرگوں کے کتب خانہ کو سامنے رکھو اور پڑھنا شروع کرو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر علوم دینی کھول دیئے۔

شیخ احمد مجد شیبانی کا بیان ہے کہ میں نے مولانا عماد الدین غوری کو اپنے بچپن میں دیکھا

تھا وہ ایک بڑے باکمال پیرو شریعت بزرگ تھے۔ رسول اکرمؐ کی کوئی سنت چھوڑتے نہ تھے۔ فقیر فقرا کو دوست رکھتے تھے۔ یہ مولانا عماد الدین غوری اُن مولانا عماد کی اولاد میں سے تھے جو سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں مشہور عالم تھے۔

کہتے ہیں سلطان محمد تغلق نے اپنی بادشاہت کے غرور کے نشہ میں کہا تھا کہ جب کہ اللہ کا فیض و کرم منقطع نہیں ہے تو فیض نبوت کس طرح ختم ہو سکتا ہے۔ اب بھی جو کوئی پیغمبری کا دعویٰ کرے اور معجزے دکھائے تو اس کی تصدیق کرنے میں کیا امر مانع ہے جس پر مولانا عماد نے فوراً برجستہ کہا۔ گُہ نہ کھاؤ کیا کہتے ہو۔ اس پر سلطان محمد تغلق نے ان مولانا عماد کو ذبح کرا کے ان کی زبان کھنچوالی۔ اللہ ان سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ علم الدین حاجی بڑے بزرگ، دنیاوی تعلقات سے دور اور تارک الدنیا تھے۔ مزدوری کے ذریعہ اپنی گزر بسر کرتے تھے۔ جب مکہ معظمہ گئے تو اپنے ساتھ ایک کلہاڑی، ایک درانتی اور ایک رمبا[1] لیتے گئے۔ راستہ میں لکڑیاں اور گھاس بیچ کر گذر اوقات کرتے اور مطلق بھیک نہ مانگتے نیز کسی سے نذر نیاز نہ لیتے۔ خود کو بزرگوں کی مانند بلند نہ رکھتے بلکہ عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے۔

کہتے ہیں کہ شیخ علم الدین سیدزادہ تھے لیکن لوگوں پر خود کا سید ہونا ظاہر نہ کرتے تھے۔ عالم خان میواتی آپ کا مُرید تھا اُس نے لاکھ چاہا کہ آپ کے لئے ایک گھر اور ایک خانقاہ تعمیر کردے لیکن آپ نے منظور نہ کیا۔ اور فرمایا شیخ محمد ترک صاحب ولایت ہیں تم جو عمارت میرے لئے بنانا چاہتے وہ اُن کے روضہ کے لئے بنا سکتے ہو۔

ابتداءً شیخ محمد ترک کا مقبرہ اور چار دیواری پست تھی لیکن عالم خان میواتی نے اس پر ایک عظیم الشان گنبد تعمیر کرایا جو اب تک موجود ہے۔

ملا محمد نارنولی نے شیخ حمزہ دھرسوی کا یہ قول بیان کیا ہے کہ مجھ شیخ حمزہ کے دادا اور شیخ صدر الدین کھرولی اور شیخ علم الدین حاجی یہ تینوں حج کے لئے روانہ ہوئے اور جب سمندر پار کرنے کے لئے لب ساحل پہونچے تو ملاحوں نے کہا جو کوئی اپنے حقدار رشتہ

---

[1] رمبا۔ بڑھیوں کا لوہے کا وہ اوزار جس سے لکڑی کو چکنا کرتے ہیں اور لکڑی چھیلتے ہیں۔

داروں کو چھوڑ آیا ہے وہ لوٹ جائے اور اپنے متعلقین کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔ اس پر شیخ علم الدین نے اپنی کمر میں سے درانتی کلہاڑی اور رمبا نکال کر بتاتے ہوئے کہا دیکھو یہ میرے متعلقین ہیں جو میرے ساتھ ہیں۔ ملاح ہنسنے لگے اور ان کو کشتی میں سوار کر لیا اور باقی ان کے دونوں ساتھی اپنے گھر واپس چلے گئے۔ شیخ علم الدین حاجی کا مقبرہ شہر نارنول کے باہر دھرسور جانے والی سڑک کے قریب ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

مخدوم شیخ محمد حسینی جیلانی اُچی

حضرت بڑے پیر صاحب کی اولاد میں سے تھے۔

پیدائش ۷۹۲ھ ——— وفات ——— ۸۹۴ھ اور چھ واسطوں کے ذریعہ آپ کا نسب نامہ درج ذیل ہے۔

شیخ محمد حسینی بن سید شاہ امیر بن سید علی بن سید مسعود بن سید احمد بن سید صفی الدین بن سید السادات شیخ سیف الدین عبدالوہاب بن شیخ السموات والارضین محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی۔ شیخ محمد صاحب عظمت وکرامت اور پرشکوہ وجلالت تھے۔ ظاہری شان وشوکت اور علوم معقول ومنقول کے ماہر ومالک تھے۔ ظاہری وباطنی نعمتوں کا فیض آپ کی ذات سے جاری تھا۔ اور کسبی ونسبی بزرگیوں کے حامل تھے۔ آپ کا وطن روم میں تھا جہاں سے خراسان آئے اور وہاں سے ملتان آکر قصبہ اُچہ میں مقیم ہو گئے۔

ایک مرتبہ پوری دنیا کا سفر بالکل تن تنہا اور بغیر ساز وسامان کے کیا۔ دوسری مرتبہ ہاتھی گھوڑے، شان وشوکت اور بے شمار ملازمین ومتعلقین کے ساتھ سفر کرتے ہوئے ملتان (پاکستان) میں تشریف فرما ہوئے بادشاہ وقت بھی آپ کا معتقد ہو کر آپ کا مرید ہو گیا جو آپ کے متعلقین وملازمین کے ساتھ نہایت فراخ حوصلہ کے ساتھ پیش آتا تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ ملتان میں عالم فاضل اور بزرگوں کا کال تھا کہ آپ نے اپنی بلند فطرت اور ذاتی عزت کے ذریعہ سب پر فوقیت ظاہر کی۔ اور مسند امتیاز پر انفرادی طور پر جلوہ فرما ہوئے آپ کو شعر گوئی سے بھی رابطہ تھا۔ حضرت غوث اعظمؓ کی شان میں اکثر نظمیں لکھی ہیں آپ کا ایک دیوان بھی ہے۔ قادری تخلص کرتے تھے صاف وسلیس زبان میں ترجیع بند بھی کہے ہیں جس میں سے کچھ شعر یہ ہیں۔

ترجیع بند

اندیم و قلندریم و چالاک — مستیم و معربدیم و بیباک
جا میم و صراحیم و بادہ — دُر و صدفیم و بحر و خاشاک
والی ولایت شش و پنج — حامی بلاد فہم و ادراک
مجموعۂ رازِ عالم دل — منصوبہ کشائے سِرّ لولاک
بگذشتہ زخویش بے کدورت — نگذشتہ زعشق جوہر خاک
آئینہ صاف با غسل و غش — صافی دل و پاک رائے شکاک
گر صاف شوی و پاک دائم — میگوئی چو قادری تو ناپاک

ما بلبل بوستان قدسیم
شہباز سفید دست انسیم

اس ترجیع بند کے آخری شعر میں تلمیح ہے جو شہبازیت کو حضرت غوث اعظم رضی سے دی ہے۔ وہ اس طرح کہ شہباز سفید بھی حضرت غوث اعظم کا ایک لقب ہے جس کی بعض متقدمین اولیاء نے آپ کی پیدائش سے پہلے ہی اطلاع دی تھی کہ حضرت غوث اعظم رض کو آسمانی فرشتے باز اشہب کہتے ہیں۔ جیسا کہ قصیدہ قطبیہ میں فرمایا ہے۔

انا بلبل الافراح املاء دوحها — طرباً وفی العلیاء باز اشهب

مخدوم شیخ محمد کا مقبرہ اُچہ (ملتان) میں ہے۔ آپ کے تین بیٹے ہوئے ایک شیخ عبد القادر ثانی جنہیں مخدوم ثانی بھی کہتے تھے۔ دوسرے سید عبد اللہ جو سلاست طبع اور اعلیٰ شعر گوئی میں اپنی آپ مثال تھے۔ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ آپ کی برتری شعر گوئی کی وجہ سے آپ کی خدمت میں اشعار روانہ کیا کرتے تھے۔ تیسرے سید مبارک تھے جو بلند مقام کے مالک تھے۔ جن کی اولاد میں سے ایک بزرگ میر میران ہیں جو بے انتہا بوڑھے اور با برکت بزرگ ہیں اور ان دنوں لاہور میں مقیم ہیں۔

مخدوم شیخ عبد القادر

آپ شیخ محمد حسنی والحسینی کے فرزند ہیں جو شیخ عبد القادر ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ ظاہری کرامات، آشکارا حالات، بلند مقامات اور عمدہ اوصاف کے

پیدائش۔ ۸۶۲ وفات۔ ۹۴۰ ھ

حامل تھے۔ کمالات ظاہری و باطنی میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ درخشاں نورانیت مع کامل حال کے مالک تھے اور آپ کا کمال خیال و گمان کی سرحدوں سے بھی آگے تھا۔ اکثر و بیشتر گنہگار و کافر آپ کے مشاہدہ جمال اور معائنہ کمال کے سبب توبہ کرکے مشرف بہ اسلام ہوئے آپ ہمارے شہر اُچہ میں حضرت غوث الثقلین رح کے حقیقی وارث اور کمالات میں انہی کے تابع ہیں اسی لئے آپ کو شیخ عبدالقادر ثانی کہا جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے اور سب سے زیادہ قابل فخر یہ بات ہے کہ آپ کو شیخ عبدالقادر ثانی کہا جاتا ہے۔

حکایت ہے کہ شیخ عبدالقادر ثانی نے اپنی نوجوانی نہایت ہی ناز و نعمت و آسودگی میں بسر کی۔ آپ عیش و نشاط کے اتنے دلدادہ تھے کہ گانے بجانے کی چیزیں کئی اونٹوں پر لد کر آپ کے ساتھ جاتی تھیں۔ لیکن سجادہ مشیخت اور مقام تربیت و ہدایت پر نشست کے بعد ہر قسم کے گانے بجانے اور قوالی سے بھی پرہیز کرنے لگے۔ اپنے مُریدوں معتقدوں اور طلب گاروں کو بھی قوالی وغیرہ سننے سے نہایت سختی کے ساتھ منع کرتے تھے اگر اچانک قوال وغیرہ کا کوئی بول آپ کے کان میں پڑ جاتا تو بارگاہ الٰہی میں اتنی گریہ وزاری کرتے کہ جان نکلنے کے قریب ہو جاتی۔ آپ پر حالت جذبہ کی ابتدار کا واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک دن اُچہ کے جنگل میں شکار کھیل رہے تھے۔ اور ایک تیتر عجیب و غریب آواز میں نالہ و فریاد کر رہا تھا اور ایک درویش بھی اس جنگل میں گھوم پھر رہا تھا اس نے اس تیتر کی آواز سن کر اور شیخ عبدالقادر ثانی کو دیکھ کر کہا۔ سبحان اللہ ایک دن وہ آئے گا کہ یہ نوجوان بھی اس تیتر کی طرح نالہ و فریاد کرے گا۔ درویش کی اس بات نے شیخ پر ایک خاص اثر کیا۔ ان پر ایک حالت طاری ہو گئی۔ اور غیر اللہ سے دل ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر اس کے بعد روزانہ ان پر جذب کے اسباب شوق کے آثار اور محبت الٰہی کے انوار کی مسلسل بارش ہونے لگی اور نتیجہ یہ نکلا کہ غیر اللہ سے تعلق ترک کرکے صرف اللہ تعالےٰ کے ہو گئے۔

حکایت ہے کہ شیخ عبدالقادر ثانی کے والد کے پاس کہیں سے مخمل کے تھان آئے انھوں نے آپ کے پاس یہ کہہ کے بھجوا دیئے کہ ان سے اپنا لباس بنا لو۔ لیکن شیخ نے ان مخمل کے تھانوں کی اپنے شکاری کتوں کے لئے جھولیں سلوالیں۔ اس واقعہ کی اطلاع جب آپ کے والد بزرگوار کو ہوئی تو انھوں نے آپ کو بلوا کر ڈانٹا ڈپٹا۔ اسی رات آپ کے والد نے خواب میں حضرت غوث اعظم رح کو فرماتے دیکھا کہ تم اپنے دوسرے بیٹوں کی دیکھ بھال کرو رہا عبدالقادر تو وہ ہمارا

بیٹا ہے۔ تم اس سے کچھ نہ کہو۔ اس کی تربیت ہمارے ذمہ ہے۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی شیخ عبدالقادر ثانی پر جذب و حالت کی فراوانی ہو گئی۔ توبہ کرکے تمام عیش و نشاط و لذات سے ہاتھ کھینچ لیا۔ گاجے باجے کے آلات توڑ واڈ اسلے۔ شکاری جانور چھوڑ دیئے اور سر منڈ واکر سلوک کی راہ لی۔ آپ کے والد ماجد نے اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی جانب کوچ کرنے سے پہلے ہی آپ کے سب بھائیوں میں سے آپ ہی کو صاحب سجادہ مقرر کر دیا تھا۔ آپ کے دوسرے بھائی بادشاہ وقت کے ملازم خاص تھے اور آپ بہت عرصہ پہلے اس کی ملازمت ترک کر چکے تھے۔ آپ کے والد کے انتقال پر بادشاہ وقت نے باوجود اس کے کہ اس کے دل پر آپ کی ترک ملازمت کا غبار تھا اُس نے آپ کے والد کے تمام کاغذات و مناصب و وظیفے کی بحالی کے ساتھ ایک نیا فرمان بھی آپ کے نام جاری کر کے اپنے خاص چوبداروں کے ذریعہ آپ کے پاس بھیجا لیکن آپ نے جواب دیا ہمیں اس میں سے کسی کی حاجت نہیں رہی ہے آپ جس کو چاہیں دیدیں۔ غرضکہ بادشاہ وقت کے غیض و غضب اور دشمنوں کے ہاتھوں آپ نے بہت کچھ تکلیفیں اٹھائیں لیکن آپ کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔

حکایت ہے بادشاہ وقت نے ایک فرمان جاری کیا کہ تمام مشائخین و بزرگ اگرچہ اُن سے کچھ تقصیر و تاخیر ہو گئی ہو سب کے سب فرداً فرداً ہمارے پاس تشریف لاکر مشرف فرمائیں ان کی تشریف آوری عین سعادت اور کرم نوازی ہو گی۔ اس فرمان کے جواب میں شیخ نے لکھا۔

اشعار

ہیچ باب ازیں باب روئے گشتن نیست　　ہر آنچہ بر سر ما می رود مبارکباد
کسے کہ خلعت سلطان عشق پوشیدست　　بکلہائے بہشتی کجا شود دلشاد

یہ واقعہ بھی بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ سلطان سنجر نے حضرت غوث اعظم کو لکھا تھا آپ اگر ہماری جانب تشریف لائیں تو مملکت سیستان پوری آپ کی خانقاہ کے نام پہ لکھے دیتا ہوں جس کے جواب میں غوث اعظم نے تحریر فرمایا تھا۔

اشعار

چوں چتر سنجری رُخ بختم سیاہ بود　　جز فقر اگر بود ہوس ملک سنجرام
زانگہ کہ یافتم خبراز ملک نیم شب　　صد ملک نیم روز بہ یک جو نمی خرم

بعض لوگ اس حکایت کو شیخ نجم الدین کبریٰ کی جانب منسوب کرتے ہیں اور باقی اللہ

ہی زیادہ جانتا ہے۔

حکایت ہے کہ پہلے پہل شیخ عبدالقادر ثانی کو اعمال و وظائف کا بہت شوق تھا ظاہری عبادت بڑے دل لگا کر انجام دیا کرتے تھے۔ اور دن بھر بات کرنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ اور آخر عمر میں استغراق و محبت الٰہی کا یہ عالم ہو گیا کہ فرائض و سنتوں کی ادائگی کے بعد جتنا وقت ملتا وہ سب مراقبہ میں صرف کر دیتے۔

فجر سے اشراق تک اور اشراق کی نماز کے بعد سے چاشت تک اور اسی طرح ایک نماز کے بعد سے دوسری نماز تک مشغول مراقبہ رہتے اور تھوڑی دیر کے لئے مسجد کی کسی چٹائی پر ہی آرام کر لیا کرتے۔ اکثر اوقات خود ہی اذان و اقامت کہتے اور امامت کیا کرتے۔ اکثر فجر کی اذان دینے کے بعد لوگوں کے گھروں پر جگانے جاتے اور کہتے سعادت خوش قسمتی کا وقت ہے اٹھو اور برکتیں سمیٹ لو۔ جب اذان فجر کے بعد لوگ فوراً آپ کے پاس جا پہونچتے تو فرماتے رسول اکرم صلعم نے مجھے اسی صبح کے وقت اپنے جمال جہاں تاب سے مشرف فرمایا ہے۔ اسی لئے میری خواہش ہے کہ تم لوگوں کو بھی اسی صبح کے تڑکے میں فیض پہونچاؤں لیکن تم لوگ کوتاہی کرتے ہو۔

حکایت ہے کہ ایک دن ایک قوال آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا توبہ کرو رباب و ستار کو توڑ پھینکو سر منڈوا دو اور درویش بن جاؤ۔ اس بدنصیب قوال کو تو اس کی توفیق نہ ہوئی البتہ اسی مجلس میں لنگایت (ہندو فرقہ) کا ایک سردار موجود تھا آپ کی بات اس کے دل میں بیٹھ گئی چنانچہ اس نے اپنے تمام گناہوں سے توبہ کی ابھی وہ بیٹھا ہوا گریہ وزاری کر رہا تھا کہ اس نے کہنا شروع کیا میں دیکھ رہا ہوں میرا بھائی جو گجرات میں تھا اس کا جنازہ نکل رہا ہے۔ اس کو لوگوں نے سپرد خاک بھی کر دیا یعنی مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی کی یہ معمولی سی برکت تھی کہ آپ کی ادنیٰ توجہ کی وجہ سے اس (قدیم لنگایت) نو مسلم کو فوراً ہی کشف جلی حاصل ہو گیا۔

حکایت ہے ایک مرتبہ ملتان میں بڑی شدت کا طاعون آیا لوگ کاروبار کرنے سے بھی عاجز ہو گئے۔ اس عام وبا میں لوگ اس جگہ کی گھاس جہاں آپ نے وضو کیا تھا اکھاڑ کر لیجاتے طاعون کی گلٹی پر ملتے اور اللہ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتے تھے۔

حکایت ہے شیخ عبدالقادر ثانی کہا کرتے تھے اللہ نے میرے ہاتھ میں ایسا اثر دیا ہے

کہ جس بیمار پر یہ ہاتھ لگ جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو شفا دیدیتا ہے۔ اور یہ اثر صرف غوث اعظمؒ کی نسبت و راثت سے پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ آپ کے اکثر ہم زمانہ لوگ کہا کرتے تھے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اللہ کے حکم سے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرتے اور مردوں کو زندگی دیتے ہیں۔

آپ کی عجیب و غریب کشف و بزرگی اک یہ ہے کہ ایک مرتبہ اُچہ و ملتان میں ایک عام وبا پھیلی وہ اس طرح کہ ہر شخص کی پسلیوں میں درد ہوتا اور کسی علاج سے فائدہ نہ ہوتا پہلو کی پسلیوں کے اس درد سے لوگ برابر مر رہے تھے کہ غیاث الدین سردار لنگاہ جو آپ کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہتے۔ متقی اور صالح تھے ان کو ایک رات رسول اکرم ﷺ نے ہاتھ بھر کا بانس کا ایک ٹکڑا عنایت کرتے ہوئے فرمایا یہ لے جاؤ اور ہمارے بیٹے عبدالقادر کو دیدو اور کہہ دینا کہ اس بانس کے ٹکڑے پر دس مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر جس مریض کو لگادو گے وہ انشاء اللہ بحکم الٰہی فوراً تندرست ہو جائے گا۔ اور اسی رات شیخ عبدالقادر ثانی کو بھی بشارت دی کہ ہم نے غیاث الدین کے پاس ایک امانت رکھادی ہے وہ اس سے لے لو اور کام میں لاؤ۔ کہتے ہیں اس بانس کے ٹکڑے سے وہ وہ عجیب و غریب چیزیں ظاہر ہوئیں جن کو لکھا نہیں جا سکتا۔ اس بانس کے ٹکڑے کے قصے ملتان میں اب تک مشہور ہیں۔

آپ کی والدہ سیدانی تھیں۔ جن کے والد شیخ ابوالفتح تھے جو شیخ ابواسحق کے بھانجے سید صفی الدین گازرونی کی اولاد میں سے تھے۔

مشہور ہے کہ صفی الدین گازرونی نے شہر اُچہ کی بنیاد رکھی اور اس میں عمارتیں بنوائیں۔ کہتے ہیں شیخ ابواسحٰق گازرونی نے اپنے بھانجے سید صفی الدین گازرونی کو خلعت خلافت پہنا کر ایک اونٹ پر سوار کیا اور کہا جدھر یہ اونٹ جائے تم ادھر چلے جاؤ۔ اور جہاں جاکر یہ بیٹھ جائے وہاں تم سکونت اختیار کرنا۔ چنانچہ وہ سرزمین جس کو اُچہ کہتے ہیں اونٹ یہو نچ کر بیٹھ گیا آپ نے اُٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اٹھا تو آپ نے اپنے شیخ کے حکم کے پیش نظر اس مقام کو اپنا ٹھکانا اور شہر اُچہ آباد کیا۔

کہتے ہیں اُچہ کے خطہ اور جنگل میں وہ کیفیت و حالت ہے جو کسی دوسری جگہ نصیب نہیں۔ اور یہی وہ سرزمین ہے جو وادی فراق و دیوانگی کی راہ دکھاتی ہے۔ اب بحالت موجودہ قدیم آبادی کے کھنڈرات اور نشانات تک باقی نہیں ہیں البتہ بزرگوں کی قبریں موجود ہیں اب اُچہ[1]

---

[1] کراچی سے ملتان جانے والی ریل پر ملتان سے بہت پہلے ایک ریلوے اسٹیشن کوٹ چھٹہ ہے جہاں سے چھ میل کے فاصلہ پر اُچہ کی معمولی سی آبادی ہے اور باشندوں کی اکثریت سادات کی ہے۔

ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اب بھی اس آبادی میں پہنچ کر ایک وجد و کیفیت طاری ہو جاتا ہے جس کو زبان قلم ظاہر نہیں کر سکتا اور پہلے تو خوب کیفیتیں آتی ہوں گی۔ یہ شیخ ابوالفتح دراصل شیخ عبدالقادر ثانی کی۔ والدہ کے دادا تھے جو بڑے بزرگ اور عالی مقام تھے۔ جنات وغیرہ کی حاضری میں مہارت رکھتے تھے۔

شیخ عبدالقادر ثانی نے (۸۰) سال کی عمر پا کر ۱۷۔ ربیع الاول ۹۴۰ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے بھی تھے وہ بھی بزرگ و برتر ہوئے ہیں۔

شیخ عبدالرزاق

صاحب فضائل و مناقبت و مفاخر و ہمت بلند اور عظیم الشان تھے۔ شیخ عبدالقادر ثانی کے فرزند تھے جن کی وفات کے وقت پیدائش ۸۲۵ وفات ۹۴۲ھ موجود نہ تھے کیونکہ کسی وجہ سے جانب ناگور گئے ہوئے تھے۔ وہیں ناگور قیام کے زمانہ میں آپ نے ایک دن کہا کہ والد بزرگوار شیخ عبدالقادر ثانی نے مجھے آواز دے کے اپنے پاس بلایا ہے ضرور کوئی خاص واقعہ ہے۔ لیکن ناگور سے روانگی میں آپ کو کچھ دیر ہو گئی اس لئے انتقال پدر بزرگوار کے سانحہ پر بروقت نہ پہونچ سکے بلکہ کئی دن بعد پہونچے۔ اور والد بزرگوار کی وصیت کے مدنظر خرقہ خلافت زیب تن کر با مجاز شیخ کی حیثیت سے سجادہ نشین ہوئے۔

آپ نے ۵۔ جمادی الثانی ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔

سید زین العابدین

آپ شیخ عبدالقادر ثانیؒ کے دوسرے بیٹے تھے جو اپنے والد کی زندگی ہی میں عالم جاودانی کی جانب کوچ کر گئے پیدائش۔ ۸۴۲ وفات۔ ۹۹۴ھ سید زین العابدین کی والدہ ماجدہ ایک صالحہ عابدہ اور صبر شکر کرنے والی سیدانی تھیں۔ آپ کے ایک صاحبزادہ میر محمد سید محمد تھے جو اپنے دادا کے منظور نظر اور ان کی مہربانیوں و شفقت کی آغوش میں رہے۔ شاہ الہ بخش اور ان کے دوسرے بھائی جو لاہور میں رہتے ہیں یہ سب میر سید محمد کے بیٹے اور سید زین العابدین کے پوتے ہیں۔ شاہ الہ بخش اخلاق حمیدہ اور صفات برگزیدہ کے مالک تھے جنھوں نے ۹۹۴ھ میں علاقہ بنگال میں انتقال کیا۔ اللہ آپ پر اور آپ کے بزرگوں پر رحمتیں نازل کرے۔

مخدوم شیخ حامد ابن شیخ عبدالرزاق بن شیخ عبدالقادر ثانی ہیں جو سچے سجادہ نشین اور خلیفہ مطلق حضرت غوث اعظم کے تھے بزرگ

پیدائش۔ ۸۸۵ وفات ۹۷۸ھ کامل رفعت مآب مظہر کبریا وجلال۔ صاحب تصرف و کرامت، ذی عظمت وجلالت بلند ہمت اور عالی مقام شخصیت تھے۔ ہر قسم کا دنیاوی مال ومتاع بکثرت آپ پاس موجود تھا۔ لیکن کبھی اتنی دولت اپنے پاس نہ رکھی کہ نصاب تک پہونچتی اور آپ پر زکوٰۃ واجب ہوتی۔ جو کچھ آتا ہمیشہ بانٹتے رہتے۔

اپنے دادا شیخ عبدالقادر ثانی کے مرید تھے۔ کافی شہرت کے مالک تھے نیز اپنی زندگی ہی میں اپنے اس بلند سلسلہ کا اپنی بزرگی ومشخت کی وجہ ڈنکا بجایا اور نام اونچا کیا۔ جس نے آپ کی مخالفت کی وہ سرسبز نہ ہوسکا۔ اور اُس نے اپنی زندگی ہی میں ندامت وپشیمانی سہی۔ آپ نے اپنی زندگی ہی میں خلافت وسجادہ نشینی اپنے فرزند بجمیع القاب جمال الدین ابوالحسن شیخ موسیٰ کو عنایت کی۔ اور ساتھ ہی اشغال باطن کی تلقین اور دیگر ظاہری لوازمات ومتابعات میں کامل کرکے اپنی پدری محبت کے تحت اپنے دادا صاحب کی خوشنودی وقابلیت واستحقاق کے جوہر دیکھ کے سلسلہ عالیہ قادریہ کی دولت ان کو سپرد کی۔ اور پھر تھوڑے دنوں بعد ۱۹۔ ذی الحجہ ۹۷۸ھ میں وفات پائی۔

شیخ موسیٰ میں رسول اکرمؐ جیسا خُلق بربنائے وراثت تھا یہ اپنے زمانہ ہی میں سلسلہ عالیہ قادریہ کے بالراست سجادہ نشین تھے۔ حضرت غوث اعظمؓ سے نسبت باطنی کے سوائے ایک اور بھی نسبت ہے جو خاص لوگوں کو ہوا کرتی ہے۔ آپ نے اکثر مرتبہ حضرت غوث اعظمؓ اور سرکار دوعالمؐ کی خواب میں زیارت کی۔ نیز آپ نے اپنے پردادا شیخ عبدالقادر ثانی سے بطریقہ کشف قبور ملاقات کی اور ان کی بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔ آپ علم، بُردباری، بہادری اور سخاوت میں حضرت علی کے وارث تھے حسن صورت وسیرت میں بارہ اماموں کے ہم رنگ تھے۔ بلیغ دلکش اور مسخر صورت کے ساتھ خلق عظیم کی سیرت رکھتے تھے۔ لوگ جب تک درود شریف پڑھتے رہیں اسوقت تک اللہ ان کے نورجمال سے دنیا کو بقعہ نور رکھے۔

شیخ داؤد آپ مخدوم شیخ حامد حسنی وحسینی کے مُرید وخلیفہ تھے۔ صاحب حال صحیح اور کشف ظاہر کے مالک تھے۔ راہ سلوک میں

پیدائش۔ ۸۹۹ وفات ۹۸۲ھ بے انتہا ریاضت اور مجاہدے کئے۔ ہاتف غیبی سے اشارات لاریب سُنے۔ حالت جذب کی ابتدا، نیز راہ سلوک میں قدم رکھنے کی ابتدا میں یوں ہوئی کہ

دوران حصول تعلیم میں اللہ نے توفیق دی اور ریاضت و مجاہدہ کا راستہ دکھایا۔ نفس و خواہشات کے خلاف آپ نے اُس ضبط سے کام لیا جو تحریر و تقریر سے خارج ہے۔ کبھی شروع شام سے عبادت میں کھڑے کھڑے صبح کر دیتے اور رکوع تک نہ کرتے۔ کبھی پوری رات رکوع قعدہ یا سجدے میں بسر کرتے اس طرح سخت سے سخت عبادت کیا کرتے تھے کئی سال تک اسی طرح عبادت کرتے ہوئے جنگلوں میں رہے اور اتنی عبادت کی کہ دل سے تمام وسوسے نکل گئے اور تعلقات دنیاوی سے بے نیاز ہو گئے۔ فیض باطن کے ذریعہ تفرقہ و تشویش کے بھنور سے نکل کر اطمینان کا بستر باندھا۔ اس کے بعد قیام سنت کی خاطر توبہ کر کے راہ سلوک میں طریقہ مشائخین کے پیش نظر اللہ کی جانب متوجہ ہوئے چنانچہ کمال حال، طلب صداقت، اور قوت استعداد کے مدنظر سلسلہ عالیہ قادریہ سے وابستہ دامن ہونے کی بشارت پائی۔ اس کے بعد آپ نے پھر بارگاہ الہیٰ میں توجہ کی کہ خاندان عالیہ قادریہ میں کس خلیفہ کے ہاتھ میں ہاتھ دوں؟ توغیبی اشارہ ہوا کہ حضرت غوث اعظم رضہ کے سچے خلیفہ سید حامد کی خدمت میں حاضری دو۔ چنانچہ آپ نے مخدوم شیخ حامد حسنی و حسینی کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے بیعت کی اور انہی کی عنایتوں سے نعمت خلافت حاصل کی۔

حکایت ہے شیخ داؤد مجلس میں اس طرح پریشان بیٹھتے گویا آپ کی کوئی چیز گم ہوگئی ہے یا محبوب کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ پھر یکایک ذوق و حالت طاری ہو جاتی اور حقائق و معارف بیان کرنے لگتے۔ نہایت اونچی باتیں اور راز کے نکتے ارشاد فرماتے۔ اور کہتے عراق کی سمت سے میرے دل کو ہوا لگتی ہے جس کے ساتھ اللہ کی خوشبو ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر آپ بغداد کی جانب دیکھتے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو حضرت غوث اعظم رضہ سے نسبت معنوی تھی۔

شیخ قطب عالم کہا کرتے تھے کہ میں جب شیخ داؤد کے پاس گیا تو آپ کو اس جذبہ و غلبہ حق کی حالت میں بھی وعظ و نصیحت کرتے پایا۔ ایک مرتبہ میرے دل میں آیا کہ شیخ داؤد طریقہ مہدیہ رکھتے ہیں یہ خیال میرے دل میں آیا ہی تھا کہ شیخ نے بغیر کسی وقفہ وغیرہ کے سر اٹھا کر فرمایا فرقہ مہدویہ ایک گمراہ و باطل فرقہ ہے اور پاس انفاس کا قاعدہ ان کو بہ سند صحیح رسول اکرم ﷺ سے حاصل نہیں ہوا ہے یاد رہے کہ ذکر کا کمترین درجہ دراصل سماع نفس ہے۔ آپ کے

روحانی جانشین اس وقت شیخ ابوالمعالی ہیں جو عالی قدر و والا منصب رکھنے کے باوجود سخت ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہیں۔ کافی شہرت کے مالک ہیں۔ تندرست و توانا ہیں اور حسن مقال کی صفلت سے موصوف ہیں۔ غوث اعظمؓ کے مناقب فارسی زبان میں نہایت لطیف و نصیح بندشوں کے ساتھ سادہ و شیریں الفاظ میں کہتے ہیں۔

مؤلف اخبار الاخیار کو ان سے ملنے کا شوق ہے انشاء اللہ یہ آرزو بھی پوری ہوگی۔

حضرت شیخ داؤدؒ نے ۹۸۲ھ میں وفات پائی۔ اور مشتاق منان سے بھی یہی تاریخ نکلتی ہے۔ آپ کا مزار شیر گڑھ (علاقہ پنجاب) میں ہے جو مرجع خاص و عام ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں آپ اپنی زندگی میں رہا کرتے تھے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

میر سیّد اسمٰعیل

آپ سید ابدال کے فرزند تھے جن کا سلسلہ شیخ عبدالرزاق سے غوث اعظم تک جا ملتا ہے۔ میر سید اسمٰعیل ہی وہ بزرگ

پیدائش۔ ۸۰۹ وفات ۹۰۶ ھ

ہیں جنھوں نے ہمارے اس ملک میں غوث اعظمؓ کی سجادگی کا طریقہ رائج کیا۔

شیخ محمد حسن، شیخ امان اور دوسرے درویش آپ کے معتقد اور آپ سے نسبت رکھتے تھے۔ آپ نے ۹۰۶ھ میں وفات پائی آپ کا مزار رنتھور میں ہے جہاں آپ کسی تقریب کے سلسلہ میں تشریف لے گئے تھے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ قمیص

سید ابی الحیواۃ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کو بھی شیخ عبدالرزاق سے سلسلہ کی نسبت حاصل تھی۔ علاقہ بنگال سے فقر و تجرد کے

پیدائش ۸۹۷ وفات ۹۹۲ ھ

ساتھ آکر قصبہ سالورہ خضرآباد میں مقیم ہوئے اور ایک عرصہ تک تجرید و فقر کی زندگی بسر کی۔

سید نصر اللہ جو عالم دین و عامل صاحب حال و متبع سنت و راہ راست پر مستقیم تھے انھوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ انکا نکاح کر دیا۔ شادی کی وجہ سے آپ نے سالورہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور کافی شہرت کے مالک ہوئے۔ اس علاقہ اور آس پاس کے اکثر و بیشتر لوگ آپ کے عقیدت مندی کے ساتھ مرید ہوئے اور درویشوں کی ایک جماعت بھی جو آپ کی خدمت میں رہی خود کو آپ کی جانب منسوب کرتی ہے۔ ان درویشوں کے منجملہ شیخ عبدالرزاق جو شیخ بہلول کے نام سے مشہور ہیں آپ ہی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یہ شیخ بہلول علم شریعت و

طریقت میں کامل بزرگ تھے۔ ابتدا ہی سے عبادت، تقویٰ و صلاحیت کے کام کیا کرتے تھے۔ اپنی فطری نیک بختی کے سبب جب تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہو چکے اور خوش اخلاقی و عمدہ صفات کے مالک ہو گئے تو از روئے واقعہ ان سے زیادہ حق گو درویش سالک اس زمانہ میں کوئی نظر نہ آیا۔ یہ لوگوں میں سلوک کی تلقین اس طرح کرتے کہ رسول اکرم ؐ کی پیروی کرتے ہوئے راہ اسلام سے قدم ہٹنے نہ پائیں۔ اور ایسا بلند کردار شخص بہت ہی نایاب ہوتا ہے۔

شاہ قیص ؒ نے بنگال میں وفات پائی کیونکہ بادشاہ وقت نے ایک کام سے ان کو بنگال بھیجا تھا۔ جہاں سے ۲۔ ذی قعدہ ۹۹۲ھ کو لاکر سالورہ میں آپ کی میت سپرد خاک کی گئی۔

اس عظیم الشان خاندان کا سلسلہ ہمارے ملک میں وہی مشہور ہے جو قبل ازیں ہم نے ترتیب وار بیان کیا ہے اور سید شاہ محمد فیروز آبادی نے بھی اسی سلسلۂ نسب کا دعویٰ کیا ہے۔

سید شاہ محمد فیروز آبادی کے متعلق ہمارے ہاں یہ عجیب و غریب قصہ مشہور ہے کہ یہ دکن کے علاقہ سے دہلی آئے اور خود کو حضرت غوث اعظم ؓ کے سلسلہ کی آخری کڑی کہنے کی دھوم مچائی۔ چونکہ طور طریقے 'صورت شکل' مشغولیت عبادت' اوراد و وظائف کی کثرت پاکیزگی اور استغنا وغیرہ سب آپ میں جمع تھے اس لئے دہلی والے آپ کے معتقد ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلطان ابراہیم کو ظہیر الدین بابر بادشاہ کی جانب سے حملوں کا دغدغہ لگا ہوا تھا۔ سلطان ابراہیم درویشوں کی خدمت میں جا کر مضطربانہ طور پر التماس حصول مقصد کیا کرتا تھا لیکن قضا و قدر کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی۔ غرضکہ ظہیر الدین بابر کو فتح ہوئی اس کے دور حکومت میں بھی سید شاہ محمد ایک عرصہ تک قلعہ فیروز آباد کی آبادی میں مقیم رہے۔ علاوہ ازیں سلطان نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کے زمانہ میں بھی قدر و عزت کے مالک اور بلندی درجات و مراتب کے حامل تھے۔ البتہ اسلام شاہ بن شیر شاہ لودھی کے زمانہ میں آپ کی مشیخت و بزرگی میں اور چار چاند لگ گئے۔ اور وہ آپ کا اتنا معتقد ہو گیا جو حد و تقریر و تحریر سے خارج ہے۔ بادشاہ وقت کی دیکھا دیکھی دوسرے حکامان سلطنت بھی آپ کے معتقد اور مرید ہو گئے۔ بعض درویش اور طلبگار بھی آپ کے مرید اور خلیفہ ہوئے۔ غرضکہ اس دور میں آپ کی مشیخت کا بول بالا رہا۔

اسی زمانہ میں وہ بزرگ سید زادے باہر سے دہلی آئے ایک میر شمس الدین محمد تھے جو بڑے

عالم فاضل، عقلمند و فلسفی، ولی، ہرفن کے ماہر اور علم طب میں یکتائے روزگار تھے جنھوں نے تجرد کی زندگی بسر کی تھی اور پوری دنیا کا سفر کیا تھا وہ دو تین کتابیں اپنے خدمت گار کے ساتھ رکھا کرتے تھے۔ بڑے باہمت تھے عرصہ تک کابل میں رہے تھے۔ اور نصیرالدین ہمایوں بادشاہ کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔

دوسرے بزرگ سید ابوطالب تھے جو بغداد کے سادات میں سے تھے خوب صورت وسیرت جوان آدمی تھے۔ زمانہ کے انقلاب کی وجہ اپنے وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ بعض سفروں میں میر شمس الدین کے ساتھی بھی رہے تھے۔ چونکہ دونوں میں اسلامی مواخات قائم ہوگئی تھی اس لئے دونوں ہندوستان کے سفر کے لئے شریک ہوگئے تھے۔

سید شاہ محمد فیروزآبادی نے جب ان دو عظیم الشان بزرگ سادات کی آمد کی خبر پائی تو ان کو اپنے جانب کھینچنا چاہا۔

شاہ محمد کی کئی لڑکیاں تھیں جن کی شادی کی یہاں کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

ان دونوں بزرگوں کی آمد سے پہلے ہی شاہ محمد شہر کے اکثر لوگوں سے کہا کرتے تھے ہم عربی نسلی ہیں۔ اور عرب میں ہمارے عزیز موجود ہیں جو شریف و برگزیدہ ہیں۔ اگر وہ آجائیں تو میری ان لڑکیوں کی شادیاں ہوجائیں۔

غرضکہ ان دونوں بزرگوں کی آمد پر جو دہلی میں بے یار و مددگار اجنبی مسافر تھے اور جن کے ٹھہرنے کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا شاہ محمد نے ان دونوں کو اپنا مہمان بنایا۔ ان کی خوب خاطر تواضع کی اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پھر ایک دن شاہ محمد نے سید ابوطالب کو اپنی لڑکی کا پیغام نکاح بھجوایا جس پر سید ابوطالب نے جواب دیا۔ ہم مسافر ہیں تجرد کی زندگی بسر کرتے رہے اور اب بھی اکیلا رہنا چاہتے ہیں۔ شادی کے معاملہ سے ہم کو معاف رکھا جائے! چانک اسی رات ان دونوں سیدوں کو شاہ محمد کے گھر ہی میں کسی نے قتل کردیا۔ لوگوں میں ان کے اچانک قتل سے ایک شور مچ گیا اور لوگ بے انتہا رنج کرنے لگے یوں معلوم ہوتا گویا کربلا کا منظر ہے۔ غرض کہ ان دونوں سیدوں کا جنازہ ان کے خون آلود کپڑوں میں سیاہ جھنڈوں کے ساتھ اٹھایا گیا۔ ایک کہرام مچا ہوا تھا۔ بچہ بوڑھا۔ عورت مرد سب ہی روتے پیٹتے۔ کپڑے پھاڑتے اور دیوانوں کی طرح نوحہ و غم کر رہے تھے۔ جس کا تصور ان چند شعروں سے ہوتا ہے۔

اشعار

بازاے فلک زبہر خدا ایں چہ ماجرا است | بازایں چہ ظلم اینچہ حسین ایں چہ کربلا است
بازایں چہ کوفہ ایں چہ فراق است اینچہ وخت | عاشور نیست ورنہ تضیہ بعینہا است
ایں زہر باز باحسن و مجتبی کہ داد | ایں تیغ باز بر سر شیر خدا کراست
باز اینچہ درد اینچہ الم اینچہ محنت است | باز اینچہ ہجر اینچہ فراق اینچہ ابتلا است
باز اینچہ غصہ در جگر انس وجاں نشست | باز اینچہ فتنہ در سرکون ومکاں بجاست
بازایں باہل بیت نبوت کہ ظلم کرد | بازایں بخانداں پیمبر ستم کہ خاست
آں ریش کہنہ را دگر از سر کہ تازہ کرد | ویں داغ خشک را دگراز بر کہ پوست کاست
اے وائے بر محبت دنیا وکار او | زنہار دل مبند برایں کار وبار او

غرضکہ ان دونوں سیدوں کو مدینہ منورہ میں روضہ قدرگاہ حضرت عالم پناہ صلی اللہ علیہ والہ واصحابہ وسلم کے حرم پاک میں دفن کیا گیا۔ ابھی تک ان دونوں بزرگوں کے مزار موجود اور زیارت گاہ مخلوق ہیں۔ یہ واقعہ ۹۹۵ھ کا ہے۔

اس جانکاہ حادثہ قتل کو لوگوں نے شاہ محمد کی جانب منسوب کیا اور اسی وجہ سے شہر بھر کے لوگ ان سے بدظن و برگشتہ ہو گئے معتقدان کا انکار کرنے لگے۔ دوست دشمن بن گئے۔ قرابت دار دور ہو گئے۔ اور دوستی رکھنے والے نفرت کرنے لگے۔ تاج خان کرانی اور شیخ فرید جو صوبہ دہلی کے دس دس ہزاری عزت دار رئیس تھے۔ یہ دونوں تفتیش حالات کے لئے خود شاہ محمد کے پاس آئے لیکن شاہ محمد نے قتل سے انکار کیا۔ اور کہا اتنا بڑا ذلیل کام میرے ہاتھوں نہیں ہوا بلکہ مجھے اس قتل کی کوئی اطلاع تک نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی سراغ ہی لگ سکا ہے۔ چور ہمارے گھر میں آئے اور ان بدبختوں نے یہ جانکاہ حادثہ رونما کیا۔ اسلام شاہ بن شیرشاہ لودھی بادشاہ وقت نے یہ معاملہ علماء کے سپرد کر کے حکم دیا کہ شریعت کے موافق اس کا فیصلہ صادر کیا جائے۔ چنانچہ لاہور، دہلی، جونپور اور بہار کے چوٹی کے تمام علماء جمع ہوئے اور شاہ محمد کو بلا کر دریافت کی۔ شاہ محمد نے قتل سے صاف انکار کیا۔ اور بھرے مجمع میں کہا جو کچھ کرنا ہے کیجئے لیکن میں مظلوم۔ بیگناہ، اس حادث جانکاہ سے بالکل بے خبر ہوں۔ مظلومی بے عزتی اور بے حرمتی اہل بیت ایک قدیم رواج ہے جو ورا ثتاً ہم کو ملی ہے۔ ہم پر جو ظلم وستم ڈھایا جائے گا ہم اس پر صابر ہیں۔ علمائے

وقت نے شاہ محمد کے مقدمہ میں بے انتہا تلاش و جستجو کی مگر کوئی ایسا شرعی ثبوت یا شرعی شبہ تک نہ ملا کہ جس کے ذریعہ شاہ محمد کے قتل کا فتویٰ دیا جا سکتا۔ غرضکہ تفتیش مقدمہ کے دوران شاہ محمد جیل خانہ میں بند ہر قسم کی سختیاں، تکلیفیں اور ذلتیں برداشت کرتے رہے۔

حکایت ہے شیخ امان پانی پتی کو اس مجلس میں لاکھ بلایا گیا لیکن وہ نہ آئے وہ اپنے مقام پر بیٹھے ہوئے کہتے رہے کسی معاملہ میں اگر اہل بیت کے افراد کو ذلیل و خوار کر کے پیش کیا جائے اور فیصلہ دینے والوں میں امان بھی شریک ہو تو وہ لازماً دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور مجھے امان کی خواہش یہ ہے کہ میں آخرت کی مجلس میں اقبال واحتشام کے ساتھ نشست عزت پر متمکن رہوں۔ آہ ان دونوں سید علماء کا قتل ایک جانکاہ حادثہ ہے اور اس کے عوض ایک اور سید کی جان لینا اور اسے ذلیل کرنا یہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے دونوں سیدوں کے قتل سے میرے جگر کے ٹکڑے ہو گئے اور اس پر مزید دوسرا خون کرنے سے پارہ پارہ ہو جاؤں گا۔ سید شاہ محمد سے تو یہ کام ہرگز نہیں ہو سکتا البتہ اس قسم کے قتل چھپے ہوئے مخلوق کرتی ہے۔

غرضکہ ایک مدت تک تکلیفیں بے عزتی اور سختیاں برداشت کر کے شاہ محمد نے جیل خانہ ہی میں جان دی۔ ان کی لاش کو پاؤں باندھ کر لوگوں نے بازار میں گھسیٹا پھر آخر کار قلعہ دہلی کے باہر ایک کونہ میں ان کو دفن کر دیا۔

حکایت ہے شاہ محمد کے پاس کچھ مہمان آئے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ کسی نے چکے دہی کی خواہش کی تو شاہ محمد نے فوراً ہی چکے دہی کا جما ہوا کونڈا مہمانوں کے سامنے پیش کر دیا۔ ابھی یہ لوگ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک عورت چیختی چلاتی آئی اور کہنے لگی ابھی ایک سیاہ فام سنگار کا میرا دہی کا کونڈا اٹھا کر آپ کے گھر میں لے آیا ہے۔ چنانچہ شاہ محمد نے اس عورت کو کچھ دے دلا کر واپس کر دیا۔ کہتے ہیں کہ شاہ محمد کے قبضہ میں جن تھے جس کا ایک معمولی سا واقعہ یہ بھی ہے۔ اس دن کے بعد سے اکثر لوگ آپ کی محبت واعتقاد سے برگشتہ ہو گئے

شیخ محمد عاشق جو سنبھل ضلع مراد آباد یوپی میں تھے وہ شاہ محمد ہی کے مرید و خلیفہ تھے یہ بڑے نیک، صاحب ذوق و حال بلند ہمت تھے اور سخت ریاضت و مجاہدہ کیا کرتے تھے۔

شیخ حسن سرمست جو ہرکانو میں ہیں یہ بھی شاہ محمد کے مرید تھے اللہ ان سب پر اور اپنے تمام صالح بندوں پر رحمتیں کرے۔

مولانا سماء الدین

علوم ظاہری و حقیقی کے ماہر تھے۔ متقی و پرہیزگار تھے زیادتی دنیا کی خواہش نہ تھی صرف ضروریات زندگی کی حد تک دنیاوی چیزیں استعمال کرتے تھے۔

پیدائش ۹۱۷ھ وفات ۹۰۱ھ

آپ شیخ کبیر نبیرۂ مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاری کے مُرید تھے۔ کہتے ہیں کہ میر سید شریف جرجانیؒ کے شاگرد مولانا سنار الدین سے آپ نے تحصیل علوم کی تھی۔

ملتان کی خانہ جنگی و خلفشار کی وجہ وہاں سے روانہ ہو کر تھوڑے عرصہ رنتھنبور، بیانہ وغیرہ میں رہے اور پھر دہلی آکر سکونت پذیر ہو گئے چونکہ بڑی عمر ہو چکی تھی اس لئے درازی عمر کے باعث آخری زمانہ میں بینائی بھی جاتی رہی تھی۔ لیکن اللہ نے بغیر کسی علاج کے پھر دوبارہ بینائی عنایت کی۔

حکایت ہے مولانا سماء الدین اپنے گھر کے دروازہ کے باہر کھڑے ہو کر کہا کرتے۔ اللہ کی تمام مخلوق پر سب سے زیادہ مہربانی و شفقت یہ ہے کہ مخلوق کو سماء الدین کی آنکھوں میں راہ دیدی ہے۔ آپ نے شیخ فخر الدین عراقی کی مشہور کتاب لمعات پر حاشیہ لکھا ہے جو اس کے معانی کی تشریح و توضیح کے لئے بہت کافی ہے۔ آپ کا ایک اور رسالہ مفتاح الاسرار بھی ہے جس کی اکثر عبارت پوری کی پوری شیخ عزیز نسفی کے رسالوں سے نقل کی گئی ہے۔ آپ نے ۱۷۔ جمادی الاول سنہ ۹۰۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ دہلی میں حوض شمسی پر ہے جہاں آپ کی اولاد کی قبریں لائنوں اور صفوں میں موجود ہیں۔

حکایت ہے شیخ عزیز نسفی کی مکتوبات کے منجملہ مفتاح الاسرار میں لکھا ہوا ہے کہ انسان کی انتہا و بلندی میں اہل شریعت، اہل حکمت اور اہل وحدت کا باہمی اختلاف ہے۔ اہل شریعت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جسم بنانے کے کئی ہزار سال پہلے روح کو پیدا کیا اور ہر ایک کا ایک مقام معین و مقرر فرما دیا جہاں وہ روح لوٹ کر واپس آئے گی اور رہے گی ماٰمِنَّا اِلَّا لَهٗ مقامٌ معلومٌ یعنی روح جبکہ اپنے مقام ایمان سے الگ ہوتی ہے تو پھر لوٹ کر آسمان اول پر آتی ہے۔ اور روح جبکہ مقام عبادت سے جُدائی اختیار کرتی ہے تو اس کی واپسی آسمان دوم پر ہوتی ہے۔ اور روح جبکہ مقام زہد و تقویٰ سے علیحدہ ہوتی ہے تو تیسرے آسمان پر آجاتی ہے، اور جو روح کہ مقام معرفت سے الگ ہوتی ہے تو وہ چوتھے آسمان پر جلوہ فگن ہو جاتی ہے۔ اور جو روح کہ مقام ولایت سے ہٹ جاتی ہے تو پانچویں آسمان پر آجاتی ہے۔ اور جو

روح کہ مقام نبوت سے دُور ہو جاتی ہے تو چھٹے آسمان پر جلوہ افزائی کرتی ہے۔ اور جو روح کہ مقام رسالت سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو ساتویں آسمان پر پہونچ جاتی ہے۔ اور جو روح کہ مقام الوالعزمی سے علیحدگی اختیار کرتی ہے تو پھر مقام کرسی پر لوٹ جاتی ہے۔ اور رسول اکرمؐ کی روح جس نے مقام ختم نبوت سے جدائی کی ہے اس کی بازگشت عرش پر ہے۔ اور روح جس مقام سے نزول کرتی ہے پھر اسی مقام پر عروج کرجاتی ہے اور اپنا دائرہ پورا کرلیتی ہے اور یہ حالت تو مرتبہ واقع ہوتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ جو کوئی مقام ایمان پر نہ پہونچے اس کی بازگشت کسی طرح بھی آسمان پر نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ تمام مراتب و درجات نہ تو کسبی و خود حاصل شدنی ہیں اور نہ خلقی۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا۔ دین حق اور بالکل صحیح راستہ یقینی یہ ہے کہ اگر ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ و درجہ بھی کسبی ہوتا تو ممکن تھا کہ کوئی نہ کوئی اپنے کسب و عمل کے ذریعہ اپنے سے زیادہ اونچے مرتبہ پر پہونچ جاتا اور کوئی مسلمان آج تک اپنے کسب و عمل کے ذریعہ مقام نبوت تک رسائی حاصل نہیں کرسکا۔

اس جماعت کے پیش نظر سلوک سے مقصد یہ ہے کہ مرنے سے پہلے اپنے مقام بازگشت کا معائنہ کرلے اور علم یقینی کے بجائے اپنی آنکھوں سے خود دیکھ لے۔

اور انبیاءؑ کی معراج دو قسم کی ہے ایک بغیر جسم کے اور دوسری جسم کے ساتھ۔ اور اولیاء کو صرف ایک ہی طرح کی معراج ہوتی ہے جو جسم کے بغیر ہوتی ہے۔

اہل حکمت کہتے ہیں کہ چونکہ جسم سے پہلے روحیں موجود نہ تھیں اس لئے ان کو اپنا مقام معلوم نہیں تھا اب اسی لئے وہ اپنا مقام پیدا کرتی ہیں آدمیوں کے جسموں سے پہلے بالفعل روح کا موجود ہونا محال اور ناممکن ہوگا کیونکہ روح اگر بالفعل موجود ہو تو ان میں باہمی طور پر امتیاز فرق ہوگا یا کوئی تمیز و فرق نہ ہوگا۔ اگر ان میں کوئی فرق نہ ہو تو سب مل کر ایک ہی روح ہوں گی اور یہ ناممکن ہے۔ اور اگر ان ارواح میں کوئی باہمی فرق و امتیاز ہوا تو تمیز کرنے والی چیز ہمیشہ اس چیز کی عین نہیں بلکہ شریک و حصہ دار ہوتی ہے اس صورت میں روح کو مرکب ماننا پڑتا ہے اور سب کا قطعی فیصلہ ہے کہ روح انسانی مرکب نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ ہر ایک کی روح اس کے جسم کے ساتھ بالفعل موجود ہو۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جسم سے الگ ہونے کے بعد روح باقی رہتی ہے۔ اگر جسم نے کمال حاصل کرلیا ہو تو اُس کی بازگشت عالم علوی میں عقل و نفس کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اور عقل و نفس پاک یہ ہمیشہ

پاکیزہ ہوتے ہیں اور کسب علم و اقتباس نور میں مصروف رہتے ہیں اور علم و طہارت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ شخص جس کو عقل و نفس پاکیزہ کی نسبت حاصل ہو جائے وہ اگر اپنے جسم سے جدائی اختیار کرے تو نتیجہ کے طور پر اس کی عقل و نفس پاکیزہ اس کے جسم کو عام علوی کی جانب کھینچ لے اور یہ کبھی ظہور میں نہیں آتا۔ اور شفاعت، کے معنی یہ ہیں کہ جس شخص میں جیسی نسبت ہوگی تو اس کی بازگشت اسی نسبت کے مقام پر ہوگی۔ یعنی اگر کسی نے اپنے نفس میں فلک قمر کی نسبت حاصل کر لی تو وہ اس سے فیض حاصل کر سکتا ہے اور جب اس مہارت و ملکہ کے ساتھ اُس کی روح اس کے جسم سے علیحدگی اختیار کرتی ہے تو اس کا نفس اس کو فلک قمر پر پہونچا دیتا ہے۔ اور اگر کسی نے اس حالت میں جان دی کہ اُس نے علم و طہارت میں کمال حاصل کر لیا تھا یعنی اس کو فلک الافلاک سے نسبت حاصل ہوئی تھی تو مرنے والا اس سے فیض حاصل کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس کی بازگشت فلک الافلاک ہوگی۔ اسی طرح ہر چیز پر قیاس کر کے اس مسئلہ کو سمجھ لیا جائے غرضکہ جو کوئی ریاضت و مجاہدات کے ذریعہ اپنے نفس کو فلک الافلاک سے نسبت دے لے گا تو مرنے کے بعد اس کی بازگشت فلک الافلاک ہوگی اور جو کوئی اکتساب علوم اور ریاض و مجاہدے نہ کرے طہارت و پاکیزگی علوم کے ذریعہ اقتباس نور نہ کر سکے تو وہ فلک قمر کے نیچے جہاں دوزخ ہے پڑا رہے گا۔ اور ہرگز ہرگز عالم علوی میں جہاں جنت ہے نہیں پہونچ سکے گا غرضکہ جو کوئی مقام انسانیت تک علم و پاکیزگی کو پہونچانے کے لئے اس عالم صغیر کے مراحل طے کر کے عالم کبیر میں جا پہونچے تو وہ شخص اللہ کا خلیفہ کہلانے کا مستحق ہے۔ وہی اکبر اعظم اور جام جہاں نما ہے۔ اس عالم میں پہونچ کر یہ پاکیزہ عبادت گذار کبھی عقل و ادراک کے ذریعہ اور کبھی صرف شعور و لاشعوری ادراکات کے ذریعہ اللہ سے باتیں کرتا اس کی سنتا اور اپنی کہتا ہے۔ اور اس مرتبہ پر پہونچ کر جو شخص اپنی روح کو اپنے جسم سے الگ کرتا ہے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ تک پروردگار عالم کے زیر رحمت شادان و مسرور رہتا اور بارگاہ الٰہی کا مقرب ہوتا ہے اور یہ بہشت خاص ان ہی کامل بزرگوں کے لئے ہے۔

اہل وحدت کہتے ہیں کہ ترقی و عروج آدمی کی کوئی حد مقرر نہیں ہے اگر کوئی مستعد آدمی ایک ہزار سال تک بھی پوری مستعدی تندہی اور مشقت کے ساتھ ریاض و مجاہدے کرتا رہے تو ہر آنے والے دن میں اس کو ایک نئی عجیب و غریب چیز معلوم ہوگی جو گذشتہ دن

اس کو معلوم نہ ہو سکی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل اللہ کے علم و حکمت کی کوئی انتہا وحد مقرر نہیں ہے ان اہل وحدت کے نزدیک آدمی کے مقام سے زیادہ کوئی چیز شریف تر اور باعظمت نہیں ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کی بازگشت حشر کے میدان میں آدمی ہی کی صورت میں ہوگی۔

شیخ عبداللہ بیابانی

آپ حضرت مولانا سماء الدین کے صاحبزادہ تھے اور اپنے وقت کے سب سے بڑے زاہد و متقی تھے۔ تجرد کی زندگی بسر کی۔ اگرچہ نوجوانی میں شادی کی تھی لیکن جب اس سے حضور وقت اور فراغت عبادت میں فرق آتے دیکھا تو ہنسی خوشی بیوی سے الگ ہو گئے۔

پیدائش۔ ۸۰۲ وفات ۹۰۵ھ

کہتے ہیں کہ شیخ عبداللہ دوران گفتگو میں متکلم کا صیغہ استعمال نہ کرتے بلکہ جو کچھ کہتے بصیغہ غائب کہتے یعنی مثالاً میں آؤں گا جاؤں گا کے بجائے وہ آئے گا وہ جائے گا کہا کرتے تھے۔ ابتدائً دہلی میں ایک عرصہ تک شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ میں مصروف عبادت رہے۔ آپ ہر نماز کے وقت نہاتے اور کپڑے دھولیا کرتے تھے۔

کہتے ہیں بادشاہ وقت نے کچھ لوگوں کو جیل خانہ بھیج دیا تھا جس میں کچھ سید بھی تھے چنانچہ آپ خود بادشاہ کے پاس گئے اور کہا ان سادات کو رہا کر دیا جائے۔ بادشاہ نے آپ کا کہا نہ مانا تو آپ نے فرمایا اُس شہر میں قیام کرنا حرام ہے جہاں تیری بادشاہت ہے۔ یہ کہہ کر آپ دہلی سے منڈو چلے گئے۔ بادشاہ منڈو نے آپ کو بہت کچھ تحفے دیئے لیکن آپ نے کوئی تحفہ قبول نہیں کیا اور کہا ہمیں اس میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں البتہ فلانے مقام کے حاکم کو حکم دو کہ فلانے جنگل میں وہ ہم کو رہنے دے اور ہم پر کوئی ظلم وستم نہ کرے۔

آپ نے منڈو کے کئی قصبات میں قیام کیا اور آپ کا مزار بھی منڈو کے ایک گاؤں میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

سید کبیر الدین حسن

بڑی سیر و سیاحت کے بعد آپ اُچہ میں سکونت پذیر ہو گئے کہتے ہیں آپ کی ایک سو اسی (۱۸۰) سال کی عمر تھی آپ سے خوارق عادات کام بھی سرزد ہوتے تھے۔ آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ آپ نے اکثر و بیشتر کافروں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ جس کافر کو اسلام لانے کا حکم دیتے تو اس میں انکار کی قوت نہ رہتی اور وہ بے اختیار اسلام لے آتا کافر گروہ

پیدائش۔ ۷۱۵ وفات ۸۹۶ھ

در گروہ آپ کے پاس آتے اور اسلام سے مشرف ہوتے تھے۔ یہی تصرف آپ کی اولاد میں بھی تھا لیکن آپ کی بعض اولاد فریب نفس، دنیا داری اور بدعتوں وغیرہ میں مبتلا ہوگئی اور اس نے اس آبائی تصرف کے ذریعہ عجیب وغریب اختراعات و بدعتیں رونما کرلیں۔ اور اپنے کرتوت کی وجہ بدنام ہوگئی۔

سید کبیر الدین حسنؒ نے ۹۹۶ھ میں انتقال کیا۔ آپ کا مزار اُچہ میں ہے۔

شیخ حسام الدین متقی ملتانی

ایک بڑے عالم زاہد و متقی تھے۔ بقدر استطاعت خوف الٰہی کے درجہ سے چل کر

پیدائش۔ ۸۷۰ھ — وفات — ۹۶۱ھ اللہ سے پورے پورے ڈرنے کے مرتبہ تک پہونچے۔ کھانے میں بڑی احتیاط کرتے۔ لگان کی زمین میں کاشت کرتے اور اس کا لگان دیا کرتے تھے۔ پھر ایک زمانہ وہ آیا کہ لگان کی زمین میں کچھ دوسری وجوہات کے سبب سے خلط ملط اور خرابیاں پیدا ہوگئیں تو جب تک آپ بھوک کی شدت سے بے قرار نہ ہو جاتے کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور آخر کار اس تنگی ترشی کی حالت میں آپ نے انتقال فرمایا۔ تقوی، زہد اور اسلامی کردار کے لحاظ سے آپ اللہ کی ایک نشانی تھے۔ اور بیشک و شبہ ولی اللہ تھے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

اولیاء اللہ پر کسی قسم کا خوف و غم نہیں ہوتا اور یہ وہ مسلمان ہیں جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔

شیخ علی متقی نے بھی آپ سے اوائل عمری میں اسلامی تعلیم حاصل کی اور تقویٰ زہد و پاکبازی کے درس لئے ہیں۔

شیخ علی متقی کا بیان ہے ایک دن آقائی شیخ حسام الدین نے فرمایا۔ آج دل کچھ مکدر سا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ آپ کا دستور تھا کہ جب باطن میں کچھ کدورت سی محسوس کرتے تو اپنی غذا کے بارے میں تحقیق و تفتیش کیا کرتے تھے کہ شاید اُس میں کچھ میل ہوگیا ہوگا۔ چنانچہ اسی تفتیش کی غرض سے باورچی خانہ میں گئے اور باورچی سے پوچھا آج کھانا کس طرح پکایا اور کہاں پکایا۔ دوران دریافت میں پتہ چلا کہ آگ سلگانے کے لئے پڑوس سے آگ اس سے پوچھے بغیر لائی گئی تھی۔ چنانچہ آپ خود اس پڑوس کے پاس گئے جس کے گھر سے سلگانے کے لئے آگ اس کی اجازت کے بغیر لائی گئی تھی اُس سے آپ نے معافی چاہی اور

کچھ دے دلا کر اس کو مرید خوش کیا۔ نیز شیخ علی متقی کا بیان ہے کہ آقائی شیخ حسام الدین متقی کی مجلس سے ایک آدمی جاتے وقت نادانستہ طور پر اپنے سامان میں آپ کا جوتہ بھی لیتا گیا۔ پھر جب اس کو معلوم ہوا تو وہ آپ کا جوتہ لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اصرار کر کے اس جوتہ کی قیمت اس کو دی اور فرمایا کہ میں نے اپنی تمام چیزوں پر سے اپنی ملکیت اٹھالی ہے۔ تاکہ بفرض محال اگر کوئی شخص میری کوئی چیز استعمال کرے تو وہ اس کے لئے حرام نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ مقبرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کی دیوار کے سایہ میں کبھی کھڑے نہ ہوتے اور فرماتے یہ اُن کا بیت المال ہے اور کسی مسلمان کو دوسرے کی ملکیت سے فائدہ حاصل کرنا دُرست نہیں ہے۔

آپ کے فرزند شیخ بایزید رح بھی متقی و پرہیزگار اور مشائخ صفت بزرگ تھے۔

حکایت ہے شیخ حسام الدین متقی ملتانی کا قاعدہ تھا کہ مسجد میں گانے کی ممانعت کیا کرتے تھے۔ اور کسی کو گاتا دیکھ کر فوراً اس کو روک دیا کرتے تھے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر پابند تھے اور دوسروں سے پابندی کرانا چاہتے تھے اس کے برخلاف آپ کے صاحبزادہ شیخ بایزید ہمیشہ مسجد کے کونہ میں چھپے روتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ شیخ بایزید کو ایک شخص نے ایک روپیہ تحفۃً دیا۔ جس پر آپ نے فرمایا یہ کیا ہے اور اس کا مصرف کیا ہے؟ اس دن کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ روپیہ نقدی کا ایک سکہ ہے جو لوگوں کے لین دین کے کاموں میں کارآمد ہے۔ اللہ آپ پر اور تمام صالحین پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ عبداللہ قریشی

پیدائش ۸۲۰ھ وفات ۸۹۹ھ

آپ شیخ اسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کی اولاد میں سے تھے جس زمانہ میں کہ آپ کے بزرگ ملتان سے دہلی آئے تو سلطان بہلول لودھی نے اپنی بیٹی کی آپ سے شادی کردی اور آپ کو اپنا داماد بنالیا۔ آپ ایک سالک مجذوب تھے۔ ظاہری شان وشوکت اور رفعت وعظمت کے حامل تھے۔ سلوک کے ابتدائی زمانہ میں آپ نے بے انتہا ریاض اور انسانی طاقت سے زیادہ مجاہدے کئے۔

شاہ عبداللہ قریشی خود کہا کرتے تھے کہ میں سلوک کے ابتدائی زمانہ میں کم از کم ایک ہزار رکعت نماز پڑھتا اور جب تلاوت کرتا تو تین قرآن کریم ختم کیا کرتا تھا۔ اور ایک ساعت کے ذکر الٰہی سے جو فوائد حاصل ہوتے وہ تمام دیگر عبادتوں سے زیادہ ہوتے تھے۔

شیخ حاجی عبدالوہاب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے ایک رات میں اپنے پیرو مرشد رئیس عقلاً مجانین حضرت شاہ عبداللہ بن یوسف قریشی کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ اپنے علوم الہٰی سے مجھے بہرہ یاب فرمایا کرتے تھے اس رات جب کیفیت مشاہدہ کی انتہا تک مجھے پہونچادیا تو فرمایا یہ علم تقریر کے ذریعہ سینہ میں داخل نہیں کیا جاتا البتہ اس کے حاصل کرنے اور سکھلانے میں رشد و ہدایت کو مکمل دخل ہے کیونکہ دل وہ برتن ہے جو متفرق حالات کا جامع ہے اور دنیا میں کوئی دل ایسا نہیں ہے جو ثمرات احوال کے حصول میں ایک دوسرے سے الگ اور متفرق ہو۔ اسی طرح وہ متفرق دل بھی اپنے تفرق وجدا حالات کے تحت ایک جا نہیں ہوسکتے اور یاد رکھو کہ ہر دل میں دوسرے کے دل کے علاوہ ایک خاص قسم کی لذت بھی ہے۔

حکایت ہے آپ ایک دن اس دو منزلہ پر جواب تک آپ کے مقبرہ کے برابر موجود ہے کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک آپ پر ایک خاص حالت طاری ہوئی اور اسی وجد و حال کی کیفیت میں آپ کوٹھے سے نیچے گر پڑے لیکن دو منزلہ کی بلندی سے گرنے کے باوجود بھی آپ کو کسی قسم کی چوٹ وغیرہ نہیں آئی۔

کہتے ہیں آپ نے ایک دن جذبہ وحال کی کیفیت میں ایک بکری کو اٹھا کر زمین پر دے مارا جس سے وہ مرگئی۔ لوگوں نے یہ دیکھ کر کہا غریب بکری کی مفت میں جان لے لی چنانچہ آپ نے اسی حالت جذب میں پھر اس مردہ بکری کی پیٹھ پر پاؤں مار کر فرمایا کھڑی ہوجا اور کسی آدمی کو بدنام نہ کر۔ غرضکہ قدرت الہٰی سے وہ مردہ بکری زندہ ہوکر کھڑی ہوگئی۔

ایک دن آپ نے جذبہ کی حالت میں اپنے خدمت گاروں سے کہا گھر میں جو کچھ مال ومتاع اور سامان واسباب ہے وہ سب نکال کر باہر رکھ دو اس کے بعد سب گھر کو آگ لگادو۔ اس وقت آپ کے برابر آپ کے کمسن فرزند شاہ احمد بھی کھڑے تھے انھوں نے کہا ایک ایک کرکے سامان باہر لانے سے لوگوں کو تکلیف ہوگی مناسب یہی ہے کہ سب سامان اپنی جگہ رہنے دیا جائے اور بھرے گھر کو یونہی آگ لگادی جائے تاکہ سب چیزیں ایک دم سے جل کر قصہ ہی پاک ہوجائے۔ غرضکہ کمسن بیٹے کی یہ بات آپ کو پسند آئی۔ شاہ عبداللہ قریشی کا مزار پرانی دلی ہی میں مرجع خاص وعام ہے آپ نے ۲۲۔ صفر کو انتقال فرمایا۔

شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری رح

آپ سید جلال بخاری بزرگ کی اولاد میں سے ہیں جو مخدوم جہانیاں کے جد امجد تھے۔

پیدائش ۸۱۸ھ ــــ وفات ــــ ۹۳۲ھ

واقعہ یہ ہے کہ سید جلال بخاری کے دو بیٹے تھے ایک کا نام سید محمود تھا جن کے فرزند سید جلال الدین مخدوم جہانیاں ہوئے اور دوسرے بیٹے کا نام سید احمد بزرگ تھا جن کی اولاد میں سے شیخ عبدالوہاب مشہور بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ علم و عمل حال و محبت میں کامل تھے سلوک کے ابتدائی زمانہ میں ایک دن اپنے پیر و مرشد استاذ اور خسر مولوی صدرالدین بخاری کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جبکہ انھوں نے فرمایا اس وقت دنیا میں دو نعمتیں موجود ہیں جو سب سے افضل و برتر ہیں لیکن لوگ ان کی قدر و منزلت نہیں جانتے اور ان کے حصول سے بھی غافل نہیں۔

ایک نعمت یہ کہ رسول اکرم کا وجود مبارک مدینہ طیبہ میں بہ صفت حیات موجود ہے اور کچھ لوگ اس سعادت سے بہرہ مند نہیں ہوتے دوسری نعمت قرآن کریم ہے جو اللہ کا کلام ہے اور جس میں بغیر واسطہ اللہ تعالیٰ خود اپنی مخلوق سے کلام کرتا ہے۔ عام لوگ اس نعمت سے بھی غفلت برت رہے ہیں۔

پیر و مرشد کی اتنی بات سنتے ہی شیخ عبدالوہاب اُٹھے اور مدینہ طیبہ جانے کے لئے اجازت چاہی۔ اور خشکی کے راستہ مدینہ طیبہ کے لئے بسرعت روانہ ہو گئے۔ مدینہ منورہ میں روضہ اطہر پر حاضری دینے کے بعد وہاں سے سیدھے اپنے مالوف وطن ملتان آئے۔ لیکن پھر ملتان سے شدائد زمانہ اور دیگر ملکی مصائب کی وجہ سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں دہلی آ گئے۔ سلطان سکندر آپ کا معتقد ہو گیا اور اُس نے آپ کی بے انتہا خاطر مدارت کی اور آپ کی قدر و منزلت کرتا رہا۔

شیخ حاجی عبدالوہاب کو شاہ عبداللہ قریشی سے اتنی محبت نیازمندی اور طلب ہدایت و رشد و ہدایت تھی گویا فانی الشیخ ہو گئے ہوں۔ اور مولانا روم کو شمس تبریز سے بطریق تشبیہ جتنی صحبت و عقیدت تھی ویسی ہی حاجی عبدالوہاب اور شاہ عبداللہ کے درمیان موجود تھی شیخ حاجی عبدالوہاب نے دوبارہ دہلی سے جا کر حرمین شریفین کی زیارت کی اور اس سعادت عظیم سے مشرف ہوئے۔ بزمانہ قیام مدینہ طیبہ حضرت خاتم النبوت کی بشارت پر آپ دہلی واپس آ گئے۔

آپ نے سنہ ۹۳۲ھ میں وفات پائی جس کے اعداد شیخ حاجی سے نکلتے ہیں۔ آپ کا مزار بھی شاہ عبداللہ قریشی کے مقبرہ کے قریب ہی دہلی میں ہے۔

شیخ حاجی عبدالوہاب نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی ہے جس میں قرآن کریم کی پوری عبارت کی تشریح ذکر و نعت سرور عالمؐ سے کی ہے۔ یعنی پورے قرآنی الفاظ و مطالب کو سرکار کائناتؐ کے ذکر و نعت سے تعبیر کیا ہے جس میں تمام دقائق عشق و اسرار محبت درج کئے ہیں۔ مصنف اخبار الاخیار کا خیال ہے کہ شیخ حاجی عبدالوہاب نے قرآن کریم کی یہ پوری تفسیر اپنے جذبہ وحال کے غلبہ کی کیفیت کے موقع پر قلمبند کی ہے اسی وجہ سے بعض مقامات پر الفاظ و عبارت کے معنی بھی بیان نہیں کرسکے۔

ان کی اس تفسیری کتاب کا تھوڑا سا انتخاب درج ذیل ہے تاکہ اس مجموعہ کتاب کی کیفیت سب پر واضح ہوجائے۔ سورہ مریم۔ کہٰیٰعٓصٓ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اے حبیب محبوب خدا یقین کرلو کہ حروف مقطعات دراصل اللہ عظیم کا ایک خزانہ ہیں جو رسول اللہؐ کے حوالہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ رسول اکرمؐ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ حضرت علی رضؓ کا بیان ہے کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے لیکن عین ممکن ہے کہ ک کُن' اور ھاء و یاء سے ندا اور عٓ سے ذات سرور عالمؐ اور صٓ سے رسول اکرمؐ کی صورت مراد ہے۔ اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے کہ اے اللہ کے بندے جمال الٰہی سے سج بن کر آجا تاکہ لوگ تجھ سے استفادہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ سے اس وقت یہ خطاب کیا ہے جبکہ آپ شکم مادر میں تھے۔ جبکہ اس سے پہلے ہی حضرت زکریاؑ نے رسول اکرمؐ کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَاءً خَفِیًّا کی صورت میں استدعا کی تھی کیونکہ تمام انبیاءؑ بھی رسول اکرمؐ کی شفاعت کے خواہشمند ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ کہا ہے یا یحییٰ خُذِ الکتاب بِقُوَّۃٍ وَاٰتَیْنَاہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَکوٰۃً۔

ترجمہ:۔ (اے یحییٰ اس کتاب کو جو رسول اکرمؐ کی صفات پر مشتمل ہے قوت سے سنبھالو۔ اور ہم نے ان کو حکم یعنی فہم کتاب اس طرح دی کہ وہ رسول اکرمؐ کی خوب تعریف کریں) اور قوۃ کے معنی ہیں رسول اکرمؐ کی جانب متوجہ ہوجانا۔ اور والسلام علیہ یوم وُلِدَ و یوم یموت و یوم یبعث حَیًّا کا مطلب ہے کہ رسول اکرمؐ پر سلام ہو جس دن ان کی پیدائش ہوئی اور جس دن کہ تمام لوگ موت کا مزہ چکھیں گے اور جس دن بعثت عوام ہوگی اور یہ حلوہ، مٹھائی اور کھیر سے بھی زیادہ لذیذ ہے۔ واذکر فی الکتاب مریم کے معنی ہیں کہ اے رسول اکرمؐ جو حسین و خوبرو ہیں آپ یہ چیز یاد رکھیئے کہ جنت میں آپ حضرت مریمؑ کے خاوند

ہوں گے۔ فاتخذت من دونہم حجابًا فارسلنا الیہا روحنا فتمثل لہا بشرًا سویًّا کا مطلب ہے کہ ہم نے انکے پاس روح یعنی رسول اکرمؐ کی روح کو بھیجا تاکہ وہ انسانی صورت میں نمایاں ہوجائیں وناد یناہ من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیًّا کا مطلب ہے کہ حضرت موسیٰ کی پوری آرزو دعا یہ تھی کہ وہ رسول اکرمؐ کی تعریف و مدح کریں اور نجوی کے معنی ہیں رسول اکرمؐ کے فضائل کا کشف ۔ ولہم رزقہم کا مطلب ہے کہ جنت میں رزق یعنی رسول اکرمؐ کی صحبت نصیب ہوگی جو سب سے زیادہ اعلیٰ درجہ کا رزق ہے۔ تلک الجنۃ التی نورث من عبادنا من کان تقیًّا کا مطلب ہے کہ جو کوئی متقی ہوگا یعنی صرف رسول اکرمؐ ہی جنت کے مالک ہوں گے آپؐ جس کو چاہیں گے جنت میں بلائیں گے اور جسے چاہیں گے روک دیں گے۔ کیونکہ رسول اکرمؐ ہی دین و دنیا دونوں جہاں کے بادشاہ ہیں اور دنیا و آخرت آپ ہی کے اختیار میں ہے اور آپ خود تمام چیزوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ وان منکم الا واردھا کا مطلب یہ ہے کہ تمام مشتاقین دیدار رسول اللہؐ ایک جا جمع ہوں گے اور جب رسول اکرمؐ کے دیدار جمال آراء سے مشرف ہوجائیں گے تو پھر ان پر کسی قسم کا کوئی عذاب نہیں ہو سکے گا کیونکہ عاشق و معشوق دونوں میں کوئی جدائی نہیں ہوتی ہے۔ باقیات الصالحات کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرمؐ کی طرف محبت سے دیکھنے والے باقی رہیں گے۔

سورہ طٰہٰ میں اللہ نے فرمایا ہے طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ الا تذکرۃ لمن یخشیٰ ۔ یعنی اے میرے محبوب سرکار کائناتؐ ہم نے آپ کو تکلیف دینے کے لئے قرآن کا نزول نہیں کیا اور آپ کو خشیت یعنی محبت دنیا بھر سے زیادہ اس لئے دی ہے تاکہ اس محبت محبوب میں آپ کو جو لطف حاصل ہوتا ہے کہ آپ معانقہ کرتے ہیں اگرچہ معانقہ کے وقت ایک کمزور جسم والے کو ظاہری تکلیف سی محسوس ہوتی ہے لیکن دراصل روح خوش ہوجاتی ہے دل مسرور ہوجاتا ہے اور باطن میں فرحت و شادمانی پیدا ہوتی ہے اگرچہ موسیٰؑ کو ہم نے اپنے خطاب سے سرفراز کرنے کے لئے حکم دیا اے موسیٰؑ جوتا اتار کر ہمارے دربار میں حاضر ہو کیونکہ قاعدہ ہے کہ بادشاہوں کے دربار میں باادب ہوشیار رہ کر پورے شرائط و آداب شاہی بجالاتے ہوئے حاضری دیا کرتے ہیں اور یہ سب آداب ہم نے ان کو اس لئے سکھائے تاکہ وہ اور سب اے رسول اکرمؐ آپ کا ادب و احترام کریں اور

تھوڑی سی تکلیف ظاہری برداشت کریں تاکہ برکات الٰہی سے فیض یاب ہوسکیں۔ اور اے محبوب سرکار کائنات ہم نے آپ کو براق پر چڑھنے کی تکلیف دے کر آپ کو اپنے پاس ملنے کے لئے بلایا تاکہ آپ کی مسرتیں اور دوبالا ہو جائیں۔ سورۂ انبیاء کی آیت لو اردنا ان نتخذ ولداً لاتخذنا ہ من لدنا۔ کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی لوگ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا جو کہتے ہیں وہ بالکل غلط ہے۔ اگر اللہ اپنا بیٹا کسی کو بناتا تو وہ من لدنا یعنی محمد رسول اللہ کو اپنا بیٹا بناتا کیونکہ آپ تمام کائنات کے ظہور سے پہلے موجود تھے اور ایسے آدمی تھے کہ لیس کمثلہ احدٌ ان جیسا کوئی اور نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ باپ یا بیٹا ہونے سے بلند وبالا اور پاک ہے۔ سورہ حج میں اللہ نے فرمایا ہے یسجد لہ من فی السموات والارض۔ یہ آیت ایک بہت بڑا سمندر ہے جس میں اللہ نے رسول اکرم کی عظمت وشان کا اظہار یوں فرمایا ہے کہ اے محبوب ہم نے تمام چیزوں کو اپنا مطیع و فرماں بردار بنا دیا ہے۔ اور ہم کو آپ سے بڑی محبت ہے۔ اس محبت کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے دل محبت کی دولت سے مالا مال ہیں۔ نیز اس واقعہ کا اظہار ہے کہ اے رسول اکرم جب آپ کسی راہ سے چلتے ہیں تو راستہ کے تمام درخت، پہاڑ اور خشک و تر آپ کی عظمت و بلندی کا اقرار کرنے کے لئے آپ کے سامنے جھک جاتے ہیں آپ کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں ان سب کے سجدے صرف اس لئے ہیں کہ دنیا و آخرت کی ہر چیز آپ کی مطیع و فرمانبردار رہے۔ واذ بوّانا لابراھیم مکان البیت میں بیت سے مراد شخصیت رسول اکرم ہے جن کی وجہ سے کعبہ کو شرافت وعظمت حاصل ہوئی اور آپ ہی کی وجہ سے کعبہ کو بیت اللہ کہا گیا۔ اور طھّر بیتی سے مراد ہے گنبد خضرا۔ جس کے اسرار سے صرف اللہ اور رسالتمآب ہی واقف ہیں۔ اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلاً ومن الناس سے صرف رسول اکرم مراد ہیں کیونکہ لوگوں میں ابتدائی اور انتہائی حالت میں صرف رسول اکرم ہی موجود ہیں جو اوّل میں بھی تھے اور آخر میں بھی ہوئے۔ رسول اکرم یکتا نور ہیں جو سید المرسلین اور امام المتقین ہیں۔ یا ایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا وافعلوا الخیر میں سب سے زیادہ خیر اور بھلائی یہی ہے کہ رسول اکرم کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے کیونکہ متابعت قول وفعل بغیر صحبت کے ممکن نہیں۔ اور اللہ نے رسول اللہ کی صحبت وراثتاً بھی ظاہر فرمائی ہے جو جذبہ وطلب کے ذریعہ حاصل کی جاتی ہے۔ نیک عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم

کے اقوال کی تعمیل کی جائے اور ساتھ ہی وظائف پڑھے جائیں اور صالحین کے حالات دیکھے جائیں اور عملی طور پر یہ اطاعت بحالت موجودہ شیخ کامل کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے جو حال و کیف کے ذریعہ رسول اکرمؐ سے اپنی ہمت کے موافق محبت حاصل کرتا رہتا ہے۔ اور یہ بات بھی یاد رکھی جائے کہ حصول کے لئے الفت و محبت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی بغیر الفت کے شیخ کامل کی صحبت میں رہے تو مسرتیں حاصل نہیں کر سکتا محبت اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے جب کسی سے محبت کی جائے اور خاص کر شیخ سے تو اس الفت کے باعث ایک ہی لمحہ میں حبیب اور محبوب ایک برقی رو سے جگمگا جاتے ہیں۔ اسی لئے مُرید پر ضروری ہے کہ وہ پیر کی صحبت میں باطنی طور سے پُرمسرت رہے۔ پھر یہ بامسرت صحبت درازی عمر کا بھی سبب ہو جاتی ہے۔ اور شیخ سے جتنی زیادہ محبت بڑھتی جائے گی اس سے زیادہ اللہ اور سرور عالمؐ سے دل میں خود بخود الفت جاگزیں اور متمکن ہوتی رہے گی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اخلاق سرور عالمؐ دراصل الفت و محبت آپ جو رحیم و کریم ہیں اور اللہ کے خُلق سے متصف ہیں۔ اس لئے مشتاق لوگوں کو چاہیئے کہ وہ نہایت شوق و ذوق سے اشتیاق کے ساتھ اپنے دل میں رسول اکرمؐ کا شوق رکھیں اور اس شوق میں صحبت، الفت، نعمت، لذت وصل کو ہمیشہ ہمیشہ بڑھاتے رہیں تاکہ اس کے ثمرات ابدالاباد تک ایسے اچھے اچھے حاصل کر سکیں جو تقریر و تحریر سے خارج ہیں۔ اس تفسیر شروع کرنے کی تاریخ ربیع الثانی ۹۱۵ھ اور پوری کرنے کی تاریخ پیر کا دن ۱۷۔ شوال ۹۱۵ھ یعنی چھ ماہ کچھ دن میں قرآن کریم کی یہ پوری تفسیر شیخ عبدالوہاب ملتانی ثم الدہلوی نے مکمل کی ہے۔

شاہ جلال شیرازی

آپ شیخ محمد نوربخش کے مُرید تھے جنھوں نے گلشن راز کی شرح لکھی ہے شاہ جلال مکہ معظمہ سے ہندوستان پیدائش ۸۵۸ وفات ۹۴۴ ھ اس وقت آئے جبکہ سکندر دہلی کا بادشاہ تھا۔ آپ نے دہلی میں سکونت اختیار کی۔ صاحب حال و اہل مشرب تھے۔ درویشوں کی صحبت کے زیر اثر مثنوی مولانا روم سے خاص لگاؤ تھا۔ آپ کا قد درمیانی اور چہرہ نورانی تھا۔ جس دن سے دہلی آئے اس دن سے آپ کے باورچی خانہ کی آگ نہ بجھی نان اور فرنی ہر وقت مہمانوں کے لئے تیار رہتی تھی۔ جو کوئی آپ کے پاس مہمان آتا اسے نان اور فرنی ضرور ملتی اور ساتھ ہی مقررہ وقت پر اور دوسرے کھانے بھی تیار ہوتے اور کھلائے جاتے تھے۔ شاہ جلال کہتے تھے کہ

ایک مرتبہ میں نے حرم شریف میں ایک درویش سے ایک ایسی بات سنی جو شریعت اسلامیہ کے خلاف تھی تو میں نے اس کو پکڑ کے سزا دینا چاہی۔ لیکن وہ پہاڑی پر بھاگ کھڑا ہوا وہ آگے آگے اور میں اس کے پیچھے پیچھے۔ وہ میرے ہاتھ نہ آیا لیکن بھاگتے بھاگتے اس نے میری طرف مڑکر دیکھا اور یہ شعر پڑھا۔

شعر

دستِ ناہید اگر یباں می کشد من پئے دست دگریباں می ردم

ترجمہ:۔ (ایک پوشیدہ ہاتھ میرا گریباں کھینچ رہا ہے اور میں اس ہاتھ اور گریباں کے پیچھے دوڑ رہا ہوں) یہ شعر سنتے ہی میں بیہوش ہوکر گر پڑا اور مجھے اپنی سُدھ نہ رہی۔ شاہ جلال شیرازی کی دہلی میں سادات بخارا سے بھی عزیز داری ہوگئی تھی وہ اس طرح کہ انھوں نے اپنی بیٹی کی شادی شیخ مدثر ابن شیخ حاجی عبدالوہاب ملتانی دہلوی سے کردی تھی۔

شاہ جلال شیرازی نے ۹۲۲ھ میں وفات پائی آپ کا مزار بھی پرانی دہلی میں شیخ حاجی عبدالوہاب کے مقبرہ کے برابر ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ احمد شرعی ترکی نسل، عقلمند، زبردست عالم اور درویش کامل تھے اور علوم عقلی و نقلی ظاہری و حقیقی میں مکمل دستگاہ رکھتے تھے۔ پیدائش ۹۲۷ وفات ۹۲۸ھ بہت بوڑھے تھے اور چند بری میں رہا کرتے تھے۔ دیوان کشاف جس میں اہل سنت والجماعۃ پر از اول تا آخر لعن وطعن ہے اس کے جواب میں آپ شاہ احمد شرعی نے اشعار کہے ہیں جس کے چند شعر درج ذیل ہیں۔

وجماعۃ حمرٌ لعمری موئفۃ وجماعۃ سموا ھواھم سنۃ

قد شبھوہ بخلقہ فتخوفوا شنع الوری فتستروا بالبلکفہ

عجبا لقوم ظالمین تلقبوا بالعدل ما فیھم لعمری معرفۃ

قد جاءھم من حیث لا یدرونہ تعطیل ذات اللہ مع نفی الصفۃ

لعن وطعن کرنے والی وہ جماعت ہے جس نے اپنی خواہشات کو سُنت بنا رکھا ہے اور میری جان کی قسم یہ جماعت آپس میں ایک دوسرے کی مددگار ہے۔ ان لوگوں نے مخلوق خدا پر عیب لگانے میں کسی کا خوف نہیں کیا اور دیدہ دلیری سے باز نہیں آتے۔

اس ظالم قوم پر تعجب ہے جو خود کو منصف کہتے پھرتے ہیں اور میری جان کی قسم ان

کو معرفت سے کوئی واسطہ تک نہیں ہے۔ یہ لوگ بالکل فرقہ لاادری کی طرح ہیں جو ذات الٰہی سے اس کی صفات علیحدہ کر کے ذات پروردگار کو معطل بنانے پر تُل گئے ہیں۔ شاہ احمد شرعی نے ۹۲۸ھ میں وفات پائی۔ تحقیق و تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ جو ہندوستانی خود کو ترکی کہتے وہ انہی شاہ احمد شرعی کی طرف منسوب ہیں اور یہ رشتہ داری درحقیقت صحیح بھی ہے۔

شیخ عبدالغنی سنبتی جو دہلی کے قدیم لوگوں میں سے ہیں۔ نہایت باشرع اور عبادت گذار ہیں یہ بھی شاہ احمد شرعی کے شاگرد ہیں۔ شاہ احمد شرعی کی کچھ تصنیفات اور قلمی نسخے ان کے پاس ہیں۔ جو اکثر و بیشتر شاہ احمد شرعی کے مناقب و فضائل بیان کرتے ہیں۔ ان کا بیان ہے جب میں پڑھا کرتا تھا تو اس وقت شیخ شاہ احمد شرعی کی عمر چھیانوے سال کی تھی۔ وہ تیر اندازی اور نشانہ بازی میں یکتا تھے۔ ایک دن نشانہ بازی کرتے ہوئے انھوں نے نشانہ پر تیر مارا اور کہا اگر کہو تو دوسرا تیر مار کر اس تیر کی پوری نوک پر یہ دوسرا تیر اکھڑا کردوں۔ غرضکہ آپ نے دو تین تیر اسی طرح مارے کہ ہر تیر کی نوک پر دوسرا تیر جا کر کھڑا ہو جاتا اس کے بعد فرمایا اس طرح تیر برباد ہو رہے ہیں اور یہ فضول خرچی ہے ورنہ یہاں سے یہاں تک ایک پر دوسرا تیر کھڑا کر دیتا۔ کہتے ہیں کہ علم و عمل میں اللہ کی عظمت کی ایک بڑی نشانی تھے۔ ہمیشہ جمعہ کے دن بادشاہ وقت کو اپنے عمل کے ذریعہ کھینچ بلاتے اور اس سے عام مسلمانوں کی حاجتیں پوری کراتے تھے۔ دستور یہ تھا کہ اپنی تسبیح کا ایک دانہ پھراتے اور کہتے بادشاہ چلنے کے لئے تیار ہو گیا پھر دوسرا گھماتے اور کہتے کہ فلاں مقام تک آیا پھر تیسرا گھماتے اور کہتے کہ فلانے مقام تک آگیا ہے اسی طرح مقررہ دانے گھمانے تک بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کرتا۔ ایک دن آپ تو وضو وغیرہ کے لئے کمرہ سے باہر گئے لیکن وہاں ایک شریر لڑکا جس نے آپ کو تسبیح کے دانے گھماتے اور بادشاہ کو بُلاتے دیکھا تھا اس نے بھی اسی طرح آپ کی تسبیح اٹھائی اور اس کے دانے گھماتا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ بغیر مقررہ دن اور وقت کے کھینچ آیا۔ شاہ احمد شرعی جو اس وقت غُسل خانہ میں تھے بادشاہ کے اچانک خلاف وقت پہونچنے پر حیران ہوئے۔ پھر دریافت و تحقیق پر معلوم ہوا کہ آپ کی طرح اس شریر لڑکے نے تسبیح کے دانے گھمائے جس کے اثرات سے بادشاہ حاضر ہو گیا۔

شیخ سلیمان بن عفان مندوی دہلویؒ

طلب گاروں کی تربیت و ہدایت اور تلقین ذکرواشغال

پیدائش ——— وفات ——— ۹۴۴ھ درویشوں میں یکتائے زمانہ تھے بے انتہا سیروسیاحت کرکے نعمتیں پائی تھیں کہتے ہیں کہ تصرفات نفس ناطقہ انسانی کا ایک مرتبہ خاص منتقلی روحؔ[1] کی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ جس کے ذریعہ اکثروبیشتر گذشتہ زمانہ کے حالات بتایا کرتے تھے۔ نیز تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھنے میں یکتا تھے کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اکرمؐ سے قرآن کریم با تجوید پڑھا۔ اور شیخ عبدالقدوس نے ان سے تجوید کے ساتھ قرآن شریف پڑھا اور عرصہ تک انہی کی خانقاہ میں رہے۔ آپ کی وفات ۱۴۔ محرم ۹۴۴ھ کو ہوئی اور آپ کا مقبرہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے عقب میں واقع ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ عبدالقدوس

آپ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق کے مُرید تھے۔ عالم باعمل صاحب ذوق وحال اور شائق وجد و

پیدائش ۸۵۲ وفات ۹۴۵ھ سماع تھے۔ آپ نے اگرچہ بظاہر شیخ حور کے ہاتھ پر بیعت کی تھی لیکن شیخ احمد عبدالحقؒ کے دل سے عاشق اور معتقد تھے۔ اور انہی کی روحانیت سے دلچسپی رکھا کرتے تھے۔ انوار العیون آپ کی مصنفہ کتاب ہے جس میں سات فنون لکھے ہیں پہلے فن میں شیخ احمد عبدالحق کے مناقب لکھے ہیں اور اُن سے اپنے اعتقاد کا بے انتہا اظہار کیا ہے اور ان کے تذکرہ میں کئی صفحے سپرد قلم کئے ہیں۔ آپ نے ۹۴۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا آپ کے مُریدوں اور خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

---

[1] منتقلی روح کے معنی ہیں جسم سے روح کو الگ کر لینا اور پھر روح سے دنیا بھر کے کام لینا اور جسم کو مردوں کی طرح ڈال دینا بعض لوگ منتقلی روح کے معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ کسی مردہ کے جسم میں اپنی روح داخل کرکے اپنے جسم کو مردہ بنا لینا۔ اسی کو ہندوؤں کی زبان میں "اواگون" کہتے ہیں اور یہ مشرکانہ فعل ہے۔ نواب مبارز الدین صاحب اول تعلقدار اور مولوی عطا حسین صاحب ساکنان چپل ماڑ اور حیدر آباد دکن کے دوست سید محبوب حسن شاہ شاہجہانپوری اس فن کے ماہر تھے لیکن اپنی ذات پر کبھی یہ عمل منتقلی روح جائز نہیں رکھا از مترجم اقبال الدین احمد۔

آپ کے ایک مُرید شیخ بھورو تھے جو پہلے رنگریزی کا پیشہ کرتے تھے لیکن آخر عمر میں آپ کی بدولت بلند پایہ درجہ پر پہونچے کیونکہ وہ ہندو تھے آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے اور آپ کے خاص مُریدوں میں شامل ہو گئے تھے ان میں اپنی ذاتی عمدہ نظریات کی بدولت فقراء کے حالات پیدا ہو گئے۔ ان شیخ بھورو کی وفات سنہ ۹۲۰ھ میں ہوئی۔ شیخ عبدالقدوس کے ایک مُرید شیخ عمر دینی تھے جو اگرچہ آپ کے خلیفہ تھے لیکن شیخ عبدالرزاق سے پوری توجہ اور عقیدت رکھتے تھے۔

حکایت ہے شاہ عبدالرزاق ایک دن شیخ عبدالقدوس سے ملنے کے لئے آئے۔ اس وقت شیخ عبدالقدوس پر حالت خاص طاری تھی۔ جب ہوش میں آئے تو اپنے ایک ایک مُرید کو شاہ عبدالرزاق سے ملایا اور شیخ عمر دینی کا ہاتھ شاہ عبدالرزاق کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا یہ آپ کا مُرید ہے آپ کی نظر عنایت کا خواستگار ہے۔ آخر کار شیخ عمر دینی نے اٹھ کر شاہ عبدالرزاق کے قدموں پر اپنا سر اور اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔

شیخ عبدالقدوس کے ایک خلیفہ شیخ عبدالغفور اعظم پوری صاحب واقعات اور بڑے بزرگ تھے۔ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم کو خواب میں دیکھا اور سرور عالم نے ان کو یہ درود پڑھنے کا حکم دیا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ بِعَدَدِ اَسْمَائِکَ الْحُسْنٰی ۔ شیخ عبدالقدوس کے کئی لڑکے تھے جو سب کے سب عالم، عبادت گزار اور لباس شیخت سے آراستہ تھے۔ جن میں سے شیخ رکن الدین بڑے برگزیدہ بزرگ ہوئے جن کا مسلک فقر و محبت تھا اور یہ اپنے والد کے قدم بہ قدم چلتے رہے۔ شیخ عبدالقدوس کے ایک فرزند شیخ عبدالنبی تھے جو اسلامی تعلیم حاصل کرنے کے بعد جوانی میں مکہ معظمہ گئے جہاں کے علماء و فقہاء سے تھوڑی سی تعلیم حاصل کر کے اپنے وطن واپس آئے۔ اور پھر اپنے والد سے زہد و عشق اور اپنے چچا صاحبان سے توحید و سماع کے مسائل حاصل کئے۔ پھر انھوں نے قوالی کے جواز میں ایک کتاب لکھی اور اس کے بعد ایک رسالہ قوالی نہ سننے کے احکام کے بارے میں سپرد قلم کیا۔ اگرچہ قوالی نہ سننے کے احکام کی کتاب لکھنے کے باعث ان کو بے انتہا تکالیف اٹھانا پڑیں لیکن یہی کتاب ان کی شہرت کا سبب بنی۔

بادشاہ وقت اُس زمانہ میں ایک ایسے وزیر اعلیٰ کا طلبگار تھا جو عالم اور دیانت دار ہو۔ چنانچہ بعض ذرائع سے آپ سنہ ۹۷۱ھ میں مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوئے۔ زمانہ

صدارت میں آپ کی مہر میں یہ الفاظ تھے "لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین" آپ نے عہد صدارت میں اپنی محنت کی بدولت اور زیادہ عزت و منصب حکومت حاصل کی۔ آپ نے وزیر اعلیٰ ہوتے ہی ظلم و استبداد کو ختم کیا اور خوب عزت و شان حاصل کی۔ چونکہ بادشاہ وقت کو آپ سے کامل اعتقاد ہو گیا تھا اس لئے دوسرے لوگوں کی آپ کے برابر وہ عزت نہیں کرتا تھا۔ غرضکہ جو کوئی آپ کے معیار پر پورا نہ اترتا وہ ترقی کرنے سے محروم رہتا۔ چند سال کے بعد ۹۸۶ھ میں کئی اسباب وحادثات کی وجہ سے مزاج شاہی میں کچھ فرق آ گیا اور آپ عہدہ صدارت سے معزول ہو گئے۔ آپ کو اور مولانا عبد اللہ سلطان پوری کو جو افغانوں کے زمانہ سے اب تک عزت دار و معتبر مانے گئے تھے جن کا لقب مخدوم الملک تھا اور جو عقلمندی، متانت، صحیح رائے اور تجربہ کار تھے۔ ان دونوں کو ایک ساتھ ایک دوسرے کا ہم سفر بنا کے مکہ معظمہ بھجوا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں باہم ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ انھوں نے راستہ بھر نیز مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ میں اتفاق واتحاد کی کوئی صورت پیدا نہیں کی اور ان دونوں کے دلوں سے باہمی کدورت نہ نکلی۔ آخر کار پریشان ہو کر ان دونوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ مخدوم الملک مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر گجرات آئے اور وہیں ۹۶۱ھ میں انتقال کیا اور شیخ عبد النبی لوٹ کر بادشاہ کے حضور پہونچے اور عرصہ تک جیل خانہ میں بند رہے۔ شیخ عبد النبی گذشتہ عزت و شان کے بدلہ حقارت و بے اعتباری۔ ذلت و خواری کو برداشت نہ کر کے وہیں جیل خانہ میں ۹۹۰ھ میں فوت ہو گئے

شیخ عبد القدوس نے اپنے رسالہ قدسیہ میں بھوک کے بیان میں لکھا ہے ساللہ تعالیٰ نے تم سے کہا ہے بھوک کی دو قسمیں ہیں سفلی اور علوی سفلی بھوک تمام جانوروں میں ہے حیوانی روح جب اس دنیا میں جانوروں کے اندر آ کر ان کے جسم کو واضح کرتی ہے یعنی جب حکم الہٰی کے سبب تمام جانور چلنے پھرنے لگتے ہیں۔ ان میں حرارت بھی پیدا ہو سکتی ہے تو وہ غذا کے محتاج نظر آتے ہیں اور ان کو بھوک پیاس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ اپنی بھوک پیاس کے اونیٰ درجہ (سفلی) کی وجہ سے عروج نہیں کر سکتے اور ان میں کم مائیگی کی تجلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں غرضکہ تمام جانور اپنے گوناگوں اختلافات جسمانی کے باوجود سفلی بھوک میں گرفتار رہتے ہیں۔

علوی بھوک تمام عام وخاص انسانوں میں موجود ہے۔ انسان جب صرف سمندر ہوتا

ہے اور عالم غیب سے عالم محبوبیت میں عروج کر کے عالم جنبش سے عالم بے حسی میں حرکت کرتا ہے اس وقت حق کی حقانیت ظاہر ہوتی اور میدان حضرت الٰہی میں تجلی افروزی کی جانب لپکتا ہے جس کا مطلب اللہ کی احدیت ہے جس کے بیشمار انوار و اسرار، جمال و جلال، کریمی ورحیمی، ستاری وجباری، قدوسی وقہاری و رزاقی و خلاقی، رحمانیت و ربوبیت ہزار در ہزار موج در موج لہریں لیتی ہے۔

نور الٰہی کا رنگ، اضافت روح ولایت اور نبوت و رسالت یہ سب اللہ ہی کے اسماء ہیں جو قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ کے مختلف مناظر ظاہر کرتے ہیں۔ اور یہ مقام احدیت کی ابتداء ہے جہاں روح انسانی کا مقام ہے یہیں عالم جبروت ہے جو مقام قرب اور عالم معیت ہے۔ اس کو اگرچہ مقام تجلی کہتے ہیں لیکن اس مقام ہمسائگی کی سطوتوں سے مکمل فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تو لازماً پھر مقام تجلی میں واپس ہو کر عالم عقول بن جاتا ہے عالم ملکوت جو ہے وہ روح انسانی کا مقام ہے۔ یہاں ظہور نفس کی معرفت ظاہر ہوتی ہے اور مقام تقدس و میدان تسبیح و تہلیل سے قریب تر ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ مقام قید و بند ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ اسی باعث مظہر عشق کی پذیرائی نہیں کرتا اور کمال معرفت کا فائدہ جو بروج کے عروج کا انتہائی مقام ہے حاصل نہیں کرتا اور آخر کار مقام تجلی میں واپس ہو کر عالم اجسام میں ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ اور ابتداء و انتہاء میں مظہر انسانیت بن جاتا ہے۔ اور عروجی شان کے مدنظر وَإِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ کے بحر محض اور وجود صرف کی جانب رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اور جب جوش سوزش عشق مقام "فَأَحْبَبْتُ" میں بحر صفات کا راز بن کر اپنے وجود میں جلوہ گری کرتا ہے تو وہ کم مایہ ہو کر اپنے معلومات کو علم کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اور علم اپنے معلومات کے ساتھ بحر صفات بن کر مجاز کو حقیقت، حقیقت کو مجاز وحدت کو کثرت اور کثرت کو وحدت، غائب کو حاضر اور حاضر کو غائب کر کے صحرائے وجود میں قدم رکھتا ہے اور پھر اس وقت الرَّحْمَٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ کا پرچم بلند کرتا ہے اور پھر ایک فریق جنت میں اور دوسرا دوزخ میں جاتا ہے۔ اسی سبب سے نار اللہ الموقدۃ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ کے پیش نظر دنیا جہاں میں جوش و خروش اور شور و فغاں ہوتا ہے۔ یعنی ہر ایک اپنی استعداد کے موافق اس عالم سے اپنا مطلوب حاصل کرتا ہے اور یہی وہ بھوک ہے

جو انسانی معدہ میں فطری طور پر موجود ہے۔ اور یہی بھوک آتش دوزخ سے زیادہ گرم و تیز ہے۔ کبھی یہ بھوک کثافت سے لطافت کے درجہ میں پہونچ جاتی ہے اور مفید کو مطلق بنا کر انسانیت کو رحمانیت کے ذریعہ بھوک کے ساتھ اللہ تک پہونچاتی ہے۔ یہی وہ خاصیت ہے جو صرف انسانوں کے لئے مخصوص ہے اور کسی دوسرے جانور کو ودیعت نہیں کی گئی ہے کیونکہ وہ سراسر سفلی ہی سفلی ہیں۔ فرشتے اور روحیں اگرچہ علوی ہیں لیکن ان میں بھوک کا کوئی شائبہ نہیں ہے اسی لئے وہ اپنے مقام سے ذرہ برابر ہل نہیں سکتے کیونکہ اپنے مقام سے ہلنا آگ کا کام ہے یا پھر درد و محبت اور عشق کا خاصہ ہے۔

اب اچھی طرح سن لو کہ بھوک کے تین درجے ہیں ایک کو آتش گرسنگی کہتے ہیں جس کی خوراک کھانا پانی ہے دوسرے کو آتش درد محبت و عشق کہتے ہیں جس کی غذا خون جگر اور خس و خاشاک ہے۔ تیسرے کو آتش محبوب و معشوق کہتے ہیں جس کی غذا حسن و جمال اور اوصاف کمال ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ جَمِیلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ

عاشق حسن خود است آن بے نظیر حسن خود را خود تماشا می کند

وہ بے نظیر و بے مثال اللہ خود ہی اپنے حسن کا عاشق ہے اور اپنے مظاہر حسن کا خود ہی تماشہ کرتا ہے۔

شیخ امجد دہلوی

سلطان بہلول کے زمانہ میں آستانۂ خواجہ قطب الدین کے جبہہ سا رہے نیز خواجہ صاحب سے فیض روحانی حاصل کیا۔ پیدائش ۸۲۵ اور وفات ۱۴۹۹ء ایک مرتبہ تلاش حق میں اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دریا ملا۔ جب اس کی گہرائی میں پہونچے تو ہلاکت کے قریب ہو گئے۔ اسی لمحہ دریا میں سے ایک آدمی نمودار ہوا جس نے ان کو ڈوبنے سے بچایا۔ جہاں سے لوٹ کر یہ اپنے گھر آگئے اور گوشہ نشین ہو گئے اور پھر گھر سے کبھی باہر قدم نہیں رکھا۔ اور بغیر کسی وسیلہ کے براہ راست خواجہ قطب الدین ؒ سے آمد و استفادہ کی نسبت قائم کر لی۔ اور دوسرے لوگوں کو مرید کرنے لگے۔ آپ کا مقبرہ حوض شمسی پر ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ ادھن دہلوی رح

مصنف کتاب (شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ) کے نانا تھے۔ آپ کا اصلی نام زین العابدین تھا اور عرف شیخ ادھن تھا۔ بڑے دانش مند اور زاہد و عابد تھے پیدائش۔ ۸۶۱ وفات ۹۲۴ھ

بے حد خشوع وخضوع خاکساری وادب وتہذیب اور وقار ودبدبہ کے بزرگ تھے اور میں (مصنف اخبار الاخیار) کے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کوئی شخص ایسا نہ دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو البتہ شیخ ادھن جس آداب سے باہر رہتے وہی طریقے گھر میں بھی برتتے تھے۔ ان کی زبان پر ہمیشہ ذکر الٰہی رہا کرتا۔ بڑے نورانی چہرہ اور خوبصورت جسم کے آدمی تھے۔ علم وتقویٰ کی درخشانی ان کی پیشانی سے ظاہر ہوتی تھی۔ اکثر وبیشتر روزہ دار رہتے اور کھانے میں بڑی احتیاط کیا کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم بن سکندر لودھی نے آپ کو اپنا نگراں (اے ڈی سی) بنانا چاہا لیکن آپ نے انکار کردیا آپ مولانا سماع الدین کے مرید اور میاں عبداللطیف ملتی کے شاگرد تھے آپ نے سنہ ۹۲۲ھ میں وفات پائی حوض شمسی کے مغرب میں آپ کا مقبرہ ہے۔ اللہ آپ سب پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ یوسف قتال رح

آپ نے بیحد ریاض اور مجاہدے کئے اور کمال حاصل کیا آپ ثانی جلال الدین لاہوری کے مرید اور انہی کے داماد تھے۔

پیدائش۔ ۸۵۵ وفات۔ ۹۳۲ھ

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق کے بنائے ہوئے ہفت پل میں ریاضت کرتے اور مشغول عبادت رہا کرتے تھے۔ جس زمانہ میں کہ آپ ہفت پل میں عبادت کرتے تھے اسی زمانہ میں ایک آدمی جس کا نام بھی جلال الدین تھا آپ سے حصول نعمت کا خواہش مند تھا آپ جو کچھ فرماتے وہ عمل پیرائی کیا کرتا۔ چنانچہ وہ آپ کے ارشادات کے موافق عبادت کرتے کرتے اپنی منزل مقصود پر پہونچ گیا۔

آپ نے سنہ ۹۳۳ھ میں وفات پائی اور ہفت پل کی عمارت کے احاطہ ہی میں آپکا مقبرہ ہے۔

مولانا شعیب

عالم باعمل اور صورت وسیرت کے لحاظ سے فرشتہ خصلت تھے۔ وعظ ونصیحت میں بے مثال تھے۔ جب وعظ کہتے

پیدائش۔ ۸۴۹ وفات ۹۳۶ھ

اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے تو کسی کو وہاں ٹھیرے بغیر چلے جانے کی سکت نہ تھی اور ہر وہ شخص جس کے سر پر بوجھ کا گٹھر ہوتا وہ اپنا بوجھ لئے ہوئے آپ کے وعظ اور تلاوت قرآن کریم کو کھڑا ہو کر سنتا رہتا اور ایک قدم آگے نہ بڑھاتا۔ دوران وعظ میں خوشخبری اور عذاب کے مختلف مقامات پر آپ کی حالت خود بخود غیر ہو جاتی اور وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ شہر کے بلند پایہ علماء اور مشائخ آپ کے وعظ میں

شریک ہوتے تھے۔ شہر کے اکثر و بیشتر عوام بھی آپ کے شاگرد تھے۔

آپ کے والد مولانا منہاج اپنے بچپن میں لاہور سے حصول علم کی خاطر دہلی آئے اور تحصیل علم کے زمانہ میں بیحد سختیاں برداشت کرتے رہے آخر کار بعد حصول تعلیم بزمانۂ سلطان بہلول دہلی کے مفتی شہر مقرر ہوئے اور یہیں دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ مولانا منہاج اکثر و بیشتر اوقات دکانوں سے آٹا اور گھی مانگ لاتے اور اسی کا چراغ بنا کر اس کی روشنی میں پڑھا کرتے۔ اور جب دن نکل آتا تو اُسی چراغ والے آٹے کی روٹی پکا کر کھا لیا کرتے۔ ایک عرصہ تک آپ کا یہی دستور رہا کہ چوبیس گھنٹہ میں صرف اسی ایک ٹکیہ پر بسر کی اور یونہی رات بھر پڑھ کر علم حاصل کیا۔

اور ہمارے شیخ (عبدالحق محدث دہلوی) کے خاندان کی مولانا منہاج سے قریبی رشتہ داری ہے۔

حکایت ہے جس درویش کو پہلے پہل یوسف قتال سے نعمتیں حاصل ہوئی تھیں اُس نے مولانا شعیب کے پاس آکر کہا مولانا شعیب میں تم کو ایک کام سکھاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ تم جو کچھ کام کرتے ہو یعنی پڑھانا اور تعلیم دینا یہ چھوڑ دو جس پر مولانا شعیب نے مصلحت وقت کے پیش نظر جواب دیا۔ میں ایک محنتی شخص ہوں میں نے بڑی کوششوں اور کاوشوں سے علم حاصل کیا ہے اور آخرت کی نجات بھی اسی راہ میں ہے۔ اس کا چھوڑ دینا میرے قابو سے باہر ہے۔ البتہ آپ جو کچھ فرمائیں گے میں اس کی تعمیل کروں گا۔ اور پھر جب آپ کے ارشاد کے موافق شغل و کام مجھ پر غالب آجائے گا تو یہ تعلیم دینا خود بخود چھوٹ جائے گا۔ اس کے بعد وہ درویش مولانا شعیب کے پاس سے چل کر مولانا یوسف قتال کے پاس گیا اور درویش سے اُنھوں نے جو کچھ کہا اس کے موافق اس نے عمل کیا۔
مولانا شعیب نے ۹۲۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر حوض شمسی پر ملک زین الدین کی خانقاہ کے قریب شمالی جانب واقع ہے اور ملک زین الدین دراصل سلطان سکندر لودھی کے زمانہ کے ایک صالح اور سخی بزرگ تھے۔

ملک زین الدین اور وزیر الدین

وفات ۹۳۲ھ

یہ دونوں بھائی شریف خصلت اور صالح تھے۔ ان کے باپ دادا بطور وراثت بادشاہان دہلی کے

ملازم تھے۔ ان کے اخلاق و اوصاف لکھنے کے لئے دفاتر درکار ہیں سلطان سکندر کے چچا زاد بھائی خان جہاں کے وکیل ملک زین الدین تھے ایک زمانہ میں جبکہ سلطان سکندر کو اپنے چچازاد بھائی خاں جہاں سے کچھ کدورت سی پیدا ہوئی۔ اس نے زمانہ سازی قواعد سلطنت کے پیش نظر اپنے بھائی سے رنجش کا اظہار نہیں کیا بارہ ہزار سوار فوج اور حکومت و گورنری وغیرہ انہی کے تفویض میں رہنے دی البتہ ان کے وکیل ملک زین الدین کو خود چپکے سے کہا اور اپنے ہاتھ سے ایک خفیہ حکمنامہ لکھا کہ خان جہاں کے مال و دولت وغیرہ پر قبضہ کر کے جس طرح چاہو خرچ کرو لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی خاں جہاں کو مطلق خبر نہ ہونے پائے اسی کے ساتھ یہ بھی حکم لکھ بھیجا کہ ملک زین الدین وکیل سے حساب فہمی کی گئی کسی کا ان کے ذمہ یا ان کا کسی کے ذمہ کوئی بقایا نہیں ہے۔ یہ سعادت مند خیرات و مبرات میں حسب ضرورت بقصد حصول ثواب خرچ کریں اور اصلاح ملک و قوم کی خاطر مشائخین و علمائے کرام کو ملازمت میں برقرار رکھ کر ان سے مزید محبت کریں اور ان کو داد و دہش کرتے رہیں وزیر الدین ان کے چھوٹے بھائی نے حکومت کی کوئی ملازمت نہیں کی بلکہ اپنے بڑے بھائی ملک زین الدین کے پاس ہی ان کی کفالت میں رہے۔ اور شادی کئے بغیر پوری عمر عبادت الہٰی میں بسر کی اکثر و بیشتر دہلی کے مقبروں پر جاتے تھے۔

ملک زین الدین وکیل نے دہلی اور اس کے اطراف کے مقبروں اور زیارت گاہوں کی نگرانی اپنے قبضہ میں لی اور تمام عالموں، صوفیوں اور صالح لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک برقرار رکھ کر ان کو ہمیشہ ہمیشہ خوش رکھا اور سلطان سکندر کے زمانہ میں اصلاح، تقوی، دیانت امانت علم اور بردباری کو علماء و صلحاء کے ساتھ برقرار رکھ کر ان سے ہمیشہ رواداری اور محبت کا برتاؤ جاری رکھا۔ اسی سبب سے تمام دنیا کے عالم و صالح عرب و عجم سے بہ طلب اور بغیر طلب کے دہلی آئے اور یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ اکثر بزرگ جن کا تذکرہ کیا جاتا ہے وہ سب اسی طبقہ سے متعلق ہیں۔ سلطان سکندر کی تعریفیں اور ملک زین الدین وکیل کی کارگذاری حد تقریر و تحریر سے خارج ہے نیز ملک زین الدین وکیل کی فراست و عقلمندی اور بزرگیاں اور زیادہ بیان کی گئی ہیں۔

شعر

گر ایں جملہ را سعدی املا کند — مگر دفترے دیگر انشا کند

"اگر سعدیؒ یہ سب کچھ لکھتے تو ایک بڑا دفتر ہو جاتا"

سلطان سکندر نے ۸۹۴ھ میں تخت نشینی کی۔ اور ۹۲۳ھ میں وفات پائی گویا سلطان نے (۲۹) سال حکومت کی۔

حکایت ہے کہ شیخ زین الدین ہمیشہ کھڑے ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے انھوں نے ایک رحل بنائی تھی جس کی اونچائی اُن کے سینہ تک تھی اس پر قرآن کریم رکھ کر تلاوت کیا کرتے تھے۔ ساتھ ہی چھت میں ایک رسی لٹکا کر اس کا پھندا اپنے گلے میں ڈال لیا کرتے تھے تاکہ اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو یہ پھندا ان کا گلا دبانے لگے اور اس سے وہ پھر سونے نہ پائیں بلکہ تلاوت کرتے رہیں۔

ملک زین الدین وکیل کے تمام ملازم وغیرہ آدھی رات بعد تہجد پڑھنے اُٹھ بیٹھتے تھے۔ پھر تہجد کے بعد سے چاشت کی نماز ختم ہونے تک آپ کے محل میں کوئی شخص اشارہ کے سوا کوئی بات زبان سے نہیں کہتا تھا۔ آپ کے اوراد و وظائف کی کثرت کی یہ حالت تھی کہ جمعرات کے دن رات کے وقت چانولوں پر تین تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر رسالتمآبؐ کی روح پر فتوح پر ایصال ثواب کیا کرتے تھے۔ وہ چاول تقریباً کئی من ہوتے تھے جن کی دن کے وقت جمعہ کے روز قبولی پکتی اور غریبوں کو تقسیم کی جاتی تھی۔

یکم ربیع الاول سے بارہ ربیع الاول تک روزانہ ایک ہزار روپیہ بغرض ایصال ثواب بارگاہ نبوت اس طرح خرچ کیا جاتا کہ روزانہ ایک ہزار روپیہ اس پر اضافہ کرتے رہتے یعنی یکم کو ایک ہزار دوسری تاریخ دو ہزار تیسری تاریخ تین ہزار اور بارہویں ربیع الاول کو بارہ ہزار روپے خرچ کرتے تھے یہ اُن دنوں کا واقعہ ہے جبکہ ارزانی کا زمانہ تھا۔

حکایت ہے کہ ملک زین الدین اور وزیر الدین دونوں بھائی ہر بدھ کے دن غسل کر کے ختم قرآن شریف کرایا کرتے تھے اور اللہ سے اپنی شہادت کی دعا مانگتے تھے۔ آخر ویسا ہی ہوا جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ زین الدین کو سحر کے وقت اُن کے ایک غلام نے دودھ میں زہر ملا کر پلادیا۔ اور شیخ وزیر الدین نے سلطان ابراہیم کے ساتھ میدان جنگ میں جام شہادت نوش کیا۔ حوض شمسی کے مغربی جانب آپ کا مزار ہے۔ آپ کی خانقاہ۔ چبوترہ اور مزار کا محل وقوع پُر اثر اور بے نظیر ہے۔ آپ کا مزار حوض شمسی کی دوسری عمارتوں سے زیادہ مشہور ممتاز بلند اور پُررونق ہے۔ اب بھی آپ کے مقبرہ سے رحمت

وبزرگی کی قبولیت کے آثار ظاہر ہیں۔ اللہ آپ پر اور سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ جمالی

مولانا سماء الدین کے مُرید اور یکتائے زمانہ جامع اخلاق تھے آپ کا اصلی نام جمال خان ہے۔ پہلے جلالی تخلص کرتے تھے

پیدائش ۸۴۵ وفات ۹۴۲ھ لیکن پیرومرشد کے کہنے پر جمالی تخلص رکھا۔ والد پہلے ہی یتیم چھوڑ کر فوت ہو گئے تھے لیکن اپنی ہمت اور قابلیت کی وجہ سے شاعری میں کمال حاصل کیا۔ اقسام شاعری کے منجملہ مثنوی، غزل اور قصیدہ کہتے تھے۔ آپ کے اشعار سے اہل سخن واقف ہیں آپ غزل و مثنوی کی بہ نسبت قصیدہ زیادہ اچھا کہا کرتے تھے۔

خوب سیروسیاحت کی اور حرمین شریفین کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی اور جلال الدین محمد دوانی سے بھی آپ نے ملاقات کی ہے۔ آپ ظاہری و باطنی طور پر پر ہیبت تھے۔ محفلوں میں شرکت کرتے۔ اپنے ارادہ کے بڑے دلیر و مستحکم تھے۔

مجلس میں بڑے بڑے لوگوں کو آپ کے سامنے گفتگو کی مجال نہ ہوتی سلطان سکندر بن بہلول کے زمانہ میں آپ کی زندگی کا ابتدائی دور تھا بابر بادشاہ بھی آپ کی عزت کرتا تھا۔ آپ نے اس کے لئے بھی ایک قصیدہ لکھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

شعر

شاہ دشمن کش ظہیرالدین محمد بابر آنکہ کشور بنگالہ را زالغار کابل بشکند

ہمایوں بادشاہ کی شان میں بھی قصائد لکھے ہیں۔

اپنے پیرومرشد کے بیحد معتقد تھے۔ رسول اکرم ؐ کی نعت میں آپ کا یہ شعر بہت مشہور ہے اور بعض صالح نکوکار نے لوگوں خواب میں سرور عالم ؐ سے اس شعر کی قبولیت کی بشارت بھی پائی ہے۔

شعر

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

قصب صاحب میں آپ نے اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنایا تھا۔ جہاں زندگی میں رہا کرتے تھے اور وہیں مدفون ہیں۔ آپ نے ۱۰ ذی القعدہ ۹۴۲ھ میں وفات پائی۔ یہ وہ سال ہے جبکہ آپ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ گجرات گئے تھے۔ اور وہیں آپ کی روح پرواز ہوئی تھی۔ شیخ جمالی کے دو بیٹے تھے ایک شیخ عبدالحی جن کا تخلص حیاتی تھا بڑے عمدہ اخلاق اور خوبیوں کے بزرگ

تھے اپنے زمانہ میں فاضلوں اور ظریفوں کا مجموعہ تھے۔ شیخ جمال ان سے بڑی محبت کرتے اور دل سے چاہتے تھے۔ غریبوں کی طرح رہتے اور عجیب وغریب چیزیں کہتے۔ فیض حالت ظاہر تھا۔ فی البدیہہ شعر کہتے اور بکثرت کہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ شعر گوئی کی قوت کو اگر وہ فکر صحیح اور زمانہ شناسی میں صرف کرتے تو بہت کچھ انوکھی باتیں اُن سے ظاہر ہوتیں۔ ہمیشہ دوستوں کی دلدہی کی باتیں کرتے اور ان کے دل بہلاتے رہتے۔ چونکہ ہر ایک جماعت کے راز دار تھے اس لئے مزید شہرت کے مالک ہوئے عزت اور بزرگی کے باوجود ہر ایک سے بلا تکلف تھے اور معمولی سی آمدنی میں بڑے ہی خوش اور مگن رہا کرتے تھے۔ کسی کو آپ کی کلفت و محنت ذرہ برابر معلوم نہ ہوتی تھی۔ روزانہ ہمیشہ سیر وتفریح اور شوق وذوق میں رہتے۔ یہی سبب تھا کہ فقر وغنا در مندی اور سعادت ابدی کی دولت سے مالا مال تھے۔ افغانوں کے زمانہ حکومت میں جو کوئی طالب علم، شاعر یا قلندر وغیرہ افغانستان کی سمت سے دہلی آتا اسے اپنے گھر ٹھہراتے اور ہر ایک کے ساتھ مہربانیوں کا سلوک کرتے والد کے ترکہ میں خوب دولت پائی تھی وہ سب تھوڑے ہی دنوں میں اپنے دوستوں پر خرچ کردی۔ اور جوانی ہی میں جاں بحق ہوئے پیدائش سنہ ۹۲۳ھ میں ہوئی اور سنہ ۹۵۹ھ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر آپ کے والد کے مقبرہ کے چبوترہ کے باہر ہے۔

سید شاہ میرک جو میر سید شریف جرجانی کے فرزند تھے عالی نسب سید ہونے کے ساتھ تمام فنون اور نوادرات میں بے مثل تھے انھوں نے بھی شیخ عبدالحی حیاتی کی تاریخ وفات یوں کہی ہے۔

تاریخ وفات

نادر العصر شیخ عبدالحی — کہ بوصفش مرا زباں نہ بود
وقت نزعش بسر رسیدم من — گفتم اے چوں تو در زماں نہ بود
سال تاریخ خویش خود فرما — کہ جز او در دایں زباں نہ بود
گفت تاریخ من بود تا م — بندہ وقتے کہ درمیان نہ بود

اس میں شیخ عبدالحی کے لفظ میں سے لفظ بندہ کا استخراج کیا ہے۔

شیخ جمالی کے بڑے بیٹے شیخ گدائی تھے۔ بزرگی میں اپنے والد کے پہلو بہ پہلو تھے۔ اوّل وآخر میں ہمیشہ بزرگی وشوکت کے حصول کے دلدادہ رہے۔ دولت وعزّت دنیاوی کے باوجود

بڑے برگزیدہ بزرگ تھے۔

ابتدائی جوانی میں نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ کے خاص مصاحبوں کے زمرہ میں ملازم تھے پھر جب شیر شاہ سوری حملہ کر کے دہلی کا شہنشاہ بن گیا تو آپ نے اس وجہ سے کہ شاہی ملازمت سے تعلق رکھتے تھے دہلی چھوڑ کر گجرات چلے گئے۔ اور وہاں سے حرمین شریفین کی زیارت کے لئے اپنے بال بچوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ پھر جب جلال الدین محمد اکبر بادشاہ نے بادشاہت سنبھالی تو آپ اپنے بال بچوں کے ساتھ دہلی واپس آئے اور خان خاناں محمد بیرم خان سے اتحاد و دوستی کے سبب پھر آپ حکومت کے بلند عہدہ پر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد کئی اسباب اور حادثات نیز خوف الٰہی کے مدنظر نواب خان خاناں کے مشورہ پر ترک دنیا کے خیال سے حرمین شریفین روانہ ہوئے۔ یہ ۹۶۸ھ کا واقعہ ہے ابھی آپ حج کے راستہ ہی میں تھے کہ دشمنوں نے آپ کو بُری طرح زخمی کر دیا۔ جہاں سے لوٹ کر آپ اپنے حاسدوں اور دشمنوں سے محفوظ رہنے کی خاطر کوہ جیسلمیر کی پہاڑیوں میں ایک زمانہ تک رہے لیکن پھر دہلی اس لئے واپس آئے کہ حکومت کی جانب سے آپ کی پنشن بطور (مدد معاش) جو موجود تھی اسی پر قناعت کر کے زندگی کے دن گذاریں چنانچہ شاہی حکم کے زیر اثر آپ نے شہر دہلی میں سکونت اختیار کی۔ اور باوجود اسکے کہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے زندگی کے باقی دن ماہرو نازنینوں کے ساتھ باغوں میں بسر کئے۔ اور پھر جب ۹۷۶ھ میں موت کا پیام آیا تو سب کچھ چھوڑ کر سیدھے عالم جاودانی کی جانب کوچ کیا۔

سید حسین پائے میناری

ایک سیاح اور صاحب صحبت درویش تھے۔ اور بڑے موٹے تھے سلطان سکندر کے زمانہ میں

پیدائش۔ ۸۶۰ــــ وفات ــــ ۹۴۲ھ مشہد مقدس طوس سے دہلی آئے۔ سلطان کی صحبت خوشگوار نہ آئی اس لئے قلعہ دہلی میں پائے منار کی مسجد میں گوشہ گیر ہو گئے۔ سلطان کی بعض رئیس زادیاں آپ کی معتقد ہو گئی تھیں اس لئے ضروری اسباب معیشت کا انتظام ہو گیا۔ اس کے علاوہ اندرون قلعہ کی کچھ زمین پر خود کاشت کرتے اور اس کی آمدنی فقیروں پر خرچ کرتے تھے۔ آپ کے اور شیخ جمالی کے درمیان ناشائستہ امور پر کچھ آویزش ہو گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر شیخ جمالی آپ سے ظرافت آمیز جملے کہا کرتے اور آپ کی طرف بعض ناشائستہ باتیں منسوب کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے غصہ کی حالت میں اپنا عضو مخصوص کاٹ کر شیخ جمالی

کے پاس بھیج دیا بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ قطعی غلط ہے بلکہ صحیح واقعہ یہ ہے کہ آپ کو استسقاء کی بیماری ہوگئی تھی۔ چنانچہ بمشورہ اطباء آپ نے آپریشن کرایا اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ آپ کی ایذا رسانی کے مدنظر شیخ جمالی نے بطور ظرافت یہ شعر کہا ہے۔

شعر

آں خویش را چو ببریدی علت پس چگونہ خواہد رفت

باقی حقیقت اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ آپ نے ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔ اور آپ کا مقبرہ وہیں دہلی میں منار شمسی کے پائیں میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

شیخ یوسف چریا کوٹیؒ

مشرب شطاریہ کے درویش تھے۔ حلقہ ذکر آپ عجیب وغریب طریقہ سے کیا کرتے تھے۔ دوران حلقہ میں

پیدائش ۸۷۱ ــــ وفات ــــ ۹۵۱ھ

عاشقانہ اشعار پڑھتے اور اظہار شوق سے کام لیتے تھے بڑی شان کے بزرگ تھے۔ دو واسطوں کے ذریعہ شیخ عبداللہ شطار تک آپ کا سلسلہ ہے۔ آپ کے والد بزرگوار نے شیخ عبداللہ شطار کی صحبت وخدمت بندگی کر کے تلقین ذکر حاصل کیا۔ آپ کی اولاد اب بھی علاقہ دوآبہ کے درمیان بعض مواضعات میں موجود ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

شیخ خالو گوالیری

اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ خواجہ حسین ناگوری کے مُرید تھے اور شیخ اسمٰعیل ابن شیخ حسین سرمست سے

پیدائش ۸۴۹ ـ وفات ۹۴۱ھ

جو چندیری میں مقیم تھے خرقہ حاصل کیا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی محبت روحانی میں غرق تھے بڑھاپے اور کمزوری اعضاء کے سبب لوگوں کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوتے تھے آپ کے والد آپ کے پاس گئے ہوئے تھے انھوں نے آپ سے لوگوں میں جو بات مشہور تھی کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے نہیں ہوتے دریافت کیا جس پر آپ نے جواب دیا۔ میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ ہر آنے جانے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ سمجھنا فقیروں کو سزاوار بھی نہیں ہے اس لئے بغرض تعظیم کھڑے ہونے سے مجھے معذور تصور فرمائیے۔

شیخ نظام نارنولی بھی آپ ہی کے مُرید تھے انھوں نے بھی اپنے پیرومرشد کی اتباع میں بغرض تعظیم کھڑا ہونا ترک کر دیا تھا۔ اس کے باوجود مقبول عام وخاص اور شہرت کے مالک تھے۔

شیخ نظام کے بھائی شیخ اسمٰعیل بھی آپ ہی کے مُرید و خلیفہ تھے بڑے جوانمرد تھے ان کے بھی اکثر مُرید ہیں۔ شیخ اسمٰعیل کے مُریدوں میں سے خواجگی وہ بزرگ تھے جن کو شیخ اسمٰعیل نے پختہ درویش بنایا تھا جو بعد میں بیانہ کی ایک مسجد میں گوشہ گیر ہو گئے تھے۔

شیخ منور جن کا مزار آگرہ میں ہے وہ بھی شیخ خانو کے مُرید تھے۔ شیخ خانو ہمیشہ جذبہ کی حالت میں رہا کرتے تھے اور ۹۲۱ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ علاؤالدین

آپ کے والد کا نام شیخ نورالدین اجودھنی ہے جو شیخ فریدالدین گنج شکر کی اولاد میں سے تھے۔ شیخ علاؤالدین یکتائے زمانہ

پیدائش ۸۷۲ وفات ۹۴۸ھ فرشتہ صفت اور ذی اخلاق بزرگ تھے۔ ابتدائے جوانی ہی سے مُہذب و مؤدب تھے درویشوں کے اخلاق و کمالات آپ کی سرشت میں تھے۔ بُردباری و کرم سخاوت و درگذر کرنے کی صفات آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ خوش نفسی اور آسائش جسمانی کا کوئی سامان اپنے پاس پھٹکنے نہ دیتے آپ کے زمانہ میں لوگ آپ کو فریدِ ثانی کہتے تھے۔ آپ کو خواجہ قطب الدینؒ کی روحانیت سے خاص رابطہ اور کامل اعتقاد تھا۔

حکایت ہے کہ ایک درویش نے آپ کے پاس آکر کہا میرے پاس تریاق ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ ہمارے پاس بھی تریاق ہے۔ لوگوں نے کہا لاؤ امتحان کریں چنانچہ ایک چڑیا کو پکڑ کر اس کے حلق میں زہر ٹپکایا گیا جس پر شیخ علاؤالدین نے اپنے لنگر خانہ کی روٹی کا ایک ٹکڑا پانی میں بھگویا اور وہ پانی اس چڑیا کو پلایا۔ جس کے پیتے ہی چڑیا فوراً زندہ ہو گئی۔ آپ ۸۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مقبرہ پرانی دہلی کی سرائے میں ہے جہاں آپ کے خاندان کے اکثر بزرگ سکونت پذیر ہیں۔

سید سلطان بھڑائچیؒ

میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ سید سلطان بھڑائچیؒ اہل دل، خاکسار اور صاحب ہمت درویش تھے۔ اگرچہ

پیدائش ۸۵۹۔ وفات ۹۴۹ھ شیخ علاؤالدین اجودھنی کے مُرید تھے مگر تلقین و ارشاد کا تعلق مشرب شطاریہ سے رکھتے تھے۔ لباس میں صرف ستر عورت پر اکتفا کرتے اور عام طور پر ننگے سر رہا کرتے تھے کبھی درویشوں کی ٹولیوں میں رہتے اور کبھی اکیلے گذارتے دنیاوی رسوم کے پابند نہ تھے۔ جہری ذکر بہت زیادہ کیا کرتے۔ آپ ذکر میں قلب پر اس زور سے ضرب لگاتے تھے کہ جس طرح صنوبر کی لکڑی چیرتے وقت کڑکڑ کی آوازیں نکلتی ہیں ویسے

ہی آپ کے دل سے آوازیں نکلتی تھیں۔ میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ میں پہلے پہل طلب حق کے سلسلہ میں ایک دن سید سلطان بھڑائچیؒ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ کتابت میں مشغول تھے۔ میں بیٹھے بیٹھے سرنیچا کئے چپکے چپکے ذکر الٰہی کرنے لگا تھوڑی دیر بعد انھوں نے سر اٹھا کر غصہ سے میری طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر اٹھے اور مجھے سینہ سے لگا کر مہربانیاں فرمائیں۔ لیکن مجھے اُن کی اس حالت کے پوچھنے کی جراُت نہ ہوئی پھر جب میں ان کے پاس سے اُٹھ کر چلا گیا تو انھوں نے اپنی مجلس میں دوسرے لوگوں سے کہا آج ہمارے پاس ایک نوجوان آیا تھا جس کا دل ذکر کر رہا تھا۔ مجھے غصہ آیا اور چاہا کہ اس کے دل کے رُخ پر طمانچہ رسید کروں لیکن فوراً ہی میرے پیر و مرشد تشریف لائے اور انھوں نے فرمایا کہ رحم کا مقام ہے۔

حکایت ہے کہ سید سلطان بھڑائچی کو ایک ہندو عورت سے محبت ہو گئی تھی جو آپ کی برکت توجہ کی وجہ مسلمان ہو گئی۔ اس کے قبیلہ کے لوگ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ کے ایک عزیز محمد زمان کے پاس گئے اور اُن سے دادرسی چاہی۔ محمد زمان حاکم وقت نے پیادہ کے ہاتھ سید سلطان بھڑائچی کو کہلا بھیجا کہ اس ہندو عورت کو اپنے گھر سے نکال دو ورنہ تمہارے سر پر ہم خود پہونچتے ہیں۔ اس کے جواب میں سید سلطان نے تلوار ہاتھ میں لی اور گھر سے باہر نکل کر کہا وہ عورت مسلمان ہو گئی ہے اب اس کو کافروں کے حوالہ کرنا جائز نہیں ہے اور اگر جنگ کی دھمکی دیتے ہو تو جلدی سے آکر دو دو ہاتھ لڑلو۔ دیکھو خدا کیا کرتا ہے سید سلطان کی گفتگو سے حاکم وقت محمد زمان کے دل میں اسلامی رعب بیٹھ گیا اور اپنے کہے پر پشیمان ہوا۔ آپ کے مریدوں اور خلفاء میں سے شیخ علاؤالدین شیخ این انبروھ بھی ایک شریف شخص تھے جو بوڑھے بابرکت اور مجذوب شکل تھے۔ اللہ سب پر اپنی رحمتیں کرے

سید علاؤالدین

عالی نسب سید اور بابرکت صاحب ذوق وحال بزرگ تھے ہندوستانی فن موسیقی میں بھی ماہر تھے۔ شاعری بھی کرتے تھے پیدائش ۹۰۲ وفات ۹۸۷ھ ان کے واردات وقت کی ایک یہ ہے۔

غزل

ندانم آن گل خنداں چہ رنگ و بو دارد — کہ مرغ ہر چمنے گفتگوئے او دارد
بجستجوئے نیابد کسے مراد دلی — کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد
نشاط بادہ پرستاں بمنتہی برسید — ہنوز ساقی ما بادہ در سبو دارد

حدیث عشق تو تنہا نہ من ہمی گویم — کہ ہر کہ ہست ازیں گونہ گفتگو دارد
متاع دل بکفِ دلبرے بدہ تو علاء — کہ ایں متاع گرانمایہ رانکو دارد

سیّد علی رح

ارباب کمال اور صاحبان سکر وجد و حال سے آپ کے گہرے تعلقات تھے ہمیشہ حال اور سرگرمی کی حالت میں رہتے۔ مجذوبانہ
پیدائش ۸۲۷ وفات ۹۰۵ھ گفتگو کرتے۔ کوئی خاص لباس ہمیشہ نہ پہنتے کبھی مشائخین کا خرقہ اوڑھتے اور کبھی سپاہیانہ لباس زیب تن کرتے۔ در اصل سوانہ کے سادات میں سے تھے طلب حق کی ابتدا میں سوانہ سے چل کر جونپور آئے جہاں درویشوں کی خدمت کی اور پھر شیخ بہاء الدین جونپوری کے مرید ہو گئے۔ اللہ نے مقبول خاص اور مخصوص حال بنا دیا آمد کے دروازے پردۂ غیب سے ان پر کھل گئے۔ آپ کی چار بیویاں تھیں ان کے سوائے اور اکثر لوگوں کو وظیفے دیا کرتے تھے۔ جو کچھ ملتا اس میں سے نصف اپنی بیویوں کو دیتے اور باقی نصف غریبوں اور محتاجوں کو دیا کرتے تھے۔ غیب سے ان کو برابر آمدنی ہوتی رہتی تھی جو کبھی بند نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ چالیس برس تک سید علی نے اپنے کسی نوکر سے کوئی کام کرنے کو نہیں کہا۔ ایک رات سوتے سوتے پیاس لگی اور جو آدمی ہمیشہ آپ کے پاس پینے کا پانی رکھا کرتا تھا وہ اس رات پانی رکھنا اتفاقاً بھول گیا تھا۔ رات کے اندھیرے میں آپ نے کئی مرتبہ پیاس کی شدت سے پانی کی صراحی ٹٹولی مگر وہ تھی ہی نہیں ملتی کیسے۔ آپ ہر مرتبہ پیاس کی شدت سے جاگتے اور پانی کی صراحی ٹٹولتے۔ ایک مرتبہ جب پیاس نے ادھمرا کر دیا تو آپ نے کسی نوکر کو آواز دیکر پانی منگانے کے بجائے اور اس عہد شکنی کے مد نظر جو آپ نے اللہ سے کیا تھا تن بتقدیر ہو کر کہا اے موت آجا اب تیرے آنے کا یہی وقت ہے جو آپہونچا ہے اس کے بعد بے چینی کی حالت میں پھر پانی کی صراحی ٹٹولنے کے لئے ہاتھ جو پھیلایا تو پانی کا بھرا پیالہ پایا۔ چنانچہ آپ نے وہ پانی پی کر خدا کا شکر ادا کیا۔

میرے والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ سید علی رح سے ہماری ملاقات ہوئی ہے اور اُن کی گفتگو بھی ہم نے سُنی ہے۔ ان کی گفتگو میں ذوق و عرفان کا اثر تھا اور ان کی باتوں سے ان کے دل کی سرگرمی محبت ٹپکتی تھی۔ سید علی کہا کرتے تھے کہ میری اتنی عمر ہونے کو آئی میں نے اب تک دنیا داری کے گھر میں قدم نہیں رکھا ہے ہر ایک اُس کے گھر سے اپنے گھر بلایا ہے اور اپنے کسی نوکر کو بھی اپنے کسی کام سے کسی کے پاس آج تک بھیجا

نہیں ہے۔ جو لوگ خود تو کسی کے گھر نہیں جاتے لیکن رقعہ روانہ کرتے ہیں یا اپنا نوکر بھیجتے ہیں۔ اس میں سے کوئی چیز بھی ممنوع نہیں ہے۔ البتہ سائل بن کر لوگوں کی طرف متوجہ ہونا ممنوع ہے۔ ایک دن میں نے خواب میں رسول اکرمؐ کو فرماتے سنا۔ علی تم اپنے دروازہ پر نقارہ بجواتے ہو اور مخلوق کے حالات کی خبر گیری نہیں کرتے۔ چنانچہ میں (سید علی) نے عرض کیا یا رسول اللہؐ نقارہ آپ ہی کی آمد کی اطلاع دہی کیلئے ہے علی بیچارہ کو اس سے کیا تعلق ہے۔ ارشاد عالی ہوا اے علی تم مخلوق خدا کے لئے دعا کرو کیونکہ تمہاری دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ سید علیؒ نے کہا میں خادم فقیر لوگوں کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ سے صرف اتنی التجا ہے کہ عصر و مغرب کے درمیان مجھ سے کوئی کام نہ لیں اور مجھے میری حالت پر رہنے دیا کریں تاکہ اس گھڑی میں اپنے حال میں آجایا کروں ایک مرتبہ آپ نے کہا یہ لوگ عجیب قسم کے ہیں جو قوالوں سے کہتے ہیں کہ فلانی چیز اور فلانی غزل پڑھو کیونکہ ہم کو یہ پسند ہے اور وہ نہیں بھاتی۔ اور میری (سید علی) کی یہ کیفیت ہے کہ قوال جو کچھ گائیں وہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے اور اسی میں میرا ذوق تسکین پاتا ہے۔

آپ نے ۹۰۵ھ میں وفات پائی۔ قبر جونپور میں ہے

شیخ ادھن جونپوری

آپ کے والد شیخ بہاؤ الدین جونپوری تھے آپ اپنے وقت کے مشائخ و بزرگ تھے۔ بڑی عمر والے

پیدائش ۸۵۶ — وفات ۹۶۷ھ

بابرکت اور عظمت ظاہری کے مالک تھے آپ کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ مگر ذوق و شوق تازہ تھا کمزوری کی وجہ سے لوگ پکڑ کر آپ کو اٹھایا کرتے تھے لیکن قوالی میں وہ عشق و جوانی دکھاتے کہ دس آدمی بھی آپ کو نہ سنبھال سکتے۔

حکایت ہے کہ شیخ بہاؤ الدین جس زمانہ میں اپنے پیر و مرشد شیخ محمد عیسیٰ کی خدمت کیا کرتے تھے تو اس زمانہ میں شیخ بہاؤ الدین کو شیخ عیسیٰ ہمیشہ فجر کی نماز کی تکبیر اولیٰ میں حاضر پاتے۔ اگر ان کے متعلقین میں سے کوئی انتقال کر جاتا تب بھی تکبیر اولیٰ ان سے فوت نہ ہوتی تھی ایک دن جب شیخ بہاؤ الدین کا لڑکا فوت ہوا تو چونکہ دوسرے لوگ اس وقت موجود نہ تھے یہ خود اس کی تجہیز و تکفین کے سامان میں مشغول ہو گئے اس وجہ سے تکبیر اولیٰ میں شرکت کے بجائے نماز میں تشہد پڑھتے وقت آکر شریک ہوئے۔ شیخ عیسیٰ نے نماز پڑھنے

کے بعد شیخ بہاء الدین کی جانب رُخ کر کے کہا انشاء اللہ اس کے بعد والا نہیں مرے گا۔ اس واقعہ کے تھوڑے دنوں بعد آپ کے فرزند شیخ ادھن پیدا ہوئے۔ اور پیر و مرشد کی دعا کی برکت سے انھوں نے اور ان کی اولاد نے دراز عمریں پائیں۔ شیخ ادھن نے ۹۶۰ھ میں وفات پائی اور وہیں جونپور میں مدفون ہوئے۔

میاں قاضی خاںؒ ظفر آبادی

شیخ حسن طاہرؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ راہ طریقت کے سچے تنہائی پسند صاحب پیدائش ۸۶۹ھ — وفات — ۹۷۰ھ استقامت و کرامت اور اہل حرمت و تقویٰ تھے۔ اگرچہ زمانہ کے لحاظ سے متاخرین میں پیدا ہوئے لیکن صفائی معاملہ کے پیش نظر متقدمین کے زمرہ میں شمار کئے جاتے تھے۔

حکایت ہے کہ قاضی خاں کہا کرتے تھے۔ ہم نے تیس سال جان کھپائی اور ریاض کیا تب کہیں نفس کی مکاریوں کا تھوڑا سا علم حاصل ہوا اور یہ معلوم ہو سکا کہ لفس کس طرح ڈاکے ڈالتا ہے اور اس کی کمین گاہیں کون کون سی ہیں۔

حکایت ہے کہ شہنشاہ وقت نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ نے لاکھ جتن کئے کہ میاں قاضی خاں کسی طرح ان کی نذر قبول کرلیں لیکن آپ نے ان کی جانب کی نذر قبول نہیں کی ایک مرتبہ بادشاہ نے وہ تمام مہریں جو شاہی فرمان پر لگی ہوتی ہیں ایک سادہ کاغذ پر لگا کر آپ کے پاس روانہ کیا تاکہ آپ اس میں جتنے مواضع اور جتنی مقدار رقم چاہیں لکھ لیں۔ لیکن آپ نے اس کاغذ کو جس کے اوپر اور نیچے شاہی مہریں لگی ہوئی تھیں دیکھ کر فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں اور بغیر ضرورت مسلمان کا حق دبا لینا جائز نہیں ہے نیز میں نے اپنے پیر و مرشد سے معاہدہ بھی کیا ہے۔

شعر

از خدا خواہم وز غیر نخواہم بخدا | کہ نیم بندۂ غیرے نہ خدائے دگراست

اس پر شاہی فرمان لانے والوں نے کہا آپ اسے اپنے بیٹوں کو دیدیجئے کیونکہ ان کو ضرورت ہوگی تو جواب دیا مجھے ان پر حکم چلانے کا کیا حق وہ چاہیں لیں یا نہ لیں آخر کار یہ فرمان جب آپ کے بڑے صاحبزادہ شیخ عبد اللہ کو دیا گیا تو انھوں نے بھی اس کو قبول نہیں کیا اور جواباً کہا بیٹا وہ ہے جو باپ کے نقش قدم پر گامزن رہے

اور پدر بزرگوار نے اس کو قبول نہیں کیا تو مجھے بھی لازماً وہی کرنا چاہیئے جو ان کا عمل ہے
میرے پدر بزرگوار فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ جونپور کے ہم چند قاصد دہلی آئے تھے
جب ظفرآباد کے قریب سے گذرنے لگے تو میاں قاضی خان سے ملاقات کو غنیمت وقت
سمجھ کر اُن کی خانقاہ میں گئے۔ اور شیخ وقت کے برآمد ہونے کے منتظر تھے۔ اتنے میں نما
کا وقت ہوگیا اور شیخ وقت اپنے دوسرے رفقا وصوفیوں کے ساتھ خلوت سے نکل
کر باہر آئے۔ پھر نماز پڑھنے کے بعد ہماری جانب متوجہ ہوئے اور پوچھا آپ لوگ کہا
سے آرہے ہیں اور کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ کون کون عہدہ دار ہیں اور آپ کے اسم گرامی کی
ہیں؟ ہم میں سے ہر ایک نے مختصر جواب دیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا اور درویشی کھا
کھلا کر ہم سب کو رخصت کیا۔

میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ میں جونہی شیخ میاں قاضی خاں کے پاس سے نک
فوراً ہی مجھ پر رقت وگریہ طاری ہوگیا جس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی غرضکہ و
پورا دن گریہ ورقت میں بسر ہوا۔ میاں قاضی خان نے ۹۷۰ھ میں وفات پائی او
وہیں ظفرآباد (دہلی) میں مزار ہے۔

شیخ محمد مودود رح لاری

ماہر علم توحید، رندمشرب تنہاپسندی اور اہل تفر تھے۔ بڑے بڑے لوگوں سے مقابلے کر چکے۔

پیدائش ۸۵۷ھ — وفات ۹۴۲ھ مشرب عالی اور ہمت بلند کے مالک تھے ۔ت
میں آگرہ آئے۔ شیخ امان سے خوب چھنتی تھی۔ جنھوں نے آپ سے علم توحید سیکھا اور فص
الحکم کے خصوصی مقامات پڑھے۔ جب رات ہوجاتی اور نشۂ ذوق وحال میں سرگرم ہو
تو اس وقت شیخ امان سے کہتے دیوانہ! کتاب بند کرو اور ہماری باتیں سنو۔ پھر اس ذ
حقائق واسرار کے حالات کشف بیان کرتے۔ کہتے ہیں کہ آپ کو بعض منفعت بخش علو
جیسے کیمیا وغیرہ معلوم تھے۔ آپ اکثر وبیشتر شیخ امان سے کہتے ہیں درخت میوہ دار ہول
مجھے ہلاؤ اور پھل چن لو۔ لیکن شیخ امان ہمیشہ یہی جواب دیتے۔ آپ کی علم توحید کی گفتگ
میرے لئے ہزار کیمیا سے زیادہ اچھی اور سود مند ہے۔ شیخ امان کی بابت آپ فرمایا کر
تے ہمیں ایک جوہر قابل ملا لیکن افسوس یک چشمی ہے۔ اس کے ماسوا آپ دوران گف
میں بھی شیخ امان کو کانا ہی کہہ کے مخاطب کیا کرتے تھے۔ عرصہ تک آگرہ میں مقیم رہے

پھر شیخ امان کی محبت کی وجہ سے پانی پت جاکر ٹھہر گئے۔ شیخ امان نے آپ کی ضروریات کے لئے معقول مدد معاش (جاگیر و نقد وظیفہ) حاصل کیا۔ غرضکہ آپ نے پانی پت میں انتقال کیا آپ کی اور شیخ امان کی قبر برابر برابر ہی ہے۔ اللہ آپ سب پر رحمتیں کرے۔

شیخ محمد حسن

آپ شیخ حسن طاہر کے بڑے صاحبزادہ تھے۔ اپنے زمانہ کے بڑے عارف تھے۔ حال صحیح اور مشرب عالی رکھتے تھے۔ پیدائش ۸۳۹ وفات ۹۴۴ھ کہتے ہیں جب آپ خلوت سے باہر آتے تو ہندو مسلمان سب آپ کو دیکھ کر تعجب سے اللہ اکبر کہتے تھے۔ علم و حال اور مظاہر صوریہ سے متصف تھے والد کی نسب کے لحاظ سے چشتیہ تھے لیکن سلسلہ قادریہ سے زیادہ تعلق اور کافی ربط رکھتے تھے۔ برسوں حرم مدینہ میں رسالتماب ؐ کی مجاوری کی اور جو مشائخ قادریہ مملکت یمن میں تھے ان سے بیعت کرکے اجازت بیعت لی۔ حاجی شیخ عبدالوہاب جب دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کے لئے گئے تو شیخ محمد حسن کو اپنے ساتھ وطن واپس لائے۔ جونپور میں ولادت ہوئی۔ آگرہ میں سکونت پذیر رہے اور دہلی میں ۹۴۴ھ کو بے منڈل کے نیچے، اپنے والد کے مزار کے برابر دفن ہوئے۔

کہتے ہیں کہ آپ نماز دوم (عصر) کے بعد رات کی آمد کا اس طرح انتظار کرتے جیسے کوئی اپنے محبوب کی آمد کا منتظر رہتا ہے۔ شام ہوتے ہی خلوت میں چلے جاتے۔ کمرہ کا دروازہ اندر سے بند کرکے شمع روشن کرتے اور ذکر حق میں مشغول ہوجاتے۔ اور کبھی جی چاہتا تو ذکر حق کی بابت کچھ تالیف و تصنیف کرتے اور جب وہ کتاب پوری ہوجاتی تو اسے نذر آتش کردیا کرتے یا قینچی سے کاٹ کر اس کے پرزہ پرزہ کردیتے۔ آپ کے بعض رسائل بھی ہیں اور آپ کے مکتوبات بھی ایک جا جمع کئے گئے ہیں۔ کبھی کبھی اشعار بھی کہتے آپ کے بعض مُرید آپ کو شاہ خیالی بھی کہتے تھے۔ آپ کے مُرید بکثرت تھے۔

ہمارے منجھلے چچا شیخ فضل اللہ عرف شیخ منجھو نے بھی آپ سے بیعت کی تھی جو آپ کے آخری مُرید تھے۔

شیخ منجھو بڑے صاحب برکت و نعمت، اوراد و وظائف میں مشغول اپنی پیر کی محبت میں مست رہا کرتے تھے۔ صاحب ذوق و حال اپنے وقت کے مشائخین و مجذوبوں میں بہت ہی مقبول تھے اور برکتیں و نعمتیں ظاہر کیا کرتے تھے۔ نہایت چھوٹ پن سے

انتقال کیا۔

شیخ محمد حسن نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ ایک دنیا ایسی ہے جس کا صرف محسوسات کے ذریعہ معلوم ہونا ممکن ہے۔

قُل هُوَ الَّذِی اَنشَاَکُم وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمعَ وَالاَبصَارَ وَالاَفئِدَۃَ۔

ترجمہ:۔ (پروردگار عالم ہی وہ خالق ہے جس نے تم کو بنایا اور تم کو کان آنکھ اور دل عنایت کیا) دوسری ایک دنیا وہ ہے جس کو صرف عقل و شعور ہی پہچانتا ہے۔ عقل وہ نور ہے جسے اللہ قلب مومن کے حوالہ کرتا ہے۔ جس کی بدولت حق و باطل اور غلط و درست میں یہی قلب امتیاز و فرق کرتا ہے۔

اس کے ماسوا ایک اور دنیا ہے جسے علم کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اگر تم صاحب علم نہیں ہو تو اہل ذکر سے پوچھ لو اور ایک دنیا وہ ہے جسے صرف عشق کے ذریعہ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں پر شان تہاریت رکھتے ہوئے ان کی حفاظت کے لئے محافظ مقرر کر دیئے ہیں۔

اے عزیز! طور حس، طور عقل، طور علم سے بلند اور آگے ایک اور طور ہے جس کو طور عشق کہتے ہیں۔ اس طور عشق میں وہ وہ چیزیں دکھائی دیتی ہیں جو کسی اور طور میں ہوتی ہی نہیں ہیں۔ عَرَفَ مَن ذَاقَ۔ اطال شوقَ الابرار الی لقائی فانا الیھم لاشد شوقًا۔ ترجمہ:۔ (جس نے چکھا اس نے معلوم کیا۔ ابرار کو جب مجھ سے ملنے کا شوق بڑھ جاتا ہے تو میں بھی ان سے ملنے کا مشتاق رہتا ہوں)

اے جوانمرد! معنی صورت کے مشتاق ہیں اور صورت معنی کے لئے بیتاب ہے۔ اللہ بندہ کا مشتاق ہے اور بندہ اللہ کا مشتاق ہے۔

اشعار

بانگ می آید کہ اے طالب بیا — جود محتاج گدایاں چوں گدا

جود می جوید گدایان ضعاف — ہمچو خوباں کائینہ جویند صاف

ذات عاشق صفت بن گئی اور صفت عاشق ذات ہو گئی۔ حرکت عاشق سکون بن گئی اور سکون عاشق حرکت ہو گیا۔ یاد رہے افعال اپنے اثار سے اور اثار اپنے افعال سے کبھی جدا و الگ نہیں ہوتے ہیں انکسار خاکساری سے اور خاکساری انکسار سے الگ نہیں

ہے۔ رہے افعال و آثار یہ افعال مظاہر ذات وصفات ہیں۔ اور ذات الٰہی سے صفات کمالیہ کی علیحدگی محال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوائے کوئی اور چیز وجود نہیں رکھتی اور صفات صفات کی کوئی اور چیز مشہود نہیں ہے۔ وحدت، مقتضائے ذات ہے اور کثرت مقتضائے صفات۔

اشعار

ایں جملہ صفت کہ کردی   می داں ہمہ بے تصرف ذات
اورا بہمہ صفات میخواں   لیکن صفتش ہمہ یکے داں

یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ یکتا ہے۔ اس کی ذات واحد اور صفت وارد ہے۔ لیکن نسبتوں، اضافتوں، حالات واعتبارات کے لحاظ سے کثرت پذیر محسوس ہوتا ہے جو باطن سے بے نمودی کے ساتھ ظاہر ہوئی وہ ذات الٰہی ہے جس کی صفات ظاہری نمود بے بود ہیں اور یہی افوال الٰہی و اثار خداوندی ہیں۔

اشعار

بودے کہ نمود نیست اورا   ذات است وصفت بدان و دریاب
وانرا کہ نمود ہست بے بود   فعل واثرے ببین و بشتاب

اگرچہ عقل وفہم کے مدنظر صفات غیر ذات ہوتی ہیں لیکن باعتبار تحقیق وحصول یہ عین ذات ہیں۔

اشعار

بود است و نمود است و دگر چیزے نیست   حق است ہمہ بود وجہاں جملہ نمود
شوق است بوحدت وز کثرت ہمہ ذوق   کثرت زنمود آمد و وحدت ہمہ بود

ہر مظہر خاص کہ اس چیز کا مغائر ہے جو اس میں ظاہر ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ظاہر ہیچ صورت ہوا کرتی ہے۔ اور شیخ اپنی ذات وحقیقت کے لحاظ سے خود مظہر ظاہر نہیں ہو۔

شعر

نہ بینی صورتت در آب و مرأت   کہ آن دیگر بود تو دیگر ستی

لیکن مظاہر الٰہی جو ایک دوسرے کے ظاہر و مظہر ہیں یہ باہم متحد ہیں البتہ ان میں باہمی طور پر جو فرق ہے وہ اطلاق تجرد، یقین و تقید کا فرق ہے۔ جیسے حقیقت انسانی جو

اطلاق و تجرد کے لحاظ سے ظاہر ہے اور باعتبار تعین و تقیید کے مظہر ہے۔ اور بیشک و شبہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی عین حقیقت ہے کہ اسی نے ان کو ظاہر کیا ہے اور سب بندے اس کے مظہر ہیں۔

اشعار

آں نور پاک ظاہر و شخص تو مظہر است　　باشد میاں ظاہر و مظہر دوئی محال
فرقے بجز تقید و اطلاق یا فتنی　　نتواں میان ظاہر و مظہر بہ ہیچ حال

بعض عارفین نے کہا ہے اللہ تعالیٰ ظاہر ہے اس تقید و تعین کے ساتھ جو اس کے اسماء و صفات کی مقتضی ہیں۔ اور علی الاطلاق باطن میں ہے اور اس کا تجرد ایسا ہے جس کی ہویت ذات مقتضی ہے۔ اور اس کا انکشاف و انجلاء ہو اس کے تقید و تعین کے اثرات ہیں۔ وہ اپنے تجرد کے لحاظ سے پردہ خفا میں ہے وہ اول و آخر اپنے مرتبہ کے لحاظ سے ہے جس کو زمانہ و جگہ سے لگاؤ نہیں ہے۔ اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ جس نے تمام کو پیدا کیا ہے وہ عین کون و مکان ہے۔ انسان نام ہے تمثیل خداوندی کا۔ جو تمام موجودات سے ممتاز ہے اور تمام کائنات اس کی شکل میں موجود ہے۔ انسانوں کی دنیا بہت بڑی ہے اور انسان خود ایک عالم صغیر ہے۔ انسان کی وحدت دراصل اللہ تعالیٰ کی وحدت کی دلیل ہے کائنات کی تمام چیزیں جو دکھائی دیتی ہیں خواہ وحدت حقیقی رکھتی ہوں یا کثرت نسبی وہ سب کی سب انسان میں دیکھے سکتے ہو نور محض اور خالص تاریکی جو دکھائی نہیں دیتی ہے۔ اور جو نور کہ ظلمت کے ساتھ مخلوط ہو کر دکھائی دیتا ہے اس کو ضیا و روشنی کہا جاتا ہے۔

ہر فنا ہونے والی چیز کا ظہور ایک ہستی کے ساتھ مربوط ہے اُسے دنیا کہتے ہیں۔ اور جس ظہور کو اللہ نے بذریعہ نزول، اعیان کے ساتھ نسبت دی ہے وہ رسول اکرمؐ ہیں جو کامل نورانی ہونے کے ساتھ اپنے اخلاق و وسعت میں بمرتبۂ افعال و اسماء صفاتی کے جلوہ گر ہیں۔ اور جبکہ تمام ممکنات بلحاظ ذات معدوم ہیں تو ان کا علم و شعور و ادراک بھی معدوم ہے۔

شعر

چہ نسبت خاک را با عالم پاک　　کہ ادراک است عجز از درک ادراک

افسوس سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا چیز سمجھی جائے اور کہاں سر کھپایا جائے۔ شناسائی حق بھی غیر حق نہیں ہے لایعرف اللہَ غیرُ اللہِ غرضکہ سالکان راہ حق کی روش یہ ہے کہ وہ

ایسے مقام پر پہونچ جائیں جہاں تمام اشیاء کو فانی پاکر خود کو پرتوِ نور تجلی حق میں سرافراز و مسرور دیکھیں۔ اور فقر حقیقی کے خود کو حقدار بنائیں جو فنانی اللہ کا ایک خاص مرتبہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللہَ یَأمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلیٰ اَھْلِھَا۔
ہستی ہمیشہ وجود اور ہونے کی طرف مائل رہتی ہے اور نیستی و عدم اپنے محو ہو جانے کی جانب لپکتا ہے۔

شعر

ظہر النور ذو المنن باشد بطل النور جان و تن باشد

نوٹ:۔ یہ تھا شیخ محمد حسن کا ایک خط۔ از مترجم۔

شاہ عبدالرزاق جھنجھانہ

آپ شیخ محمد حسن کے مُرید اور سلسلۂ قادریہ کے شیخ تھے۔ صاحب حال و کمال تھے آپ کی بہت سی کرامتیں اور خوارق عادات مشہور ہیں۔ ابتداء جوانی میں آپ۔ نے علم فقہ و ادب وغیرہ حاصل کیا۔ اس کے بعد مشرب عشق و محبت ان پر غالب آیا اور یہ بیحد ریاض و مجاہدہ کے بعد مرتبہ مشاہدہ پر پہونچ گئے۔

پیدائش۔ ۸۴۲ھ ۔۔۔ وفات ۔۔۔ ۹۴۹ھ

کہتے ہیں کہ آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ میں کمال حاصل تھا اور آپ نے براہ راست یہ سلسلہ حاصل کیا تھا۔ اور یہ کتنے بڑے کمال کی بات ہے کہ بغیر کسی واسطہ کے براہ راست حصول و استفادہ کیا۔ تمام تکلیفوں، مصائب اور شدائد کا جوانمردی سے مقابلہ کرتے اور اپنے مشرب پر سختی سے کار بند تھے۔

حکایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک سیدی ایک رئیس کے ہاتھوں قید کیا گیا۔ آپ نے اس سیدی کو بندی خانہ میں دیکھا تو بغیر کسی شناسائی کے اس کی ضمانت کرلی اور بعد میں اس سیدی سے کہا اب تم اس شہر سے کہیں دُور چلے جاؤ۔ میں تمہارے بدلہ جیل میں بند ہوں گا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ پر بیحد مصائب آئے اور آپ نے ان تکالیف کا پامردی سے مقابلہ کیا اور اپنی حیثیت و شخصیت کو مطلق ظاہر نہ کیا غالباً آپ کے اور شیخ امان پانی پتی کے درمیان توحید الٰہی اطلاق وجودی اور عینیت وغیریت کے مسائل پر گفتگو ہوئی تھی شیخ امان پانی پتی اور ان کے دوسرے ساتھی مشائخین نے مسئلہ اطلاق حق کو ایک دوسری صورت سے پیش کیا تھا۔ چنانچہ شیخ امان کا اس بارے میں ایک رسالہ موسومہ اثبات احدیت بھی ہے

جس کو مخالف لوگ وراثیہ کہتے ہیں جس میں سے انشاء اللہ تعالیٰ قدرے ذکر کروں گا شاہ عبدالرزاق کے مُرید و خلیفہ بکثرت تھے۔ جن میں سے سید علی لودھیانہ میں موجود ہیں جو بہت بوڑھے ہو گئے ہیں۔ ذکر الٰہی کرتے ہیں اور صاحب ذوق بزرگ ہیں۔

شاہ عبدالرزاق نے ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عینیت اور رسول اکرم ؐ کی وراثیت میں شیخ امان اور شیخ محمد حسن صاحب ذوق و شوق اور فانی فی اللہ سے گفتگو کے بعد اپنے ایک خاص دوست کو لکھا ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ شیخ محمد حسن کے خط کو اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اب ان کے خط کو ملاحظہ فرمایئے جو شیخ عبدالرزاق کاشی مصنف نفحات الانس اور شیخ علاء الدین سمنانی کے خطوط سے بالکلیہ مشابہت رکھتا ہے کیونکہ شاہ عبدالرزاق کے خطوط کا مجموعہ شیخ امان نے بعد مقابلہ مجموعہ خطوط میں شامل کیا ہے۔ خط کی نقل یہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ شیخ المشائخ شیخ حسن دام حسنہٗ وعرفانہٗ فقیر عبدالرزاق احمد عرض پرداز ہے۔ اے بھائی اللہ تعالیٰ آپ کو معرفت و محبت عنایت کرے سنئے

معرفت کی دو قسمیں ہیں استدلالی اور وجدانی۔ معرفت استدلالی یہ ہے کہ جس نے اللہ کے حسن کی جھلک اور یقین کو آسمان و زمین کی اور ان دونوں کی درمیانی اشیاء کی تخلیق میں دیکھا تو اس کو وہ تمام علامات مل گئیں جو اللہ کے صانع حکیم ہونے کی دلیل ہیں اور یہ تمام تخلیق و صنعت اللہ تعالیٰ کے عرفان کے اثرات دلیلی ہیں اگر یہ معرفت ضروری ہو تو پھر کسی مسلمان کو اس سے بے خبر رہنے کی جسارت ہو ہی نہیں سکتی۔ حالانکہ ایمان کی تکمیل اللہ و رسول اکرم پر ایمان کے ساتھ ہوتی ہے اور اس طرح معرفت عامہ ہر مسلمان کو حاصل ہو جاتی ہے جس میں معرفت حقیقی شامل نہیں ہے۔

شعر

چو آیا تُست روشن گشت از ذات بگرد و ذات او روشن ز آیات

دلیل لانے والے لوگ پروردگار عالم کو وراء عالم سمجھتے ہیں اور اپنی آوردہ دلائل کے ساتھ اس پر بالغیب ایمان لاتے ہیں۔

شعر

زہے ناداں کہ او خورشید تاباں بنور شمع جوید در بیاباں

اور معرفت حقیقت وجدانی یہ ہے کہ عارف اپنے لباس وجود سے کٹ کر ریاضت ومجاہدہ، دوام ذکر، قلب وزبان کے ذریعہ اپنے شیخ کے اعتماد کے ساتھ مسلک فنا پر گامزن ہوجائے تاکہ اللہ اس کو اپنے احسانات سے سرفراز کرکے اس کو اپنے اسمار سکھا دے۔ اس طرح حق حق کی معرفت کرلیتا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے عَرَفْتُ رَبِّی بِرَبِّی ترجمہ:۔ (میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعہ پہچانا)

شعر

رویت حق بحق شہود بود   خاصۂ حضرت وجود بود

اس معرفت وجدانی کا مطلب یہ ہے کہ تمام موجودات ممکنہ صرف اللہ کے نور سے منور اور موجود ہیں۔ اور اللہ کی تجلی کے سبب سے تمام اشیاء اپنے وجود کے ساتھ منسوب ہیں اور حقیقتاً اللہ کے سوائے کوئی دوسرا موجود نہیں ہے بلکہ تمام اشیاء اس کی وجہ سے موجود ہیں۔ اور یہ بات بالکل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عالم سے خارج ہو اور یہ دنیا اللہ تعالیٰ سے الگ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے بہت زیادہ بلند وبالا ہے۔ اور میں ہر قسم کی ڈگمگاہٹ خلل اور قرآن کریم کی اپنی ذاتی رائے کے ذریعہ تفسیر کرنے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بلکہ اللہ نے مجھ پر فضل کیا ہے اور یہ اس کی عنایت ہے۔

اللہ نے کہا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللہِ۔ یعنی اے وہ لوگو جو غیب پر ایمان لاچکے ہو اب اللہ کی ملاقات سے کسی شک میں نہ رہو اور ہر متعین چیز میں بے تعین اللہ کا مشاہدہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ مشہود ہے اور ہر مقید ومتعین میں اپنے اسماء وصفات کے ساتھ موجود ہے اور اللہ تعالیٰ بظاہر مقید نہیں ہے بلکہ تمام چیزوں سے علیحدہ، مطلق موجود ہے۔

شعر

ہمہ عالم جمالِ حضرت اوست   او جمیل وجمال دارد دوست

اے بھائی! اللہ تمہاری عمر دراز کرے اور معرفت ومحبت کے ساتھ تم کو زندہ رکھے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ اور جبکہ اس کا وجود واجب ہے تو اور دوسری چیزوں کا عدم ضروری ہے۔ اور جو کوئی یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ غیر اور سوا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ اس سے بھی منزہ وپاک ہے۔ نیز اس کی جانب

رسول اکرم ﷺ نے اشارۃً فرمایا ہے۔ لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ۔
ترجمہ:۔ (زمانہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ ہے) یعنی وجود زمانہ دراصل وجود پروردگار ہے۔ اور یہ بات نہیں ہے کہ زمانے سے اللہ تعالیٰ علیحدہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند و بالا ہے اگر جناب والا نہیں سمجھے تو اس سے زیادہ واضح طور پر سنئے یا ایُّها الذین امنوا آمِنُوا باللّٰه کا مطلب یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو یعنی تم نے اپنی ہستی و ذات کو اللہ کی جانب منسوب کر کے یقین کر لیا ہے کہ ہم موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حقیقت مستطاب سے تم خطاب کر رہے ہو اور وہ جواب دے رہا ہے کہ تم اس ملک وہاب تک رسائی حاصل کرو اور اے مسلمانو یعنی اپنی ذات پر یقین کرنے والو اس چیز پر ایمان لاؤ کہ تمہارا وجود بغیر کسی ضرورت کے اللہ کا وجود ہے۔ اور یہی رسول اکرم نے فرمایا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ اور جبکہ اول و آخر اور ظاہر و باطن صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو یہ امر خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کہ اے انسان تو اپنی ذات کے اعتبار سے موجود نہیں ہے۔ بلکہ تو اللہ کی ذات کی وجہ سے موجود ہے اور جب اس طرح تم نے اپنی ذات کا عرفان حاصل کر لیا تو تم نے اللہ کی معرفت حاصل کر لی ورنہ نعوذ باللہ خاکم بدہن، ذات الٰہی ایک جزوی حقیقت ہوگی جو عالم کے سوا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و بالا ہے ممکن ہے کہ ابھی آپ نے اچھی طرح نہ سمجھا۔ اس لئے مزید وضاحت کرتا ہوں کہ یا ایها الذین اٰمَنُوا اٰمِنوا کا مطلب یہ ہے اے ایمان والو جبکہ تم تمام اشیاء پر ایمان لائے اور تم نے یقین کر لیا کہ تمام اشیاء اپنا مستقل اور علیحدہ وجود رکھتی ہیں اور حقیقت مطلقہ سے دور ہیں تو منجانب اللہ حکم رحمت نازل ہوا کہ اشیاء پر نہیں بلکہ اب اللہ پر ایمان لاؤ کیونکہ اعیان معلومہ ہمیشہ معدوم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود کے ساتھ موجود رہتی ہیں جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الاشیاءَ کَمَا هِیَ۔ ترجمہ:۔ (اے اللہ ہم کو اشیاء کی ماہیت و کیفیت و حقیقت سے روشناس کرا دے)

شعر

در نظر عین غیر آب نماند　　محو شد قطرہ و حباب نماند

اور تمام اعیان و اجسام اس لحاظ سے کہ ممکن ہیں دراصل معدوم ہیں۔ نیز اعیان ممکنات

کے وجود میں جو آثار ہیں وہ ظاہر ہیں اور اعیان وجود میں عین حق موجود ہے۔ اور اعیان کے ساتھ وجود کی نسبتی اضافت ہے جو اعتباری ہے۔ اور افعال و اثرات ہمیشہ وجود کے تابع ہوا کرتے ہیں اور اعیان معدوم و محو ہو جاتے ہیں۔ اور جو چیز معدوم و محو ہو جاتی ہے وہ موثر اور فاعل بالذات ہو ہی نہیں سکتی ہے۔ بلکہ درحقیقت صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے جو ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ وہ باعتبار تعین و تقید کے بصورت بندہ موجود ہو گیا ہے۔ اور یہ بھی اللہ کی ایک شان ہے۔ حقیقتاً وہ علی الاطلاق معبود ہے اسی وجہ سے علین عبد ظاہر دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جو معبود ہے وہ بندہ کی حقیقت سے علیحدہ معبود ہے اور حقیقت عبد دراصل اس کی خود ذات الٰہی ہے۔ اور اس کی ذات بلحاظ کثرت و تعدد بواسطہ لباس و تعیُّن کے خلق و عالم دکھائی دیتی ہے اس لحاظ سے ظہور ذات کے قبل عالم و دنیا حق تھی۔ اور پھر حق ظہور کے بعد متعین و ذات عالم بن گیا۔

اشعار

بشکال بتاں ہزاں عشاق حق ہست لابلکہ عیاں در ہمہ آفاق حق است

چیزے نبود زر دے تقید جہاں واللہ کہ ہماں ز وجہ اطلاق حق است

اس لحاظ سے اب اللہ تعالیٰ کے سوائے اور کوئی معبود نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی اور دوسری چیز موجود نہیں ہے۔ اور یہ امر پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ کا حجاب وصلانی و فردانی ہے جو اس کا غیر نہیں ہے اسی لئے واصل کو اَنَا الحق اور سُبحانِی مَا اعظَمَ شانِی ترجمہ:۔ (میں حق ہوں اور میں پاک ہوں اور میری شان بہت ہی بلند ہے) کہنا جائز ہے۔ اور واصل اللہ کی ذات و صفات میں اس طرح وصل کر جاتا ہے کہ پھر اس کی اپنی ذات و صفت خود اس کی اپنی نہیں رہتی بلکہ اس کی اپنی ذات اللہ کی ذات بن جاتی ہے اور اس کا اپنا وجود اللہ کا وجود ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی رسول اکرم کے حکم لا تسبّوا الدھر سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اگر اس طرح بھی آپ کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہ آیا ہو تو سنئے روایت ہے رسول اللہ نے اللہ کا یہ ارشاد بیان فرمایا ہے۔

یا عبدی مَرَضتَ فَلَمْ تَعِدنِی وَسَألتُکَ فَلَمْ تُعطِنِی۔ ترجمہ:۔ (اے میرے بندے میں بیمار ہوا تو نے عیادت نہیں کی اور میں نے سوال کیا تو نے بخشش نہیں کی) یہ ارشاد صاف اشارہ کر رہا ہے کہ مریض کا وجود اللہ کا وجود ہے اور سائل کی ذات خود اللہ کی

ذات ہے۔ اور جب یہ ثابت ہے کہ سائل کا وجود اللہ کا وجود ہے تو یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جوہر و اعراض نیز دنیا و کائنات کی تمام اشیاء کا وجود درحقیقت اللہ کا وجود ہے اور جبکہ کسی ایک ذرّہ کا راز ظاہر ہوا تو تمام موجودات ظاہر و پوشیدہ کا راز ظاہر ہو جاتا ہے (ذرہ کے معنی موجودہ عربی زبان میں ایٹم کے ہیں۔ یعنی جب کسی ایک ذرہ اور ایٹم کی کیفیت و حالت معلوم ہو جاتی ہے تو دوسرے ایٹمس بنانے میں آسانیاں ہو کر ظاہری حالات موافق ہو جاتے ہیں از مترجم) ممکن ہے کہ معرفت وجدانی ابھی آپ کے سمجھ میں نہ آئی ہو اس لئے اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتا ہوں اور وجدان کو کلام الٰہی سے پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کہا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ جس کی بابت تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ الحمد میں الف لام استغراق و کُل کے لئے ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ صحائف کائنات میں ثنا و حمد کی جتنی چیزیں ہیں اُن سب کی ثنا و محامد ذات واحد ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی جنس، نوع اور ذات وعین اللہ کے سوائے اور غیر موجود نہیں ہے اور یہ ممکن بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی ذات موجود ہو۔ غرضکہ اگر کوئی ذات اللہ کی ذات کے علاوہ موجود ہو تو وہ اس کی صفت سے علیحدہ نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو چیز ذات الٰہی کے سوائے ہے وہ ابتدا و انتہا، فنا و بقا اور حرکت و سکون سے خارج نہیں ہے اس لئے بھی یہ ثابت ہوا کہ تمام چیزوں کا وُجود ذاتی دراصل اللہ کی صفات ہیں اور یہ امر پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے کہ جملہ صفات صرف اللہ کے لئے خاص ہیں جس سے لازماً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور ذات وجودی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس سے زیادہ پُر وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کہا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ یعنی جو لوگ اللہ پر بدیہی طور ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور تمہارے پہلے سے موجود ہے۔ اپنی تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے۔ نقص و زوال سے مُنزہ ہے بلکہ وہ موجود موصوف تم ہو۔ اسی لئے اس نے حکم دیا کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ یعنی تم اللہ پر اس طرح ایمان لاؤ کہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف بن کر تم خود تم نہ رہو اور جب اس طرح اللہ پر ایمان لاؤ گے تو مومن ہو جاؤ گے جیسا کہ اللہ نے خود کہا ہے وَاللّٰہُ الْمُؤْمِنُ۔ نیز کسی یکتا نے کیا خوب کہا ہے:

اشعار

بیرون ز حدود کائنات است ولم بیرون ز احاطۂ جہان است ولم

فارغ ز تقابل صفات است دلم   مرآت تجلیات ذات است دِلم
اس کے علاوہ شیخ عبدالرزاق نے ایک اور رسالہ میں لکھا ہے کہ قریب ترین راہ الہٰی ذکر حق ہے جس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ پیر و مرشد کی صورت کا دھیان رکھے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کسی کو اپنے پیر کے واسطہ سے مشغولیت کی توفیق دیدے تو اس سے زیادہ اور کوئی عمدہ کام نہیں ہے۔

مرید اگر کوئی دوسری ریاضت نہ کرتا ہو تو نہ کرے لیکن تنہائی میں بیٹھ کر لازماً اپنے پیر کے تصور میں مشغول رہے تاکہ اس ذریعہ سے وہ خدا رسیدہ ہوجائے اور یہی ترکیب اس کو خدا تک پہنچا دیتی ہے۔ مرید کو اپنے پیر کے تصور کی مشغولیت کے بغیر گزیرا اور چارہ کار نہیں ہے کیونکہ عالم الہٰی وہ عالم معنی ہے جس کو دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ صاحب کمال کی صورت زیر نظر رکھنا ضروری ہے کیونکہ انسان کامل کی ذات دراصل اللہ کی ذات ہے اور اس کے کمالات کا مظہر ہے۔

مظہر تام غیر انسان نیست   کہ ہمہ کون را مسخر کرد
انبیا و اولیا را حق بداں   سوئے حق کردہ ام باتو بیاں

مجھ عبدالرزاق کو میرے پیر و مرشد نے اپنے تصور کو چارپایہ ہوکر ہمیشہ پیش نظر رکھنے کا حکم دیا چنانچہ میں چارپایہ ہوکر اپنے پیر و مرشد کے تصور کرتے رہنے میں ایسا مشغول ہوا کہ ذکر حق کرنا بالکل چھوڑ دیا۔ صرف پیر و مرشد کے تصور میں مشغول رہتا تھا البتہ اس زمانہ میں فرض اور سنت موکدہ نمازیں پڑھتا رہا۔

غرضکہ جو کوئی اپنے پیر کے تصور میں مشغول رہے اور وہ کوئی عبادت و ریاضت نہ کرسکے تب بھی اس کی مطلب برآری ہوتی اور مقصود پورا ہوتا ہے کیونکہ جو طالب حق و سعادت مند اپنے پیر و مرشد کی پیروی کرتے ہوئے اُن کے رُخ روشن کی نورانیت کو اپنے آئینہ قلب میں درخشاں درخشاں کرے گا تو وہ پیر و مرشد کی صفائی باطن کی وجہ سے ان کو خود اپنے وجود میں موجود پائے گا۔ اور جو فیض و عنایت پیر و مرشد کو حاصل ہے وہ اس مُرید کو حاصل ہوجائے گی۔ اور جو ذوق و حال پیر و مرشد سے ظاہر ہوتا ہے وہی اس سے بھی ظاہر ہوگا جیسا کہ رسول اکرمؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں فرمایا ہے مَاصَبَّ اللّٰہُ فِی صَدْرِی شَیْئًا اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُہٗ فِی صَدْرِ ابْنِ اَبِی قُحَافَۃَ۔ ترجمہ: اللہ نے میرے

دل میں جو چیز ڈالی ہے وہ میں نے صدیق اکبرؓ کے دل میں ڈال دی ہے) اس کے ماسوا میرے پیرو مرشد کا مجھ نقیر پر اتنا غلبہ ہو گیا تھا کہ لوگ جس طرح چاند کو دیکھتے ہیں میں اپنے پیرو مرشد کو دیکھتا تھا اور آسمانی چاند مجھے بالکل نظر نہ آتا تھا۔ نیز پیرو مرشد کی صورت اتنی غالب آگئی تھی کہ میں جس چیز کو دیکھتا تو وہ چیز دکھائی نہ دیتی بلکہ صرف پیرو مرشد کی صورت میری نظروں کے سامنے رہتی تھی۔ میں جس درخت، دیوار یا جس چیز کو دیکھتا تو صرف پیرو مرشد کا جمال ہی دکھائی دیتا۔

اشعار

در ہر چہ نظر کردم غیر از تو نمی بینم	غیر از تو کسے باشد حقا کہ محال است ایں
در ہر چہ نظر کنم بتحقیق	جز نور رخ تو نیست منظور

نوٹ:۔ یہ تھا شیخ عبد الرزاق کے ایک دوسرے خط کا مضمون۔ ازمترجم۔

شیخ امان پانی پتیؒ

آپ کا نام عبد الملک اور امان اللہ لقب تھا۔ لیکن لوگ عام طور پر آپ کو امان کے لقب سے زیادہ یاد کرتے تھے پیدائش ۸۷۲ وفات ۹۹۷ھ آپ ایک صوفی و توحید پرست عالم تھے اور شیخ ابن عربیؒ کے پیرو تھے۔ فرقہ صوفیاء میں بلند مرتبہ اور ذی عزت تھے۔ مسئلہ توحید میں کافی موثر تقریر کے ماہر تھے توحید کی باتیں صاف صاف بیان کرتے اور کہتے تھے آج اگر عدل و انصاف موجود ہوتا تو عالم توحید کو برسر منبر علانیہ اس طرح واضح کرتا جس میں کسی کو انکار کی کوئی گنجائش نہ رہتی۔ نیز فرمایا کرتے تھے ابتدائے مسئلہ توحید کی مجھے صرف دو دلیلیں یاد تھیں لیکن بحمد اللہ اب اللہ کی عنایت سے قوی سولہ دلیلیں ازبر ہیں۔ شیخ امان نے علم تصوف و توحید میں کئی کتابیں لکھی ہیں اور اپنی تقریر و تحریر میں تحقیق سے کام لیا ہے۔ آپ کی ایک کتاب اثبات لاحدیت ہے جس میں اللہ کے حاکم علی الاطلاق ہونے اور حقائق کائنات کو علم الیقین کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے گویا آنکھوں دیکھا ہو۔ اور علم کے مطابق کامل ذوق کو کلمات محققین و اہل توحید کے موافق تحریر کیا ہے۔ مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ کی مشہور کتاب لوائح کی کافی بسوط تفصیلی شرح لکھی ہے۔ جس کے اول میں بہت ہی جامع و مفید ایک مقدمہ سپرد قلم کیا ہے۔ تہذیب اخلاق و عادات میں کامل مرتبہ کے مالک تھے۔ فرمایا کرتے تھے درویش میرے نزدیک دو چیزوں میں سے ہے ایک خوش اخلاقی اور دوسری محبت خانوادہ نبویؐ۔ اور کمال محبت

کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے سوائے اس کے متعلقین سے بھی محبت کرے اور اللہ تعالیٰ سے کامل محبت کی علامت یہ ہے کہ اس کی محبت میں رسول اکرمؐ کی پیروی کرے اور سرورِ عالمؐ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ آپؐ کی محبت کے زیرِ اثر آپؐ کے خاندان والوں کی محبت سرایت کر جائے۔

حکایت ہے کہ اگر آپ کے پڑھتے پڑھاتے آپ کی گلی سے سیدزادے کھیلتے کودتے نکلتے تو آپ ہاتھ سے کتاب رکھ سیدھے کھڑے ہوجاتے اور جب تک سیدزادے موجود رہتے آپ بیٹھتے نہ تھے تصوف میں مشرب ملامتیہ رکھتے تھے۔ آپ کی مجلس وصحبت میں کوئی دنیاوی تذکرہ اور اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں ہوتی تھیں ذکرِ حق اور اشاعت علوم میں آپ کے اوقات بسر ہوتے تھے۔ اور تصوف کی کتابوں سے زیادہ مانوس تھے اور اکثر و بیشتر اس کے مطالعہ و پڑھانے میں مشغول رہتے اور فرماتے تھے اے اللہ ہم کو صوفیا کے افعال و اقوال سے بہرہ ور کر۔ نیز کہا کرتے کہ علم تصوف کا قول دراصل عین حال ہے۔ اور کہتے ہر ایک کو کسی ایک خاص چیز کی رغبت ہوتی ہے اور مجھے کتب تصوف کی رغبت ہے۔ اگر کوئی طلب گار حق آپ کے پاس آتا تو اس سے فرماتے کچھ پڑھو کیونکہ ہمارا طریق یہی ہے اور اسی سبب سے آپ کے پاس لوگوں کا ہجوم نہیں ہوتا تھا۔

آپ کی کوئی خانقاہ تھی اور نہ مسافرخانہ۔ طالبوں کو عشق صورت سے منع کرتے اور فرماتے اس کام میں مبتلا ہونے سے مبتدی اپنے اصل کام سے رُک جاتا ہے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ اپنی آسائش اور خواب و خور کے لئے کوئی چیز اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔ زمین پر لیٹتے تھے اور غذا تھوڑی کھاتے تھے اور ہر حالت میں درویشوں کو سلوک کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ ایک دیوانہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا آسمان سے میرے پاس ایک ہزار گائیں آئیں جنھیں ابھی ابھی چند مُغل ہانک لے گئے ہیں بس کھڑے ہو جاؤ اور میرے ساتھ چل کر ان کے پنجے سے میری گائیں دلوا دو حاضرین مجلس نے ان کی یہ باتیں سن کر ان کا مذاق اُڑایا لیکن آپ نے ان لوگوں کو منع کیا اور کہا ہر درویش سے محبت کے ساتھ پیش آیا کرو۔ اس کے بعد آپ نے اس درویش کے لئے کھانا منگوایا چنانچہ کھاپی کر اس کا پہلے والا جذبہ نہ رہا اور جب وہ چلا گیا تو آپ نے اپنے دوستوں سے کہا مجذوبوں کو بہت سی چیزیں دکھائی دیتی ہیں جن کا کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا عالم نمود میں سب کچھ موجود ہے کیا تعجب جو اُس نے یہ واقعہ بھی

دیکھا ہو۔ کہتے ہیں کہ شیخ امان کی بعض نمازیں بھی قضا ہو جاتی تھیں کیونکہ وہ ہمیشہ ذکر حق میں مشغول و منہمک اور از خود رفتہ رہا کرتے تھے۔ اور چونکہ علم وحال اور صداقت و کمال ان کی خاص صفات تھیں اس لئے ان کی طرف کوئی بُرا خیال نہیں کیا جا سکتا۔ پوری رات جاگتے رہتے اسی بیداری میں کئی دفعہ اٹھ کر وضو کرتے۔ پھر وجد کی حالت میں نعرے لگاتے۔ باقی حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

حکایت ہے کہ شیخ امان کو بارہا اس حالت میں دیکھا گیا کہ وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے اور سورۂ فاتحہ میں ایاکَ نعبدُ وَ اِیّاکَ نستعین پوری طرح نہ پڑھ سکتے بلکہ اس کو اتنی مرتبہ دُھراتے کہ بیخود ہو کر گر پڑتے۔ نیز اکثر مرتبہ دیکھا گیا کہ نماز پڑھتے ہی میں ان کے چہرہ پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا اور وہ ارکان نماز پوری طرح ادا نہ کر سکتے۔ باقی حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

آپ شیخ محمد حسن کے مُرید اور شیخ محمد مودود لاری کے شاگرد تھے اکثر سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے اور مشرب قلندریہ میں دو واسطوں کے ذریعہ نعمت اللہ شاہ ولی تک پہونچتے ہیں[1] اور تمام سلسلوں کے منجملہ سلسلہ قادریہ سے بر بنائے اعتقاد آپ کو مضبوط و مستحکم تعلق تھا۔

حکایت ہے کہ شیخ امان اپنے دوستوں سے ملنے دہلی آیا کرتے تھے آخری مرتبہ جب دہلی سے جانے لگے تو اپنے دوستوں سے کہا۔ اب کی مرتبہ انشاء اللہ ہم کو دور کا سفر کرنا ہے۔ اس پر آپ کے مخلص دوست شیخ زکریا اجودھنی نے کہا ہم دوست بھی آپ کے ساتھ چلیں گے تو آپ نے جواب دیا ظاہری سفر میں دوست ساتھ رہتے ہیں اور چونکہ دوسرا سفر ہے اس لئے میں نے آپ سب کو اللہ کی حفاظت میں دیا۔ اس کے بعد آپ نے گھر میں جا کر وہاں کی ہر چیز کو دیکھا اور اُن سے رخصت ہو کر پھر قرآن شریف کھول کر دیکھا اور اس کو جزدان کیا اور کہا اے کتاب کریم میں نے تجھ سے استفادہ کر کے بے حد فائدے اُٹھائے۔ اسی طرح کمرہ اور کمرہ کی ہر چیز کو وداع کہا اسی حالت میں آپ کو بخار چڑھ گیا تو آپ نے فرمایا بہت سا پانی خوب گرم کرو اور نئے لوٹے لے آؤ تاکہ عمر بھر کے وسوسے دور ہو جائیں۔

---

[1] نعمت اللہ شاہ ولی کے خاندان کی ایک خاتون خوجو ساکن بیدر کی اولاد میں سے سید بدیع الدین نعمت الٰہی حیدرآباد دکن میں مشہور بزرگ ہیں جن کے ایک نواسہ خواجہ قیام الدین احمد ساکن کراچی مشہور ہیں۔

گیارہ ربیع الثانی کو آپ نے حضرت غوث پاکؒ کا عرس کیا اور کہا کہ غوث پاکؒ سے پہلے قدم اٹھانا درست نہیں چنانچہ اسی دن آپ نے عرس کا جو کھانا پکوایا تھا وہ سب تقسیم کر دیا۔ بارہ ربیع الثانی کو آپ پر سکرات موت کا غلبہ ہوا تو آپ نے اسی حالت میں کہا مشائخین طریقت کھڑے ہیں اور فتوئی توحید طلب کر رہے ہیں۔ چنانچہ کلمات توحید آپ کی زبان پر تھے کہ ۱۲۔ ربیع الثانی ۹۹۵ھ کو آپ نے وفات پائی۔

آپ کے شاگرد و معتقد بکثرت ہیں جن میں سے شیخ تاج الدین بن زکریا اجودھنی بھی آپ کے شاگرد تھے جو حسن اخلاق اور معرفت کتب تصوف و توحید میں آپ کے قدم بہ قدم تھے۔ اور شیخ رکن الدین صاحب ذوق تھے، گفتگوئے توحید اور وجدانیات میں ممتاز تھے جو پہلے پہل آپ ہی سے استفادہ کرتے رہے اور پھر آخر میں شیخ سلیم سیکری کے پاس گئے۔ نیز شیخ حسین چشتی جو خطاطی، جودت طبع، شعر گوئی۔ ذوق وحال میں نہایت ممتاز تھے ان کا ایک شگفتہ شعر یہ ہے۔

شعر

چنیں کہ بر پر طاؤس قیس را لیلے است گمر دو اثرے پائے ناقۂ لیلی است

اور مولانا حسین نقشی جو صنعت خط و کتابت، مہر کنی میں بے بدل، بابرکت، سخی، بیدار دل، خوش وقت، خوش خلق، ولی خصلت، پاکیزہ دل اور اپنے دوستوں کی بے حد خاطر مدارت رکھا کرتے تھے وہ اگرچہ شیخ بہلول کے مرید تھے لیکن شیخ امان کی ملازمت میں محبت، اعتقاد اور ہمیشہ خدمت کرنے کو اپنے لئے موجب فخر و مباہات سمجھتے تھے۔

شیخ سیف الدینؒ

محدث مصنف کتاب اخبار الاخیار کے والد ماجد تھے۔ آپ کو اپنے پیر و مرشد شیخ امان پانی پتی سے بے حد محبت و اعتقاد تھا۔ اکثر اوقات ان کے تذکرے کرتے اور فرماتے کہ ہمارے پیر و مرشد شیخ امان پانی پتی ہمیشہ وجد و حال، گریہ و زاری اور جوش کی حالت میں نہیں رہتے تھے۔ آپ کے تمام تر دوست آپ سے اسی طرح ملتے جس طرح طالب علم اپنے استاد کا ادب و لحاظ رکھتے ہیں۔ اس کے برخلاف والد ماجد کو شیخ امان سے محبت کے ساتھ ارادت بھی تھی۔ والد ماجد فرمایا کرتے تھے کہ ہماری عمر سات برس کی تھی اس وقت سے ہم کو درویشوں کا درد طلب اور شوق بندگی ہے۔ ہم اکثر درویشوں کے پاس گئے لیکن مقصد ہماری شیخ امان پانی پتی کے ذریعہ ہوئی اور پیر و مرشد کے ذریعہ جو قلبی

تعلق حاصل ہوا وہ کہیں اور نہ ملا۔ اس لئے بھی پیر و مرشد نے مجھے اپنی عنایات سے مخصوص کر کے خرقۂ خلافت پہنایا۔ خلافت عنایت کرنے سے پہلے کئی دن تک اپنے ہاتھ سے بہت کچھ لکھا جس میں مختلف اقوام کے علوم بھی تحریر کئے اور یہ سب کچھ اپنے ہاتھ کا تحریری میرے حوالہ کیا۔ والد ماجد فرماتے تھے کہ ابتدا میں ہم ایک ظاہری عالم کے مُرید ہوئے جو سہروردی سلسلہ کے تھے۔ لیکن شیخ امانؒ کی خدمت میں حاضری دیکر کہا یہ خادم قبل ازیں بیعت کر چکا ہے لیکن آپ کا جذبہ محبت وارادت سب پر غالب آگیا ہے اب بتائیے کیا کیا جائے؟ شیخ امان نے جواب دیا کوئی فکر کی بات نہیں ہر انسان کو اپنے محبوب سے لگاؤ لازمی ہے۔ اور اس دنیا میں محبت والفت کا اعتبار صحیح و دُرست ہے۔ چنانچہ شیخؒ نے مجھ سے کہا آپ پہلے اپنے حالات، تصوّرات و خیالات بیان کریں۔ میں نے عرض کیا مجھے حال نہیں آتا اس لئے میرے تصورات و خیالات ہی کیا ہوں گے۔ شیخ نے فرمایا میں آپ کی طبیعت کی مناسبت معلوم کرنے کے لئے پوچھنا چاہتا ہوں تاکہ معلوم ہوسکے کہ آپ کا میلان طبیعت کدھر ہے۔ جس پر میں نے جواب دیا اکثر اوقات مجھے یہ معلوم ہوتا ہے زمین سے عرش تک تمام عالم میرے احاطہ میں ہے اور میں سب پر چھایا ہوا ہوں یہ سن کر شیخ نے فرمایا آپ میں تخم توحید کی کاشت موجود ہے۔ اس کے بعد شیخ امان نے مجھے تلقین کی اور اپنی تربیت سے مالا مال کیا۔ ایک رات شیخ نے مجھے اپنی خاص خلوت میں بُلا کر فرمایا ایک راستہ وہ ہے جس سے دو قدم میں اللہ تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اور ایک راستہ وہ ہے جس سے ایک ہی قدم میں اللہ تک پہونچ جاتے ہیں جس کی حقیقت یہ ہے کہ وجود ہو یا عدم۔ رہا عدم جو در اصل کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اس لئے صرف وجود ہی رہ جاتا ہے اور وجود ہی حق ہے۔ اور اسی راستہ سے ایک قدم میں اللہ تک رسائی ہو جاتی ہے۔ اور اسی کو سجود قلب کہتے ہیں اس کے بعد فرمایا پانی پر چلنا، ہوا پر اُڑنا اور آگ میں کود پڑنا یہ سب چیزیں تو بآسانی حاصل ہو جاتی ہیں لیکن سجود قلب یعنی ایک قدم میں اللہ تک رسائی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔

کتاب کے خاتمہ میں انشاء اللہ والد ماجد کے حالات و کلمات تحریر کئے جائیں گے۔ اب شیخ امانؒ کے رسالہ اثبات احدیت کی کچھ عبارت نقل کرتا ہوں۔ انھوں نے رسالہ کی ابتدا میں لکھا ہے:

عرفاء محققین، ناظرین تنزیہ، قائلان وحدت الوجود، اور فائزان سعادت و معرفت و شہود کا بیان ہے کہ وجدان و کشف کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ عین حقیقت وجود

اور تمام موجودات کے ساتھ ظاہر و مشہود ہے بعض صوفیوں نے وحدت الٰہی کو تنگ زاویہ نگاہ سے سمجھا اور انوکھے انداز میں بیان کیا ہے۔ صوفیائے کرام کی دو قسمیں ہیں جن کی گفتگو کے نتائج علیحدہ علیحدہ تحریر ہیں تاکہ حق و باطل میں تمیز ہو سکے اور ناقص و کامل ہو سکے۔ قدوۃ العلماء جناب مولانا جلال الدین رومیؒ اپنی رباعیات میں لکھتے ہیں کہ بعض قاصروں اور کوتاہوں نے جب محققین سے یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ عین ذات وجود ہے تو یہ مطلب سمجھے کہ اللہ تعالیٰ تمام موجودات کے درمیان جامعیت مشترکہ رکھتا ہے اور جب صاحبان علوم عقلیہ کی یہ بات سنی کہ وہ کلیۂ موجود نہیں ہے مگر ضمن افراد میں تو اس کا مطلب یہ سمجھے کہ افراد ممکنات کے ضمن میں اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اس کا وجود' افراد کے وجود پر منحصر ہے نیز اس کی صفات کا دارومدار لوگوں کی صفات پر ہے۔ جس طرح لوگوں کا علم ہے ویسا ہی اس کا علم' قدرت اور دیگر صفات ہیں۔ اور جس طرح انسان گفتگو و کلام کرتے ہیں ویسے ویسے ہی اس کا کلام بھی ہے غرضکہ ان کوتاہ عقلوں کی سمجھ میں کھلی گمراہی اور بدترین جہالت کی بات بیٹھ گئی۔ اس کے بعد لکھا ہو کہ مجھ (شیخ امان) کو اس قسم کے لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہے جب انھوں نے یہ کہا کہ وجود کائنات کے ضمن میں اللہ کا وجود منحصر ہے اور انسانوں کے علم و کلام پر اللہ کے علم و کلام کا انحصار ہے تو میں نے ہمیشہ یہی جواب دیا ہے کہ تمہاری اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ ممکنات حق بعض معلوم اور بعض غیر معلوم رہیں گے جیسے بارش کی بوندیں اور ریگستان کے ریت کے ذروں کی تعداد کسی انسان کو معلوم نہیں ہے اور تمہارے دعویٰ کے مدنظر نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو بھی ان کی تعداد معلوم نہ ہوگی اور پھر یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ دنیا اور اس کی تمام چیزیں بغیر تخلیق الٰہی کے خود بخود پیدا و ظاہر ہو گئی ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سب کا کوئی پیدا کرنے والا ہونا چاہیئے اور وہ خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

کچھ صوفی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تنہا و یکہ تھا اس کے ساتھ کوئی چیز موجود نہ تھی اس نے جب تجلی کی تو تمام چیزیں جو موجود نہ تھیں صرف اس کی تجلی کی وجہ سے جیتی جاگتی پیدا ہو گئیں اور اللہ ان تمام چیزوں میں حلول کئے ہوئے ہے جو موجود و ظاہری یا پوشیدہ ہیں (نعوذ باللہ) اور دنیا کے موجودات کے ساتھ یا اس کے علاوہ کسی مقام پر بھی رسالتمآبؐ کا وجود مسعود باقی نہیں ہے۔ البتہ یہ بات ہے کہ تمام موجودات کے ساتھ آپؐ (خاتم الانبیاءؐ) بھی ہیں اور تمام موجودات کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور جو چیز غیر موجود ہو اس کے ساتھ اللہ نہیں ہے

(نعوذ باللہ من کل الاشرار والشرور) غرضکہ صوفیا کا یہ دوسرا گروہ اگرچہ تمام چیزوں کے وجود سے پہلے اللہ کے وجود کو مانتا ہے۔ لیکن موجودات کے باقی نہ رہنے پر "ظہور و بروز" اور اثبات وجوہ موجودات کا قائل نہیں ہے۔

اس لحاظ سے صوفیا کے دونوں گروہ بغیر کسی کمی و بیشی کے ایک ہی تخیل کی پیداوار ہیں۔ ان سب صوفیوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات متعین و مشخص ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہر موجود جو اپنا وجود رکھتا ہے وہ حقیقی یا اعتباری، عینی یا علمی، لفظی یا خطابی طور پر ہی متعین کیا جاتا ہے۔ اور لازمی ہے کیونکہ بغیر تعین کے کوئی وجود موجود ہی نہیں کہلا سکتا۔ اور بغیر تعین کے کوئی تمیز و امتیاز ممکن ہی نہیں ہے۔ اور یہی حالت حقیقت مطلقہ کی ہے جو فی نفسہ متعین ہے اور اپنے ماسوا سے ممتاز ہے اور یکتا و یگانہ ہے۔ اس کے باوجود وہ افراد عالم کی شرکت سے بلند و بالا ہے وہ انسانوں کی تعین کی طرح عام یا خاص کی نسبت سے برتر ہے اس میں ایک راز کی بات یہ ہے کہ جس موجود میں کوئی ترکیب ہو یعنی اجزائے ترکیبی کی بدولت اس کا وجود موجود ہے تو اس کی حقیقت مشترکہ کی علیحدہ علیحدہ تقسیم کر کے اس کے ہر جزو کو متعین و ممیز کر سکتے ہیں یعنی اس قسم کے کائناتی و مخلوقی موجودات میں جوہر و عرض ہوگا۔ اس کے برخلاف جس موجود کے وجود میں کوئی ترکیبی ساخت نہ ہو بلکہ وہ یکتا و یکہ ہو تو اس کا تعین اس کی عین حقیقت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ یکتا و یکہ نہیں ہو سکتا۔ اور امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا تعین وجودی اس کا عین حقیقت ہے وہ یگانہ و یکتا ہے اور وہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ اور اس کا وجود اس کی عین حقیقت ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ موجودات کا سلسلہ متعین ہے جو ایک مقررہ مدت پر ختم ہو جائے گا کیونکہ کسی چیز کے متعین ہونے کے لئے اُس کے ابتدا و انتہا کا ہونا ضروری و لازمی ہے اور کائنات کے تمام موجودات جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے یہ ایک دن ختم ہو جائیں گے اور ان سب کی فروع مثبت لا بھی اپنی ماہیت و کیفیت تعین و تمیزات کے ساتھ اپنے وجود سے معدوم ہو جائیں گی۔ نیز یہ چیز واضح ہے کہ حقائق موجودات کی تجدید ان کے اعراض کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور حقیقت امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی وجہ سے قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات و وجود کے ساتھ قائم و موجود بالذات ہے۔

ان کوتاہ عقل صوفیوں کے علاوہ توحید پرست صوفیاء کرام اور تمام مسلمانوں کا یہ

عقیدہ ہے کہ ذات پروردگار حقیقتاً مطلق و یکتا ہے کسی قسم کا تعین و تعدد اور کثرت اس کی شان میں گستاخی اور امر واقعہ کی خلاف ورزی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسا موجود مطلق ہے جو کل یا جزئی عام یا خاص، ایک، جمع، مطلق یا مقید نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس تعین سے منزہ و برتر ہے جس تعین، قید اور اطلاق کے ذریعہ لوگ کسی چیز کو محدود و محصور کر سکتے ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو کسی قید کے ساتھ مطلق مانا جائے تو عقل و شعور کہتے ہیں کہ اس میں ایک سلبی صفت کا ہونا ضروری ہے جس کی وجہ سے اس پر اطلاق کی قید لگائی گئی ہے۔ اور تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کو ایسا مطلق کہتے ہیں جس کی ضد قید و تعین نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر قسم کی نسبت سے چاہے وہ سلبی ہی ہو بالکل پاک و منزہ ہے اور وہ یکتا خالق و مالک ہے۔ نیز یہ تمام حالات و کیفیات کشف و ذوق صحیح کے ذریعہ مجھے حاصل ہوئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ عقل و شعور کے ذریعہ سمجھا اور دیکھا نہیں جا سکتا۔ نیز اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر کسی حکم کے ماننے کا محکوم نہیں ہے بلکہ وہ احکم الحٰکمین ہے اور سب کائنات اس کے حکم پر کمربستہ و سرگرم عمل ہے وہ کلی یا جزئی اور کلی یا جزوی طور پر محکوم یا کلی و جزوی طور پر خارج میں اس کی ماہیت موجود ہو ایسا بھی نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ اپنی تمام اضداد کے ساتھ موجود ہے وہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ اس طرح اول ہے جس میں آخر شامل ہے اور آخر اس طرح ہے جس میں اول داخل ہے۔ وہ ظاہر اس طرح ہے جس میں باطن داخل ہے اور باطن اس طرح ہے کہ جس میں ظاہر داخل و شامل ہے۔ نیز وہ اس اولیت کے لحاظ سے اول ہے جس کے پہلے کوئی چیز نہیں اور اس طرح آخر ہے جس کے بعد کوئی چیز یا کوئی عدم نہ ہوگا۔

سوال ۔ یہ بات مقررہ ہے کہ جو چیز خارج میں موجود ہوتی ہے۔ وہ متعین ہوتی ہے اور اور جو چیز متعین ہوتی وہ ہرگز مطلق نہیں ہو سکتی اس اصول کے پیش نظر خارج میں ذات واجب الوجود کس طرح مطلق ہو سکتی ہے؟

جواب ۔ مطلق کے وہ معنی نہیں ہیں جو فلسفی و منطقی مراد لیتے ہیں بلکہ مطلق کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے متعین ہے کہ جس کو دوسرے تمام تعینات منافی نہیں یعنی صاف مطلب یہ ہے کہ ذات مطلق پر تعینات کے پردے پڑے ہوئے نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس طرح متعین ہے کہ تمام تعینات اپنے مراتب تنزلات میں اس کے ساتھ موجود ہیں اللہ تعالیٰ اپنی ذات و حقیقت کے مدنظر خارج میں بھی متعین اور دیگر تمام تعینات کی نسبت کے پیش نظر مطلق

ہے۔ یعنی وہ متعین اور مطلق ہے۔ نیز ذات الٰہی جو موجود مطلق ہے وہ اس لحاظ سے متعین ہے کہ تغایر و تقابل بالکل منفی حیثیت رکھتے ہیں اور ذات واجب الوجود کا تعین علوی و سفلی اور صوری و معنوی خارج میں بھی مطلق حقیقی ہے جو تمام تجلیات کے ساتھ خود جلوہ فگن ہے جس نے دوسری صور متعینہ و موجودات مستکثرہ کو پیدا و ظاہر کیا ہے۔ نیز ذات الٰہی موجود مطلق متعینہ کو آنکھوں سے بھی نہیں دیکھا جا سکتا۔ کائنات میں صور کونیہ کے تحت لوگ اپنی آنکھوں سے ہر مادی چیز کو دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر دو یا اس سے زیادہ کی تعداد میں موجود رہتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے مَا یَکُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ:۔ ترجمہ (ہر تین میں وہ چوتھے اور ہر پانچ میں وہ چھٹے کی حیثیت سے اور اس سے کم و زیادہ میں بھی اللہ موجود رہتا ہے) تمام مخلوقات اپنی جسمانیت و روحانیت کے مدنظر مخلوقی حیثیت کی بناء پر جس طرح متعین ہیں اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کو متعین نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی عینیت اور وحدانیت یکتا ہے اور وہ اپنی مخلوقات سے بلند و بالا خالق و مالک اور یکتا ہے۔ نیز عالم و کائنات سے الگ اور انمیں موجود بھی ہے اب تم اپنی بابت جو چاہو کہہ سکتے ہو۔ تم کہہ سکتے ہو کہ میں اس کا عین ہوں اور وہ میرا عین ہے اس لئے کہ حقیقت اور اعتبارات کے لحاظ سے مجھ میں تجھ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کے حصہ میں وجود نہیں ملا ہے اس بناء پر جبکہ بندہ فانی بندہ اور ذات واجب الوجود باقی ہے دونوں میں کسی قسم کی آمیزش نہیں ہو سکتی۔

اللہ اپنی حقیقت اطلاق کی بناء پر اللہ ہے اور بندہ میں قیود و تعینات کے تمام ثبوت لگے ہوئے ہیں اس لئے بندہ بندہ ہی ہے البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جمالیات الٰہی کی بندہ پر کبھی کبھی بارشیں ہو جاتی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایسا اطلاق اس کا نتیجہ اثری ہے جو اللہ اپنی ذات کے واسطہ سے ظاہر کرتا ہے۔ جس میں جبر کے انحصار کی تاب و سکت نہیں ہے۔ کیونکہ اگر اس میں ایسی سکت و تاب ہو تو وہ اس کے کمال کا منافی ہو جائے گا۔

رباعی

من با تو چنانم اے نگار ختنی ... کاندر غلطم کہ من توام یا تو منی
نے من منم و نے تو توئی نے تو منی ... من ہم منم و ہم تو توئی ہم تو منی

شیخ امان پانی پتی نے اس مسئلہ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے جسے کہاں تک نقل کروں نمونہ از خروارے میں نے جتنا نقل کیا وہ مقصود تحریر و مسلک سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

سید جلال الدین قریشی رحمۃ

ہم نے آپ کی بابت ایسے عجیب و غریب حالات سُنے ہیں جو تقریر و تحریر سے خارج ہیں۔ صاحب

پیدائش ۹۲۲ھ ـــــ وفات ـــــ ۹۴۸ھ حال درویش و مجذوب تھے۔ زیادہ تر ننگے سر اور ننگے پاؤں رہتے۔ جنگلوں میں پھرا کرتے۔ اور صرف ستر عورت چھپانے کے لئے کپڑ پہنتے تھے۔ علوم عقلی و نقلی رسمی و حقیقی میں آپ کو دستگاہ تھی۔ جب کسی وقت علمی گفتگو ہو تو تفصیل سے خوب بیان کرتے۔ جواں سال تھے کسی آدمی یا کسی چیز سے کوئی تعلق نہ رکھے باوجود غلبۂ حال کے احکام شرعی کے پابند تھے نیز آپ کی نظر میں کسی دنیادار کی کوئی عزت نہ تھی۔ آپ جس شہر یا گاؤں میں جاتے وہاں کے باشندے آپ کے معتقد ہو جاتے۔ آپ سے بیعت کرنا چاہتے لیکن آپ کسی کو مُرید نہ کرتے اور کہتے کہ میرا صرف ایک ہی مُرید ہے جس کا نام ہشام ہے اور وہ صحرا نوردی کر رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ پر یہ فیض الٰہی تھا کہ آپ عربی' فارسی اور ہندی میں گفتگو کرتے اور بات میں بات نکالتے تھے اور خوب بیان کرتے تھے۔ اور جب گفتگو کرتے کرتے گرم سخن ہو جاتے تو جنگل کی جانب چل دیتے تھے۔

ملا نور محمد نارنولی کا بیان ہے ایک مرتبہ مسجد میں کچھ محتسب بیٹھے ہوئے تھے۔ نماز فجر کا وقت تھا کہ سید جلال الدین قریشی مسجد میں آئے اور صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھ کر نماز کی نیت باندھ لی لوگوں کو ان کی یہ حرکت گراں معلوم ہوئی۔ باوجودیکہ نماز کا وقت تنگ تھا انھوں نے لمبی قرأت پڑھی اور نماز بھی ننگے سر ادا کی۔ اُن کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے ان پر الزامات متذکرہ عائد کرکے ان سے بحث شروع کر دی جن کے جواب میں انھوں نے فقہ کی اتنی روایات بیان کیں کہ سب لوگ حیران و ششدر ہو گئے۔ اپنی دوران تقریر میں یہ حدیث شریف بھی پڑھی مَن ذکرنی فی نفسہٖ ذکرتہٗ فی نفسی وَمَن ذکرنی فی ملاءٍ ذکرتہٗ فی ملاءٍ خیرٌ منہٗ ترجمہ:۔ (جس نے خاموشی سے میرا ذکر کیا تو میں (اللہ) اس کا ذکر بخاموشی کرتا ہوں اور جس نے میرا ذکر لوگوں میں علی الاعلان کیا تو میں (اللہ) اس شخص ذاکر

ذکر بہتر و برتر لوگوں میں کرتا ہوں) پھر اس حدیث شریف پر سیر حاصل تقریر کی اور جب باتیں کرتے کرتے جوش کلام زیادہ ہوگیا تو اُٹھ کر جنگل کی طرف چل دیئے۔

کہتے ہیں کہ آپ کے ایک معتقد نے آپ کے ملفوظات جمع کر کے کتابی شکل میں اس کو آپ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے اُس سے وہ کتاب ملفوظات خود اپنے ہاتھ میں لے کر اس کتاب کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا۔

سید جلال الدین قریشی کو محبت کا بے انتہا قلق تھا وہ محبت میں سرشار تھے اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شعر

حاصل عشقت سہ سخن وبیش نیست سوختم و سوختم و سوختم

اور کبھی یہ مصرعہ دُہراتے۔

مصرعہ

خام بُدم، پختہ شدم، سوختم

قلندری مشرب رکھتے تھے۔ عبادت میں صرف فرض وسنت ادا کرتے تھے فصوص الحکم اور تصوف کی دوسری کتابیں بخوبی یاد تھیں

کہتے ہیں کہ پانچ سال تک آپ نے بغیر کسی کے توسط کے کتاب علم حقیقت پڑھی اور اس پانچ سالہ مدت میں آپ نے کسی آدمی کا چہرہ تک نہ دیکھا اور درختوں کے پتے کھا کر زندہ رہے رجال غیب آپ کے استاذ تھے۔

آپ کے مجذوب بننے کا قصہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کسی آدمی زاد پر عاشق تھے اس کے شورش عشق ہی میں آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی اور آپ مجذوب ہوگئے۔ اور پھر اجمیر شریف کی جانب روانہ ہوگئے۔ صحرائے اجمیر میں ایک روحانی صفت شخصیت کو دیکھا جو بے انتہا خوبصورت تھا چنانچہ آپ اس کے پیچھے لگ گئے۔ کسی آدمی نے آپ سے پوچھا کہ وہ خوبصورت کیا خواجہ خضر تھے؟ جواب دیا خضر نہیں تھے۔ خضرؑ کے دیدار کی علامت یہ ہے کہ ان کی ملاقات سے پہلے قدرے بارش ہوتی ہے اور وہاں اس وقت بارش نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ خوبصورت شخص رجال غیب میں سے تھا جو سات سو پچاس علوم سے واقف تھا۔

سید جلال الدین قریشی کہا کرتے تھے کہ حضرت یوسفؑ کی طرح ہمارے پیر و مرشد

حسین و خوبصورت تھے۔ اور حضرت داؤدؑ کی مانند خوش الحان تھے میں جب اُن کا مُرید ہوا تو انھوں نے فرمایا اب جاؤ کسی کی نوکری کرو چنانچہ آپ کے پاس سے باہر نکلا ہی تھا کہ اچانک ایک آدمی نے مجھ سے پوچھا نوکری کرو گے؟ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ غرضکہ میں اس کے پاس ملازم ہو گیا جہاں میں نے بے انتہا مال و دولت جمع کیا۔ اور پھر پیر و مرشد کے کہنے سے وہ تمام اللہ کے نام پر لٹا دیا۔ اسی طرح تین مرتبہ دولت جمع کی اور تینوں مرتبہ پیر و مرشد کے حکم پر لٹا دی۔ اس کے بعد اس جنگل میں جس کی کسی آدم زاد کو خبر نہیں میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ اس طرح رہا کہ اس جنگل کی ایک کوٹھری میں پیر و مرشد رہتے تھے اور میں کوٹھری کے باہر پڑا رہا کرتا تھا نماز کے لئے پیر و مرشد باہر آتے تو میری اُن سے ملاقات ہو جاتی اور بخدا میری آنکھیں جاتی رہیں کہ اس پانچ سال میں جبکہ اس جنگل میں پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہا ہیں نے کسی اور آدمی کی شکل تک نہیں دیکھی۔ وہاں پرندہ پر تک نہیں مار سکتا تھا۔ غرضکہ پیر و مرشد نے مجھ (جلال الدین قریشی) کو تین سو سے زیادہ علوم پڑھائے اور اس کے بعد کہا اس سے زیادہ کا مجھ میں حوصلہ نہیں ہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ رجال غیب جس سے صحرائے اجمیر میں آپ کی ملاقات ہوئی تھی وہ آپ کے سامنے سے گذرا آپ اس کے پیچھے بھاگے اور بے انتہا دوڑ دھوپ کے بعد بھی اس سے (دوبارہ) نہ مل سکے۔ اکثر و بیشتر گریہ و زاری کرتے نعرے لگاتے اور اپنے پیر و مرشد کی یاد میں یہ اشعار پڑھتے۔

اشعار

دریغا مونس تنہائی ما   دریغا سرمۂ بینائی ما
دریغا دولتے رفت از سر ما   ہمائے بر پرید از کشور ما

اور یہ شعر بھی پڑھا کرتے تھے۔

شعر

من مست مے عشقم ہشیار نخواہد شد   از رندی و قلاشی بیزار نخواہم شد

حکایت ہے کہ لوگوں نے ایک دن آپ کے سامنے کیمیا کا تذکرہ کیا تو آپ نے کہا تف ہے عمل کیمیا پر۔ اور تف کہتے وقت آپ کا تھوک تانبے کے طباق میں گرا جس کے گرتے ہی وہ تانبے کا طباق فوراً سونے کا ہو گیا۔ آپ کے اور بھی خوارق عادات سننے میں آئے ہیں۔

تھوڑے دنوں تک دہلی میں سکونت پذیر رہے اس کے علاوہ بیانہ آگرہ اور ان کے

گرد و نواح میں بھی اقامت گزیں رہے۔ آپ نے (۲۵) سال کی عمر میں ۹۲۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار علاقہ مندو کے ایک موضع میں ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

میر سید ابراہیم رح

پیدائش ۸۶۵ وفات ۹۵۲ھ

آپ کے والد کا نام معین عبدالقادر الحسنی القادری الایرجی تھا آپ ایک بابرکت بزرگ، کامل دانشمند فلسفی اور تمام علوم عقلی و نقلی رسمی و حقیقی کے فارغ التحصیل تھے۔ ہر علم کی بے انتہا کتابیں مطالعہ کی تھیں اور ان کی تصحیح بھی کی تھی۔ آپ نے مشکل کتابوں کے مشکل مسائل کو اس طرح حل کر دیا تھا کہ معمولی سی قابلیت کا شخص بھی آپ کے حل مشکلات کو پڑھ کر استاد کی مدد کے بغیر بخوبی سمجھ جاتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں اس وقت دہلی میں کوئی شخص علم و دانش میں آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے کتب سے آپ کی اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی اور دوسری کتابیں اتنی زیادہ برآمد ہوئیں جو حد شمار و حساب تحریر سے خارج ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کے جس ہم زمانہ نے آپ سے استفادہ نہیں کیا اور آپ کی علمی قابلیت کا اقرار نہیں کیا وہ بڑا ہی بے انصاف ہے۔

میر سید ابراہیم کا دستور تھا کہ لوگوں کی جہالت، ناانصافی اور ناقدری کی وجہ سے ہمیشہ گوشہ نشین رہ کر مطالعہ کتب اور ان کی صحت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ شاذ شاذ لوگوں کو آپ نے پڑھایا اور عام طور پر لوگ آپ سے استفادہ نہ کر سکے۔ آپ اپنی کتاب بغرض مطالعہ صرف اس کو کبھی کبھی دیتے جس کو مخلص سمجھتے۔ اللہ ہی جانے اس میں اُن کا کیا راز تھا۔

شیخ عبدالعزیز حسن اور دوسرے صوفیوں نے آپ سے باضابطہ علوم تصوف پڑھے اور آپ کی شاگردی اختیار کی۔ علاوہ ازیں مشائخ، علماء اور دوسرے بزرگ حضرات بھی آپ کے پاس دوڑتے آتے تھے۔ آپ نے جس طرح دوسرے علوم و فنون علمی حاصل کئے تھے اسی طرح درویشوں کی بابرکت صحبت، مشائخ کے سلسلے اور ان کے خانوادوں کے ارتباط، اوراد، وظائف، اشغال واذکار دعوات و طریق تربیت وارشاد کے طریقے بھی حاصل کئے تھے سلسلہ عالیہ قادریہ کی نسبت کے اثرات آپ پر غالب تھے۔ شیخ بہاء الدین قادری شطاری کے آپ مرید تھے۔

کہتے ہیں کہ شیخ بہاء الدین قادری شطاری نے اپنا رسالہ طریقہ شطاریہ اپنے مرید میر سید ابراہیم کی خاطر ہی تصنیف کیا ہے۔

لوگوں کا بیان ہے کہ میر سید ابراہیم بغیر کسی واسطے کے شیخ نظام الدین کے مرید تھے اور ایک ہی نشست میں انھوں نے خرقہ عنایت کیا ہے۔

سید ابراہیم قوالیوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ سنا گیا ہے کہ شیخ رکن الدین بن شیخ عبد القدوس کہتے تھے کہ میں (رکن الدین) ایک دن سید ابراہیم کے پاس گیا اور کہا آج حضرت خواجہ قطب الدین کا عرس ہے اگر آپ تشریف لائیں اور مجلس سماع میں شرکت کریں تو مناسب ہوگا جس پر سید ابراہیم نے جواب دیا۔ آپ تشریف لیجائیں اور قبر مبارک کی زیارت۔ کریں پھران کی روحانیت کی طرف متوجہ ہو کر دیکھیں کہ حضرت خواجہ قطب الدین کیا فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں (رکن الدین) حضرت خواجہ قطب الدین رح کے مزار کے سامنے بیٹھ کر ان کی روحانیت کی جانب متوجہ ہوا۔ مجلس قوالی گرم تھی۔ قوال اور صوفی سب جوش و خروش میں تھے کہ عین اس وقت حضرت خواجہ قطب الدین رح نے مجھ (رکن الدین) سے فرمایا "ان بدبخت قوالوں اور حال لانے والے صوفیوں کے نعروں نے ہمارا دماغ کھالیا ہے اور ہم کو پریشان کردیا ہے"۔

چنانچہ قطب صاحب کا یہ حکم سنکر میں سیدھا سید ابراہیم کے پاس آیا تو انھوں نے مسکراتے ہوئے فرمایا اب بھی آپ مجھ کو شرکت مجلس سماع سے معذور رکھیں گے یا نہیں؟ میں (رکن الدین) نے جواباً کہا وہی درست ہے جو آپ فرماتے ہیں اور آپ ہی حق پر ہیں۔ باقی اللہ ہی جانتا ہے

تقریباً ۹۲۰ھ میں بزمانہ سلطنت سلطان سکندر آپ دہلی آئے اور ۹۵۳ھ میں بزمانہ حکومت اسلام شاہ آپ نے وفات پائی۔ آپ کا مزار سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کے مقبرہ کے اندر اس خانقاہ میں ہے جو حضرت امیر خسرو رح کے بائیں میں واقع ہے۔ اللہ ان سب لوگوں کی مغفرت کرے اور ان پر رحمتیں نازل کرے۔

سیّد رفیع الدین صفوی

حسب و نسب میں صاحب فضیلت تھے۔ آپ کے اباد اجداد سب کے سب عالم صالح اور متقی تھے۔

ولادت ۸۸۱ وفات ۹۵۴ھ تفسیر معینی کے مصنف میر معین الدین اپ کے اجداد

ہیں سے تھے جو سالہا سال تک مدینہ منورہ کے مجاور رہے جن کی اولاد اب تک مکہ معظمہ میں سکونت پذیر ہے۔ یہ تفسیر معینی جامع، پاکیزہ اور مفید تفسیر ہے۔ اس کے علاوہ چند رسائل تحقیقی اور الوکھے مضامین پر سپرد قلم کئے ہیں۔ شیخ صفی الدین عبدالرحمن جن کی جانب نسبت کرنے والے خود کو سادات صفیہ کہتے ہیں یہ بھی آپ کے اجداد میں تھے۔ شیخ الحدیث قدوۃ المحققین مولانا جلال الدین محمد دوانی جنھیں سادات سلامیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی آپ کے اجداد میں تھے اور یہ وہ بزرگ ہیں جن کو روضہ سرور عالمؐ سے ان کے سلام علیک کا جواب ملا کرتا تھا غرضکہ میر سید رفیع الدین صفوی بڑے دانشمند، محدث تھے جود و سخاوت اخلاق اور مہربانیوں کے مجسمہ تھے آپ نے علم منطق و فلسفہ کی کتابیں مولانا جلال الدین دوانی سے پڑھی تھیں جو آپ کے قریبی اجداد کی بزرگی اور حقوق سابق کے پیش نظر شہر شیراز میں آپ کے گھر پر آکر آپ کو پڑھایا کرتے تھے۔ آپ نے شیخ شمس الدین محمد ابن عبدالرحمن سخاوی حافظ مصری سے علم حدیث کی تعلیم حاصل کی تھی اور یہ وہ بزرگ تھے جو محققین علم حدیث اور قدوۃ متاخرین میں سے تھے۔ کہتے ہیں کہ شیخ سخاوی رح نے میر سید رفیع الدین صفوی کی آمد سے قبل ہی تقریباً پچاس کتابوں کے پڑھنے کی اجازت ان کے نام لکھ بھیجی تھی جس کے بعد سید رفیع الدین نے حاضر ہو کر بالمشافہہ شیخ سخاوی سے حدیث پڑھی اور عرصہ تک شاگردی کا شرف حاصل کیا سید رفیع الدین کا اصلی وطن شیراز تھا جہاں ان کی پیدائش ہوئی اس کے بعد وہ اپنے بزرگوں کے ساتھ حرمین شریفین میں جا کر متوطن ہو گئے پھر سلطان سکندر کے زمانہ میں آپ گجرات سے دہلی آئے اور سلطان سکندر آپ کا بے حد معتقد ہو گیا آپ کو دنیاوی ذرائع اور وسائل سے جو کچھ ملتا وہ سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے۔ آخر کار سلطان سکندر کے کہنے پر آپ نے آگرہ میں قیام کیا۔ اب آپ کی اولاد میں سے کوئی بھی ایسا شخص زندہ نہیں ہے جس کو آپ سے معمولی سی بھی رشتہ داری ہو آپ کا سلسلہ اولاد بالکل ختم ہو گیا اور آپ کے خاندان کا کوئی ادنیٰ فرد بھی زندہ نہ بچا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ نے ۹۵۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار آگرہ میں آپ کے اسی گھر میں ہے جہاں آپ مقیم تھے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے

شیخ بہاؤ الدین مفتی آگرہ

پیدائش ۱۲۱ھ — وفات ۷۶۷ھ

بڑے بزرگ، عالم، عامل، عمر رسیدہ، بابرکت اور دیانتدار تھے۔ سخاوت اور مسلمانوں کی امداد کرنے میں یکتائے زمانہ تھے شیخ الاسلام

بہاؤ الدین زکریا رح کی اولاد میں سے تھے آپ نے ۹۶۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ جنید رح بھی نیک آدمی تھے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شیخ حاجی حمید رح

آپ شاہ قاذن کے مُرید تھے جن کے پیرومرشد شیخ عبداللہ شطاری تھے۔ شیخ حاجی حمید نے خوب سیاحت کی۔ گھڑے

پیدائش ۸۶۵ وفات ۹۶۷ھ کے برابر اپنے ساتھ ایک کوزہ رکھتے۔ ہاتھ میں ڈنڈا اور کندھے پر جانماز ڈالے پھرا کرتے تھے اور بڑے ہی کمزور جسم کے بزرگ تھے۔

شیخ محمد جن کا لقب غوث تھا وہ اور ان کے آٹھوں بھائی سب آپ کے مُرید تھے کہتے ہیں کہ پہلے دن جب شیخ محمد آپ سے بیعت کرنے آئے تو آپ اُٹھ کر اُن سے بغل گیر ہوئے اور کہا آؤ غوث۔ حاضرین مجلس نے کہا ان میں کوئی کمال دیکھے بغیر آپ نے ان کو غوث کیوں فرمایا۔ جواب دیا اس میں کیا ہرج ہے۔ باپ اپنے بیٹے کا نام شاہ عالم رکھتا ہے۔

شیخ حاجی حمید اگرچہ دراصل شاہ قاذن کے خلیفہ تھے لیکن انھوں نے جب یہ دیکھا کہ لوگوں کا میرے پاس ہجوم ہوتا ہے اور پیرومرشد کے صاحبزادہ شیخ ابوالفتح کو میرے پاس ٹھٹ لگنے سے کوفت اور کبیدہ خاطری ہوگی تو وہ پیرزادہ شیخ ابوالفتح کے پاس گئے اور ان کے مُرید ہو کر اُن سے خلافت حاصل کی۔

شیخ محمد اپنے شجرہ ارادت میں شیخ ابوالفتح کا نام نہیں لکھتے تھے جس سے شیخ ابوالفتح کو ملال ہوتا تھا۔ ان شیخ محمد غوث نے برسوں تک کالنجر کے قلعہ میں ریاضت و مجاہدہ اور عبادت الٰہی کی اور کمال حاصل کیا۔ نیز عزّت و دولت دنیاوی کے بھی مالک ہوئے۔

نصیرالدین محمد ہمایوں بادشاہ بھی شیخ حاجی حمید کا معتقد تھا۔ آپ نے ۹۶۷ھ میں وفات پائی اور گوالیار میں دفن ہوئے۔

آپ کی کتاب معراج نامہ بہت مشہور ہے جس میں علمائے گجرات کے انکار کے قصے درج ہیں اور حقیقت حال اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ شیخ محمد غوث کے بھائی شیخ بہلول سے بھی ہمایوں بادشاہ کو بڑی عقیدت تھی اس لئے یہ بھی اعلیٰ مراتب و عزّت و جاہ پر سرفراز ہوئے تھے جو آخرکار میرزا ہندال کے ہاتھ شہید ہوئے ان کی قبر قلعہ بیانہ کے دروازہ پر ہے۔

میر سید عبدالوہاب

آپ کے والد کا نام سید عبدالحمید سالوری ہے جو سن رسیدہ با برکت بزرگ تھے۔

پیدائش ۸۵۷ وفات ۹۶۵ھ حکایت ہے کہ سید عبدالوہاب اپنے بچپن میں ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ ایک حوض پر نہانے گئے۔ اچانک حوض میں سے ایک آدمی نمودار ہوا جو آپ کو کھینچ کر حوض میں لے گیا اور آپ کو غائب کر دیا۔ بہت تلاش کی گئی لیکن آپ نہ ملے پھر ایک مدت کے بعد آپ اسی حوض میں سے اس طرح نکلے کہ صاحب فیض اور بڑے عالم تھے۔

حکایت ہے کہ مولوی سید عبدالحمید سالوری ہدایہ (فقہ کی مشہور کتاب) طالب علموں کو پڑھا رہے تھے۔ چند مسائل سمجھانے میں ان کو کچھ دقت سی محسوس ہوئی اور سید عبدالوہاب جو اپنے ہم عمر لڑکوں میں کھیل رہے تھے انھوں نے دُور سے اپنے والد مولوی سید عبدالحمید کے دل میں ان مشکلات کے حل بیان کر دیئے۔ سید عبدالوہاب جب بڑے ہوئے تو درس و تدریس کتب اور مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن آپ اپنے کتب خانہ میں بیٹھے کوئی کتاب دیکھ رہے تھے۔ اس بڑی قدیم کتب خانہ میں بے شمار کتابیں اور قلمی نسخوں کا انبار تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے آپ کی خلوت میں ایک خاص ادا کے ساتھ اشاروں میں کہا کہ یہ خلوت یہ مطالعہ کتب کیسا؟ اس سے آپ پر ایک عجیب کیفیت پیدا ہوئی جس کے باعث غیر اختیاری طور پر کتب خانہ سے نکل کھڑے ہوئے اور عبادت و اطاعت الہٰی میں مشغول ہو گئے اور اس دن کے بعد مطالعہ کتب۔ درس و تدریس اور بحث و مباحثہ سے دست کش ہو گئے۔ ۹۶۵ھ میں وفات پائی اور سالیرہ شہر میں مدفون ہوئے۔

میر سید عبدالاوّل

آپ کے والد کا نام علاء الحسنی تھا۔ میر سید محمد گیسو دراز جن کا مزار گلبرگہ (علاقہ دکن) میں ہے ان کی اولاد میں سے کسی

پیدائش ۸۳۲ وفات ۹۶۸ھ کے مُرید تھے۔ اس کے علاوہ تمام علوم عقلی و نقلی، رسمی و حقیقی میں کامل اور بڑے دانش مند تھے۔ اکثر علوم میں خود بھی کتابیں تصنیف کی ہیں صحیح بخاری کی شرح فیض الباری بھی آپ ہی نے لکھی ہے۔ سراجی جو علم فرائض کی مشہور کتاب ہے اس کو منظوم کر کے اس پر شرح لکھی۔ تحقیق نفس و معرفت پر فارسی میں ایک محققانہ کتاب سپرد قلم کی سیرت پر اکثر کتابیں تالیف کی ہیں۔ سفر السعادت کا انتخاب لکھا ہے۔ نیز اکثر کتابوں پر شرح اور حاشیے

لکھے ہیں۔ بہت بوڑھے ہو گئے تھے۔ آخر عمر میں انکسار و عاجزی کا مجسمہ ہو گئے تھے اور مروجہ علمی علوم بہت کچھ بھول گئے تھے۔ آپ کے کتب خانہ میں ہر قسم کی صدہا کتابیں تھیں آپ کے والد ملا قاجو جونپور کے قصبہ زید پور کے باشندہ تھے جو وہاں سے چل کر گلبرگہ (دکن) آئے جہاں آپ کی ولادت ہوئی۔[1] گلبرگہ (دکن) ہی میں آپ نے تعلیم حاصل کی اور بعد تکمیل تعلیم گجرات گئے جہاں سے حرمین شریفین کی زیارت کر کے پھر اپنے وطن واپس ہوئے۔ اس کے بعد مخلوق خدا پر مہربان، درویشوں کی محبت میں سرشار، علماء و فضلا کے سرپرست خانخانان محمد بیرم خاں شہید کے حکم پر دہلی گئے جس کے بعد تقریباً دو سال تک دہلی میں زندہ رہے اور ۹۶۸ھ میں وفات پائی۔ اور قلعہ دہلی کے اندر کشک نرور کے نزدیک قبرستان میں مدفون ہوئے۔

آپ کے رسالہ تحقیق نفس و معرفت کا کچھ حصہ یہ ہے۔

فصل۔ نفس کے کئی معنی ہیں کبھی اس کو ذات، کبھی حقیقت شیئے اور کبھی نفس ہی کہتے ہیں نفس کہنے کی مثال جیسے تعلمُ مافی نفسی ولا اعلمُ مافی نفسك۔ ترجمہ:۔ (میرے نفس میں جو ہے اسے میں جانتا ہوں اور تمہارے نفس میں جو ہے اس سے میں ناواقف ہوں) کبھی اس نفس کو روح علوی کہتے ہیں جس کا دوسرا نام نفس ناطقہ ہے کبھی اس کو بخار لطیف کے نام سے یاد کرتے ہیں جو دل میں سے اٹھ کر حرارت عزیزی کو ابھارتا ہوا تمام رگوں پٹھوں اور جسم کے اعضا میں سرایت کر جاتا ہے دو آدمی جو قد و قامت اور لاغری و فربہی میں بالکل یکساں ہوں ان میں سے ہر ایک کا ایک ظاہری حصہ یعنی جسم ہے اور دوسرا باطنی حصہ نفس ہے بدن کی مثال اس لباس کی مانند ہے جو جسم پوشی کرتا ہے اور نفس وہ بخار عمودی ہے جو تمام اجزاء لباس کے ساتھ موجود ہوتا ہے اور لباس کی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور آدمی کو جو حیاتی بخار آتا ہے یہ دراصل اس کا حس و حرکت جسمانی ہے جس کے سبب سے درحقیقت وہ متحرک و حساس ہے۔ بھوک پیاس حرص و ہوا اور شکم سیری وغیرہ یہ تمام صفات جس کی وجہ سے قائم ہیں اسی کو عرف تصوف میں نفس کہتے ہیں۔

---

[1] الحاج حافظ محدث حکیم مسعود رضا ربیب ابن حکیم احمد رضا خاں مؤلف سیر فقرا نے لکھا ہے کہ میر سید عبدالاول ۸۳۲ھ میں بمقام گلبرگہ (دکن) پیدا ہوئے اور (۱۲۶) سال کی عمر میں وفات پائی (تذکرہ علمائے ہند میں ہے کہ بخاری شریف کی شرح فیض الباری بھی آپ ہی کی ہے)

فصل۔ آیت قرآنی ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ کا مطلب یہ ہے کہ ہم (اللہ) نے انسان کو روح انسانی سے اس طرح سرفراز فرمایا جبکہ وہ خالص بناتی تھا اور اس میں کوئی جان نہ تھی اس طرح اس کو دو روحیں عطا فرمائی ہیں۔ اور حدیث شریف ثُمَّ اَرْسَلَ اللّٰہُ مَلَکًا یا یہ کلمات کے بھی یہی معنی ہیں۔ نیز اچھی طرح سمجھ کر یقین کر لو کہ حیاتی تبخیرات اور ابتدائی تعلق انسانی یہ دونوں ہمیشہ یک دم سے متصل ہو کر ظاہر ہوتی ہیں۔ وجود انسانی بغیر قوت حیاتیہ کے ناممکن ہے۔ اور اس کے الٹ کی بھی یہی حالت ہے۔ ایک سو بیس دن کے بعد مضغۂ انسانی میں روح ڈالی جاتی ہے تب اسی وقت جنین اپنے مادر کے شکم میں حرکت کرنے لگتا ہے اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں کے درمیان لازم و ملزوم کی نسبت موجود ہے۔

فصل۔ روح حیوانی درحقیقت پاکیزہ و لطیف ہے اور اس حکم کے پیش نظر کہ بعض فتنے کبھی دوسرے فتنوں سے کم تر ہوتے ہیں روح انسانی نے اپنی مناسبت کے مدنظر روح حیوانی سے تعلق قائم کر لیا۔ پہلے پہل تو روح انسانی اپنے مقام سے علیحدگی کے سبب بہت زیادہ مغموم تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ روح حیوانی سے مانوس ہو گئی۔ اور اپنے مقام کو فراموش کر بیٹھی۔ بعض روحیں اپنے نفس کی تابع ہو کر نچلے درجہ کی خراب وردی تہہ تک پہونچ گئیں اور بعض روحوں نے نفس کو اپنی سواری بنا کر اپنی ترقی و کسب کمال کا ذریعہ بنایا۔ کیونکہ محققین مذہب کا قول ہے کہ ارواح مجرد ہیں یہ اعضاء و آلات نہیں رکھتی ہیں اور ترکیب جسمانی سے پہلے ترقی کا ان کو کوئی امکان نہیں ہے

فصل۔ روح علوی عرصہ تک مؤثر تام اور مبدع کمال الٰہی کے سایہ میں رہی اور روح سفلی اللہ کے جلال و جمال سے دور رہی چونکہ ان دونوں میں مرد و عورت کی قوتیں موجود تھیں جن کے جوڑ دیئے جانے پر ان کی اولاد کا نام قلب و دل رکھا گیا۔ اسی لئے روح جس میں دو چیزیں ایک نسبت پدری اور دوسری مادری ہے ہمیشہ انقلاب پذیر رہتی ہے۔ نیز یہ بھی یقین کر لو کہ جو چیز محسوسات کے ذریعہ معلوم ہوتی ہے وہ نفس ہے اور معقولات کے ذریعہ جو چیز معلوم ہوتی ہے وہ روح ہے اور محسوس و معقول کے مرکب کا نام قلب ہے۔ اور جو چیزیں کہ حس و عقل کے ذریعہ معلوم نہ ہوں وہ ذات و صفات الٰہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ایک خاص رحمت کو دل سے متعلق کر دیا ہے جس کو سر اور بھید کہتے ہیں اور اس سے زیادہ ایک قوی بھید بھی دل سے متعلق کیا ہے جس کو سر خفی کہتے ہیں۔ اور ذات الٰہی کا کشف اسی چشم سر خفی کے ذریعہ

ہوا کرتا ہے۔ اور حدیث شریف وَفِي الخفيِّ أَنَا۔ ترجمہ:۔ (سرخفی میں ہم ہیں) کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہے۔ اس میں ایک اور لطیف بات یہ ہے کہ روح علوی ہر انسان میں موجود ہے جو کبھی اپنے نفس کے تاریک پردوں اور بُری صفات کی وجہ مستور ہو جاتی ہے اور کبھی تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کی بدولت ظاہر ہوتی ہے اور اس حالت میں تجلی روح کے ساتھ مجدداً اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور روح کے کئی مدارج و مراتب ہیں نیز واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرمؐ تمام دیگر ارواح کے ابوالارواح معدن الوار اور منشاء موجودات ہیں اس لئے تمام ارواح بمنزلہ جسم کے ہیں اور رسول اکرمؐ جان ہیں۔ اور رسول اکرمؐ کو تمام ارواح سے وہی تعلق ہے جو جان کو جسم سے ہوتا ہے۔ نیز آقائے کائناتؐ کو روح علوی، تمام موجودات اور ان کے باہمی تعلقات پر کامل قبضہ و تصرف اور اختیار و اقتدار حاصل ہے۔ ارباب کشف و شہود نے جو بیان کیا ہے کہ روح انسانی کے اوپر ایک روح قدسی بھی ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ وہ آقائے کائناتؐ کی روح پُرفتوح ہے۔

فصل۔ روح انسانی و حیوانی اور قلب یہ تینوں چیزیں ہر ایک جسم میں جزو حقیقی کی طرح موجود ہیں اس کے باوجود ایک جسم دوسرے سے علیحدہ نظر آتا ہے۔ مگر اس میں پوشیدہ و ظاہر حکمت الٰہی یہ ہے کہ ہر روح ایک خاص روح اور فرشتگی کی حیثیت کے ساتھ وحدت و جزئیت کی صفات سے متصف ہو کر اجسامِ نفوس اور ارواح انسانی سے متعلق رہتی ہے اور ہر ایک میں تصرف کرتی ہے ایک روح کا بہت سے اجسام کے ساتھ تعلق رکھنے کے بیان کو بآسانی بیان کیا جاسکتا ہے۔ جیسے جسم اور تمام اعضاء اجزاء انسانی کے ساتھ نفس متعلق اور کار فرما رہتا ہے۔ اس کی مثال یہ فرض کرو کہ ایک نفس جو بہت طاقتور ہے اور وہ جسم میں تصرف کرتے ہوئے گھر کے تمام در و دیوار پر حکمرانی و قبضہ رکھتا ہے وہ اس طرح کہ مشرقی دیوار کو مغرب کی طرف کر دیتا ہے اور مغربی دیوار کو مشرق میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اسی طرح ایک وہ نفس ہے جو اپنی طاقت کے بل بوتے تمام شہر بھر پر تصرف کرتا ہے یعنی شہر بھر اس کے اعضاء کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک نفس تمام اقلیموں پر بادشاہت کرتا ہے۔ اور ایک نفس وہ ہے جو تمام روئے زمین پر بااختیار قابض و متصرف ہے۔ اور ایک نفس وہ ہے جو تمام عناصر پر اور ایک نفس تمام عناصر افلاک پر متصرف ہوتا ہے جیسے حضرت جبرئیلؑ کی روح کہ جن کا جسم افلاک و عناصر کا مجموعہ ہے اور ساتوں آسمانوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور ان کا صدر مقام مستقر اور ہیڈ کوارٹر سدرة المنتہیٰ ہے جو ساتویں

آسمان کے اوپر ہے۔ نیز ثابت ہوتا ہے کہ یوسفؑ کو جب ان کے بھائیوں نے کنویں میں ڈالا تو فوراً ہی جبرئیلؑ کو حکم الٰہی ہوا اَدْرِکْ عبدی۔ ترجمہ:۔ (میرے بندہ کو لو) یوسفؑ ابھی گہرے کنویں کی تہہ تک نہ پہونچے تھے حضرت جبریلؑ نے ان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور آسانی کے ساتھ ان کو کنوئیں میں اُتار دیا۔ اس واقعہ کے پیش نظر جبریلؑ کی بابت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سات ہزار سال کی مسافت ایک لمحہ میں طے کر کے کنوئیں میں پہونچے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ساتوں آسمان اور ان کے متعلقہ عناصر یہ سب جبریلؑ کے اعضاء ہیں اور دنیا میں وہ اسی طرح تصرف کرتے ہیں جیسے کوئی آدمی اپنے اعضاء جسمانی پر تصرف کرتا ہے جبریلؑ کے دنیا میں تصرف کرنے کی مثال یہ ہے کہ ان کے گلے کے ہار کا ایک موتی گر کر ابھی ان کے سینہ تک نہ پہونچنے پایا تھا کہ انھوں نے اُسے اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اسی طرح عزرائیلؑ کی روح ہے کہ کائنات بھر کی تمام روحیں ان کے اعضاء ہیں یعنی ہر ایک کی روح قبض کرنے کے لئے ان کے تصرف کی مثال اس آدمی کی مانند ہے جو اپنے اعضاء بدن میں تصرف رکھتا ہے۔ غرضکہ ان مطالب کا تصور دراصل انبیاء کرام کے معجزات اور اولیاء عظام کے کرامات کا بنیادی ثبوت ہے۔ کیونکہ نبی اور ولی کے نفس میں وہ قوت ہے جو اثر و نفوذ کرتی ہے اور جس طرح اجسام کے اوپر تصرف کرتی ہے اسی طرح اجسام کے اندر بھی تصرف کرتی ہے۔ اور جبکہ رسالتمآبؐ کی روح اقدس تمام جہانوں کی جان ہے اس لئے لازمی ہے کہ وہ تمام اجزاء عالم اور کائنات بھر پر متصرف رہے۔ رسالتمآبؐ کے تصرف کا ایک معمولی سا ثبوت یہ ہے کہ آپؐ نے ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اس طرح کہ ناخن کے میل کو ناخن سے الگ کر دیا۔

فصل۔ جبکہ تمام ارواح و لطائف کا سلسلہ روح سرور عالم خاتم الانبیاءؐ تک پہونچتا ہے اور سرکار کائنات کی روح اقدس تمام ارواح کی جان ہے۔ اب صرف ذات پروردگار باقی رہ گئی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر قسم کی مثال سے پاک، برتر اور منزہ ہے وہ رسالتمآبؐ کی جان و روح ہے۔

حق جان جہان است وجہاں جملہ بدن   افلاک و لطائف چہ قوائے ایں تن

افلاک و عناصر و موالید اعضاء   توحید ہمین است، وگر حیلہ و فن

فصل۔ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کو تمام عالم کی ذات کے ساتھ نسبت تصرف مساوی حیثیت سے حاصل ہے۔ دنیا کا ہر ذرّہ اس کا آئینہ اور اس کے کمال کا مظہر جمال ہے

اس کے پیش نظر ندا و خطاب کے وقت اس کی جانب دل سے متوجہ ہوتے ہیں۔
واقعہ یہ ہے کہ دل روح حیوانی کا معدن و مخزن ہے اور باقی ماندہ لطائف روح حیوانی سے متعلق ہیں۔ جس سے با آسانی یہ ثابت ہو گیا کہ دل کی جانب توجہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ تمام لطائف کی جانب توجہ ہوتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ توجہ قلبی ہی فتح باب مقدمۂ کشف لطائف اور مقصد بر آری کا سبب ہے اور اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ انوار و صفات ذات الٰہی کا مکاشفہ ہوتا ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ قلب صنوبری میں جو روزن ہے اس کے ذریعہ علوم غیبی کا کشف اور مراتب جبروت ولاہوت کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

شکر منت نہ گنجد در زمین و آسماں　　　　من دریں فکرم کہ اندر سینہ چوں جا کردۂ

فصل۔ قلب ایک لطیف چیز یہ بتارہا ہے کہ شاہی مقام تین ہیں۔

اول وہ عالیشان اور وسیع عمارت جہاں تمام فوج حاضر رہتی اور وزراء ارکان حکومت اور عُمّال اپنے اپنے مقام پر بیٹھتے اور حکومت کے کام تقرر و معزولی، منع و عطا اور محاسبہ اعمال وغیرہ انجام دیتے ہیں۔

دوم وہ متوسط مقام جہاں بادشاہ اپنے خصوصی لوگوں کے ساتھ نشست کرتا اور اجلاس کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہوتا ہے جہاں پبلک کے آدمی اور فوجیوں کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی خصوصی لوگ اپنی خدمات کے حقوق کے لئے باادب کھڑے رہتے ہیں اور مختلف قسم کے عطیات و نوازش شاہی سے مسرور و خوش ہوتے اور لذت قرب شاہی کی حلاوت سے شادکام ہوتے ہیں۔

سوم وہ مختصر عمارت جو حرم حریم غیرت اور سرادق خلوت و عصمت ہے جہاں بادشاہ خلوت پذیر ہوتا ہے۔ اور یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی خاص الخاص یا عام اور بیگانہ و شناسا کو آنے کی بالکل اجازت نہیں ہوتی اسی ظاہری حالت کے لحاظ سے بادشاہوں کے شہنشاہ رب متعال کی جلالت کے بھی تین مقام ہیں۔

پہلا عرش عظیم ہے جو محل فیض خاص و عام دیوان خانہ رزق مومن و کافر، وحوش وطیور مادہ وجود و بقائے کل حیوانات و نباتات۔ اور تمام لطائف و بسیط و مفرد و مرکبات کا مخزن و معدن ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ عرش تمام دنیا کے اوپر ہے جہاں سے جملہ مخلوق کی مطلب بر آری ہوتی ہے۔ اسی لئے تمام آدمی باطنی طور پر بھی اوپر ہی کی جانب متوجہ ہوتے اور سوال و دعا کے وقت اپنا سر آسمان کی جانب کرتے ہیں۔

دوسرا مقام کعبہ شریف ہے جہاں خاص دوست اور مخلص مومن حاضری دیتے ہیں جن کو وہاں سے مختلف قسم کے عطیات سے نوازا جاتا اور ان کے اگلے پچھلے جرائم کو معاف کیا جا کر اللہ تعالیٰ کی قربت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں نا شکروں کو آنے کی سکت نہیں ہوتی۔

تیسرا مقام بندۂ مومن کا دل ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولٰکن یسعنی قلب عبدی المومن ترجمہ:۔ (میرا مقام زمین و آسمان نہیں بلکہ میرے مومن بندہ کا دل میرا مقام ہے) اور انہی تین مقامات کو بسم اللہ الرحمن الرحیم میں اشارۃً بیان کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو اپنی عزت اور وحدت کو قلب مومن کے عرش پر تجلی کرتا ہے۔ الرحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر اپنی رحمت کاملہ و عاملہ کے ساتھ تجلی فرما رہا ہے الرحیم کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کے عرش پر اپنی خصوصی رحمتوں کو خصوصی مسلمانوں کے لئے مخصوص کرنے کی خاطر تجلی ریز ہے۔

ذکر سہ رکنی جو عام طور پر مشہور ہے کہ قبلہ کی جانب بیٹھ کر تین مرتبہ اللہ اللہ اللہ اوپر سامنے اور دل پر ضرب لگا کر کہتے ہیں اس سے بھی متذکرہ بالا تینوں عرش مراد ہیں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

شیخ علی بن حسام الدین

آپ کے والد کا نام عبدالملک ابن قاضی خاں المتقی القادری الشاذلی المدینی چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ آپ پیدائش ۸۸۰ھ ـــ وفات ـــ ۱۵۶۷ء کے آباو اجداد جونپور سے برہان پور (دکن) آئے چنانچہ شیخ علی کی ولادت بھی برہان پور میں ہوئی۔ آپ کی عمر سات آٹھ سال کی تھی کہ آپ کے والد نے آپ کو شاہ باجن چشتی کے پاس لیجا کر ان کا مُرید بنا دیا جو اس زمانہ میں برہان پور میں مقیم تھے اور اس واقعہ کے چند دن بعد آپ کے والد نے وفات پائی والد بزرگوار کے انتقال کے بعد آپ بلحاظ طبیعت انسانی کچھ عرصہ لذات حسیّہ میں مشغول رہے۔ اور نوجوانی کے زمانہ ہی میں بمقام منڈو ایک بادشاہ کی ملازمت کی اور دنیاوی دولت جمع کی۔ اسی اثنا میں عنایت و ہدایت الٰہی کے جذبہ نے اپنی طرف مائل کیا چنانچہ دنیاوی مال و متاع اور دنیا والوں کی بے ثباتی و فنا کو دیکھ کر شیخ عبدالحکیم ابن شاہ باجن کی خدمت میں پہونچے جن سے مشائخ چشت کی خلافت کا خرقہ حاصل کیا اور چونکہ فطرت میں تقویٰ و پرہیزگاری کے نشوونما کا غلبہ تھا اس لئے ملتان

جا کر شیخ حسام الدین متقی کی خدمت کرنے لگے اور ان کی بابرکت صحبت کے ذریعہ طریقہ سکوں تقویٰ و پرہیزگاری حاصل کیا نیز اُنہی سے دو سال تک تفسیر بیضاوی اور عین العلم پڑھ کر تقویٰ کی توفیق کی بدولت حرمین شریفین کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور مکہ معظمہ کے شیخ الحدیث شیخ ابوالحسن بکری کی خدمت گذاری کی اور ان کی صحبت میں رہے۔ یہ اپنے وقت کے مانے ہوئے ولی اللہ تھے۔ ان کے علاوہ وہاں اور جو علمائے ومشائخ وقت تھے ان سے بھی استفادہ کیا۔ وہاں کے ایک دوسرے بزرگ شیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی سے سلسلہ عالیہ قادریہ سے خرقہ قادریہ اور قطب وقت شیخ نورالدین ابوالحسن علی الحسن شاذلی سے سلسلہ شاذلیہ کا اور شیخ ابومدین شعیب مغربی سے سلسلہ مدینہ کا خرقہ حاصل کیا اور پھر وہیں مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کر کے دنیا کو انوار اطاعت الٰہی، مجاہدات، آثار سلف، علوم دینی اور معارف یقینی کے فیوض سے منور و درخشاں کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ علم حدیث و تصوف کی کتابوں کی تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔

واقعہ یہ ہے کہ شیخ علی بن حسام الدین نے آثار سلف و برکات الٰہی کے ذریعہ جو تالیفات کی ہیں ان کے دیکھنے سے عقل ششدر ہو جاتی ہے اور یقین کہتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق و برکت ہے جو وہ اس بلند درجہ پر غیب استقامت کے ساتھ متمکن ہوئے۔

شیخ علی نے شیخ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجوامع اور جامع صغیر کی مندرجہ احادیث کو حروف تہجی کے تحت جمع کر کے تمام اقوال و احادیث رسول اکرمؐ کو مسائل فقہ کے پیش نظر باب وار لکھا ہے۔ ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ علی نے کتنا بڑا کام کس خوبی سے انجام دیا ہے۔ اس کے بعد ان کتب میں سے احادیث مکرر کو چھانٹ کر اس کا انتخاب علیحدہ مرتب کیا اور یہ بھی ایک دیدہ زیب و کارآمد تیار کی۔

حکایت ہے کہ شیخ ابوالحسن بکری کہا کرتے تھے۔ علامہ سیوطی نے عالم پر احسان کیا اور شیخ علی حسام الدین نے علامہ سیوطی پر احسان کیا۔ جو ان کی کتابوں کو مرتب مہذب اور باب وار بنا کر پھر ان کا انتخاب بھی بصورت کتاب مرتب کیا ہے۔ ان کے ماسوا شیخ علی نے وہ کتابیں بھی تصنیف کی ہیں جو سالکان طریقت اور طالبان آخرت کے لئے سرمایہ وقت اور مددگار حال ہے۔ ان کی چھوٹی بڑی عربی و فارسی کی کتابیں سو سے زیادہ ہیں۔ آپ کی پہلی مصنفہ کتاب تبیین الطرق ہے جس کی تصنیف کے وقت آپ کو غیب سے الہام ہوتا تھا۔ آپ

کی معرکتہ الآرا کتاب حکم کبیر ہے جس میں تصوف کے تمام مسائل کا خلاصہ لکھا ہے۔ آپ اپنے دوستوں سے کہا کرتے تھے اس کتاب کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تصوف کا جو مشکل مسئلہ چاہو اس کا جواب اس کتاب میں دیکھ لو اور تصوف کا جو مسئلہ لوگ دریافت کریں اس کا جواب اس میں دیکھ کر دیدو۔

شیخ علی اپنی زندگی کے آخری ایام میں باقتضاء عادت انسانی ہل جُل نہیں سکتے تھے۔ لیکن اسی حالت میں شب و روز کتب احادیث کی تصحیح و مقابلہ میں لگے رہتے اور زندگی کی آخری سانس تک سنن و احادیث نبوی میں مشغول رہے۔

کہتے ہیں کہ دقائق و باریکیاں سمجھنے اور معانی و نکات اخذ کرنے میں آپ کو وہ خاص ملکہ اور کمال حاصل تھا جس پر مکہ معظمہ کے بڑے بڑے عالم مجبوراً حیرت و تحسین کیا کرتے تھے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی جو اپنے زمانہ میں مکہ معظمہ کے جلیل القدر فقیہہ اور زبردست عالم تھے وہ ابتداءً شیخ علی بن حسام الدین کے استاد تھے۔ لیکن ایک عرصہ بعد ان کا بھی یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب کسی حدیث کے معانی میں متردد ہو جاتے تو کسی آدمی کے ذریعہ شیخ علی سے پوچھواتے کہ فلانی حدیث آپ نے جوامع الجمع کے کس باب میں مدون کی ہے غرضکہ متعلقہ حدیث کا باب معلوم کرکے قرینہ و قیاس سے اس حدیث کا مطلب معلوم کر لیتے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی نے خود کو کئی مرتبہ شیخ علی کا حقیقی شاگرد کہا ہے اور آخر کار وہ شیخ علی کے مرید ہو گئے اور اُن سے خرقہ حاصل کیا۔ غرضکہ مکہ معظمہ کے تمام مشائخین و علمائے وقت شیخ علی کے کمال فضل و ولایت کے معترف تھے اسی لئے منفردہ و متفقہ طور پر ان کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ چنانچہ آج تک مکہ معظمہ کے عام و خاص لوگ جس طرح اپنے سلف و بزرگوں کو یاد کرتے ہیں اسی طرح شیخ علی کو بھی یاد کرتے ہیں۔

علمائے ظاہر کو تالیف و تصنیف کتب اور نشر و اشاعت علوم کی جو توفیق و برکت حاصل ہوتی ہے اس کے قطع نظر شیخ علی کے ریاض مجاہدے، کرامتیں، خوش اخلاقی، عمدہ اوصاف، مزین افعال، عمدہ حالات، آداب ظاہری و باطنی، تقوی، پرہیزگاری وغیرہ جو کچھ بیان کی جاتی ہے وہ آپ کے کمالات باطنی اور حالات حقیقی کی دلیل اول ہے شیخ علی نے اپنے انتقال کے دن شیوخ کی صحبت کے حالات اپنے ایک خط میں تحریر کئے تھے جو یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

لافقیر خدا علی بن حسام الدین متقی اس دن جبکہ دُنیا سے جا رہا ہے اور آخرت کے میدان میں داخل ہو رہا ہے رقمطراز ہے کہ میرے بچپن کے زمانہ میں والد بزرگوار نے مجھے شیخ باجن کا مُرید بنایا شیخ باجن قوالیاں سنتے اور وجد و حال لایا کرتے تھے۔ شیخ باجن فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی لڑکا کسی پیر کا مرید ہو اور وہ جوان ہو جائے تو اسے اختیار حاصل ہے کہ اپنے بچپن کے پیر کو برقرار رکھے یا نہ رکھے" چنانچہ پیر و مرشد اور والد بزرگوار کے انتقال کے بعد شیخ عبدالحکیم ابن شیخ باجن کی خدمت میں حاضری دی اور ان کی صحبت سے استفادہ کیا۔ جنھوں نے مجھے راہ حق دکھائی اور خرقہ پہنایا۔ اس کے بعد میں نے ملتان جا کر عارف باللہ شیخ حسام الدین متقی کے ساتھ حج کیا اور پھر مکہ معظمہ میں شیخ ابوالحسن بکری سے مسلسل ملاقات کرتا اور ان کی صحبت میں رہا اور شیخ محمد سخاوی سے سلسلۂ قادریہ، شاذلیہ اور مدینیہ کے خرقے پہنے۔ اس خط کے علاوہ سنا گیا ہے کہ شیخ علی نے اپنے انتقال سے پہلے ایک خط لکھ کر اپنے کسی مخلص کے حوالہ کیا تھا کہ بعد کو پڑھنا۔ چنانچہ شیخ علی کے انتقال کے بعد وہ خط کھول کر پڑھا گیا جس کا مضمون یہ تھا۔

برادران۔ اللہ آپ پر مہربانیاں کرے۔ ہمارے پاس ایک امانت الٰہی تھی الحمدللہ کہ ہم نے وہ اہل اور قابل لوگوں کے حوالہ کردی ہے۔ لکھا جو لکھا والسلام۔

شیخ علی کے شاگرد، مرید خلیفہ اور دوست عارف باللہ شیخ کامل عبدالوہاب بن ولی اللہ محب حنفی متقی قادری جو مرکز دائرہ استقامت، قطب فلک ولایت، اور مشائخین و فقراء کے نزدیک متفقہ طور پر یمن سے شام تک کے علاقہ کے زبردست ولی ہیں، اللہ ان کے علوم سے ہم سب کو مستفید کرے جن کا تذکرہ شیخ علی کے حالات کے بعد ہی قلمبند کیا گیا ہے۔ غرضکہ ان ہی کی زبانی شیخ علی کے حالات لکھے جا رہے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب کا بیان ہے کہ شیخ علی اپنے ملتان کے قیام کے زمانہ میں جبکہ شیخ حسام الدین سے صحبت گیر تھے اس زمانہ میں بھی وہ خلوت نشین تھے۔ حالت یہ تھی کہ شیخ حسام الدین اپنے سر پر کتابیں اٹھائے آپ کے کمرہ کے پاس آ کر اندر آنے کی اس طرح اجازت طلب کرتے، حسام الدین حاضر ہے کیا ارشاد ہے؟ ایک دو مرتبہ اس طرح کہنے کے بعد اگر شیخ علی اپنے کمرہ کا دروازہ کھول دیتے تو شیخ حسام الدین تفسیر بیضاوی اس وقت تک پڑھتے پڑھاتے جب تک کہ شیخ علی کے پاس وقت کی گنجائش ہوتی۔ اور اگر شیخ علی اپنے کمرہ کا دروازہ نہ کھولتے تو شیخ حسام الدین کھڑے کھڑے تھک کر واپس چلے جایا کرتے تھے

شیخ علی کی حالت یہ تھی کہ ملتان کے آس پاس کے شہروں میں جہاں نیکو کاروں کا مقام ہوتا وہاں جاتے اور جو جگہ آپ کو اچھی معلوم ہوتی اور بآسانی عبادت کرسکتے وہاں چند دن قیام کرتے تھے۔ شیخ علی کی سفری حالت یہ تھی کہ ان کے پاس دو تھیلے تھے۔ ایک میں ضروریات اور کھانے پینے کا سامان جیسے چاول' ماش' آٹا' تیل' گھی' نمک وغیرہ کھانے پکانے کے برتن اور جنگل سے اپنے ہاتھوں کاٹی ہوئی لکڑیاں بقدر ضرورت رکھا کرتے تھے دو دن کے سامان کو چار دن تک استعمال کرتے۔ کبھی مسجد میں نہ ٹھہرتے بلکہ کرایہ کے مکان میں ٹھہرا کرتے تھے۔ چقماق جلا کر آگ سلگاتے تھے۔ اور ایک لوٹا جس میں ایک مشک پانی آتا تھا جو کھانے پکانے' وضو اور بشرط ضرورت غسل کے لئے کافی ہوتا اپنی پیٹھ پر لادے رکھتے تھے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ پاک پانی سے پہلے برتن دھوتے پھر خود ہی کھانا پکاتے تھے۔ آپ نے کسی آدمی سے اپنی کوئی خدمت نہیں لی۔ آپ نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اپنا کام ہمیشہ اپنے ہاتھ سے کریں گے نیز اپنے کام میں کسی دوسرے آدمی کی مدد نہیں لیں گے۔ اور اگر بفرض محال آپ کو شدید ضرورت کام لینے کی پڑ جاتی تو کام کرنے والے کے ہاتھ میں پہلے رقم رکھتے اور بعد کو اُس سے کام لیتے۔ غرضکہ ایک تھیلے میں خورد و نوش کا سامان اور دوسرے میں چند کتابیں رکھتے جو راستہ میں ضروری ہوتی تھیں۔ غرضکہ اس صفائی خوش اسلوبی اور سامان کے ساتھ سیر و سیاحت کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ رہنے یا آپ کی خدمت کرنے کی خواہش کرتا تو آپ اس کی یہ بات قبول نہ کرتے۔

شیخ علی گجرات اس زمانہ میں گئے جبکہ وہاں سلطان بہادر کی حکومت تھی وہ آپ کے اوصاف و کمال سن کر آپ کا معتقد ہوگیا۔ اُس نے آپ کو گراں قدر انعامات و جاگیرات دینا چاہیں لیکن آپ نے سلطان بہادر کی پیش کش قبول نہیں کی۔ اس زمانہ میں آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ جدھر جاتے لوگ آپ کے پیچھے آتے اور پروانہ کی طرح اکٹھا ہو جاتے۔ آپ اپنے کمرہ کا دروازہ بند رکھتے اور کسی کو اپنے ساتھ نہ بٹھاتے۔ عالم متقی اور صالح قاضی عبداللہ سندی جبکہ وہ بغرض روانگی حج اپنے اہل و عیال اور دوسرے اکثر لوگوں کے ساتھ تھوڑے دن کے لئے گجرات میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ نیز شیخ علی سے ان کو بھی محبت و الفت اور پکا اعتقاد ہوگیا تھا انھوں نے سلطان بہادر کے ازدیاد شوق ملاقات اور اسی کی منشار کے پیش نظر شیخ علی سے کہا۔ سلطان بہادر کو اگر آپ ایک مرتبہ اجازت حاضری دیدیں تو مناسب ہے

اگر مرضی نہ ہو تو اس سے گفتگو نہ فرمائیے گا۔ ہم لوگ اسی وقت حاضر ہیں گے لہٰذا اس کو اپنی باتوں میں لگائے رکھیں گے اس طرح اس کی یہ خوشی آرزو پوری ہو جائے گی۔ اس پر آپ نے جواب دیا بادشاہ کے لباس اور وضع قطع سے غیر اسلامی چیزیں جھلکتی ہیں یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ میں اُسے دیکھنے کے بعد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کروں۔ جس پر ان لوگوں نے عرض کیا ہم خادم حسب موقع جو مناسب سمجھیں گے کہیں گے اور کریں گے لیکن بادشاہ کی خواہش یہ ہے کہ ایک مرتبہ خدمت عالی میں حاضری دیں۔ غرضکہ سلطان نے حاضری دی اور معتقدین شیخ نے اسے نصیحتیں کیں۔ اس ملاقات کے دوسرے دن سلطان نے ایک کروڑ سکہ گجراتی بطور تحفہ شیخ کی خدمت میں روانہ کئے جو آپ نے سب کے سب قاضی عبداللہ کو دیتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ بادشاہ کی آمد کے تم واسطہ اور ذریعہ تھے اس لئے یہ پوری رقم تمہاری ہے۔ اس کے بعد فرمایا طالبوں اور مُریدوں کی تربیت و ارشاد ہمارے پیر و مرشد اس طرح کیا کرتے کہ اُس کی ظاہری حالت کو برقرار رکھتے ہوئے خود اُن کے باطن کی تربیت میں مشغول ہو جاتے اور اپنی ہمت کے ذریعہ ان طالب علموں اور مُریدوں کو راہ سلوک پر گامزن کیا کرتے تھے۔ اور یہ تمام تعلیم و تربیت اس طرح کیا کرتے کہ مُریدوں اور طالبوں کو آپ کے عمل کی مطلق اطلاع نہ ہونے پاتی۔ اس خادم (شیخ عبدالوہاب) کی خود یہ حالت ہے کہ ایک عرصہ کے بعد پیر و مرشد شیخ علی کی بدیہی حسن تعلیم کا مجھے علم ہوا کہ اس ذرہ کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا ہے۔ میں نے جب آپ کی خدمت میں حاضری دی تھی تو دو سال تک مجھے بالکل یہ معلوم نہ ہوسکا کہ آپ کس شخص کی جانب متوجہ ہیں اور کس کو کس ذکر، وظیفہ اور مجاہدہ وغیرہ کی تعلیم و تلقین فرما رہے ہیں ہاں البتہ اکثر اوقات ہم لوگوں کو اپنی تالیفات و تصنیفات کی کتابت اور مقابلہ وصحت کا حکم دیا کرتے تھے۔ آپ کا کمال یہ تھا کہ ہر کام کرنے والے کو محسوس ہوتا کہ آپ خود اُس کے پاس ہیں اور اس سے کام کرا رہے ہیں۔ غرضکہ دو سال بعد مجھے معلوم ہوا کہ میں جہاں تھا اس سے بہت بلند ہو کر اس مقام پر پہونچ گیا ہوں جس کا درجہ خواب و خیال میں بھی محسوس نہیں ہوسکتا تھا۔ پیر و مرشد شیخ علی فرمایا کرتے تھے کہ طالبوں اور مُریدوں کو سلوک کی تربیت دینے کے لئے مشائخین کرام دو طریقے استعمال کیا کرتے تھے ایک یہ کہ مُریدوں میں جو خرابیاں ہیں پہلے پہل اُن کو ان لوگوں کے خود کے عمل کے ذریعہ دُور کراتے اس کے بعد اپنی روحانیت سے کام لیا کرتے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ طریقہ کار مُریدوں کے لئے بڑا ہی سخت اور مشکل ہے۔

دوسرا طریقہ مشائخین کا یہ ہے کہ مرید کو اس کی موجودہ حالت میں رکھ کر خود اس کی صفات میں تبدیلی کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی روحانیت کے ذریعہ رفتہ رفتہ اس میں وہ نورانیت پیدا کر دیتے ہیں جو مُرید کو اس کے مقصود تک پہونچا دیتا ہے۔ اور یہی طریقہ زیادہ آسان اور مفید تر ہے۔

پیرو مرشد شیخ علی اکثر اوقات اشاعت وافادیت علوم اور طالبان علم کی امداد میں مصروف رہتے۔ کتابوں کی داد وستد اور سامان کتابت کی فراہمی میں کوشش کو کام میں لاتے۔ روشنائی اپنے ہاتھ سے بناتے اور ہم لکھنے والوں کے ذریعہ اسی سیاہی سے لکھواتے۔ مملکت عرب میں جو کتابیں مفید و کم یاب تھیں ان کی نقلیں کرا کے ان شہروں میں روانہ کرتے جہاں وہ کتابیں نہ تھیں اور جن کی وہاں کے باشندوں کو سخت ضرورت تھی۔

پیرو مرشد کی مجلس میں اگر دوسرے لوگ مباحثہ کرتے تو آپ اس بحث میں حصہ لینے کے بجائے خاموش رہا کرتے البتہ خاص مسائل کے تصفیہ میں بقدر ضرورت کچھ ارشاد فرما دیتے۔ آپ کی مجلس میں اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا جس کی نفی واثبات کی کوئی دلیل نہ ہوتی تو آپ سنتے رہتے اور کچھ نہ کہتے۔ کتب حقائق واسرار اور توحید وغیرہ کے مشکل مسائل آپ اسی طرح سمجھاتے جیسا کہ بزرگوں کا قاعدہ رہا ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ ہمارے بزرگ ومشائخ کھانے پینے کے چند لمحات کے ماسوا اپنا دیگر تمام وقت عبوریت اور انسانیت کی حفاظت میں صرف کیا کرتے تھے۔ میرے پیرو مرشد شیخ علی کا دستور تھا کہ آپ اپنے لئے جو شوربا پکواتے اس میں سے تھوڑا سا چکھ لیتے اور وہ سب کا سب اپنے دسترخوان والوں کو دیدیا کرتے۔

پیرو مرشد کے ایک نوکر کا نام کمال تھا جو بڑا بداخلاق اور بے ڈھنگا تھا وہ ہمیشہ بکواس کرتا اور جو چاہتا کیا کرتا اس کے باوجود آپ اس کو عزیز رکھتے اور اس کی بداخلاقیوں کو برداشت کرتے رہتے تھے۔ ایک دن وہ آپ کے لئے جو شوربا پکا کر لایا اس میں بے انتہا نمک تھا۔ آپ نے حسب معمول وہ شوربا چکھا اور یہ کہنے کے بجائے کہ تم نے ایسا خراب اور اتنا نمک کیوں بھر دیا ہے اُس سے صرف اتنا کہا بابا کمال۔ ادھر آؤ۔ پھر اس کو اپنے پاس بٹھا کر شوربے کا ایک چمچہ بھر کر دیا اور فرمایا لو یہ کھاؤ اور دیکھو کیسا پکا ہے؟ کمال نے وہ شوربا چکھ کر جو نمک کی زیادتی کی وجہ سے بالکل کڑوا ہو گیا تھا منہ بناتے ہوئے سخت لہجہ میں جواب دیا ہاں کچھ نمکین ہو گیا ہے لیکن بڑے مزے کا ہے۔ اس میں کوئی ہرج نہیں آپ کھا لیجئے۔ جس پر آپ نے فرمایا بہت خوب پھر آپ نے پانی منگوا کر اس میں ڈالا اور وہی تھوڑا سا نوش فرمایا۔ پیرو مرشد کے

بڑھاپے کے زمانہ میں اس فقیر نے ایک مرتبہ عرض کیا پیرو مرشد! آپ اس بڑھاپے میں کتنے نفل پڑھتے ہیں؟

جواب دیا۔ جوانی میں تو بہت زیادہ نفل پڑھا کرتا تھا۔ اب دن کے وقت ذکر خفی و شغل الہٰی کے ساتھ تصنیف کتب علمی میں مشغول رہتا ہوں اور رات کو چونکہ بڑھاپے کی وجہ زیادتی پیشاب کی بیماری ہوگئی ہے دس بارہ مرتبہ پیشاب کرنے اٹھتا ہوں اور ہر مرتبہ وضو کر کے حسب توفیق خداوندی دو دو چار چار نفل کم و بیش ادا کرتا ہوں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اپنی جوانی میں کتابت کی اجرت پر زندگی بسر کرتا تھا اس میں سے بیوہ عورتوں کی مدد کیا کرتا اور باقی اپنے ضروریات پر خرچ کرتا تھا۔ اور کہیں سے جو کچھ رقم آجاتی وہ اللہ کو قرض دیدیتا۔ کیونکہ اللہ کو قرض دینے سے بڑی وسعت اور خوش حالی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب کوئی ایسی رقم آپ کے پاس آتی جس کے کسب حلال کا آپ کو پکا یقین ہوتا تو اس میں سے تھوڑی سی خود بھی خرچ کر لیا کرتے۔ آخر زمانہ میں بزرگوں کے عرس میں کھانا کھلانے کے بجائے غریبوں اور محتاجوں کو زر نقد دیا کرتے تھے اور اندازہ جتنی رقم کھانا کھلانے پر خرچ ہوتی ہے وہ سب زر نقد کی صورت میں بانٹ دیا کرتے تھے۔ اس تقسیم کی صورت یہ ہوتی کہ جس کو جتنی رقم کی ضرورت ہوتی وہ خاموشی سے اس کو اس طرح دیتے کہ دوسرے کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ اس طرح غریبوں کی نقد رقم سے امداد کرتے اور فرماتے کہ مجلس طعام اور بھیڑ لگنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک وزیر مملکت نے پیرو مرشد کو دعوت دی اور عرض کیا پیرو مرشد غریب خانہ پر تشریف لا کر خادم کو سربلند و بابرکت فرمائیں تو پیرو مرشد نے جواب دیا اپنے در دولت پر آنے سے مجھے معذور رکھیئے فقیر یہیں سے دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو برکتیں عنایت کرے۔ لیکن جب اس وزیر مملکت نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا۔ فقیر تین شرطوں کے ساتھ آنے کے لئے تیار ہے۔

:پہلی شرط یہ کہ جہاں چاہوں گا بیٹھوں گا آپ مجھکو صدر میں بٹھانے کی کوشش نہ کریں گے
دوسری شرط یہ ہے کہ یہ کھائیے اور یہ کھائیے پر اصرار نہ کیجیئے گا میں جو چاہوں گا کھاؤں گا۔
تیسری شرط یہ ہے کہ جب چاہوں گا آپ کی مجلس سے اٹھ کھڑا ہوں گا آپ اصرار نہ کریں کہ چند لمحہ اور ٹھہریئے۔ غرضکہ اس وزیر نے آپ کی تینوں شرطیں منظور کیں تو آپ نے فرمایا انشاءاللہ کل آئیں گے۔ چنانچہ دوسرے دن روٹی کے چند ٹکڑے اس تھیلی میں ڈالے جو ہمیشہ اپنی گردن میں

ٹکائے رکھتے تھے اور تن تنہا اس وزیر کے محل میں گئے اور دروازہ کے قریب بیٹھ گئے۔ حالانکہ وزیر نے شاہانہ طریقہ پر فرش فروش بچھائے تھے اور شاہی نشست کی طرح انتظام کیا تھا۔ وزیر نے کہا پیرومرشد آپ یہاں نہ بیٹھیے اوپر صدر میں تشریف رکھیے۔ پیرومرشد نے جواب دیا شرط یہ ہوئی ہے کہ جہاں جی چاہے گا بیٹھیں گے۔ چنانچہ وزیر شرط یاد کرکے خاموش ہوگیا اس کے بعد جلدی جلدی طرح طرح کے کھانے چُنے گئے اور عرض کیا گیا پیرومرشد بسم اللہ فرمائیے۔ تو آپ اپنی تھیلی میں سے چند ٹکڑے نکال کر کھانے لگے۔ وزیر نے لاکھ طرح خوشامد کی مگر آپ نے اس کے دسترخوان کی کوئی چیز نہ چکھی اور فرمایا شرط یہ تھی کہ جو کچھ اچھا معلوم ہوگا وہ ہم کھائیں گے اس کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوتے اور خدا حافظ کہتے ہوئے فرمایا شرط یہی تھی کہ جب چاہیں گے واپس لوٹیں گے۔ چنانچہ السلام علیکم کہہ کر اس کے محل سے چلے آئے۔ من مصنف کتاب (شیخ عبدالحق محدث دہلوی) سے انہی شیخ عبدالوہاب نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ جبکہ پیرومرشد شیخ علی مکہ معظمہ میں قیام فرماتے تھے کہ دو مغربی باپ بیٹے مکہ معظمہ میں وارد ہوئے اور دونوں بیحد عبادت گذار تھے۔ بیٹا دس یا پندرہ دن کے بعد اور باپ چار پانچ دن کے بعد کھانا کھایا کرتے تھے۔ پیرومرشد ان دونوں کی تعریف سن کے ان سے ملنے کے لئے تیار ہوئے لیکن کمزوری کی وجہ پا پیادہ چل نہ سکتے تھے۔ چنانچہ آپ کے کہنے پر ایک تندرست اور قوی ہیکل آدمی آپ کو اپنے کندھوں پر سوار کرکے ان دونوں مغربی بزرگوں کے پاس لے گیا۔ پیرومرشد کتاب حکم کبیر اور اس خادم کو اپنے ساتھ لیتے گئے۔ جب ان دونوں مغربی بزرگوں کو معلوم ہوا کہ شہر کے مشہور اور عزت دار حضرات ملاقات کرنے آرہے ہیں جن کی وجہ سے ہماری شہرت ہوجائے گی۔ اور ہماری عبادت میں خلل پیدا ہوگا تو ان دونوں نے ہماری آمد پر بے اتفاقی کا سلوک کیا چنانچہ پیرومرشد نے مجھ خادم (عبدالوہاب) سے کہا دیکھو یہ دونوں کتنی بے رخی سے پیش آرہے ہیں اور اپنے سر کا بوجھ سمجھ کر ہم کو اپنے پاس سے نکالنا چاہ رہے ہیں۔ اس کے بعد پیرومرشد نے ان دونوں بزرگوں کی جانب متوجہ ہوکر فرمایا۔ ہم نے مشائخین کے چند اقوال جمع کئے ہیں وہ سنئے۔ چنانچہ پیرومرشد میری جانب متوجہ ہوئے میں نے چند ہی اقوال سنائے تھے کہ اُن دونوں مغربی بزرگوں میں گرمی کے آثار پیدا ہوئے اور وہ دونوں بے اختیار ہوکر کُھل کر بیٹھ گئے اظہار مسرت کرنے لگے اور ذوق وحال کے طلبگار ہوگئے۔ اس واقعہ کے بعد سے وہ دونوں بزرگ ہمیشہ پیرومرشد کی قیام گاہ پر آتے اور استفادہ کرتے۔ آخرکار دونوں

کے دونوں نے پیرو مرشد سے بیعت کی۔ اللہ ان پر اور تمام صالحین پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

پیرو مرشد متوکل تھے جن کو حصول رزق کے اسباب بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہوتے تھے اکثر مقصد برآری کے پیش نظر دیکھا گیا کہ پانی کنوئیں کی تہہ میں ہے اور پیاسے ہرن اس کی جانب حسرت سے دیکھ رہے ہیں کہ یکایک وہ تہہ نشیں پانی چڑھ کر کنوئیں کے من پر سے بہنے لگا جسے ہرن وغیرہ خوب اچھی طرح پی کر لوٹ گئے اور وہ بہتا ہوا پانی ہم لوگوں نے بھی پیا ہے۔

پیرو مرشد شیخ علی فرمایا کرتے تھے کہ کسبِ حلال کے ذریعہ جو کمائی کی جائے وہ کبھی برباد نہیں ہوتی اور اگر کبھی گم ہو جائے تو کھوئی چیز پھر دوبارہ مل جاتی ہے۔ اس کے موافق میری ذاتی سرگزشت یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ ایک کھاری سمندر میں ایک کشتی پر سوار جا رہے تھے۔ اچانک ایک سخت طوفان آیا جس کی وجہ ہماری کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ ہم میں سے کئی اشخاص ایک ایک تختہ کے سہارے ساحل پر پہونچے۔ ہمارے ساتھ جو کتابیں تھیں جو بالکل بھیگ گئی تھیں اور چونکہ ہم پیدل سفر کرنے والے تھے اس لئے ہم نے ان کتابوں کو وہیں سرزمین عرب میں ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا اور اس پر ایک علامت بنا کر ہم لوگ پیدل مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہوگئے راستہ میں ہم لوگوں کو پیاس نے ہلکان کر دیا۔ اور سرزمین عرب کی حالت یہ ہے کہ وہاں پانی نام کو نہیں۔ ساتھیوں نے پیاس سے مجبور ہو کر کہا کہ اب وقت دعا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ پانی عنایت کر دے۔ میں نے جواب دیا میں دعا کرتا ہوں آپ لوگ آمین کہیں چنانچہ دعا کی برکت سے اللہ نے اتنا پانی برسایا کہ ہم سب لوگوں نے خوب جی بھر کے پانی پیا اور اپنے ساتھ کی قرابیں اور مشکیزیں بھر لئے۔ تھوڑے دنوں بعد مکہ معظمہ پہونچ کے خانہ کعبہ کا طواف وعمرہ کیا اور صفا و مروۃ کے درمیان سعی کی۔ اسی اثناء میں چند دیہاتی عربوں نے ہمارے پاس آکر کہا "ہمارے پاس چند کتابیں ہیں اگر آپ چاہیں تو مول لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ وہ ہماری ہی کتابیں تھیں جو ہم دفن کر کے آئے تھے۔ غرضکہ ہم نے منہ مانگے دام دیکر وہ کتابیں خرید لیں بھیگ کر سوکھنے کی وجہ سے ان کتابوں کے اوراق باہم چپک گئے تھے۔ ہم نے ان کو پھر بھگو کر ان کا ایک ایک ورق اس طرح الگ کیا کہ ان میں کا کوئی حرف تک ضائع نہیں ہوا۔ اور پھر وہ سب قابل استفادہ ہوگئیں۔

شیخ حاجی نظر بدخشانی جو اپنے زمانہ کے کامل بزرگ تھے جنھوں نے ماوراء النہر، شام اور مصر کے علماء سے تحصیل علوم کے بعد وہاں کے مشائخین سے ریاضت و مجاہدہ کی تلقین حاصل

کی تھی اور حج کے بعد مکہ معظمہ میں بڑے بڑے کام کرنے کے بعد ایک بڑی ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے۔ ظاہر و باطن میں نفس کی تکمیل کر چکے تھے۔ اہل اللہ کہلاتے تھے۔ مجھ فقیر عبدالوہاب کی بھی اُن سے ملاقات ہوئی اور میرے خیال میں وہ ولی اللہ تھے۔ یہ بھی میرے پیر و مرشد شیخ علیؒ کی محبت و اعتقاد میں غرق اکثر و بیشتر آپ کے پاس خاص طور سے آیا کرتے

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پیر و مرشد کا ایک خصوصی آدمی میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آج پیر و مرشد ایک عجیب کیفیت کے ساتھ ترنگ میں ہیں اور جوان نظر آرہے ہیں۔ آج ان پر کچھ عجیب حسن و رونق ہے۔ آج ان کی حالت بہت ہی اچھی معلوم ہو رہی ہے اور آپ کو طلب فرما رہے ہیں۔ پیر و مرشد کی اس حالت کے مشاہدہ کے لئے بتعمیل حکم خادم فوراً پہونچا۔ دیکھا تو پیر و مرشد اپنی قدیم ہیئت میں ہیں لیکن سکر و بیخودی کے کچھ آثار موجود ہیں۔ مجھے دیکھ کر فرمایا مرحبا خوش رہو۔ اس کے بعد مہربانیاں کرتے ہوئے فرمایا آج ہم پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی تھی اور خرق عادت کچھ چیزیں بھی ہم سے ظاہر ہوئیں تم کو بھی اس لئے بلوایا تھا کہ مزید ایقان ہو جائے اور تم بھی اس حالت کا مشاہدہ کر لو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ عبدالوہاب تمہارا شمار اہل یقین میں سے ہے۔ تم کو کسی خرق عادت کام دکھانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد میں اسی حالت میں واپس لوٹ آیا۔

حکایت ہے کہ سلطان محمود گجراتی اکثر و بیشتر پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ لیکن چونکہ غیر مسنون لباس زیب تن کرتا تھا اس لئے پیر و مرشد شیخ علی اس کی طرف نظر اُٹھا کر نہ دیکھتے اور اس کی جانب متوجہ نہ ہوتے۔ ایک دن جبکہ وہ صالحین جیسا لباس زیب تن کر کے آیا تو آپ نے اُس کی جانب رضامندی سے دیکھا۔ جس پر سلطان محمود گجراتی نے التماس کی کہ آج پیر و مرشد غریب خانہ پر رونق افزا ہوں تاکہ ہم سب لوگ آپ کی روش کے مطابق عمل پیرائی کر سکیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمود گجراتی بڑا شکی تھا اور کسی طرح بھی اس کے دل سے یہ رذیل کیفیت نکلتی نہ تھی۔ چنانچہ پیر و مرشد شیخ علیؒ نے ایک طشت منگوا کر اس میں اپنی ٹوپی دھوئی اور پانی پھینک دیا اس طرح تین مرتبہ عمل کیا چوتھی مرتبہ اُس طشت میں پاک و صاف بھروا کر فرمایا۔ بابا محمود یہ پانی بلحاظ شریعت اسلامی بالکل پاک و صاف ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ کرنا وسوسہ ہے۔ اور وسوسہ شیطانی کام ہے۔ اب یہ پانی پی لو اور کوئی وسوسہ

وشک دل میں نہ لاؤ۔ چنانچہ پیرو مرشد کے حکم پر سلطان محمود گجراتی نے وہ پانی پی لیا جس کے پیتے ہی سلطان کے دل سے وسوسہ اور شک کی بیماری دُور ہو گئی۔

شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ علیؒ کے مختصر حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام اتحاف التقی فی فضل شیخ علی متقی رکھا ہے اتحاف التقی فی فضل شیخ علیؒ میں لکھا ہے کہ آقائی پیرو مرشد شیخ علیؒ نے ۹۷۵ھ میں وفات پائی[1] اس سے ایک سال پہلے یعنی ۹۷۴ھ میں مکہ معظمہ میں آپ کے انتقال کی خبر پھیلی تو مکہ معظمہ کے تمام بڑے بڑے عالم فاضل، متقی وشیوخ فوج در فوج آپ کی تعزیت کے لئے آئے لیکن آپ کے مکان پر آپ کو خوش وخرم اور تندرست دیکھ کر حیران و پریشان رہ گئے۔ شیخ نے مسکراتے ہوئے ان تمام آنے والوں کو مکرر توبہ کرنے کے لئے حکم دیا اور کہا ہماری شکل وصورت والے ایک آدمی کو موت آئی اور ہمارے حالات سے باخبر ہو کر اس نے دربار الٰہی میں عرض کیا مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیجئے چنانچہ اللہ نے اس کو دنیا میں لوٹا دیا اب امید ہے کہ وہ کبھی موت کے خوف سے غفلت نہیں کرے گا جس طرح یہ فقیر اپنی موت سے غافل نہیں ہے۔ پیرو مرشد اپنے مرض موت کی حالت میں کہا کرتے تھے کہ میں قطب وقت ہوں اور سکرات موت کی شدتیں مقام قطبیت کے لئے بھی لازمی ہیں جن کے ذریعہ بلند درجات ملتے ہیں اس لئے اگر تم مجھ پر سکرات موت کی سختی دیکھو تو اعتقادات میں کمی نہ کرنا۔ اس کے بعد پیرو مرشد نے مجھ فقیر سے فرمایا کہ مجھے دفن کرنے کے ایک عرصہ بعد میری تمہاری دنیاوی زندگی کی باہمی نسبت کے لحاظ سے میری روح ایک مقام پر پہونچ جائیگی اور میری صورت مفقود ہو جائے گی لیکن مایوس نہ ہونا اور میری صورت کا تصور پیش نظر رکھنا۔ اور میری قبر کے پاس دعا و اذکار اور تلاوت قرآن کریم جاری رکھنا تاکہ ایک خاص نسبت وہاں سے پیدا کر سکو اس کے بعد تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور خوش وخرم رہنا۔

شیخ کی رحلت سے دو ماہ قبل جناتوں کے دو گروہ آپ کے پاس آمدورفت کرنے لگے ایک گروہ بطریق اعتقاد و محبت، ارادت والفت آپ کی خدمت میں حاضری دیتا اور دینی فوائد حاصل کرتا نیز تجدید توبہ، اخوت، اور رُشد و تربیت سیکھتا۔ اور آپ کی پابوسی کرتا

---

[1] شیخ علیؒ بمقام برہان پور دکن ۸۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور (۹۰) سال کی عمر پاکر ۹۷۵ھ میں بمقام مکہ معظمہ فوت ہوئے از سیر اولیاء حکیم مسیح الدین خان۔

تھا۔ دوسرا گروہ ان جناتوں کا تھا جو آپ سے بغض و عداوت رکھتے اور آپ کا انکار کرتے تھے اور آپ سے دشمنی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کبھی عیسائیوں فاسقوں اور بدکار لوگوں کی صورتوں میں آتے اور گفتگو نہیں کرتے بلکہ پیر و مرشد ان کے نام خط لکھ کر ان کو دیدیا کرتے تھے۔ پیر و مرشد کے ان خطوط میں سے دو خطوط مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے پاس موجود ہیں۔

پہلا خط بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ درود و سلام ہو رسول اکرم ؐ پر منجانب کمترین بندہ الٰہی علی ابن حسام الدین متقی بنام بزرگ جن۔ سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت و رشد کی پیروی کی۔ تم عرصہ سے ہمارے پاس آرہے ہو لیکن کچھ گفتگو نہیں کرتے تاکہ معلوم ہو تاکہ تمہارا مطلب کیا ہے۔ میرے دوستوں میں سے ایک شخص عبدالوہاب ہے اگر چاہو تو اس کے پاس جاکر اپنا مطلب بیان کرو تاکہ ہم تمہاری امداد کر سکیں۔ اے اللہ ہم پر حق واضح کرا اور حق کی پیروی کی قوت دے۔ اور باطل کو باطل کی صورت میں دکھا اور ہر قسم کی باطل پرستی سے محفوظ رکھ۔ یہ خط تمہارے اور تمہاری پوری جماعت کے نام ہے۔ والسلام

دوسرا خط تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے انسانوں اور جناتوں کو صرف اپنی عبادت یعنی اپنے عرفان کے لئے پیدا کیا ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے اس امر کا بھی یقین کر لیجئے کہ اللہ نے آپ سب کی تخلیق اپنی معرفت کے لئے کی ہے تمام عالموں عقلمندوں اور عارفوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ معرفت الٰہی صرف علم و عقل اور دانائی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ جو کوئی اللہ کے بندوں سے سلسلۂ گفتگو بند کر لیتا ہے یا عقل کے ذریعہ نیکی و بدی۔ شرارت و نفع کا علم نہیں رکھتا تو اس کو اللہ کے عرفان کی دولت نہیں ملتی۔ اس لئے لوگوں سے میل جول میں اپنی گفتگو کے ذریعہ بھی اللہ کی معرفت کے طریقے حاصل کرو اور ہادی و رہنما شخصیتوں کی فہرست میں اپنے نام درج کراؤ۔ مجھ پر اللہ کا جو حق تھا وہ میں نے تم تک پہونچا دیا۔ اور میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گیا۔ میری اس نصیحت پر جس کا جی چاہے عمل کرے۔ واضح رہے کہ شیخ علی ؒ پر وفات سے پہلے ایک جذبہ طاری ہو گیا تھا۔ ان کے تمام حرکات و سکنات میں ایک انقلاب رونما تھا۔ انھوں نے اپنے انتقال سے تقریباً تین چار ماہ پہلے ماہ صفر ۹۷۵ھ کی ایک رات مجھ فقیر سے فرمایا فلانے شاعر کا شعر پڑھو۔ میں نے اپنی فراست کے ذریعہ یہ شعر پڑھا۔

ہرگز نیاید در نظر نقشے ز رویت خوبتر　　شمسے ندانم یا قمر حورے ندانم یا پری

یہ شعر سنتے ہی اُن کی کچھ عجیب حالت ہوگئی انھوں نے بلند آواز میں فرمایا پڑھے جاؤ پڑھے جاؤ چنانچہ خادم نے یہ شعر کئی مرتبہ دھرایا۔ اس اثنار میں انھوں نے بہت سی محبت آمیز باتیں کہیں اور شور انگیز نالے کرتے رہے۔ بھی یہی حالت تھی کہ ملازم آیا اور اس نے کہا کھانا حاضر ہے آپ کا دستور تھا کہ آپ کے کھانے کو اتنا باریک کوٹا پیسا جاتا کہ اس کے سب ذرے ایک ذات ہوجاتے۔ اور یہ پہچاننا مشکل ہوجاتا کہ اس غذا میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں چنانچہ آپ نے ملازم سے کہا اس کو پیس کر اتنا باریک کردو کہ اس کی تمام چیزیں ایک ذات ہوجائیں اور اس کا ذرہ ذرہ باہم اس طرح مل جائے کہ شناخت نہ ہوسکے اور دُوئی نہ رہے جیسا کہ اس دوہرے میں ہے۔

دوھرا

سُن سہیلی پرم کی ماتنا   یوں مل رہے جوں دودھ نباتا

غرضکہ پیرو مرشد شیخ علی کی تمام رات یہی حالت رہی اس رات بھی ہم سب لوگ گذشتہ راتوں کی طرح آپ کے ساتھ جاگتے رہے اور آپ رات بھر محبت انگیز کلمات فرماتے رہے۔ نیز مجھ فقیر حقیر (شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح) سے شیخ علی رح کے یہی مرید شیخ عبدالوہاب رح کہتے تھے کہ اسی زمانۂ قبل از مرگ میں پیرو مرشد شیخ علی جہری ذکر بکثرت پوری قوت اور شوق و ذوق سے کرتے تھے۔ اور شیخ کی حالت جسمانی یہ تھی کہ نشست و برخاست اور ہلنے جلنے کی سکت تک نہ رکھتے تھے۔ ذکر کے وقت شیخ کی حالت یہ ہوجاتی گویا کسی چیز کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کبھی اس کو جھگاتے بھی تھے اسی حالت میں فرمایا معلا میں قبر بنوا لینا چاہیئے تاکہ کوچ سے پہلے منزل مقرر ہوجائے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ ہی جانتا ہے کہ ہم کب تک زندہ رہیں گے اور کب وفات پائیں گے اور یہ مقبرہ عام مسلمانوں کا ہے انتقال سے پہلے لوگوں کی جگہ قبضہ کرکے ان کو تنگ کرنا مناسب نہیں ہے وفات کے بعد لوگ جہاں چاہیں دفن کردیں۔ نیز شیخ اسی حالت میں مقام قطبیت کے خاص لباس وضع قطع کو ظاہر کرتے تھے آپ نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا تھا کہ جب تک میری انگشت شہادت متحرک رہے اس وقت تک یقین رکھنا کہ میں زندہ ہوں اور جس وقت میری انگشت شہادت حرکت نہ کرے بلکہ بے حس وحرکت ہوجائے تو سمجھ لینا کہ میری موت واقع ہوچکی ہے چنانچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپ کے انتقال کے بعد جبکہ آپ کے جسم میں کسی قسم کی گرمی تک باقی نہ رہی تھی آپ کی

انگشت شہادت برابر حرکت کر رہی تھی۔

پیرو مرشد شیخ علی نے صبح سویرے ۲ جمادی الثانی ۹۷۵ھ میں اس طرح وصال کیا کہ آپ کا سر مبارک مجھ فقیر (عبدالوہاب) کے زانو پر تھا اور آپ کے لبوں پر ذکر الٰہی جاری تھا۔

آپ کی تاریخ وفات قَضیٰ نَحْبَہٗ ہے۔ بعض لوگوں نے شیخ مکہ اور متابعت نبی بھی نکالی ہے۔ آپ ۸۸۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ پیرو مرشد شیخ علی رح کی ایک کرامت یہ ہے کہ آپ کی وفات کے بارہ چودہ سال بعد آپ کے بھتیجے کے ایک بیٹے سیدی احمد کا انتقال ہوا۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے رسم و رواج کے مطابق لوگوں نے کہا کہ سیدی احمد کو کسی ولی اور مشہور صالح کی قبر میں پہلے اس طرح رکھا جائے جس طرح امام عبداللہ یافعی کو حضرت فضیل بن عیاض رض کی قبر میں رکھا گیا تھا۔ چنانچہ ان کی میت کو شیخ علی رح کی قبر میں رکھنے کی تجویز منظور کی گئی۔ جب شیخ علی رح کی قبر کھودی گئی تو دیکھا گیا کہ آپ کا جسم آپ کے کفن میں جوں کا توں اپنی اصلی خشک حالت میں موجود ہے۔ درآں حالیکہ مکہ معظمہ کی زمین کی یہ حالت ہے کہ تین چار مہینہ کی مدت میں میت بالکل مٹی ہو جاتی ہے اور اس کے جسم کا کوئی اثر نظر نہیں آتا ہے۔

میں مصنف کتاب اپنے قیام مکہ کے زمانہ میں ہمیشہ شیخ عبدالوہاب سے ملتا رہتا تھا۔ اور ان کی ہمراہی میں شیخ علی رح کے مزار پر جایا کرتا تھا ایک دن میں تن تنہا شیخ علی کے مزار پر گیا اور اپنی حالت کہہ کر ان سے بشارت کا خواستگار ہوا۔ چنانچہ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ شیخ علی رح مقام حنفی میں ایک تخت پر بیٹھے ہیں اور میں اُن کے سامنے کھڑا ہوا کہہ رہا ہوں کہ میں آپ کے خلیفہ شیخ عبدالوہاب سے ملتا جلتا ہوں آپ براہ کرم اُن سے سفارش کر دیجئے کہ وہ میری جانب زیادہ متوجہ ہو کر مجھ پر زیادہ سے زیادہ مہربانیاں کریں۔ (اور یہی جملے میں نے آپ کے مزار پر کہے تھے) چنانچہ شیخ علی رح نے فرمایا انشاء اللہ آپ کا مطلب پورا ہو جائے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ والسلام۔

ممالک مغربیہ کے مشہور شیخ شیخ احمد برزق کی کتاب اصول طریقت کی شیخ علی نے تشریح کی ہے اور اُن کے پورے متن کو اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ چنانچہ اس عبارت کا ترجمہ درج ذیل ہے:

شیخ احمد برزق رح نے ایک سوال کے جواب میں کہا ہمارے اصول طریقت پانچ ہیں۔ پوشیدہ و علانیہ۔ اللہ کا خوف و تقوی۔ تمام اقوال و افعال میں سنت نبوی ؐ کی پیروی۔

ذلت و اقبال مندی دونوں حالتوں میں مخلوق الٰہی سے علیحدہ رہنا۔ کثرت و قلت اور افلاس و دولتمندی کے زمانہ میں راضی برضاء الٰہی رہنا۔ علانیہ اور خفیہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں رجوع رہنا۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ رجوع و استقامت کی بدولت تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ خوش اخلاقی اور تحفظ کی وجہ سے سنت نبوی کی پیروی نصیب ہوتی ہے

توکل و صبر و برداشت کے باعث لوگوں سے علیحدگی حاصل ہوتی ہے۔ قناعت اور اپنا سب کچھ اللہ کے سپرد کر دینے کے بعد راضی برضاء الٰہی کی دولت ہاتھ آتی ہے۔ تکلیف میں اللہ کے حضور التجائیں اور خوشیوں میں اللہ کے شکر و حمد کی وجہ سے رجوع الی اللہ ہوتا حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ سب پانچ اصول ہیں یعنی بلند ہمتی۔ حرمات الٰہی کی حفاظت حسن خدمت پکا ارادہ اور نعمتوں کی عظمت کیونکہ بلند ہمتی کی وجہ مرتبے بلند ہوتے۔ اور جو احکام الٰہی کی حرمت کرتا ہے تو اللہ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ اور جو کوئی حسن خدمت سے کام لیتا ہے تو اس کی کرامتیں زیادہ ہوتی ہیں اور جو پکا ارادہ رکھتا ہے تو اس کی ہدایت و رہنمائی عام ہو جاتی ہے۔ اور جو اللہ کی نعمتوں کی عظمت کرتا ہے تو لوگ اس کو آنکھوں پر بٹھاتے اور اس کے احسانات کے گن گاتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مزید نعمتوں سے اسے اور زیادہ نوازتا ہے۔ معاملات کے بھی پانچ اصول ہیں۔ احکام الٰہی کی اجرائی کے لئے علم پڑھنا۔ بصیرت حاصل کرنے کے لئے مشائخین کی صحبت میں رہنا۔ حفاظت کے لئے تاویلیں چھوڑ دینا۔ حضوری کی خاطر بپابندی اوقات وظائف پڑھنا۔ اپنے نفس کو ہر حالہ میں ذلیل و کمتر کرنا تاکہ خواہشات نفسانی سے آزاد ہو کر سلامتی حاصل ہو جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وان تعدل کل عدل لا یوخذ منہا۔ اور ارشاد ہے۔
وما اُبرّئُ نفسی انّ النفس لامارۃٌ بالسُّوء الا ما رحم ربی۔

بیماریوں کا جن چیزوں سے علاج کیا جاتا ہے اس کے بھی پانچ اصول ہیں۔
کم کھانا۔ مشکل کے وقت اللہ سے التجا کرنا۔ فتنہ و فساد کے مواقع اور شرارتوں کے مقام سے دور ہٹ جانا۔ خلوت و جلوت میں ہمیشہ استغفار اور درود و سلام پڑھتے رہنا۔ اُس شخص کو ساتھی بنانا جو احکام الٰہی پر خود گامزن ہو اور دوسروں کو بھی آگاہ کرتا ہو۔

شیخ ابو الحسن شاذلی کا بیان ہے میرے حبیب کی وصیت ہے کہ جہاں ثواب کی امید ہے وہاں جاؤ۔ جہاں گناہ نہ ہو سکنے کا یقین ہو وہاں بیٹھو۔ اس کے ساتھ رہو جو اطاعت

الہٰی کی تلقین کرتا رہتا ہو۔ اپنے نفس کی اس وقت تعریف کرو جبکہ یقین زیادہ ہو۔ حسب ضرورت تھوڑا سا کہو۔

اس کے ماسوا شیخ ابوالحسن شاذلیؒ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

جو کوئی تمہیں دنیاداری کی جانب متوجہ کرے تو وہ فریبی ہے۔ جو تمہیں اچھے کام کرنے کو کہے وہ متقی ہے۔ اور جس نے تم کو اللہ کی راہ بتائی تو گویا اس نے تم کو یقیناً نصیحت کی تقویٰ کو اپنا وطن بناؤ کہ پھر نفس کا ہرج مرج، عیوب، گناہ، اور عام چیزوں کا خوف تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اور میں کہتا ہوں کہ عام چیزوں کا خوف، گناہوں پر اصرار اور عیوب پر خوش ہونا یہ تینوں چیزیں بلاؤں مصیبتوں اور مشکلات آنے کی جڑیں ہیں۔ نیز اس زمانہ کے فقیران پانچ چیزوں میں گرفتار ہیں۔ علم پر اپنی جہالت کو مقدم رکھتے ہیں۔ اپنی بکواس پر غیر معدود مانہ کرتے ہیں۔ احکام اسلامی کی تعمیل نہ کرنے پر دلیر ہیں۔ اپنی روش پر مغرور ہیں۔ اور بغیر شرائط مقررہ کے آمدنی و فتوح کی جلدی کرتے ہیں اسی لئے وہ ان پانچ باتوں میں گرفتار ہیں۔ بدعت۔ باطل پرستی ذاتی خواہش پر عمل۔ کمزور و ناکارہ چیزوں کی طلب اور جھوٹے دعوے اسی سبب سے ان کو عبادت میں وسوسہ آتا ہے۔ عادت و فطرت الہٰی سے دور ہو جاتے ہیں۔ ہر وقت گانے سنتے ہیں۔ اپنی قوت پھر احکام الہٰی کو ترک کرتے ہیں۔ اور خاص چیز یہ کہ عام لوگوں اور خاص طور پر لڑکوں اور لڑکیوں کی صحبت گرم رکھتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قومی حالات، قومی کام قومی لگاؤ۔ قومی حادثات اور قومی ترقی و استحکام سے بالکل کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اگر بنظر غور دیکھتے تو معلوم ہو جاتا کہ قومی کاموں سے الگ ہو جانا۔ گانا سننا۔ محلہ کے حالات سے بے خبر رہنا۔ اور اقبال مندی سے کنارہ کشی کرنا ان کی موت اور ان کے ساتھیوں کی موت ہے۔ من گھڑت باتیں کہنا۔ جبر و ظلم، غفلت جہالت کا تصوف اور لڑکوں لڑکیوں کے ساتھ سرگرم صحبت رہنا یہ وہ چیزیں ہیں جو دنیا میں باعث شرم اور آخرت میں عذاب دلائیں گے۔

سیدی ابو مدین رضؓ کا بیان ہے جو تمہارے طریقہ کے مخالف ہو اس کے ساتھ مت رہو اگرچہ وہ سات سالہ بچہ ہی ہو۔ کیونکہ ایسا بچہ کسی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ اس کو جو کچھ سکھایا جاتا ہے وہ یا تو اس کو یاد نہیں کرتا یا پھر وہ اسے بھول جاتا ہے۔ طوائف والوں، اور گانا بجانے والوں سے ہمیشہ بالکل الگ رہو۔ اور یاد رکھو کہ جو کوئی خود کو اللہ والا کہلائے

اور اس کی حالت یہ ہو کہ احکام الٰہی کی نافرمانی کرتا ہو۔ تصنع کرتا ہو۔ حریص ولالچی ہو۔ بندوں میں پھوٹ ڈالتا ہو۔ اور امور شرعی کو پوری طرح بجا لاتا ہو تو ایسا شخص صاف جھوٹا۔ لپا پتا بہروپیا اور کذاب ہے۔ شیخ کو چاہیئے کہ اپنے مریدمیں یہ پانچ چیزیں پیدا کرے۔ علم صحیح۔ ذوق صریح۔ بلند ہمتی۔ ہر حالت میں خوش رہنا۔ اور بصیرت نافذہ۔ اس کے برعکس جس شخص میں حسب ذیل پانچ چیزیں ہوں گی تو اس کی اصلاح کوئی پیر و شیخ نہیں کر سکتا۔ جہالت مسلمانوں کی ذلت۔ دخل در معقولات۔ خواہشات کی پیروی۔ بداخلاقی۔ مرید کو اپنے بھائیوں اور شیخ کے ساتھ حسب ذیل پانچ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تعمیل احکام بموجب اسلام۔ ممنوعات اسلامیہ سے پرہیز۔ زندگی و موت اور غائب و حاضر ہونے کی حالت میں بھی عزت کرنا۔ ادائیگی حقوق۔ نصیحتوں پر انصاف کے ساتھ عمل کرنا۔ اور اگر پیر و شیخ میں پوری قابلیت نہ پائی جائے تب بھی اس کے ان احکام کی تعمیل کی جائے جو شریعت کے موافق ہوں۔ مگر اپنے تمام بھائیوں کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی ہی سے پیش آتا رہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اصول مکمل طور پر لکھے گئے ہیں انہیں دن میں ایک دو مرتبہ ضرور پڑھ لیا کرو اور ایسا ہی عمل کیا کرو تاکہ یہ تمہارے دل میں جاگزیں ہو جائیں۔ اللہ کی یاد کرتے رہو۔ اللہ ہم کو اور تم کو اپنی خوشنودی کے مواقع فراہم کرے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیز سیدی ابو مدین رض کا بیان ہے کہ طریقت کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے۔ غیر غلط باتوں کو چھوڑ کر اللہ کی حفاظت میں آکر متقی بن جاؤ۔ سنت نبوی ﷺ کی اس طرح تعمیل کرو کہ صحیح احادیث ہی پر کار فرما ہو۔ مخلوق سے اس طرح الگ رہو کہ کوئی تم پر تہمت نہ لگا سکے نیز کوئی تم کو محسن کا لقب بھی نہ دے مگر ان معاملات کی حد تک جن کے کرنے کا اللہ اور رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا ہے وہ ضرور کرو۔ ہر حالت میں صبر و شکر کرتے ہوئے اسلامی کام کرتے رہو۔ اللہ کی جانب رجوع رہو۔ جس طرح رسالتمآب ﷺ کا حکم ہے کہ تم اپنی موجودہ حالت و کیفیت ساتھ اس طرح متقی بن کر برائیوں سے دور رہ کر اچھائیاں کرو۔ مخلوق الٰہی سے خوش اخلاق رہو اور اقبلو کو کام میں لاتے رہو۔ حاکم کے اسلامی حکم کی تعمیل کرو۔ نماز پڑھو۔ قربانی کرو۔ روزے رکھو اور افطار کرو۔ سفر میں نماز قصر پڑھو تو اللہ تعالیٰ تم پر کشادگی کرے گا اور دین دنیا میں تم کو فلاح و بہبود ہوگی۔ روحانی اور زندہ لوگوں سے ملاقات کیا کرو لیکن اس کو واجب نہ بنالو۔ عالم و متقی کی پیروی کرو۔ اصل بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرو اور اپنی حاجت برآری کے لئے

اسی کے دربار میں گڑگڑاؤ۔ اور ہر ضرورت کی تکمیل کی بھی کنجی ہے۔ جس سے تمام ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور مخلوق کے فتنہ و فساد سے حفاظت رہتی ہے۔ بنیاد طریقت کے اصول سے وضاحت بحمد اللہ ختم ہوئے۔ درود و سلام ہو۔ رسول اکرمؐ پر اور آپ کے آل واصحاب پر۔

سیدی شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلیؒ

آپ مندو میں پیدا

پیدائش ۹۰۲ھ ——— وفات ——— ۱۰۰۱ھ ہوئے آپ کے والد شیخ ولی اللہ مندو کے رئیسوں میں سے تھے حادثات وانقلاب زمانہ کی بدولت مندو سے روانہ ہو کر برہان پور آئے اور اسی کو وطن بنالیا۔ برہان پور آکر ماضی کی طرح عزت دار و سربلند ہوئے اور پھر تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کیا۔ اسی زمانہ میں آپ کی والدہ نے بھی وفات پائی۔ آپ کی کم سنی ہی میں جبکہ آپ یتیم و یسیر ہو چکے تھے اللہ تعالیٰ کی توفیق نے آپ کی رفاقت کی اور اسی زمانہ سے آپ نے طلب حق کے لئے فقر و تجرید، سفر و سیاحت عالم اختیار کیا۔ آپ نے زیادہ تر نواح گجرات، اطراف واکناف علاقہ دکن، سیلون، لنکا اور سراندیپ میں سیاحت کی۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں نہ ٹھہرا کرتے۔ البتہ تحصیل علم کی خاطر اور مشائخین وصالحین سے استفادہ کے لئے بقدر ضرورت قیام کیا کرتے تھے۔

بیس سال کی عمر کے لگ بھگ جبکہ آپ کی داڑھی نہ نکلی تھی مکہ معظمہ پہونچے۔ شیخ علی متقیؒ کی چونکہ آپ کے والد سے شناسائی و ملاقات تھی اس لئے وہ آپ کی مکہ معظمہ میں آمد کی خبر سن کر آپ سے آپ کی قیام گاہ پر ملنے آئے۔ اور بڑی مہربانیاں کرتے ہوئے اپنے ساتھ قیام کرنے کی استدعا کی۔ پھر جب انھوں نے آپ کی خوش خط تحریر دیکھی تو کہا آپ ضرور بالضرور میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور ہماری چیزوں کی کتابت کردیں۔ اس پر آپ نے اپنے استغنائے ذاتی اور بے نیازی کو کام میں لاتے ہوئے جبکہ مسافر اور تنہا تھے شیخ علی متقی کی دعوت قیام منظور نہ کی اور کہا دیکھتے ہیں انشاء اللہ نصیب میں کیا ہے؟ لیکن آخر کار شیخ کا فضل وکمال اور استقامت حال دیکھ کر ان کے پاس قیام کرلیا۔ نیز آپ کو اپنے والد کی یہ نصیحت بھی یاد تھی کہ اگر تمہیں راہ حق کے سلوک کی توفیق ہو تو شیخ علی متقی اور ان جیسے بزرگوں کی صحبت ضرور اختیار کرنا۔ فلاں فلاں لوگوں کے ساتھ رہنے کی کوشش کرنا ان بزرگوں کے ساتھ ایک ایسے کا نام بھی لیا تھا جو دعوت اسمائے الٰہی اور بادشاہوں کے مسخر کرنے میں مشہور تھا۔ کہ

اس شخص سے ہمیشہ پرہیز کرنا۔ آپ نستعلیق بہت اچھا لکھتے تھے۔ لیکن شیخ علی نے اس خیال سے کہ خط نسخ میں قرآن کریم لکھا جاتا ہے اور یہی صالحین کی عادت رہی ہے آپ کو خط نسخ کی مشق کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ چونکہ آپ کو تحریر میں مہارت حاصل تھی اور آپ کے ہاتھ میں قوت تھی اس لئے بہت جلد خط نسخ بھی خوب لکھنے لگے۔ پھر شیخ کی تالیف کی کتابت اور تصحیح اور مقابلہ میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے شیخ کی اتنی کتابیں تحریر کی ہیں جن کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ آپ کی زود نویسی کی یہ حالت تھی کہ شیخ نے بارہ ہزار اشعار کا ایک موازنہ لکھا تھا جس کی کتابت و تصحیح وغیرہ میں جلدی کر رہے تھے چنانچہ آپ نے اُس موازنہ کی بارہ راتوں میں کتابت کر دی اور دن کو اپنے معمول کے موافق شیخ کی دوسری کتابوں کی کتابت، تصحیح، ترتیب اور اصلاح میں مشغول رہے شیخ کی اکثر کتابوں کی ترتیب، اصلاح، تالیف آپ ہی کے ہاتھوں مکمل ہوئی ہے۔ جن دنوں مکہ معظمہ میں قحط سالی ہوئی اور شیخ علی بھی دوسروں کی طرح فاقے کرنے لگے تو آپ ایک دوسرے آدمی کے پاس جاکر کتابت کرتے اور اس کی اُجرت پر آپ کی اور شیخ کی گذر بسر ہوتی تھی چونکہ ان دنوں ماہرو (بڑے بیگن) سستے تھے انہیں خرید کر ان میں تھوڑا سا نمک ڈال کر اچار کے طور پر رکھ دیتے اور یہی روزانہ تناول کرتے تھے۔ آپ اپنے پیر و مرشد کی پیروی، خدمت اور رضا مندی میں اتنی کوشش کرتے تھے گویا فنافی الشیخ ہو گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ کی ظاہری و باطنی مہربانیوں کے لئے مخصوص ہو گئے۔ اور انوار و اسرار و کمالات سے بہرہ ور ہوئے۔ اپنے پیر کے کمالات کا صرف مجموعہ ہی نہیں بلکہ پیر کی ذات بن گئے۔ شیخ علی فرمایا کرتے تھے میں نے راہ خدا میں ایک بھائی پایا جو عبدالوہاب ہے۔ شیخ عبدالوہاب کا بیان ہے کہ پیر و مرشد نے مُرید کرتے وقت مجھ سے اقرار لیا کہ مالداری پر فقر کو مقدم رکھنا اور اس اعتقاد پر جمے رہنا۔ چنانچہ اب تک میرا بھی عقیدہ ہے غرضکہ شیخ کے ہاتھ پر میں نے ماہ جمادی الاول ۹۶۳ھ میں بیعت کی اور ان کی خدمت میں ان کی وفات ۲۔ جمادی الاول ۹۷۵ھ تک رہا میں ان کے ساتھ تقریباً بارہ برس رہا۔ اس وقت پیر و مرشد کی عمر تقریباً (۹۲) سال ہو گی۔ آپ نے اپنے قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں (۴۴) حج کئے۔ اور چوالیسویں حج کے بعد آپ دوسرے سال حق کے لئے مکہ معظمہ سے گجرات آئے کشتی کے ذریعہ آپ کی آمد میں ۱۵۔ ۱۶۔ دن اور مکہ کی واپسی کے لئے چالیس دن صرف ہوئے۔ اس سال بھی آپ نے مکہ واپس ہو کر حج ادا کیا۔ آپ کی آمد و رفت کا یہ قلیل عرصہ جو کشتی کے ذریعہ طے ہوا آپ کی کرامت تھی۔

شیخ عبدالوہاب اس زمانہ میں علم و عمل، حال و پیروی، استقامت و تربیت مُریدوں کے سلوک اور طالب علموں کی افادیت، امداد، اور غریبوں و فقیروں پر مہربانی و شفقت، مخلوق الہٰی کو نصیحت و برکت عطائے نورانیت اور تمام اچھے کاموں کی تلقین کرنے میں اپنے پیرو مرشد کے حقیقی وارث، اولیں خلیفہ اور صاحب اسرار ہیں۔

اہالیان حرمین، مشائخین یمن و مصر و شام سب سے آپ کی ملاقات رہی اور یہ سب آپ کی ولایت اور بلند مقامی، کے معتقد تھے اور ان کا متفقہ بیان ہے کہ شیخ عبدالوہاب دراصل قطب وقت امام ابوالحسن شاذلی کے شاگرد شیخ ابوالعباس مرسی کے قدم بہ قدم گامزن ہیں۔

بعض مشائخین یمن نے اہالیان حرمین کے نام شیخ عبدالوہاب کی تعریف میں لکھا ہے۔

اے اہالیان حرمین! تم میں ایک شمع منجانب اللہ روشن ہے اُس سے روشنی حاصل کرو۔

اہل یمن کے متفق علیہ صاحب حال، عارف و محقق، شیدائی توحید شیخ سید حاتم ایک مرتبہ شیخ عبدالوہاب سے ملنے کے شوق میں مکہ معظمہ آئے۔ لیکن شیخ عبدالوہاب نے اپنے مکان پر ملنے کی ان کو اجازت نہ دے کر کہلا بھیجا دلوں کی ملاقات ہی زیادہ وقعت رکھتی ہے جسمانی طور پر ملنے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔ چنانچہ سید حاتم یہ جواب پاکر شاد و سرور یمن واپس ہو گئے۔

جس سال میں مکہ معظمہ سے دہلی واپس ہونے والا تھا کہ یمنیوں نے کہا یہی وہ موسم ہے جس میں سید حاتم نے شیخ عبدالوہابؒ سے دوبدو ملنا چاہا تھا اسی زمانہ میں ایک دن بیٹھا ہوا حزب البحر کی نقل کر رہا تھا کہ مکہ کے زبردست عالم، صالح و مشہور بزرگ شیخ علاؤالدینؒ میری قیام گاہ پر آئے اور پوچھنے لگے یہ کیا لکھ رہے ہو؟ میں نے جواب دیا حزب البحر لکھ رہا ہوں تاکہ سمندری سفر میں اسے پڑھ سکوں۔ پھر انھوں نے دریافت کیا آیا کسی سے اجازت لی ہے؟ میں نے کہا ہاں شیخ عبدالوہاب متقیؒ سے اس کے پڑھنے کی اجازت لے چکا ہوں۔ اس پر انھوں نے پوچھا کیا تم شیخ کو جانتے تھے؟ میں نے کہا جی ہاں میں تقریباً دو سال تک اُن کے ساتھ رہا ہوں تو انھوں نے کہا مبارک ہو تمہارے حج مقبول ہوئے اور تمہارے اعمال منظور ہوئے میں نے پوچھا جناب یہ کس طرح؟ جواب دیا کہ میرے یمن کے سفر میں وہاں کے مشائخین و فقراء نے مشترکہ طور پر کہا کہ شیخ عبدالوہاب مکہ معظمہ میں اپنے وقت کے قطب تھے۔

شیخ عبدالوہاب کتب حقائق و توحید مثلاً فصوص الحکم وغیرہ کے بارے میں خاموش

رہتے نہ تو اس قسم کی کتابیں پڑھتے پڑھاتے اور نہ ان کی ممانعت کرتے۔ اور دوسرے فقہاء کی طرح کسی پر لعن طعن نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کہا کرتے کہ ظاہری و باطنی طور پر اہل سنت والجماعت کی طرح پہلے اپنا عقیدہ پختہ کر لو پھر ہر قسم کی کتابیں مطالعہ کرو۔ حقائق و اسرار کی کتابوں میں کے مشکل مقامات پر نہ ٹھہرو اور اپنے دل میں کوئی وسوسہ اور خلجان پیدا نہ کرو۔ اس قسم کی کتابوں کے ذریعہ پہلے پہل ہی اپنے اعتقاد درست کرنا مناسب نہیں ہے۔ ہر شخص کی ہر قسم کی گفتگو سن کر ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرو۔ اس میں سے جو بات حق کے موافق ہو اسے اپنی گرہ میں باندھ لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ اور اگر تم میں اتنی قوت نہیں ہے تو سرے سے لوگوں کی اس قسم کی گفتگو سنو ہی نہیں۔ غرضکہ اپنے عقیدہ میں کسی قسم کا خلل نہ ڈالو۔

ایک دن شیخ عبدالوہاب نے ایک کتاب انسان کامل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا شیخ عبدالکریم جیلی نے جو عدن میں تھے اس کتاب کو شیخ ابن عربی کی کتابوں کی مانند علم حقائق و توحید میں تصنیف کیا ہے جو بعد میں یمن میں مقیم ہو گئے تھے بڑے بزرگ عالم اور صاحب حال تھے نیز انھوں نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی ہے جس کی حالت یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تشریح کی (۱۹) جلدیں ہیں۔ بسم اللہ کے ہر حرف پر ایک ضخیم جلد تالیف کی ہے۔ جس میں سے دو تین جلدیں میں نے بھی دیکھی ہیں۔ اس میں بڑے بڑے علوم کو عالمانہ طور پر لکھا ہے لیکن درحقیقت زہر کو شکر میں لپیٹ کر پیش کیا ہے۔ اگر اس کتاب کے مطالعہ سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ اس سے یقیناً مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

نیز فرمایا کرتے تھے کہ راہ سلوک کے لئے یہ کوئی مقدم شرط نہیں ہے کہ ابتدا ہی میں توحید وجودی کے اعتقاد کو مکمل کیا جائے جیسا کہ فصوص الحکم وغیرہ میں درج ہے بلکہ راہ سلوک کے لئے شرط یہ ہے کہ ہمیشہ عمل اور ریاضت کیا جائے اور اہل سنت والجماعت کا پکا عقیدہ رکھا جائے تاکہ رفتہ رفتہ ذوق وحال پیدا ہو کر باطن میں ادراک ہو جائے۔ اور جو شخص کلمہ طیبہ پڑھنے کے بعد اسلام لانے اور مسلمان ہونے کا اقرار کرے اور نماز روزہ ادا کرتا ہو اگر اس سے ذوق وحال اور ادراک کی چیزیں صادر ہوں تو اس کو معذور رکھ کر اس پر لعن طعن نہ کرو اور اُسے ملحد نہ کہو۔ اس کے برخلاف جو مسلمان نہ ہو اور ارکان اسلام ادا نہ کرتا ہو وہ اگر توحید وحیدی اور اپنے ادراک و ذوق وحال کو بیان کرے تو وہ پکا ملحد اور بے دین ہے ایسے شخص کی باتوں کا فوراً انکار کردو۔ قوالی کی بابت آپ کی یہ حالت تھی کہ کسی مُرید کو قوالی سننے

کی اجازت نہ دیتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے کہا۔ ہمارے ملک میں قوالی سننا ایک عام چیز بن گئی ہے کہ اگر کوئی شخص قوالی سننے سے انکار یا پرہیز کرے تو تمام لوگ اس کے مخالف اور اسے برا جانتے ہیں اور مشائخین کے حوالہ سے اس کو تہمتیں لگاتے ہیں۔ ایسے موقع پر بتائیے کیا کرنا چاہیئے؟ جواب دیا اگر کبھی موافق دوستوں، صاحبان معنی اور ہم مشرب لوگوں کے ساتھ کوئی غزل قوالی میں مقررہ شرائط کے ساتھ سنی جائے تو ہرج نہیں ہے۔ اس پر میں نے پھر کہا کہ ہندوستان کا قاعدہ یہ ہے کہ مجلس قوالی میں ہر قسم کے لوگ اہل و نااہل صالح و منافق اکٹھے ہوتے ہیں اور چناں چنیں کرتے ہیں جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اس مجلس قوالی کی بابت کیا ارشاد ہے؟ جواب دیا ایسی مجلس قوالی بالکل جائز نہیں۔ اس سے پرہیز کرنا طالب حق کے لئے واجب ہے۔ اور جب کبھی ایسا مسئلہ درپیش ہو تو اس میں کبھی چشم پوشی نہ کرنا۔ شیخ عبدالوہاب اپنے پیرومرشد کے زمانہ میں اور اُن کے بعد بھی عرصہ تک مجرد رہے البتہ جب تقریباً پچاس سال کی عمر ہو گئی تو شادی کی۔ اور شادی کرنے سے پہلے آپ کے پاس کتابت اور دیگر نذرانوں وغیرہ کی جو رقم تھی وہ سب کی سب آپ نے فقیروں میں تقسیم کر دی۔ البتہ اپنے ذاتی ضروری کپڑے اور ظروف اور کتابیں اپنے پاس رہنے دیں۔ لیکن شادی کے بعد اب اہل وعیال کے حقوق دوسروں پر مقدم رکھتے ہیں نیز فقیروں اور غریبوں کی غمخواری اور مدد کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے ہیں مکہ معظمہ میں جو ہندوستانی فقیر ہیں ان سب کی آپ ہی پشت پناہی کرتے، ان کے لباس کھانے پینے وغیرہ کا قطعی انتظام کرتے ہیں۔ اور جو لوگ مدینہ منورہ میں رسول اکرم کی زیارت کرنے جاتے ہیں ان کے اسباب سفر میں پوری امداد فرماتے ہیں۔ میں ہانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ شیخ عبدالوہاب سے زیادہ اس زمانہ میں کوئی دانشمند، فلسفی اور علوم شرعیہ کا ماہر موجود نہیں ہے لغت قاموس زبانی یاد تھی۔ اسی طرح فقہ، حدیث اور فلسفہ کی اکثر کتابیں از بر تھیں عربی ادب بھی بخوبی جانتے تھے۔ برسوں تک حرم شریف میں عربی ادب فقہ، حدیث اور فلسفہ وغیرہ کی کتابیں پڑھائیں۔ اب بڑھاپے کی وجہ آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے اس لئے خانہ نشین ہیں جو کتابیں نادر و کمیاب اور زیادہ فائدہ رساں ہیں ان کو منگوا کر ان کی تصحیح کرتے ہیں اور اصل مسئلہ تلاش کر کے ایسا لکھ دیتے ہیں جس سے طالب کی کامل تشفی ہو جاتی ہے اگرچہ آپ اس طالب کے سامنے اپنی زبان سے کچھ بیان نہیں کرتے ہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ علم غذا کی طرح ہے جس کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ اس کا نفع عام

ہے علم کی مثال دوا کی طرح ہے جس کے ذریعہ علاج کئے جاتے ہیں۔ طالب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں سے فرصت نکال کر خلوت میں فراغت دل اور حضور قلب کرے خاص کر رمضان کے آخری عشرہ اور بقرعید کے پہلے عشرہ وغیرہ میں خصوصیت کے ساتھ خلوت میں ذکر و شغل و عبادت کرے۔ اور ساتھ ہی ساتھ باقی دنوں میں تحصیل علم میں مشغول اور پڑھنے پڑھانے میں منہمک رہے۔ لوگوں نے کہا مشائخ تو یہ کہتے آئے ہیں کہ ہمیشہ اور ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہے اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا جو شخص اچھے کام میں مشغول ہے وہ در حقیقت ہمیشہ ذکر الٰہی کر رہا ہے۔ نماز ادا کرنا۔ قرآن کریم کی تلاوت، مذہبی علوم پڑھانا۔ اور جتنے اچھے کام ہیں یہ سب ذکر الٰہی ہیں جو ہمیشہ جاری رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو لوگ پڑھنے پڑھانے اور اچھے کاموں کو خیرباد کہہ کے صرف ذکر و شغل الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ یہ لا علاج بیماری ہے۔ ہاں جب بیماری سخت ہو تو اس وقت خلوت میں زیادہ سے زیادہ پورے انہماک سے ذکر الٰہی کیا جائے۔ نیز سلف کا یہی قاعدہ رہا ہے کہ تمام اچھے کام جیسے تہذیب اخلاق، اشاعت علوم خدمت خلق وغیرہ میں ہمیشہ پابندی سے لگے رہتے تھے۔

علم وہ چیز نہیں ہے جسے ترک کر دیا جائے بلکہ یہ وہ دولت ہے جس کی درستی میں سچی نیت سے کام کیا جائے۔

ایک دن ایک فقیر نے آپ سے پوچھا نماز پڑھنا اچھا ہے یا ذکر الٰہی کرنا؟ آپ نے جواب دیا نماز پڑھنا بہت بڑا کام ہے لیکن بکثرت ذکر الٰہی سے اتصال و اتحاد کی وہ دولت ہاتھ آتی ہے جو آخر کار فنائے وحدت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس پر لوگوں نے پوچھا فنائے وحدت کے کیا معنی ہیں؟ ارشاد فرمایا وہ ایک لذت ہے جس کا چکھنے سے تعلق ہے اور تمام طلب گاروں کا حقیقی مقصد صرف اسی لذت کا حاصل کرنا ہے جس نے ایک مرتبہ بھی اپنی عمر میں یہ لذت چکھ لی اس کو پھر تا عمر اس لذت کا ذوق باقی رہتا ہے۔

کچھ لوگوں نے پوچھا کہ درویش جس طرح دعوت حق دیتے ہیں یہ وصول حق کا طریقہ ہے یا نہیں؟ جواب دیا ممکن ہے یہ طریقہ ہو لیکن یہ دعوت دینے والے بڑے ہی کج خلق ہوتے ہیں۔ یہ لوگوں کی ایذا رسانی برداشت نہیں کرتے۔ اور جو آدمی بُرا ہوتا ہے وہ جلد اپنے عمل کا بدلہ پاتا ہے۔ دعوت حق دینے والوں کو خوش اخلاق اور مصیبتیں سہنے والا ہونا چاہیئے اور ہمارے پیرو مرشد جو دعوت حق دیتے تھے وہ خوش اخلاق تھے۔ نیز لوگوں کی ایذا رسانی

برداشت کیا کرتے تھے۔ مجھے ایک جگہ سے دعائے سیفی پڑھنے کی اجازت ملی ہے جس کی سند بہت بڑی ہے۔ چونکہ پیرومرشد کو دعائے سیفی کی اجازت نہ تھی اس لئے جب انھوں نے مجھے علوم شریعت و طریقت کی اجازت دی تو دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ سے اجازت لی اس کے بعد دعائے سیفی پڑھنے کی مجھ کو اجازت دیدی تاکہ میں ان کی جانب سے مجاز مطلق اور پورا خلیفہ ہو جاؤں۔

پیرومرشد فرمایا کرتے تھے کہ درویش جو ذکر اور حلقہ وغیرہ کرتے ہیں اگرچہ اس کی سند سنت نبوی ؐ سے نہیں ملتی تاہم شیوخ کا یہ عمل مستحسن ہے۔ ہر وہ کام جس کی بنیاد ذکر الٰہی پر ہو وہ موثر ہوتا ہے۔ اصلی ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور باقی اذکار و اشغال اسی سے لفظی معنی اور تصوری طور پر مستخرج ہیں۔ الفاظ کو پوری طرح اور صحیح مخرج کے ساتھ ادا کیا جائے لا اِلٰہ میں حرف لا کو اور الا اللہ میں اِلّا کو کھینچ کر پڑھنا چاہیئے۔ اور حرف "ہا" کو بخوبی واضح طور پر ادا کیا جائے۔ غلبہ شوق اور استیلائے ذکر میں پھر الفاظ ذکر جس طرح ادا ہوں درست ہے لیکن پورے الفاظ کی ادائگی کا خیال و انتظام رکھا جائے۔ مشائخین کو ذکر ارّہ وغیرہ کرتے ہوئے ان کے مُریدوں نے دیکھا اور خود اسی طرح ذکر ارّہ کرنے لگے۔ اگرچہ بعض نے اس کی سند بھی حاصل کی ہے۔

ذکر خفی کی بابت ارشاد کیا کہ جو ذکر آہستہ کیا جائے اس طرح کہ برابر والا کوئی شخص نہ سُن سکے ایسا ذکر خفی ہے۔ جو زیادہ سے زیادہ اتنا ہو جیسے غیر جہری نماز۔ اور دل میں ذکر کرنے کا حکم الٰہی ہے۔ اور یہی طریقہ رائج ہے۔ اسرار پوشیدہ کو ذریعہ کلام بیان نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اور ہرگز کسی نامحرم ناواقف اور نااہل کار ہائے حقیقت سے یہ راز نہیں کہے جا سکتے۔ جو اہل ہیں انھی سے بقدر ضرورت بیان کئے جاتے ہیں۔ مجھے جب شیخ عبدالوہاب سے نور استقامت و استماع فضائل ان کی خدمت گذاری کے بعد حاصل ہو چکا تو میں نے عاجزی کہا کہ اپنے حالات و اخبار سے گاہے گاہے اس خادم کو سربلند فرمایا کیجئے چنانچہ وہ کبھی کبھی باتوں ہی باتوں میں راز ہائے سربستہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

ایک دن میں نے شیخ سے پوچھا کہ مشائخین و فقراء اہل یمن و حرمین شریفین کہتے ہیں کہ آپ شیخ ابوالعباس مرسی کے قدم بہ قدم گامزن ہیں۔ اس واقعہ کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر مسکراتے ہوئے جواب دیا میں عبدالوہاب کیا جانوں کہ وہ لوگ یہ کیوں کہتے ہیں اور کس اطلاع کے سبب

کہتے ہیں۔ اس کے بعد شیخ ابوالعباس مرسی کے مناقب وفضائل بیان کرنا شروع کئے اور کہا یہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے مرید تھے۔ شیخ شاذلیؒ کے ایک شاگرد شیخ ابن عطاء اللہ صاحب حکم نے اپنے پیرو مرشد کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام لطائف المنن فی مناقب شیخ ابوالعباس شیخ ابوالعباس مرسی ایک بڑے بزرگ آدمی تھے۔ بادشاہ وقت کو ان سے بدگمانی سی پیدا ہو گئی تھی اس نے ان کے تقوی و پرہیزگاری کے امتحان لینے کی غرض سے ان کو دعوت دی اور دو طرح کے کھانے پکوائے ایک تو وہ تھے جو عام طور پر کھائے جاتے ہیں جیسے بکری اور مرغ وغیرہ اور دوسری کچھ حرام چیزیں جیسے کتا اور بلی وغیرہ کے گوشت وغیرہ اور حکم دیا کہ مرغ وغیرہ حاکموں اور فوجیوں وغیرہ کی جانب جو ایک صف میں بیٹھیں گے ان کے جانب بڑھائے جائیں اور کتا بلی وغیرہ کے گوشت وغیرہ فقیروں اور درویشوں کی طرف رکھے جائیں اور اس کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ رکابیوں وغیرہ میں ایک خاص قسم کی شناخت رکھی تاکہ کھانا ایک دوسرے سے ملنے نہ پائے۔ شیخ کے دل میں مجلس میں پہونچنے کے بعد منجانب اللہ یہ بات معلوم ہوئی تو آپ اپنی جگہ سے اُٹھے اور آستین چڑھا کر فرمانے لگے آج میں مخلوق خدا کی خدمت کروں گا یہ کہہ کر وہ غذا میں جو امراء وحکام کے آگے چنی گئی تھیں فقیروں کے جانب کھسکا دیں اور درویشوں کے آگے جو غذائیں آتی گئیں وہ سب امراء و حکام کے سامنے رکھ کر فرمایا الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات۔ ترجمہ:۔ (خراب چیزیں خراب لوگوں کے لئے اور عمدہ چیزیں اچھے لوگوں کے لئے ہیں)۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے اپنی بدگمانی اور بداعتقادی سے توبہ کی اور فوراً ہی شیخ کے قدموں پر گر پڑا۔ اتنی حکایت بیان کر کے شیخ عبدالوہابؒ خاموش ہو گئے۔ اور مجھ کو باقی قصہ سننے کا انتظار تھا چنانچہ سال بھر بعد میرے پوچھے بغیر ایک دن فرمایا کہ پارسال ہم نے تم سے ایک قصہ بیان کیا تھا وہ تمہیں یاد ہوگا۔ جو ادھورا رہ گیا تھا واقعہ یہ ہے کہ مولانا محمد طاہر یمنی کا ایک ملازم جوان کے پاس سے شیخ ابوالعباس مرسی کی زندگی میں مکہ معظمہ آیا تھا۔ اور چونکہ مولانا محمد طاہر یمنی کے شیخ ابوالعباس مرسی سے مراسم وتعلقات تھے اس لئے وہ شیخ کی مہمان سرائے میں ٹھیر گیا۔ اسی اثناء میں وہ بیمار ہو گیا شیخ عبدالوہاب کبھی کبھی اس کی عیادت کو جاتا تھا۔ ایک رات میں نے سرور عالمؐ کو خواب میں دیکھا جو ارشاد فرما رہے ہیں کہ اے عبدالوہاب۔ جاؤ اس بیمار کی خبر لو اور ثابت قدم رکھو۔ چنانچہ میں بیدار

ہوکر اس بیمار کے پاس گیا دیکھا تو اس کا آخری وقت تھا چنانچہ اس کے سرہانے بیٹھ کر میں نے قرآن کریم اور مناسب وقت کچھ دعائیں پڑھیں اور اس بیمار نے یہ آیت تلاوت کی وَيُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ۔ پھر جاں بحق ہوگیا۔ اس کی اس آیت کی تلاوت سے میں نے رسول اکرمؐ کے فرمان کو کہ اس کو ثابت قدم رکھو بالکل ثابت پایا۔ پھر دوسرے دن اس کی قبر پر جاکر فاتحہ پڑھی۔ میں اس کی قبر کے پاس بیٹھا ہی ہوا تھا کہ میری آنکھ لگ گئی اور بحالت خواب میں نے دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور مجھے دیکھ کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ تمہاری تثبیت اور ثابت قدم رکھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نزع کے وقت شیطانوں کے وسوسوں سے نجات دی اور شیخ ابوالعباس مرسیؒ کے محل کے پاس جنت میں مجھے جگہ دی ہے۔ میں نے یہ خواب اپنے شیخ سے بیان کیا۔ وہ اور ہم سب لوگ خوب روئے اس کے بعد شیخ عبدالوہاب نے فرمایا کہ یہ قصہ ابھی ادھورا ہے اس کا باقی حصہ یہ ہے کہ میں نے جس بیمار کو خواب میں دیکھا تھا اس نے مجھ سے کہا آیئے ذرا ہمارے گھر کی سیر کیجئے چنانچہ اس کے گھر کے بیرونی دروازہ پر پہونچے پھر اس میں سے گذر کر اندرونی دروازوں میں سے ہوتے ہوئے اس کے گھر پہنچ گئے۔ دیکھا کہ اس کا یہ گھر ایک بہت بڑا محل ہے جو ہر قسم کے ساز و سامان اور جواہرات سے آراستہ ہے اس میں قیمتی جواہرات اور موتیوں کی پچہ کاری ہے۔ دروازے، در، دریچے سب قیمتی جواہرات کے ہیں۔ اور واقعی اس کا یہ محل ایسا تھا جیسا کہ جنت کے اور مکانوں کا حال ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں اس سے رخصت ہو کر باہر آیا وہ شخص بھی مجھے رخصت کرنے باہر آیا۔ باہر نکلنے پر وہیں مجھ سے ایک اور آدمی ملا جس کے چہرہ سے کرامت، ولایت اور عظمت ہویدا تھی۔ اس نے بڑھ کر السلام علیکم کے بعد اپنے گھر چلنے کی خواہش کی۔ جس پر میں عبدالوہاب نے کہا ہماری آپ کی کوئی شناسائی نہیں ہے میں آپ کے گھر کیسے چل سکتا ہوں جس پر اس نئے شخص نے کہا یہ ضرور ہے کہ ہم میں آپ میں بظاہر کوئی شناسائی نہیں ہے لیکن ہم میں آپ میں اتحاد اور یگانگت کی ایک خاص نسبت ہے۔ غرضکہ اس کے اصرار و مجبور کرنے پر میں اس کے ساتھ اس کے گھر میں گیا دیکھا تو اس کا محل بہت زیادہ عمدہ اور جواہر و یاقوت وغیرہ کا بنا ہوا ہے۔ اور پہلے والے شخص سے بھی زیادہ آراستہ و پیراستہ ہے میں نے ان کا نام پوچھا تو جواب دیا میرا نام ابوالعباس مرسی ہے۔ انھوں نے اپنی نشست گاہ پر مجھے بٹھایا اور کہا آپ یہاں بیٹھئے اور آپ ہمارے جانشین ہیں۔ غرضکہ ایک عرصہ کے بعد وہاں سے

باہر نکل کر دیکھا کہ وہیں پیر و مرشد شیخ علی متقی رح کا بھی محل ہے۔ میں جاکر اُن سے ملا۔ وہ جہاں بیٹھے تھے اس کے آس پاس نہریں جاری تھیں۔ ایک نہر کی جانب اشارہ کر کے فرمایا یہ جامع کبیر[۵] ہے۔ پھر ایک دوسری نہر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ جامع صغیر ہے۔ پھر دوسری نہروں کی طرف اشارے کرتے ہوئے کہا یہ میری فلاں کتاب ہے اور یہ میری فلاں کتاب ہے۔

یہ میرا خواب تھا اور شیخ ابوالعباس مرسی کے متعلق میں یہی جانتا ہوں ممکن ہے کہ شیخ ابوالعباس مرسی رح نے اس واقعہ کی فقرائے یمن اور اہالیان حرمین شریفین کو اطلاع دی ہو ورنہ میں نے کسی فرد واحد سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ یہ خواب آج تیس[۳۰] سال بعد صرف تم سے کہہ رہا ہوں اور وہ بھی اس وجہ سے کہ اس خواب کے بیان کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ خضر ع سے ملاقات کے بارے میں فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنی کم سنی میں اپنے والد کے ساتھ سے علاقہ مندو کے حادثات اور انقلاب میں کہیں گم ہوگیا اور ہم مارے مارے اس جنگل میں جا پہونچے جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ تھی۔ میں کم سنی میں بھوک کی وجہ رونے لگا تو والد صاحب نے کہا تھوڑی دیر صبر کرو کھانا تیار ہے۔ لیکن بچپن کی بھوک میں ان باتوں سے کوئی خاص فائدہ نہ نکلا۔ شام ہوگئی تو شیر و بھیڑیا وغیرہ کے خوف سے ہم نے درخت پر رات گذاری۔ صبح کو اُٹھ کر دیکھا تو اس درخت کے نیچے ہی میٹھے پانی کا چشمہ پایا۔ ہم کو دیکھ کر وہیں ایک نورانی بوڑھے نے اپنی بغل سے دو گرما گرم روٹیاں نکال کر ہم کو دیں۔ اس درخت کے قریب ہی ہم کو ایک گاؤں کی آبادی کے اثرات بھی معلوم ہوئے۔ چنانچہ وہ روٹی کھا کر اور چشمہ کا میٹھا پانی پی کر ہم آبادی کی جانب روانہ ہوئے۔ گاؤں میں پہونچ کر ہم مسرور ہوئے۔ پھر اس آدمی اور چشمہ کے دوبارہ دیکھنے کے شوق میں ہم گاؤں سے جب اس درخت کے پاس پہونچے تو وہاں نہ وہ چشمہ تھا اور نہ وہ بوڑھا ہم حیران و پریشان ہوئے۔ اور آخر کار معلوم ہوا کہ وہ بوڑھا شخص دراصل خواجہ خضر تھے جو ہماری امداد کے لئے وہاں ظاہر ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ استدراج کی بابت فرمایا کہ فاسق اور بدعتی بھی ایک قوت و تصرف حاصل کر لیتے ہیں جس کے ذریعہ عوام الناس کے دل اپنے جانب کھینچ لیتے ہیں جس کے سبب غیر مستحکم ایمان والے پھسل جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح میرا خود قصہ ہے کہ میں عبدالوہاب علاقہ ملابار میں اس وقت پہونچا جبکہ عبدالعزیز شافعی وہاں کے قاضی شہر

---

۵ شیخ علی متقی رح کے مشہور کتابیں جامع کبیر، جامع صغیر اور دوسری کتابیں۔

تھے۔ انکا دستور تھا کہ وہ مسافروں درویشوں اور گدڑی پوشوں سے رازداری کی گفتگو کے خواہاں تھے۔ مجھے درویشی لباس میں دیکھ کر وہ میرے پاس آئے بیٹھے۔ بدوران گفتگو میں نے پوچھا کیا آپ کے شہر میں کوئی صالح و فقیر ہے جس کے ساتھ نشست و برخاست کی جائے؟ تو انھوں نے کہا ایک اہل باطن ہے شہر والے اس کے معتقد ہیں لیکن وہ بعض ممنوعات الہٰی کو ظاہر اکرتا ہے اس لئے ہمیں پسند نہیں ہے۔ چنانچہ میں دوسرے دن قاضی صاحب کے بتائے ہوئے پتہ پر پہونچا دیکھا کہ ایک بلند جگہ وہ بیٹھا ہوا ہے اور دو تین آدمی اس کے ساتھ ہیں اور مردوں عورتوں کا جمگھٹا ہے۔ مجھے دیکھ کر اُس نے مسرت کے عالم میں مرحبا کہا تھوڑی دیر بعد شراب کے جام آئے اور دور چلنے لگا۔ مجھے بھی پینے کا اشارہ کیا میں نے کہا یہ حرام ہے۔ اُس نے بے انتہا اصرار کیا لیکن جب میں نے نہ پی تو اس نے کہا اگر نہیں پیتے ہو تو دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ غرضکہ میں اُس کے پاس سے رنجیدہ خاطر لوٹا اپنے دوستوں میں پہونچکر بھی میں نے یہ واقعہ کسی سے نہیں کہا کھانا تیار تھا لیکن وہ بھی اچھا معلوم نہ دیا۔ پھر اسی حالت میں سو گیا خواب میں دیکھا کہ ایک پُر بہار باغ ہے جس میں ہر طرح کے میوے لدے ہوئے ہیں وہاں دن والا شخص اپنے ہاتھ میں جام شراب لئے آیا اور کہا یہ پی لو۔ میں تمہیں باغ میں لے آیا ہوں۔ لیکن دن کی طرح میں نے اس وقت بھی جام شراب پینے سے انکار کیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آنکھ کُھل گئی اور میں نے جاگتے ہی لاحول پڑھی۔ اسکے بعد میں پھر سو گیا۔ اور دوسری مرتبہ بھی یہی خواب دیکھا چنانچہ بیدار ہو کر رسالتمآبؐ کی بارگاہ میں میں نے التجا کی اور مدد چاہی اب کی تیسری مرتبہ سوتے میں دیکھا کہ رسول اکرمؐ دست مبارک میں عصا لئے رونق افزا ہیں اور میں آپ کے روبرو باادب کھڑا ہوں اتنے میں وہی بدعتی شخص پھر آیا۔ سرور عالمؐ نے اپنا عصا اس کی جانب پھینکا اور وہ کتے کی صورت بن کر بارگاہ رسالتمآبؐ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد آقائی و مولائی سرور عالمؐ نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ وہ بھاگ گیا اب دوبارہ اس شہر میں نہ آئے گا چنانچہ خواب سے بیدار ہو کر میں نے وضو کیا اور دوگانہ پڑھ کر شکر الہٰی ادا کر کے اُس بدعتی کی قیام گاہ پر پہونچا۔ دیکھا کہ وہاں کوئی پرندہ تک نہیں ہے۔ اور وہ میرے پہونچنے سے پہلے ہی فرار ہو چکا تھا۔ لوگوں نے دریافت پر کہا کہ تھوڑی دیر پہلے یہ پیرا پنا گھر خالی کر کے اپنا سامان لے کر ایک دو ہو چکا ہے۔ ایک مرتبہ عبادت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا سلوک وجذب کی راہ میں عارف باللہ اپنی نظروں سے مین حقیقت وغیرہ دیکھتے ہیں۔ اسی نشست میں جب پوچھا

گیا کہ کیا بغیر جذب وسلوک کے بھی اللہ تک رسائی ہوتی ہے جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے؟ جواب دیا ہوسکتا ہوگا۔ پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا ہمیں بھی ابتدائی زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا تھا اس پر غور کرکے بتاؤ کہ یہ کس قسم میں سے ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہم احمد نگر (دکن) کے ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ اور بھی فقیر تھے کھانا پکانے کی تیاری کر رہے تھے کہ دور سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ میں نے دل میں کہا اگر یہ شخص ہمارے پاس آئے تو اس کو بھی ہم کھانا کھلائیں گے۔ چنانچہ وہ شخص ہمارے پاس آیا۔ میں نے اس سے کہا ذرا بیٹھئے کھانا تیار ہو رہا ہے ایک لقمہ کھا لیجئے میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر اس طرح بھاگا جیسے جنگل کا جانور چوکڑیاں بھرتا ہوا دوڑتا ہے۔ اس کے آنے اور جانے کی یہ ادا میرے دل میں گھر کرگئی۔ چنانچہ میں بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن وہ باغ میں لاپتہ ہوگیا۔ لاکھ ڈھونڈا لیکن دکھائی نہ دیا آخر میں مایوس ہوکر واپس ہو رہا تھا کہ ایک درخت میں سے جس کی شاخیں زمین پر آکر اس درخت کے تنہ کو چھپائے ہوئے تھیں[1] اس میں سے اُس نے مجھے آواز دیکر کہا کیا دیکھ رہے ہو کسے ڈھونڈ رہے ہو۔ میں نے کہا۔ میں تم ہی کو تلاش کر رہا ہوں۔ تب اُس نے مجھے بلاکر اس جھاڑی کے اندر بٹھایا اور کہا کہو اللہ اللہ چنانچہ میں نے یہ اسم اعظم چھ سات مرتبہ کہا ہوگا کہ غیب سے ایک نور دکھائی دیا اور میں خود رفتہ ہوگیا۔ مجھے اپنی سُدھ بُدھ نہ رہی عقل وشعور جاتے رہے۔ اور مرنے کی سی حالت ہوگئی۔ اس کے بعد اس مردِ حق نے میری گردن اور کان سہلائے تھوڑی دیر کے بعد میرے ہوش ٹھکانے ہوئے۔ لیکن وہاں کی خصوصی حالت سے میں ایسا متاثر ہوا تھا کہ عرصہ تک اپنی اصلی حالت عقل وہوش میں نہ آسکا تھا۔ اور بہت دنوں تک میں اپنی ذات میں اس دن کے انوار و برکات کے اثرات محسوس کرتا رہا۔

ایک دن جنگم جوگی کی ریاضت وتصرف کا تذکرہ آپ کے روبرو ہوا تو فرمایا دوران سیاحت میں

---

[1] یہ درخت خاص خاص باغوں میں اکّادُکّا ہوتا ہے اور دکن کی زبان میں اسے گرمست چمپا کہتے ہیں اس کا پھول سفید اور تقریباً تین انچ لمبا ہوتا ہے۔ اس میں بڑی میٹھی اور مست خوشبو ہوتی ہے اس درخت کی پتلی پتلی لمبی لمبی شاخیں بہت زیادہ بڑھتی اور درخت کے تنہ کے چاروں طرف ذرا سا حصہ چھوڑ کر زمین تک پھیل جاتی ہیں اس کے اندرونی حصہ میں اتنی کافی جگہ ہوتی ہے کہ دو آدمی بآسانی بیٹھتے اور کھاتے پیتے ہیں۔ از مترجم۔

ہماری بھی ملاقات ایک جوگی سے ہوئی جو بڑی بڑی ریاضتیں کرتا تھا اور عام عادات انسانی کے خلاف مظاہرے کیا کرتا تھا۔ اور مجھ سے کہتا تھا کہ میرے پاس سونے کا ایک قلعہ ہے تم (عبدالوہاب صاحب) اگر میرے ساتھ ریاضت کرو تو میں تمہیں اس طلائی قلعہ کے اندر لیجاؤں گا۔ شہر کے مردوزن اس کے پاس اکھٹے رہتے۔ ہر قسم کے تحفے تحائف کھانے شربت اور زر نقد لاتے لیکن وہ سب کا سب فوراً تقسیم کردیتا اور خود اس میں سے کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتا۔ میں نے اس کو مذہب اسلام کی کچھ باتیں سنائیں تو اس نے بڑے شوق سے سُنیں۔ چونکہ اُس نے طلائی قلعہ دیکھنے کا کئی بار مجھ سے تذکرہ کیا تھا اس لئے میں نے خاص طور پر اس پر توجہ ڈالی وہ ویسا ہی مضمحل و پریشان رہا کیونکہ جوگی گری کے کاموں میں میری توجہ کے بعد مشغول ہوجاتا تھا۔ لیکن آخر کار وہ اسلام لایا اور توبہ کرکے میرا مرید ہوا۔ ایک مرتبہ درویشوں کی ریاضت، ترک سوال اور غذا سے غیر متعلق رہنے کے سلسلہ میں اپنا واقعہ بیان کیا ایک زمانہ میں ہماری غذا کی یہ حالت تھی کہ ہمارا ایک دوست قصائی کے پاس سے ناکارہ ہڈیاں اور گیہوں کے تنکے جو کھیتوں میں پڑے رہتے ہیں۔ لاتا انہیں دھو دھلا کر دیگچہ میں اُبالتا۔ اور ہم دونوں اس شوربے کا ایک ایک پیالہ پی لیا کرتے۔ لوگوں کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ طرح طرح کے کھانے لانے لگے تو ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ پھر ہم نے دستور بنالیا کہ تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہیں کرتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب کے ایک دوست مجھ عبدالحق سے کہتے تھے ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں شیخ عبدالوہاب اپنے ایک دوست کے ساتھ ایک مسجد میں تھے۔ ایک کونہ میں یہ اور دوسرے کونہ میں وہ عبادت الٰہی کررہے تھے۔ دونوں نے معاہدہ کرلیا تھا کہ ہم آپس میں گفتگو نہ کریں گے نیز کسی سے کھانا نہ مانگیں گے بیس دن تک یہی حالت رہی کہ ان دونوں نے باہم کوئی بات نہیں کی اور کسی نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اکیسویں دن ایک حلوہ فروش نے ان دونوں کے درمیان کھانا رکھا اور چلتا بنا۔ ان دونوں نے اس میں سے کچھ نہ کھایا، پھر دوسری مرتبہ بھی یہی ہوا یہاں تک کہ تیسری مرتبہ اُس حلوائی نے اپنے ہاتھ سے لقمے بنا کر دونوں کو کھلائے۔ یہ اس زمانہ کے واقعات ہیں جبکہ شیخ عبدالوہاب مکہ معظمہ نہیں آئے تھے۔ اور آپ کی عمر تقریباً پندرہ سولہ سال کی ہوگی آپ اپنی عمر کے بیسویں برس مکہ معظمہ آئے اور شیخ علی متقی کی صحبت میں رہنے لگے۔

ایک دن میں فقیر عبدالحق نے پوچھا کہ اس ریاضت، حال، مکاشفہ اور تصرفات کے باوجود جو آپ کو حاصل تھے آپ نے مشائخین کی صحبت سے اور کیا چیز حاصل کی؟ جواب دیا مجھے

جو کچھ علاوہ ان مشائخین کرام کی صحبت کی برکت اور انہیں کا فیض ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد کہا میرا مذہب اور میری اسلامی شریعت کی بقا و قیام کا انحصار ہی ان بزرگوں کی برکات پر ہے۔ ابتدائی زمانہ میں ایسے مختلف حالات پیش آئے کہ میں کہتا خدا ہی جانتا ہے میرا کیا حشر ہوگا اور کس جنگل میں سرگشتہ و حیران پھروں گا لیکن بزرگوں کے طفیل اور ان کی صحبت کی وجہ میرا طریقہ دین و اسلام مستحکم و مضبوط ہوا۔ اور اصل کام یہی ہے کہ آخرت کے کام درست ہو جائیں۔

ایک مرتبہ رسالتمآبؐ کی محبت اور پیروی کی گفتگو ہوئی تو فرمایا ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ میں سبز گنبد کے اوپر گیا۔ گنبد شق ہوا اور میں اس دراز میں سے مزار مبارکؐ پر پہونچا اور پھر اس میں سے نکل کر متلاشی ہوا اور اسی قوت کے اثر سے مشرق و مغرب کی ہر چیز سے بلند و بالا ہو گیا ہوں۔ میں نے یہ خواب پیر و مرشد شیخ علی متقی کے زمانہ میں دیکھا تھا جب اُن سے اپنا یہ خواب بیان کیا تو انھوں نے یہ تعبیر دی کہ تم پیروی سرکار کائناتؐ میں کامل اور آقائے دو عالمؐ کی محبت میں مستغرق اور بصفت باقی باللہ رہو گے۔

ایک مرتبہ عمرۂ جعرانہ کا تذکرہ ہوا تو شیخ عبدالوہابؒ نے کہا کہ مکہ معظمہ سے تقریباً سات میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں جعرانہ ہے جہاں جنگ حنین کی غنیمتیں تقسیم کرنے کے لئے سرور عالمؐ نے قیام فرمایا تھا۔ اے عبدالحق! جب تمہارا گزر ادھر سے ہو تو وہاں ضرور عمرہ کرنا اسی کے قریب وہ پہاڑ ہے جہاں سرور عالمؐ نے قیام فرمایا تھا۔ اس جگہ کو ہرگز نہ بھولنا آپ نے اس مقام کی پوری پوری نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا اگر تمہاری قسمت میں ہے تو وہاں سرور عالمؐ کا جمال جہاں آرا لازماً حاصل ہوگا۔ میں وہاں پہونچا تو سو گیا اور خواب میں تھا جتنی دیر میں آنکھ کھلتی اور بند ہوتی ہے اتنی دیر میں میں نے سرور عالمؐ کا جمال جہاں آرا دیکھا۔ دو منٹ یا اس سے بھی کم مدت میں تقریباً میں نے آقائے و مولائے رحمۃؐ للعالمینؐ کو سو مرتبہ سے زیادہ دیکھا۔ اور شیخ عبدالوہاب المتقی القادری الشاذلیؒ کا دستور تھا کہ اس مقام کا عمرہ کرنے کے لئے ہمیشہ روزہ دار اور پیدل جایا کرتے تھے۔

شیخ عزیز اللہ متوکل رح

پیدائش ۸۱۹ — وفات ۹۱۲ھ

شیخ علی متقی کے پیر و مرشد شیخ باجن کے پیر تھے۔ فقر و توکل میں کامل تھے آپ کا دستور تھا کہ جب رات ہوتی تو ضرورت سے زیادہ جو چیز ہوتی وہ سب کی سب پڑوسیوں کو دیدیا کرتے یہاں تک کہ وضو کا پانی بھی صرف اتنا ہی رہنے دیتے جو نماز تہجد کے وقت طہارت کے لئے ضروری ہوتا۔ مالداروں کو اپنی مجلس میں نشست نہ دیتے تھے۔

ایک دن ایک رئیس نے آپ کے کسی صاحبزادہ سے یہ خواہش کی کہ شیخ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں انھوں نے کہا شوق سے آیئے لیکن شرط یہ ہے کہ جوتوں کے پاس دوسرے فقیروں کے ساتھ آپ بیٹھیں۔ چنانچہ بعد نماز مغرب جب وہ رئیس آپ کے مکان پر پہونچا تو دیکھا کہ گھر میں اندھیرا پڑا ہے۔ اس دن آپ کے پاس اتنا نہ تھا کہ چراغ کا تیل منگواتے۔ چنانچہ اس رئیس نے آپ کے صاحبزادہ سے کہا میں تیل کے کُپے بھجواتا ہوں خرچ کیجئے اور جب ختم ہوجائے مطلع فرمائیے گا ور بھیج دوں گا۔ دوسرے دن شیخ نے دیکھا کہ گھر بھر میں خوب چراغ روشن ہیں۔ پوچھا یہ کہاں سے آئے پھر سارا ماجرا سُن کر غصہ ہوئے اور اُس رئیس سے کہلوایا کہ اب آیندہ تیل نہ بھیجیں۔ اور جتنا تیل گھر میں تھا وہ سب کا سب فقیروں محتاجوں کو بانٹ دیا۔ آپ کا قیام برہان پور میں تھا اور آپ کی اکثر اولاد نے احمد آباد کو بھی وطن بنالیا تھا۔

مخدوم جیو قادری

حیدرآباد دکن کے مستقر ضلع بیدر میں رہا کرتے تھے۔ بے انتہا بوڑھے دُبلے پتلے۔ عبادت گزار بابرکت۔ عالی ہمت اور عظیم الشان

پیدائش ۸۳۹ وفات ۱۰۰۰ھ بزرگ تھے مالداروں کی جانب بالکل متوجہ نہ ہوتے۔ اور عام طور پر لوگوں سے بے نیاز تھے۔ حضرت شیخ عبدالوہاب متقی فرماتے تھے اگرچہ مخدوم جیو قادری میں کمزوری کی وجہ کھڑے ہونے کی قوت نہ تھی لیکن اپنی کمر کس کر باندھتے اور راتوں کو بڑی دیر تک کھڑے ہو کر نفل پڑھا کرتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب یہ بھی کہتے تھے کہ مخدوم جیو قادری ہم سے زیادہ عالم اسلامی احکام کی تعمیل کرنے والے متقی و پرہیزگار تھے ہم اور وہ ایک عرصہ تک ساتھ رہے۔ ممکن تھا کہ میں ان کا مُرید ہوجاتا لیکن میری قسمت میں تو شیخ علی متقی رح سے بیعت ہونا لکھا تھا مخدوم جیو قادری رح نے سنہ ۱۰۰۰ھ کے وسط میں وفات پائی۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میاں غیاث رح

علاقہ گجرات کے مشہور شہر بھڑوچ میں رہا کرتے تھے۔ اللہ کے خاص بندوں میں شمار ہوتے تھے خیر الناس

پیدائش ۸۹۵ وفات ۹۹۸ھ مَن نیفع الناس۔ ترجمہ:۔ (بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہونچائے) آپ پر صادق تھا۔

کہتے ہیں کہ عوام الناس کی ضرورت کی ہر چیز مثلاً روپیہ پیسہ، کپڑے، غذائیں، دوائیں، برتن، اسباب و سامان اور آلات وغیرہ سب اپنے گھر میں جمع رکھتے آپ کا بہترین کارنامہ یہ تھا کہ جس کو جس چیز کی ضرورت ہوتی دیدیا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ زبردست

عالم، عامل، متقی اور شریعت کے پیرو تھے۔

سیدی شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ بحالت خواب میں نے ایک مرتبہ رسول اکرمؐ سے پوچھا یا رسول اللہؐ اس زمانہ میں سب سے اچھا کون شخص ہے۔ جواب مرحمت فرمایا۔ میاں غیاث پھر تمہارے شیخ علی متقی اور پھر محمد طاہرؒ اس زمانہ کے بہترین آدمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمتیں نازل کرے۔

میاں محمد طاہرؒ

علاقہ گجرات کے شہر پٹن میں رہا کرتے تھے۔ اور پٹن کی لوہرہ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اللہ نے آپ کو علم وفضل کی دولت

پیدائش ۸۹۹ وفات ۹۷۹ ھ

سے مالا مال کیا آپ حرمین شریفین گئے اور وہاں کے علماء ومشائخین سے علم حدیث کی تکمیل کی شیخ علی متقی کی صحبت میں رہے اور انہی کے مُرید ہوئے۔ پھر برکتیں اور بزرگیاں حاصل کر کے اپنے وطن واپس ہوئے۔ لوہری قوم میں جو بدعتیں اور خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں وہ دُور کر کے اہل سنت اور بدعتیوں کا فرق اپنی قوم کو سمجھایا۔ علم حدیث میں اکثر کتابیں تالیف کی ہیں ان میں سے آپ کی ایک کتاب مجمع البحار بڑی مشہور ہے۔ جس میں احادیث کی شرح لکھی ہے۔ آپ کی ایک دوسری کتاب کا نام مغنی ہے جس میں اسماء الرجال کی صحت کی ہے اور راویاں حدیث کا مختصر و مفید حال لکھا ہے۔ اپنی کتابوں کے دیباچوں میں شیخ علی متقی کی بے انتہا تعریف سپرد قلم کی ہے آپ کا دستور تھا کہ اپنے پیر و مرشد کی وصیت کے مطابق اپنے ہاتھ سے روشنائی بنا کر طالب علموں کو مفت دیا کرتے تھے۔ پڑھاتے وقت بھی زبان سے پڑھاتے اور ہاتھ سے اکثر و بیشتر روشنائی گھوٹا کرتے اور کہتے ہاتھوں کو بھی کام میں لگا رہنا چاہیئے۔ آپ نے علاقہ گجرات کے بدعتیوں کی بدعتیں چھڑانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی لیکن اسی جماعت کے افراد نے آپ کو ۹۸۰ھ کے کچھ دن پہلے شہید کیا۔ اللہ آپ کی کوششیں مشکور کرے اور مسلمانوں کے لئے اچھے کام کرنے کے عوض میں اچھے بدلے عنایت کرے۔

شیخ عبداللہ و شیخ رحمت اللہ

سندھی مدنی یہ دو عزیز مدینہ طیبہ کے فقیہوں اور صوفیاء میں سے تھے جو وہاں سے ہندوستان آئے اور علم حدیث پڑھاتے تھے۔ یہاں کے طالب علم وغیرہ ان دونوں کو شیخین کہتے تھے۔

خواجہ عبداللطیف عبید اللّٰہی فرماتے تھے کہ یہ دونوں شیخیں دراصل حضرت ابوبکر صدیق رضؓ و حضرت عمر فاروق رضؓ شیخین کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ دونوں علم و عمل اور تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ ان جیسے اشخاص مدینہ منورہ سے آج تک نہیں آئے۔ یہ دونوں شیخ علی متقی کے خصوصی دوست اور خلیفہ تھے۔

سلطان روم کی جانب سے جو حاکم مکہ معظمہ میں آتا وہ شیخ علی متقی کی خدمت میں حاضری دیتا اور آپ کا معتقد ہو جاتا۔ شیخ علی متقی کی خدمت میں جو کچھ از قسم جنس و مال آتا وہ سب اپنے دوستوں خادموں اور فقیروں کو تقسیم کر دیتے اور اس میں سے کوئی چیز ان دونوں شیخین اور شیخ عبدالوہاب کو اس لئے نہ دیتے کہ شاید یہ مال کسب حلال کا نہ ہو۔

شیخ رحمت اللہ کے والد قاضی عبداللہ حوادث زمانہ کی وجہ سے سندھ سے ہجرت کر کے اپنے تمام اہل و عیال کے ساتھ مدینہ طیبہ جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ دوران سفر میں کچھ دنوں احمد آباد میں ٹھہرے اور شیخ علی متقی سے گرم صحبت رہے۔ پھر متبرک مقامات کی زیارت کرتے ہوئے مدینہ میں مقیم ہو گئے۔ مدینہ منورہ پہونچنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد انتقال کر گئے اور یہ شیخ عبداللہ دراصل قاضی عبداللہ کے یار غار اور ساتھی تھے۔ ان کی نشوونما بھی مدینہ منورہ ہی میں ہوئی تھی۔ انھوں نے عرصہ تک وہاں تعلیم دی تھی اور عبادت بھی کی تھی بعض حوادثات کی وجہ یہ شیخ عبداللہ وہاں سے ۹۷۰ھ کے قریب ہندوستان آئے اور تھوڑے دنوں اپنے آبائی وطن احمد آباد میں مقیم رہے اور عین بیماری کی حالت میں جبکہ قوت حس و حرکت تقریباً مفقود ہو چکی تھی یہ دونوں بزرگ تبفادت چند سال آگے پیچھے احمد آباد سے نکل کر متبرک مقامات کی جانب روانہ ہوئے۔ اور مکہ معظمہ پہنچ کے بعد ان دونوں نے انتقال کیا۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور تمام صالح بندوں پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

شیخ حسین

پیدائش ۹۱۴ وفات ۱۰۰۵ھ

آپ کو سلوک میں خاص رفتار حاصل تھی۔ بے قیدی، بے تکلفی اور ہمت فرمائی میں ایک خاص طریقہ رکھتے تھے۔ شیخ عبدالوہاب متقی کے دوستوں میں سے تھے۔ لیکن شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ یہ شیخ حسین ہمارے عزیزوں میں سے تھے۔ یہ بلند ہمت اور عجیب حالت کے بزرگ تھے معمولی چیزیں غلہ و ترکاری خریدتے وقت ان کے پاس جو کچھ ہوتا وہ سب بیچنے والے کو دیدیتے عام اس سے کہ وہ مظفری ہوتا یا روپیہ۔ اور کبھی نہ سودا چکاتے اور نہ اس کی قیمت کا حساب کرتے شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک دن ہم دریائے نربدا سے گزرنا چاہتے تھے۔ نربدا کے کنارے بہت سے لوگ اس لئے جمع تھے کہ نربدا کے بیچ میں ایک شیر اپنی کچھار میں بیٹھ گیا تھا جس کی وجہ سے

دریا میں آنے جانے سے مجبور ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ حسین اپنے ایک ہاتھ میں چاقو لے کر اور دوسرے ہاتھ پر ایک چادر لپیٹ کر کچھار کے اندر گھس گئے۔ اور شیر کو وہاں ٹکڑے ٹکڑے کر کے لوٹ آئے اور لوگوں کے آنے جانے کا راستہ کھول دیا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی اُونچی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کھڑا ہوا۔ نیت نماز میں اُسے وسوسے آنے لگے اور اُس نے نیت کے الفاظ اتنی مرتبہ دہرائے کہ مقتدی کچھ پریشان سے ہو گئے جس پر ان شیخ حسین نے اس زور سے اُس امام کے منہ پر ہاتھ مارا کہ وہ برابر کے پانی میں گر پڑا اور پھر اس کے دل میں بالکل کوئی وسوسہ باقی نہ رہا۔

ایک مرتبہ ان سے ایک طالب علم احیاء العلوم پڑھ رہا تھا جس کی زبان میں بے انتہا لکنت تھی وہ کتاب پڑھنے میں بہت ہی عاجز اور پریشان تھا۔ شیخ عبدالوہاب کہتے ہیں۔ میرے دل میں آیا کہ اس طالب علم کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے جو شیخ حسین نے اُس امام کے دلی وسواس دُور کرنے کے لئے کیا تھا لیکن میں اس وجہ سے خاموش رہا کہ شاید اس کی ہٹ رفتہ رفتہ شیخ حسین کے اثرات قبول کر لے گی۔

شیخ عبدالوہاب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم میاں غیاث سے ملنے گئے اور شیخ حسین ہمارے ساتھ تھے۔ میاں غیاث پانی کے پاک رکھنے میں بڑی نگہداشت رکھتے تھے۔ پانی کے برتن بڑے ہی احتیاط سے رکھتے تھے۔ ایسی احتیاط کسی دوسرے سے دیکھنے اور سُننے میں بھی نہیں آئی اسی کے ساتھ اُن کو غصّہ بھی جلد آ جاتا تھا۔ شیخ حسین نے اُن کے مٹکے سے ایک آبخورے میں پانی لے کر پیا اور وہ آبخورہ زمین پر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر میاں غیاث غضبناک ہوئے اور زور سے کہا۔ ہائے ہائے تم نے آبخورہ ناپاک کر دیا۔ اُن کا اتنا کہنا ہی تھا کہ شیخ حسین نے اُس آبخورے کو زمین پر دے مارا اگر ناپاک ہو گیا ہے تو اس کا توڑ دینا ہی اچھا ہے۔ یہ سُن کر میاں غیاث نے ہنستے ہوئے شیخ حسین کو گلے لگا لیا اور کچھ نہ کہا۔ اس پر حاضرین میں سے کسی کے دل میں یہ خیال آیا کہ آبخورہ توڑ کر شیخ حسین نے فضول خرچی اور وقت ضائع کیا ہے۔ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اس پر ان لوگوں کا خلجان دُور کرنے کے لئے شیخ حسین نے کہا امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو مٹی کا برتن ناپاک ہو جائے اُس کا پاک کرنا ناممکن اور اُس کا استعمال ناجائز ہے۔ اس لئے اُس کے توڑ دینے کے سوائے اور کوئی علاج نہیں ہے۔

شیخ عبدالعزیز بن حسن طاہرؒ

میاں قاضی خان کے خلیفہ اور متاخرین مشائخ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے۔ علوم شریعت پیدائش ۸۹۸ھ ـــ وفات ـــ ۹۷۵ھ وطریقت کے عالم تھے۔ بچپن سے عبادت وریاضت اتنی کی کہ مشائخ کے مرتبہ پر پہونچ گئے۔ بچپن میں جو وظیفہ اور اوقات مقرر کئے تھے وہ آخر عمر تک باقی رکھے۔ مشائخ کی پیروی اور ان کے قواعد اور آداب کی حفاظت میں یکتائے زمانہ تھے۔ تواضع، بُردباری، صبر، استقامت، رضا و تسلیم الٰہی، مخلوق پر شفقت اور فقیروں کی رعایت کرنے میں اپنی آپ مثال تھے۔ اپنے زمانے میں مشائخ چشت کی یادگار تھے۔ دہلی میں آپ کی وجہ سے سلسلہ ارشاد و مشیخت قائم تھا۔ قوالی سُنتے تھے۔ کہتے ہیں کہ رحلت کے وقت بھی ذوق اور حالت کی کیفیت تھی۔ آپ نے یہ آیت پڑھ کر انتقال فرمایا۔ فسبحان الذی بیدہٖ ملکوت کل شیئی والیہ ترجعون۔ ترجمہ :۔ (پروردگار عالم کے دست قدرت ہی میں تمام چیزوں کی ملکیت ہے اور اسی کے پاس سب کو جانا ہے)

مَیں مُصنف کے والد بزرگوار شیخ سیف الدین فرماتے تھے کہ ہم نے شیخ عبدالعزیز کو جوانی کی حالت میں دیکھا تو ہم رونے لگے کیونکہ اُن کے چہرے بُشرے سے شوقِ الٰہی اور غربت ٹپکتی تھی۔ شیخ عبدالعزیز ۸۹۸ھ میں بمقام جونپور پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ اپنے والد کے ساتھ دہلی آ گئے۔ اور ۲ جمادی الآخری ۹۷۵ھ کو انتقال کیا۔ آپ کا مزار آپ کی خانقاہ کے صحن میں ہے۔ میں نے اُن کی تاریخِ وفات یہ کہی ہے۔

قطعہ تاریخ وفات

شیخ کامل عارف دوراں خود عبدالعزیز — انکہ می داد اہل دل را مجلسش یاد از بہشت
ہر چہ از او صاف اہل اللہ در عالم بود — حق تعالٰی از ازل فطرت بذات او سرشت
یادگار اہل چشت او بود در دوران خود — گشت از آں تاریخ فوتش یادگار اہل بہشت ۹۷۵ھ

شیخ عبدالعزیز کے شریف بیٹے شیخ قطبِ عالم ہیں جو عالم فاضل، خوش اخلاق، خوش اطوار، صاحب استقامت، اپنے والد کے سجادہ نشین ہیں۔ اطاعت وعبادت میں لگے رہتے ہیں۔ شیخ عبدالعزیز کے بڑے خلیفہ شیخ جائیلدہ ہیں جو تمام خلفاء اور مُریدوں میں خصوصیت، عزت اور رازداری کے مالک ہیں۔ بعض لوگ انہیں شیخ کا جانشین کہتے ہیں۔ شیخ کے دُوسرے خلیفہ

شیخ عبد الغنی بدایونی ہیں جو عالم، عامل، صاحبِ حال وریاضت و فخر وگوشہ نشینی کے باوجود تمام آداب سلوک سے متصف ہیں۔ اور دہلی کے بیچوں بیچ فیروز شاہی عمارت کی مسجد میں بیٹھے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں۔ ان کے طور طریقہ اور حالات سے استقامت اور قوت الہٰی صاف ظاہر ہے۔

شیخ جُنید حصاری رح

پیدائش ۷۳۹ وفات ۹۰۱ھ

آپ شیخ فریدالدین گنج شکر رح کی اولاد میں سے تھے۔ اور بوڑھے ہو گئے تھے۔ ظاہری عظمت و برکت و بزرگی کے مجسمہ تھے۔ آپ بہت تیز لکھتے تھے زود نویسی کی حالت یہ تھی کہ تین دن میں پورا قرآن کریم مع اعراب کتابت کیا کرتے تھے۔ اور یہ آپ کی کرامت تھی۔ اس کے سوائے اور بھی خرق عادات آپ سے ظاہر ہوئی ہیں۔

آپ نے اپنی بعض تصانیف میں دنیا کی نادر و انوکھی چیزوں جن سے واسطہ پڑھا تھا تحریر کی ہیں یہ ایسی چیزیں اور واقعات ہیں جو سمجھ سے بلند ہیں۔ اللہ ہی جانے کہ ان کی کیا تاویل کی جا سکتی ہے۔ اور شیخ جُنید نے انہیں کن چیزوں پر محمول کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگوں نے آپ کی تصنیفات کی ان انوکھی و نادر چیزوں کے حالات وغیرہ اس لئے کتاب میں سے مٹا دیئے ہیں کہ یہ باتیں لوگوں کی سمجھ سے بہت دور ہیں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ آپ کا مزار شہر حصار میں ہے۔

میاں نجم الدین رح مندوی

پیدائش ۹۷۸ وفات ۱۰۱۰ھ

شاہ جیو رح کے مُرید تھے۔ آپ نے ایک سو تیس[۱۳۰] سال کی عمر پائی۔ آپ کے والد سلطان غیاث الدین مندوی کے وزیر تھے۔ آپ عالم و عارف باللہ صاحب حال، دنیاداری سے علیحدہ تھے اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے۔ آپ کی عمر سات برس کی تھی کہ آپ کے پیرو مرشد نے آپ پر توجہ کر کے اپنی جانب کھینچ لیا۔

کہتے ہیں کہ آپ نے احمد آباد میں ایک مردہ کو زندہ کیا تھا اور اس واقعہ کے بعد آپ وہاں سے ایسے غائب ہوئے کہ پھر کسی نے آپ کو وہاں نہ دیکھا۔ چنانچہ احمد آباد سے روانہ ہو کر دہلی آئے زیادہ تر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ کے مزار پر حاضر رہتے تھے۔ روحانیت خواجہ صاحب سے اجازت لے کر اجمیر گئے اور تھوڑے دنوں بعد وہیں اجمیر میں وفات پائی۔

کہتے ہیں کہ خواجہ معین الدین اجمیری رح نے اپنی اولاد میں سے کسی سے اس کے خواب میں کہا

شاہ نجم الدین کا زمانہ وفات قریب آگیا ہے۔ ان کو میرے کمرہ کے سامنے دفن کرنا۔ چنانچہ میاں نجم الدین کا مزار خواجہ کے گنبد کے بائیں میں ہے۔

شیخ بُرہان کالپی

عبادت الٰہی میں مشغول اور بہت ہی ریاضت کرتے تھے کہتے ہیں کہ ان کو تصرف اور جلی کشف حاصل تھا لوگوں میں آپ کے دو بہرے بڑے مشہور ہیں۔ جس سے درد و حال ٹپکتا ہے۔

پیدائش ۹۱۰ وفات ۱۰۰۰ ھ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آپ مہدوی عقائد رکھتے تھے۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے آپ نے ۱۰۰۰ھ کے آخری ایام میں وفات پائی۔

شیخ سلیم ابن بہاؤالدین

شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ۸۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ جوانی کے زمانہ میں سپاہیوں جیسا لباس پہنتے تھے۔ اور بے انتہا

پیدائش ۸۹۷ — وفات — ۹۷۹ ھ

ریاضت و مجاہدہ کرتے تھے اسی زمانہ میں شادی کرنے سے پہلے موسم سرما میں سفر کا خیال آپ کے دل میں آیا۔ چنانچہ ۹۳۱ھ میں حرمین شریفین کی ریاضت کی۔ عرب و عجم کے شہروں کی سیر و سیاحت کی اور وہاں کے مشائخ و باکمال لوگوں کی صحبتوں سے فیض حاصل کیا اور بڑے بڑے کام انجام دیئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد فتح پور سیکری گئے۔ جہاں آپ کے والد اور بھائی دہلی سے آکر بعض رئیسوں کے ملازم ہوگئے تھے اور سیکری کو انھوں نے وطن بنا لیا تھا۔ غرضکہ شیخ سلیم سیکری کے ایک پہاڑی غار میں گوشہ نشین ہوئے اور عبادت الٰہی کرنے لگے۔ نیز آخری ایام حیات تک سطے کے روزے رکھے۔ اور ان چیزوں سے افطار کرتے تھے جن کی خاصیت سرد ہے جیسے پُرانا سرکہ اور ٹھنڈی ترکاریاں وغیرہ روزانہ ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے اور سخت جاڑوں میں بھی ایک باریک کرتہ پہنتے تھے۔

سیکری آنے کے بعد شادی کی اور بال بچوں والے ہوئے۔ زمانہ کی ترقی کے ساتھ آپ کے حالات و کوائف میں بھی تبدیلی ہوئی اور آپ نے بھی عمارتیں، باغ اور کنوئیں وغیرہ بنوائے اس

لے نواب بہادر یار جنگ نے ایک خصوصی نشست میں نواب مبارز الدین خاں سے کہا تھا کہ شیخ برہان جن کا مزار کالپی میں ہے یہ ہمارے سلسلہ مہدویہ کے ایک باکمال بزرگ تھے۔ جنھوں نے نوّے سال کی عمر میں وفات پائی ہے۔ (از مترجم)

کے بعد سجادہ مشیخت پر رونق افروز ہوگئے۔ اہل حرمین شریفین کی طرح آپ اول وقت نماز ادا کرتے۔ اور وہ چیزیں جو عوام میں رواج پذیر ہیں اور اسلام میں ناجائز نہیں وہ بھی کرنے لگے طلب گاروں اور مریدوں کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین اور رہنمائی کرتے تھے۔ آپ کی نشست گاہ بالکل امیروں اور حاکموں کی طرح تھی۔ کسی کو نصیحت اور کسی کو فضیحت کرتے۔ جن لوگوں کو آپ سے ملنے اور خدمت کرنے کا موقع ملا وہ آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ کے معتقد ہوگئے۔ اور یہی لوگ آپ کی اکثر و بیشتر کرامت تصرف، کشف کے عجیب و غریب قصے بیان کرتے ہیں۔ ہیموں ملعون کی ایذا رسانیوں وغیرہ کے سبب سے آپ دوسری مرتبہ ۹۶۲ھ میں حرمین شریفین گئے اور سیر و سیاحت کے بعد ۹۷۶ھ میں واپس ہوئے بادشاہ وقت سلطان جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کو آپ سے رابطہ اعتقاد و یگانگت بے انتہا بڑھ ہوگیا تھا۔ چونکہ اس کی اولاد نہ تھی اس لئے وہ شیخ سلیم کی جانب خاص طور پر متوجہ ہوا اور اولاد ہونے کی خواہش کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اکبر بادشاہ کو اولاد دی اور ان شاہزادوں کو شیخ سلیم اپنے ہی گھر میں تعلیم دیا کرتے تھے۔ اکبر بادشاہ کو آپ کے خاندان والوں سے اتنی محبت اور رازداری پیدا ہوگئی کہ درمیانی حجابات اُٹھ گئے۔ اور آپ کے تمام متعلقین مرد عورتیں اور بچے سبھی فرداً فرداً شاہی عنایتوں سے سرفراز ہوئے۔ آپ نے بحالت اعتکاف ۲۹ رمضان ۹۷۹ھ کو اس دُنیا سے کوچ کیا اپنے انتقال سے پہلے ایک روضہ بنانے کی بنیاد ڈالی تھی اسی کے اندر مدفون ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد اس روضہ کی حاکم وقت نے تعمیر مکمل کی۔ آپ کے روضہ اور مسجد کی عمارت ایسی اچھی ہے کہ اس جیسی روئے زمین پر شاید ہی کہیں ہو۔ اس مسجد کی تاسیس و آغاز تعمیر کی تاریخ ثانی مسجد الحرام اور روضہ کی خانقاہ اکبر ہے۔

شیخ نظام الدین انبیٹھوی

آپ شیخ معروف جونپوری کے مُرید تھے۔ جن کے پیر و مرشد مولانا اللہ داد تھے جنھوں نے کافیہ اور ہدایہ کی شرح لکھی ہے۔

پیدائش۔ ۹۰۹ ــــ وفات ــــ ۹۸۱ھ

شیخ نظامؒ صاحب حال مجذوب و سالک تھے۔ سکر و بدمستی اُن پر غالب تھی۔ سلوک کی حالت میں بڑی بڑی ریاضتیں کی تھیں۔ آپ صاحب باطن تھے اور ظاہر میں کشف عام کیا کرتے تھے جو شخص آپ کے پاس گیا اس نے آپ کی کرامتیں اپنی آنکھوں دیکھی ہیں۔ خود

قوالی نہیں سنتے تھے اور اپنے مریدوں کو بھی قوالی سے معنوی و ظاہری پرہیز کرنے کا حکم دیا کرتے اور کہتے اگر باز کی آنکھوں پر پٹی نہ باندھیں اور اس کو شکار کرنے کی ترکیب نہ سکھائیں تو وہ جنگلی چڑیوں کا شکار کرنے لگے۔ اور اس کو جب ٹریننگ دیدیتے ہیں تو وہ کلنگ کا شکار کرتا ہے۔

قوالی کی بابت فرمایا کرتے تھے کہ قوالی سننے میں اختلاف عمل کیوں کیا جاتا ہے۔ اگر تقلید ہی منظور ہے تو اسلامی بزرگوں اور پہلے اسلام لانے والوں کی تقلید کی جائے۔ اور جب آپ پر حالت طاری ہوتی تو آپ اپنی اندرونی آگ ظاہر کرتے اور کبھی خاموشی کے ساتھ خون کے گھونٹ پیتے اور خوب تکلیفیں سہتے۔ آپ اکثر و بیشتر طریقت کے طریقے بیان کیا کرتے نیک اعمال میں مصروف رہتے اور اہل لوگوں سے رازہائے توحید و حقائق بھی بیان کرتے تھے۔

کہتے ہیں آپ کا قاعدہ یہ تھا کہ صبح صادق کے وقت مسجد میں آتے اور نماز پڑھتے تھے آپ کے اس دوامی عمل کے لحاظ سے آپ کی جائے نماز مسجد میں بچھادی جاتی تھی۔ ایک دن آپ خلوت سے مسجد آئے اور جہاں جانماز بچھائی جاتی تھی وہاں نہ گئے بلکہ مسجد کے صحن ہی میں کھڑے ہو کر کہا ہم یہیں نماز پڑھیں گے ممکن ہے کہ پہلی والی جگہ پر کوئی موذی جانور ہو۔ آخر کار لوگوں نے جب آپ کی بچھی ہوئی جا نماز کے پاس گئے تو دیکھا کہ اس کے ایک کونے میں سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے۔ آپ نے ۹۰۱ھ میں وفات پائی۔

شیخ جلال قنوجی قریشی

آپ لَلّاؔ کے نام سے مشہور تھے۔ صاحب حال و ذوق و وجد تھے۔ اسمائے الٰہی پڑھنے کے ذریعہ آپ کو دست

پیدائش ۸۶۱ — وفات ۹۸۸ھ

غیب حاصل تھی۔ آپ اکثر و بیشتر گریہ و زاری کرتے ہوئے فریاد کرتے اور نعرے لگاتے۔ آپ پر جب جذبہ و حال زیادہ طاری ہوتا تو آپ کی ظاہری وضع بدل جاتی اور آپ گدھے پر سوار ہو کر شہر کی گلیوں میں چکر لگاتے تھے۔ آپ بڑے بوڑھے اور عمر رسیدہ ہو گئے تھے۔ آپ نے ۹۸۸ھ میں وفات پائی۔

لہ سیر اولیاء میں ہے کہ لَلّا نے ایک سو ستائیس سال کی عمر پائی اور جذب کی حالت ہی میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

شیخ جلال الدین تھانیسری کابلیؒ

پیدائش ۸۹۴ ھ ——— وفات ——— ۹۸۹ ھ

آپ شیخ عبدالقدوسؒ کے مُرید و خلیفہ تھے۔ اور اپنے وقت کے مشہور عالم، عامل، صاحب استقامت شیخ کامل تھے۔ ابتدائی عمر سے زندگی کے آخری دنوں تک اطاعت و عبادت، پڑھانے اور وعظ گوئی، ذکر و سماع اور ذوق و حال میں مصروف رہے۔ دراز عمر پائی تھی۔ آداب و نوافل کی حفاظت اور وظائف و اوقات کی رعایت میں زندگی کے آخری وقت تک ثابت قدم رہے۔

حکایت ہے کہ اپنے بیٹے کے انتقال کے غم میں ایک مدت تک آپ نے قوالی نہیں سُنی اور جب لڑکے کے فوت ہونے کا غم محبت الٰہی میں تبدیل ہوگیا تو پھر قوالی سننے لگے۔

آپ کے پیرو مرشد شیخ عبدالقدوس نے آپ کو اکثر خطوط لکھے ہیں اور آپ نے بھی اپنے پیرو مرشد کے طرز پر خطوط تحریر کئے ہیں۔

آپ نے (۹۵) سال کی عمر میں ۴۔ ذوالحجہ ۹۸۹ھ کو وفات پائی۔ آپ پر اللہ کی رحمتیں ہوں

شیخ اسحٰق

پیدائش ۸۵۱ وفات ۹۸۹ ھ

بہت ہی بوڑھے تھے۔ ملتان سے دہلی آئے تھے۔ آپ نے بے انتہا سیاحت و سفر کیا اور خوب ریاضت کی۔ اکثر و بیشتر خاموش رہتے۔ اور بہت ہی کم گفتگو کرتے تھے میں نے بھی آپ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کے طریقہ التفات و عنایات کو بچشم خود دیکھا ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ اسحٰق خود کہا کرتے تھے کہ مجھے ایک لڑکے کی آرزو ہے چنانچہ بڑھاپے میں اللہ نے ان کو لڑکا دیا۔ جس کے پیدائش کے بعد خود انتقال کر گئے۔ آپ کے انتقال کا واقعہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن آپ نے اپنی بیوی سے کہا گھر میں کچھ ہو تو لے آؤ تاکہ خیرات کردوں۔ انھوں نے جواب دیا تمہارے گھر میں کب کوئی چیز ہوتی ہے جو آج ہوگی۔ اس پر آپ نے کہا تھوڑی بہت جو کچھ ہو وہی لے آؤ۔ چنانچہ دو تین سیر غلہ اور ایک پھٹی ہوئی چادر فقیروں کو تقسیم کی۔ اس کے بعد کہا قوالی سننا چاہتا ہوں قوالوں کو بلاؤ۔ بیوی نے کہا تمہارے پاس ہے کیا جو قوالوں کو دوگے۔ آپ نے کہا ٹوپی اور یہ چادر جو اوڑھے ہوں۔ پھر اس کے بعد اپنے پڑوسی کے گھر گئے جہاں قوالی ہو رہی تھی۔ آپ نے وہاں قوالی سنی اور خوب روئے۔ جب بے سُدھ ہو گئے تو آپ کو آپ کے گھر لایا گیا۔ آپ تھوڑی دیر سو گئے پھر اُٹھ کر کہا

آج جمعہ ہے میں نہایا نہیں ہوں حجام کو بلایا گیا۔ حجامت بنوائی نہادھو کر اپنے دوستوں سے ملے اوران کو الوداع کہا۔ اس کے بعد کہا میں نے آج حسب معمول قرآن کریم نہیں پڑھا ہے چنانچہ قرآن کریم کی تلاوت کی اور اس کے بعد سو گئے اور جان جان آفریں کے حوالہ کی۔ یہ واقعہ ۹۸۹ھ کا ہے۔

شیخ عبدالغفور مالو رحمۃ اللہ علیہ

جنّات کو بلانے کے علم وعمل میں کامل تھے اور اپنے نفس پر پورا قابو رکھتے تھے۔ ہندوستان وخراسان کی خوب سیر وسیاحت کی آپ اپنے نانا شیخ شمس الدین پیدائش ۸۲۸ھ ـــ وفات ـــ ۹۸۹ھ کے مرید تھے اور انہی سے تلقین حاصل کی تھی۔ آپ کو ایک مرتبہ جنات اُٹھا کر اپنے ملک میں لے گئے جہاں عرصہ تک آپ رہے ادھر آپ کے گھر والوں کو خیال یہ ہوا کہ آپ کہیں سیر وسیاحت کرنے گئے ہیں۔ آپ جناتوں کی وضع قطع، رہن سہن اور ان کی زمین وغیرہ کو تفصیل سے بیان کرتے تھے۔ اور اُن کی زبان بھی بخوبی جانتے تھے۔ جناتوں کے شہر میں رہنے سہنے کی وجہ آپ کی شکل وصورت میں بھی کافی تبدیلی ہوگئی تھی کوئی نیا شخص دیکھ کر کبھی یہ نہیں کہتا کہ آپ ہماری زمین کے باشندے ہیں۔ آپ بہت زیادہ بوڑھے ہوگئے تھے اور ۹۸۹ھ میں انتقال کیا۔ آپ کو عبدالغفور مالو کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ مالو آپ کی محبوبہ کا نام تھا اور وہ کوئی جناتنی تھی یا آدم زاد۔ آپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اگر کوئی شخص مالو کا لفظ کسی ٹھکری پر لکھ کر آگ میں ڈال دیتا تو آپ بے تحاشا آگ میں کود جاتے اور اگر لفظ مالو کی لکھی ہوئی ٹھکری کنویں میں پھینک دیتا تو آپ اس کنویں میں کود کر پانی کی تہہ میں سے اس ٹھیکری کو نکال لاتے تھے۔

شیخ عبدالغفور مالو ہمارے خاندانی عزیز تھے۔ ایک شخص میرے والد بزرگوار کو آپ کے پاس دعا کرانے کی سفارش کے لئے بھی لے گیا تھا۔ چونکہ شیخ عبدالغفور ہمارے رشتہ دار تھے اس لئے ہمارے ہاں کی اکثر بیبیاں کہا کرتی تھیں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ کوئی شخص باہر سے ہمارے گھر میں آیا اُس نے غلّہ وغیرہ اُٹھایا اور نوکروں کی طرح کام کاج پورا کیا اور پھر وہ آنے والا گھڑی میں غائب ہوجاتا تھا۔ کبھی یہ شیخ عبدالغفور مالو اپنے پیرومرشد شیخ شمس الدین کے پاس اپنی پوری جماعت لئے اس طرح آتے کہ کسی کو پتہ نہ چلتا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ اللہ آپ سب پر رحمتیں کرے۔

مولانا درویش محمد واعظ بڑا ریاض کرنے والے عبادت گذار، سالک و عارف اور صورت و سیرت کے لحاظ سے بھی درویش تھے پوری
پیدائش ۸۹۱ ــــ وفات ــــ ۹۹۷ھ عمر سلوک کی راہ ریاضت میں گزاری۔ صاحب ذوق وشوق اور خوشگوار صحبت رہے بانسری کی آواز پر درد و شورش کا اظہار کرتے اور اتنا روتے تھے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اصلی وطن ماوراء النہر تھا برسوں حرمین شریفین میں فقر و ریاضت مجاہدہ و عبادت کی زندگی بسر کی۔ افغانوں کے عہد حکومت میں تقریباً ۹۵۰ھ میں آپ ہندوستان آئے اور یہاں کے اکثر و بیشتر مشائخین کی صحبت میں رہے۔ پھر دہلی میں فقیروں و درویشوں کی طرح زندگی گذاری اور ۹۹۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار دہلی میں شیخ برہان الدین بلخی کے چبوترہ کے پاس ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

مولانا بحشی رح آپ کا نام محمد تھا اور بحشی تخلّص۔ ابتداء میں بڑے آزاد تھے لیکن آخر عمر میں توفیق الٰہی کی بدولت راہ فقر و ریاضت کی
پیدائش ۸۴۹ وفات ۹۰۱ھ دولت پائی۔ تیس برس تک لگاتار روزے رکھے اور ریاضت کرتے رہے۔

دہلی میں نظام الدین اولیاء کے قریب رئیس وقت مرزا محمد عزیز نے آپ کے لئے ایک خانقاہ بنوائی تھی آپ اسی میں مشغول عبادت رہا کرتے تھے اور وہیں دفن ہوئے۔ آپ دہلی کی ویرانی گلیوں میں خوب چکر لگایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کشف قبور بھی کیا کرتے تھے۔ آپ بحالت باخبر و بیدار دل فوت ہوئے۔ اپنے وقت کے جواں سال عالم و فاضل، ادیب و مہذب، مقبول عام و خاص، درویشوں کے معتقد مولانا حسن کشمیری نے آپ کی تاریخ وفات یوں لکھی ہے۔

قطعہ تاریخ

فات فی السبت شیخنا بحشی — کہ نبود مثش نظیر بے شک و ریب
سال تاریخ آں ملک سیرت — فات بحشی ۹۰۱ ندا رسید زغیب

مولانا محمد بحشی دہلوی (۵۲) سال کی عمر میں علم و فضل کے ماہر تھے اپنی خوش کلامی و علم کی وجہ مقبول خاص و عام تھے (از سیر الاولیاء) مؤلفہ حکیم مسیح الدین احمد خاں مدفون شاہ آباد رام پور

بعض مجذوبوں کے حالات بلالحاظ تقدیم وتاخیر

شاہ ابوالغیب بخاریؒ آپ کے والد کا نام شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری ہے۔ اکثر اوقات مستی اور جذبہ وحال میں رہتے تھے

پیدائش × وفات ۹۵۵ھ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں دوسرے طالب علموں سے درس میں سبقت لے جانے کی خواہش کرتے اور کہتے آپ ہمیشہ پڑھتے رہیں گے اور مجھے اپنی فرصت و قت پر بھروسہ نہیں۔ اللہ ہی جانے کیا حالت ہو۔ غرض کہ جلد از جلد آپ نے تمام مروجہ کتابوں پر عبور حاصل کر لیا۔ اس کے بعد آپ پر ایسا جذبہ طاری ہوا کہ سب کاموں سے ہاتھ اٹھا لیا۔

حکایت ہے کہ دن بھر آپ کے گھر میں روٹیاں پکتی تھیں۔ اور انگیٹھی گرم رہتی تھی۔ آپ نے ایک مرتبہ اپنے دونوں پاؤں اُس میں رکھ دیئے اور بہت دیر تک اس میں کھڑے رہے لیکن آپ کے پاؤں پر گرمی کا کوئی اثر تک ظاہر نہیں ہوا۔

حکایت ہے ایک دن اپنے پیر کے پاس گئے اور کہا۔ قسمت میں ہے تو کل پھر آؤں گا۔ وہاں سے لوٹ کر گھر میں والدہ کے پاس آکر پوچھا کہ اماں جان آپ جانتی ہیں کہ میں سید ہوں ؟۔ والدہ نے کہا بیٹا۔ تم سید تمہارے باپ سید۔ اس پر شاہ نے کہا۔ میں باپ دادا کو نہیں پوچھتا۔ میں سید ہوں یا نہیں۔ اس کے بعد اپنے خدمت گار کو بُلا کر کہا۔ تم اپنے آقا پر کس طرح روؤگے۔ رو کر دکھاؤ۔ چنانچہ اُسی دن یا دوسرے دن انتقال کیا۔[۱]

میاں معروفؒ مشہور مجذوب تھے اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار کے قریب شیخ برہان الدین بلخی کے مقبرہ کے پاس والے پرانے گنبد میں رہا کرتے تھے۔ مستی اور جذبہ کے حالت کے باوجود نقوش تعویذ (علم تکسیر) میں اللہ کی خاص نشانی تھی۔ شیر شاہ نے دہلی کے قلعہ کو جس وقت ویران کیا تو آپ اس کو سنتے ہی ایسے غائب ہوئے کہ پھر آپ کا نشان تک نہ ملا۔

شیخ علاؤالدین مجذوبؒ آپ کو شیخ الاول بلاول بھی کہتے تھے۔ کشف حالات اور دلوں کی باتیں ظاہر کرنے میں اللہ کی نشانی تھے

وفات ۹۴۷ھ

---

[۱] جلال الدین اکبر بادشاہ کے زمانہ کے مشہور صوفی تھے ۹۵۵ھ میں بمقام لکھنؤ انتقال کیا اور آپ کی لاش دہلی لائی گئی جہاں دفن ہوئے آپ کو میر ابوالغیث بخاری بھی کہتے تھے۔

جوکوئی آپ کے پاس گیا اُس نے آپ کی کوئی کرامت دیکھی۔ ابتدائے جوانی میں طالب علم تھے۔ عرصہ تک سامانہ میں رہے۔ طالب علمی کے زمانے میں دہلی میں بھی پڑھا اس کے بعد جب جذبہ وحال طاری ہوا تو آگرہ چلے گئے۔ عرصہ تک مجرد رہے۔ آپ کی کرامتوں کو دیکھ کر لوگوں نے آپکی خدمت کے لئے آپکو لوکر چاکراور کنیزیں خرید کردیں بلحاظ فطرت انسانی آپ نے ان میں سے کئی کے ساتھ شادیاں کیں جن سے کئی اولادیں ہوئیں۔ میرے چچا شیخ رزق اللہؒ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اپنے چند لڑکوں کے غائب ہونے سے سخت پریشان تھا۔ میں اُن کی خیریت طلبی کے لئے صدقہ دینا یا قرآن کریم پڑھنا یا کسی اسم الٰہی کا ورد کرنا چاہتا تھا۔ اس پریشانی اور تردد میں شیخ علاؤالدین مجذوب کے پاس گیا تاکہ وہ جو کچھ بتائیں ویسا کروں۔ چنانچہ مجھے دیکھتے ہی انھوں نے کہا قرآن کریم سب سے زیادہ بہتر ہے۔ نیز چچا صاحب فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے شیخ علاؤالدینؒ سے کہا کہ مجھے کوئی شغل بتلایئے جسے کرتا رہوں، جواب دیا۔ کہ تمہارے لئے تختۂ عشق کافی ہے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ نیز میرے والد بزرگوار فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا ایک دوست مجھ سے بچھڑ گیا۔ مجھے اُس سے ملنے کا بہت ہی شوق تھا اور وہ دہلی ہی میں تھا۔ چنانچہ میں نے رات کو خواب میں دیکھا کہ میں اور میرا دوست دونوں شیخ علاول بلاول کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں اپنے دوست کا ہاتھ پکڑ کر شیخ کے قریب آیا اور کہا اس جوان کے ہاتھ چومیئے۔ شیخ نے جواب دیا تم چومو۔ تم اس کے عاشق ہو اللہ قبول کرے گا۔ دوسرے دن صبح سویرے میں شیخ کے پاس پہونچا دیکھا کہ وہ دروازہ پر کھڑے ہوئے ہیں۔ دور سے مجھے دیکھ کر چیخے اور کہا جاؤ جلدی جاؤ کہ وہ تمہارے مشتاق ہیں خیر دین خیر دین۔ چنانچہ میں فوراً ہی دہلی کے ارادہ سے روانہ ہوگیا۔ میرے ساتھ کوئی خدمت گار وغیرہ نہ تھا جس کے لئے توقف کرتا۔ چنانچہ فرح سرائے میں ٹھیرا۔ ایک شخص میرے پاس آیا۔ میرے پوچھنے پر اُس نے کہا کہ میرا نام خیر دین ہے میں دہلی جانا چاہتا ہوں اور آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ دوسری منزل پر پہنچنے کے بعد ایک دوسرا شخص میرے پاس آیا اور اُس نے کہا میں دہلی چلوں گا اور میرا نام خیر دین ہے۔ شیخ علاؤالدین مجذوب نے جو خیر دین خیر دین دو مرتبہ جو کہا تھا اُس کا راز اب معلوم ہوا کہ یہ دونوں خیر دین ہمارے ساتھ رہیں گے۔ ہم جب دہلی پہونچے تو ہمارے اس دوست نے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا اور ہم دونوں مل کر بہت خوش ہوئے۔ آپ کی تاریخ وفات علاؤالدین مجذوب ۹۴۰ ہے۔

مسعُود نخاسیؒ

بدایوں میں ایک مشہور دیوانے تھے۔ شیخ نظام الدینؒ کا بیان ہے کہ خواجہ زین الدین ساکن مدرسہ معزّی نے ایک دن مسعود نخاسی سے کہا ہمیں کوئی فائدہ والی بات بتائیے۔ مسعود نخاسی نے کہا شراب منگاؤ۔ خواجہ نے اپنے غلام کے ہاتھ شراب منگوا ان دیوانے کے سامنے رکھ دی۔ دیوانے نے کہا۔ دریا کے کنارے جاکر پئیں گے۔ چنانچہ دونوں دریا کنارہ پہونچ کر بیٹھے۔ دیوانے نے خواجہ سے کہا۔ اُٹھو شراب پلاؤ۔ خواجہ نے جام بھر کر دیئے۔ دیوانے نے پئے اور جب مست ہوگیا تو کہا۔ میں کپڑے اُتار کر پانی میں جاؤں گا۔ چنانچہ دریا میں گیا اور وہاں سے نہادھو کر نکلا اور کہا خواجہ یہ پانچ عادتیں اختیار کرو۔

۱۔ ہر ایک کے لئے اپنا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھو۔
۲۔ خندہ پیشانی، کشادہ روئی اور خوش رہنے کا مظاہرہ کرنا۔
۳۔ تھوڑا بہت جو کچھ میسر ہو اُس میں دریغ نہ کرنا اور دیدینا۔
۴۔ اپنا بوجھ کسی پر نہ ڈالنا۔
۵۔ لوگوں کے بوجھ خوشی سے برداشت کرنا۔

شیخ حسن مجذوبؒ

قصبہ ریری کے باشندے تھے لیکن اکثر و بیشتر دہلی میں سیر کیا کرتے تھے۔ اور سلطان سکندر لودھی پر عاشق تھے۔ کہتے ہیں کہ سلطان نے کئی مرتبہ آپ کو جیل خانہ میں قید کیا مگر دوسرے ہی دن آپ دہلی کے بازاروں میں گشت کرتے دکھائی دیتے۔

ایک مرتبہ سلطان سکندر لودھی اپنے خاص محل میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپ وہاں اچانک آموجود ہوئے جس پر سلطان نے کہا ہماری اجازت کے بغیر یہاں کیوں آئے؟ جواب دیا میں تمہارا عاشق ہوں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔ سلطان کے پاس انگیٹھی رکھی ہوئی تھی اُس نے آپ کی گردن پکڑ کر اس میں رکھدی۔ بہت دیر تک اسی طرح انگیٹھی میں گردن جھکائے رہے پھر جو سر نکالا تو سب نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ اور گردن وغیرہ پر آگ کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا

شیخ حسن بودلہؒ

دہلی کے ایک قدیم رئیس کے فرزند تھے۔ بچپن ہی سے مجذوب تھے دنیا کے طور طریقوں سے بے پرواتھے۔ عجیب وغریب حالت تھی۔ اکثر اوقات بالکل ننگے رہتے اور آپ کے عضو مخصوص میں کبھی انتشار نہیں دیکھا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مٹی کا غلہ دیوار میں چپکا ہوا ہے۔ روپیہ پیسہ اور

وفات ۹۶۴ھ

کپڑے اور جو کچھ آپ کو ملتا وہ سب کا سب حاضرین اور قوالوں کو دیدیا کرتے تھے۔ اس حالت کے باوجود آپ کی ظاہری صورت یہ تھی کہ مجلسوں میں جاتے ہر ایک کی جانب التفات کرتے اور بلطف گفتگو کرتے۔ بعض علمائے وقت نے خواب میں دیکھا کہ شیخ حسن لودلہ دربار رسالتمابؐ میں حاضر ہیں اور وضو کرا رہے ہیں۔ بعض صاحبوں نے بیان کیا کہ ہم نے شیخ حسن لودلہ کو کہ معظمہ میں دیکھا حالانکہ وہ دہلی میں موجود تھے۔ آپ نے تقریباً ۹۶۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار دہلی بازار میں خواص خاں کے مقبرہ کے پاس ہے۔ یہ خواص خاں دراصل شیر شاہ سوری کا مصاحب (اے۔ ڈی۔ سی تھا) اور اپنے وقت کا بڑا سخی سردار اور صالح شخص تھا اور بے انتہا اوصاف کا مالک تھا بڑا مشہور آدمی تھا۔ اسے ۹۵۲ھ میں سلیم شاہ نے شہید کیا۔

شیخ عبداللہ ابدال

دہلی کے مشہور صاحب حال مجذوب تھے۔ بازار میں ناچتے ہوئے چلتے اور اپنے حسب حال ہندی کے دوہرے پڑھا کرتے۔ آپ کے ساتھ لوگ دف اور ستار بجاتے ہوئے چلتے تھے۔

حکایت ہے کہ شیخ عبداللہ ابدال بے انتہا سخت بیمار تھے۔ ایک دن گھر والوں نے آپ کی بغل میں ہاتھ ڈال کر اٹھایا اور آپ کو گھر کی دہلیز[1] پر بٹھا کر اندر آتے پھر تھوڑی دیر باہر جاکر دیکھا تو آپ لاپتہ تھے۔

میرے چچا شیخ رزق اللہؒ فرماتے تھے کہ ہم جب گجرات گئے تو گجراتیوں سے شیخ عبداللہ ابدال کے ہندی کے بہت سے دوھرے سُنے اس پر میں شیخ رزق اللہ نے کہا وہ تو دہلی میں تھے یہاں کب آتے تھے؟ تو ان لوگوں نے جواباً کہا وہ تو اکثر وبیشتر یہیں گجرات میں رہا کرتے تھے وہ دہلی گئے کب؟

شیخ عبداللہ ابدال ہمارے رشتہ دار تھے۔ اور ہمارے دادا صاحب کے بھانجہ ہوتے تھے۔ اپنے جذب ومستی کے باوجود جب میرے دادا صاحب کو دیکھتے تو ان کی جانب متوجہ ہو کر کہتے آپ تو ہمارے قریبی عزیز ہیں۔ اس کے برخلاف اگر دوسرے بھائیوں کو جو مشرب معرفت ومحبت سے بیگانہ تھے دیکھتے تو ان کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

---

[1] باہر کی بیٹھک جو صرف دالان نما ہوتی تھی۔

میاں مونگیر لاہور میں قیام پذیر تھے اپنے وقت کے مجذوب، نفس گیر اور جذبۂ کامل کے مالک تھے۔ حاجی محمد کا بیان ہے ایک مرتبہ میں لاہور گیا اور میرے دوست و رفیق شیخ حسن بودلہ اپنی محبت کے سبب میرے ساتھ تھے۔ ایک مجلس میں ہم لوگ بیٹھے تھے کہ وہاں اچانک میاں مونگر آئے اور شیخ حسن بودلہ کو دیکھ کر کہا تم یہاں کہاں سے آ گئے؟ تمہیں لاہور سے کیا واسطہ؟ ان کے اتنا کہتے ہی شیخ حسن بودلہ گریہ وزاری کرنے لگے اور اتنا زیادہ روتا ہوا ان کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا تھا چنانچہ انھوں نے فوراً ہی وہاں سے بھاگ کر دہلی میں آ کر دم لیا۔

بابا کپور مجذوب اصل میں کالپی کے باشندہ تھے۔ ابتدا ہی میں سلوک کے اکثر راستے طے کر چکے تھے۔ بہشتی پیشہ تھے۔ راتوں کو کمزوروں کے گھر پورا پانی بھرا کرتے تھے۔ اسی زمانہ میں ایک شخص کے وفات ۹۷۹ھ ذریعہ مستی و جذبہ کی دولت ہاتھ آئی اور گوالیار میں مقیم ہو گئے۔ ابواب فتوح آپ پر کشادہ ہو گئے اور لوگوں کے دل آپ کی جانب مائل ہو گئے۔

حکایت ہے کہ بابا کپور اکثر و بیشتر استغراق کی حالت میں رہا کرتے تھے۔ ضروریات انسانی کے وقت استغراق میں تھوڑا سا افاقہ ہو جاتا تھا۔ آپ کا دستور تھا کہ کئی کئی دن بعد تھوڑے سے دانے بطور غذا کھایا کرتے۔ اور ستر چھپانے کی حد تک لباس پہنتے تھے۔ بعض وقت ذرا سا بھی کپڑا جسم پر نہ رکھتے۔ عمدہ و قیمتی لباس جب آپ کو دیا جاتا تو وہ غریبوں کو تقسیم کر دیتے مالداروں کو اپنے پاس بہت ہی کم آنے دیتے۔ دل کی دنیا سے آپ کا خاص تعلق تھا آپ کی اکثر کرامتیں بھی دیکھی گئیں۔ اپنے بڑھاپے کے زمانہ میں شاہ مدار کے سلسلہ میں داخل ہوئے آپ نے بہت سے سربستہ راز و اسرار کا انکشاف کیا بعض فاضلوں نے آپ کی تاریخ کپور مجذوب نکالی ہے۔

بایزن مجذوب اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی رح کے مزار پر پڑے رہتے تھے۔ اصل میں مالوہ کے باشندہ تھے۔ لیکن اجمیر میں ان کو جذبۂ الٰہی نصیب ہوا تھا۔

حکایت ہے میاں شیخ حمزہ دھرسو کہا کرتے تھے کہ توبہ و استغفار کرنے کے ابتدائی زمانہ میں جب میں خواجہ چشتی رح کے مزار پر گیا تو بایزن مجذوب نے اپنے پاس والے لوگوں سے کہا

"میاں آرہے ہیں"۔ لوگ یہ سنتے ہی ہر طرف دیکھنے لگے کہ کیا ہونے والا ہے۔ چنانچہ دور سے مجھے دیکھ کر کہا وہ دیکھو" میاں آرہے ہیں" جب میں اُن کے پاس پہونچا تو کہا اور میرے نزدیک آجاؤ جب میں اُن کے بالکل پاس ہو گیا تو میری کمر میں بندھی ہوئی کٹار کو دیکھ کر کہا ۔ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ ہتھیار ہے اور رسول اکرمؐ کی سنت ہے۔ اس کے بعد میرے پاس تھوڑی سی رقم تھی وہ نکال لی اور کہا یہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا یہ زاد راہ ہے۔ اور یہ بھی رسول اکرمؐ کی سنت ہے۔ میرے پاس دو کنگھے تھے۔ میرے دونوں کنگھے نکال کر وہ کنگھا جو سر میں کیا تھا اس کو تو اپنے ہاتھ میں لے کر دھوپ کی جانب جھکایا اور جو کنگھا میں اپنی داڑھی میں کیا کرتا تھا وہ میرے ہاتھ میں دیدیا۔ چنانچہ ان کے اس اشارہ کنایہ پر میں نے فوراً سر منڈوا ڈالا۔ استنے میں شیخ احمد مجددؒ کو اطلاع ہوئی کہ قاضی کریم الدین کا لڑکا اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آیا ہوا ہے تو وہ آئے اور مجھے اپنے گھر مہمان بنا کر لے گئے۔ اس دعوت میں بابن مجذوب بھی شریک ہوئے۔ انھوں نے تمام دعوتیوں کو اپنے ہاتھ سے ایک ایک نوالہ دیا جسے سب نے تبرک سمجھا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے آگے کی مُشتقاب اٹھا کر مجھے دی اور کہا سب کو ایک ایک نوالہ اور میاں کو پوری مُشتقاب اس مجلس دعوت کے بعد سے لوگ مجھے "میاں" کہنے لگے اور اسی دن سے مجھ پر ابواب نعمت الٰہی کشادہ ہو گئے۔

حکایت ہے کہ شہزادہ سلطان بہادر جب اپنے والد شاہ گجرات سے خفا ہو کر اجمیر آیا تو پہلے خواجہ چشت کے مزار پر حاضر ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اجمیر میں کافروں کی حکومت تھی اور مزار خواجہ کو لوگوں نے مندر بنا رکھا تھا اور اس میں بُت بھی بٹھا لئے تھے۔ مزار خواجہ پر شہزادہ سلطان بہادر نے منت مانی "اگر اللہ مجھ کو بادشاہ بنادے تو میں تا حدامکاں ان کافروں سے بدلہ لوں گا۔"

میاں بابن بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے اپنی دایہ شادان نامی سے کہا" شاداں مشاداں! اونچا تخت بچھاؤ کیونکہ دریا ئے مرغ آ پہونچا ہے" میاں بابن کی اس بات کو شہزادہ سلطان بہادر نیک فال سمجھ کر الٹے پاؤں واپس ہوا۔ اور پھر بادشاہ بننے کے بعد اُس نے اپنی منت کے موافق اجمیر کے کافروں سے انتقام لیا۔

الہ دین مجذوب
وفات ۹۴۶ھ

نارنول میں صاحب نفس مشہور تھے۔ اکثر و بیشتر نارنول کے بازاروں میں چکر لگاتے رہتے تھے۔ آپ کا مزار بھی نارنول ہی میں ہے۔

آپ کا دستور تھا جہاں بیٹھ جاتے وہاں سے کئی کئی دن تک نہ اُٹھتے۔ اور خود اپنے ہی میں باتیں کیا کرتے تھے۔ کبھی روتے کبھی ہنستے اور کبھی اپنے آپ سے لڑتے جھگڑتے۔ کبھی دو تارہ بجا کر فارسی چٹکلے کہتے۔ میلے چیتھڑے پہنتے اور ہاتھ پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالے رکھتے۔ گفتگو میں آپ کا تکیۂ کلام یہ تھا۔ خدایا آؤ۔ خدایا جاؤ خدایا بیٹھو۔ اور جس سے گفتگو کرتے یہ تکیہ کلام ضرور استعمال کرتے۔

ملا محمد نارنولی بیان کرتے تھے کہ ایک مرتبہ میری والدہ نے مجھ سے کہا ملا محمد! ایک مرتبہ جبکہ تم شیر خوار تھے ایسے سخت بیمار ہوئے کہ تمہارے بچنے کی اُمید نہ رہی۔ چنانچہ ہمارے محلہ سے الہ دین مجذوب گذرا اور اُس نے ایک ٹھیکری ایک آدمی کو دے کر ہمارا پتہ بتایا کہ یہ ان کو دیدینا۔ چنانچہ وہ آدمی ہمارے پاس ان کی دی ہوئی ٹھیکری لایا۔ اور میں نے اس ٹھیکری کا تعویذ بنا کر تمہارے بازو پر باندھ دیا اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تندرست کر دیا۔ اس کے بعد تمہارے والد الہ دین کو گھر لائے تاکہ اس کو کچھ کھلائیں۔ الہ دین نے آکر کہا خدایا کوئی چیز گرم خدایا کوئی چیز ٹھنڈی۔ خدایا کوئی چیز کھٹی۔ خدایا کوئی چیز میٹھی۔ چنانچہ تمہارے والد نے فوراً ہی چاول پکوائے اور دہی لا کر دیا اور الہ دین وہ کھا کر چلا گیا۔

کہتے ہیں کہ بازار کے نکڑ پر کیچڑ ہو گئی تھی۔ الہ دین جس کسی کے پاؤں میں کیچڑ لگی دیکھتے تو اس کا پاؤں صاف کر کے خود اپنے پاؤں میں کیچڑ مل لیتے۔

ملا محمد یہ بھی کہتے تھے کہ ایک دن میں تھوڑے سے پیسے بطور نذر لئے ہوئے الہ دین کو تلاش کرنے لگا۔ سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ ملے۔ اتفاقاً شہر کے باہر میں نے دیکھا کہ گھورے پر کوئی بڑی سی چیز گھورے پر چیتھڑوں میں لپٹی پڑی ہے میں سمجھا کہ کوئی مردار ہو گا لیکن نزدیک ہو کر دیکھا کہ وہ چیتھڑے ہلنے لگے۔ تب میں سمجھا کہ یہ کوئی زندہ ہے۔ پھر ان چیتھڑوں میں سے اُس شخص نے ہاتھ باہر نکال کر کہا خدایا لاؤ۔ خدایا جو لائے ہو۔ منّت کی رقم میں نے اُن کے ہاتھ میں دیدی۔ وہ رقم لے کر ان الہ دین مجذوب نے لے کر کہا خدایا لوٹ جاؤ۔ یہاں گھورا ہے۔

الہ دین مجذوب نے شب برات پندرہویں شعبان ۹۲۶ھ کو صبح صادق کے وقت انتقال کیا۔ آپ کی تاریخ وفات مجذوب صادق ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

شاہ منصور

مندو کے کشفِ ظاہر اور مکمل تصرف رکھنے والے مجذوب تھے۔

حکایت ہے محمد ہمایوں بادشاہ نے جب گجرات کا رُخ کرنا چاہا تو فال

یبنے اپنا آدمی شاہ منصور کے پاس بھیجا۔ جب شاہی آدمی آپ کے پاس آیا تو آپ نے اس کے ترکش سے ایک تیر نکال کر اس کے پر توڑے اور پھر وہ تیر اس کے ترکش میں رکھ دیا۔ چنانچہ اُس نے واپس ہوکر بادشاہ سے ماجرا بیان کیا۔ جس پر بادشاہ نے کہا یہ اس چیز کی علامت ہے کہ ہم کو گجرات پر فتح نہ ہوگی اور ہماری فوج پریشان ہوجائے گی۔ نیز اس میں اس چیز کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ہماری فوج اگرچہ پریشانی اور تتر بتر ہوجائے گی لیکن ہماری ذات کو کوئی نقصان نہیں پہونچے گا اور ہم سلامتی سے اپنے مقام پر واپس آجائیں گے۔

حضرت شیخ عبدالوہابؒ فرماتے تھے کہ برہان پور کے صاحب ولایت شاہ بھنکاری کے وضو کا پانی شاہ منصور نے پی لیا تھا تب سے ان کی یہ حالت ہوگئی۔ میں نے ابتداءً جب راہ سلوک میں قدم رکھا تو فال اور نصیحتیں لینے کے لئے شاہ منصور کے پاس گیا۔ میں اُن کے پاس جاکر بیٹھا ہی تھا کہ انھوں نے پوچھا بھاکری[1] پکا سکتے ہو؟ اس کے بعد خود ہی کہا بھاکری پکانا مشکل کام ہے۔ محنت مشقت کرکے باجرہ لانا۔ اسے چھڑنا، پیسنا، خمیر کرنا، پھر لکڑیاں اکٹھی کرنا، چولھا جلانا، مشکل ہے یہ نہیں ہوسکتا اور اگر ممکن ہوا بھی تو سر، چہرہ اور بال جل جاتے ہیں۔ بھاکری پکانا مشکل ہے۔ غرضکہ انھوں نے یہ الفاظ شکستہ زبان سے مجذوبوں کی طرح کئی بار کہے ان کے ہر مرتبہ کے کہنے پر میں اپنے دل میں کہتا تھا انشاء اللہ پکاؤں گا۔ پھر تھوڑی دیر بعد انھوں نے سر اٹھاکر کہا پکا سکتے ہو تو پکاؤ۔ اور اس لفظ کو بھی انھوں نے تقریباً پچاس ساٹھ مرتبہ دُھرایا ان کے اس لفظ کے کہنے پر ہر مرتبہ میری ہمت فقر و تجرید میں تازگی پیدا ہوتی تھی غرضکہ میں اُن کے پاس سے واپس ہوا اور اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔

شیخ یوسف

لاہور کے ایک مجذوب تھے دراز قامت، موٹے تازہ باہیبت اور صاحب عظمت پابند اوقات تھے۔ سر پر بڑا صافہ باندھتے، سر منڈاتے تھے۔ صاحب کشف اور کشادہ باطن تھے۔ قطب عالم کہتے تھے کہ ایک دن میں نے شیخ یوسف کو دیکھا جو لاہور کے نخاس[2] میں کھڑے اونچی آواز سے اسرار و رموز الٰہی، بہت اونچی

[1] سندھ اور بمبئی کے آس پاس کے علاقہ میں بھاکری کہتے ہیں جوار یا باجرہ کی روٹی کو نیز درویشوں کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے ٹکیہ پکا کر کھاتے ہیں۔

[2] جانوروں اور دوسری چیزوں کی فروخت کا ہفتہ واری بازار۔ نیز وہ مقام جہاں عام طور پر ہر قسم کے جانور فروخت کئے جاتے ہیں۔ از مترجم اقبال الدین احمد۔

باتیں بیان کر رہے تھے۔ انھوں نے مجھ سے بھی میری چند خفیہ باتیں بیان کیں جنہیں اللہ کے سوائے کوئی دوسرا نہیں جانتا تھا۔ دوسرے دن پھر میں اُن کے پاس گیا تاکہ اپنے سفر کے لئے نیک فال لوں تلاش پر اپنی جگہ نہ ملے چنانچہ میں لوٹ آیا اور میں نے اپنی سرگزشت اپنے دوستوں سے بیان ہی کر رہا تھا کہ اچانک وہ وہاں آگئے۔ اور مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ خبردار ہرگز سفر نہ کرنا۔ مبارک نہیں ہے۔ وہاں کے لوگ کہتے تھے کہ شیخ یوسف آج بارہ برس بعد یہاں آئے ہیں اس سے پہلے وہ کبھی بھی اس راستہ سے نہیں گزرے۔ اللہ کی آپ پر رحمتیں ہوں۔

سوبھن مجذوب رح صاحبِ حال و تصرف ایک دیوانہ تھے۔ قوم کے کوری[1] تھے۔ اور مسلمان ہونے کے بعد مجذوب ہو گئے تھے۔ شیخ علاؤ الدین اَجودھنی کی خدمت میں رہے اور عرصے تک قطب صاحب میں عبادت گزار رہے۔ کبھی عرصہ تک کچھ کھاتے پیتے نہ تھے اور کبھی منوں کھا کر پوری مشک پانی پی جاتے۔ کبھی دیکھا گیا کہ چونے کی بھٹی میں پڑے ہوئے چونا کھا رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا۔ آپ یہ کیا کھا رہے ہیں یہ کھانا نہیں ہے۔ تو جواب دیا۔ کیا کروں اس بدقسمت کو کھانے کی بے انتہا حرص ہے اور خاک کے سوائے کسی چیز سے سیر نہیں ہوتا۔ اللہ آپ پر رحمت کرے۔

چند صالح خواتین

بی بی سارہ رح شیخ نظام الدین ابوالمؤید کی والدہ تھیں اور متقدمین میں بڑی بزرگ بی بی تھیں۔

حکایت ہے ایک مرتبہ خشک سالی ہوئی۔ سب لوگوں نے دعا کی مگر بارش نہیں ہوئی۔ شیخ نظام الدین ابوالمؤید نے اپنی والدہ کے دامن کا ایک تاگہ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔ اے اللہ یہ اُس بزرگ خاتون کے دامن کا تاگہ ہے جس پر کبھی کسی نامحرم کی نظر نہیں پڑی۔ اِس کے طفیل میں پانی برسا دے شیخ نے یہ کہا ہی تھا کہ اللہ نے فوراً بارش کر دی۔ بی بی سارہ کا مزار پرانی عیدگاہ کے پہلو میں ہے جس کے سرہانے کی طرف خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا مقبرہ ہے۔

---

[1] راجپوتوں میں ایک نسل کو ٹھاکر اور دوسری کو کوری کہتے ہیں۔ یہ قوم یوپی کے علاقہ شاہجہان پور، رام پور وغیرہ کے علاقہ میں بکثرت ہے جو کاشتکاری کرتی ہیں۔

اللہ آپ پر رحمتیں نازل کرے۔

بی بی فاطمہ سام رح

اپنے زمانے کی صالحہ، عابدہ اور صبر و شکر کرنے والی بی بی تھیں۔ شیخ نظام الدین اولیاء اور آپ کے خلفاء کے ملفوظات میں بی بی فاطمہ کے بکثرت تذکرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیاء اکثر بی بی فاطمہ کے مقبرہ میں مشغول عبادت رہتے تھے۔

شیخ فریدالدین گنج شکر رح کا بیان ہے کہ فاطمہ سام رح ایک مرد تھے جن کو اللہ نے عورتوں کی شکل میں بھیجا تھا۔

شیخ نظام الدین اولیاء نے فرمایا شیر کے کچھار سے نکلنے کے بعد کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ نر ہے یا مادہ۔ لوگوں کو اطاعت و تقویٰ کرنا چاہیئے" چاہے مرد ہو یا عورت۔ پھر بی بی فاطمہ کی خوب تعریفیں کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ بے انتہا صالح اور بوڑھی عورت تھیں۔ میں نے انہیں خود دیکھا ہے بڑی پیاری عورت تھیں۔ شیخ فریدالدین گنج شکر اور شیخ نجیب الدین متوکل اور بی بی فاطمہ منہ بولے بھائی بہن تھے۔ ہر چیز کے متعلق حسب حال شعر کہا کرتی تھیں۔ مجھے اُن کے یہ دو مصرعہ یاد ہیں۔

شعر

ہم عشق طلب کنی وہم جاں خواہی   ہر دو طلبی و لے میّسر نشود

شیخ نظام الدین فرماتے تھے میں نے بی بی فاطمہ سام کی زبانی خود سُنا ہے وہ کہتی تھیں جو کوئی۔ تھوڑی سی روٹی اور پانی کا گلاس کسی کو دیتا ہے تو اللہ اُس پر دین و دنیا کی ایسی نعمتیں نچھاور کرتا ہے جو لاکھوں روزے نماز سے بھی نہیں مل سکتیں۔ میر سید گیسو دراز رح نے اپنی ملفوظات میں لکھا ہے کہ شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رح کی مجلس میں ایک دن بی بی فاطمہ سام کی فضیلت پر باتیں ہورہی تھیں جس پر حضرت چراغ دہلوی نے کہا کہ فاطمہ سام نے اپنے انتقال کے بعد ایک شخص سے خواب میں کہا کہ ایک دن میں اپنے مقررہ طریقہ پر بارگاہ الٰہی میں جارہی تھی کہ میری فرشتہ صفت پرواز دیکھ کر ایک آسمانی فرشتہ نے کہا کون ہو جو اس طرح بیباکی سے رہی ہو؟ اور میں نے بھی قسم کھائی کہ جب تک اللہ تعالیٰ خود نہ بلائے گا میں بھی نہیں بیٹھی ہوں گی۔ تھوڑی ہی دیر بعد ام المومنین بی بی خدیجہ رض و بی بی فاطمہ رض دونوں تشریف لائیں۔ میں اُن کے پاؤں پر گر پڑی اور قدم بوس ہوئی۔ ان دونوں نے فرمایا اے فاطمہ سام! آج کیا بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو تمہارے بلانے کے لئے بھیجا ہے؟ میں نے عرض کیا میں آپ کی لونڈی

ہوں۔ اور اس سے زیادہ میری عزت اور کیا ہوگی کہ آپ مجھے بلا نے تشریف لائی ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ میں نے قسم کھائی تھی۔ اس کے بعد فرمان الہٰی ہوا۔ فاطمہ سام سچ کہتی ہے تم دونوں بیچ میں سے ہٹو۔ اور اے فاطمہ سام میرے پاس آؤ، میرے پاس آؤ۔ کہو کیا چاہتی ہو؟ میں خود آیا ہوں جس پر میں فاطمہ سام نے عرض کیا اے اللہ تعالیٰ! تیری بارگاہ میں ایسے بے ادب بھی ہیں جو تیرے پاس آنے والوں کو پہچانتے تک نہیں۔

یہ خواب بیان کر کے اس خواب دیکھنے والے آدمی نے زور سے آہ کی اور اپنی قبر میں بیٹھ گیا۔

میر سید محمد گیسو دراز رح نے لکھا ہے۔ میں خدمت گار یہ عرض کرتا ہے اور میرا گمان ہے کہ حضرت چراغ دہلوی رح نے اپنی جانب کنایۃً اشارہ کیا ہے اور رسم قدیم کے موافق لفظ غائب (وہ) لکھا ہے۔

خیر المجالس میں ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء رح نے مولانا حسام الدین سے فرمایا اے حسام الدین! آج ہم نے ایک ابدال دیکھا۔ انھوں نے کہا حضور کہاں دیکھا؟ فرمایا آج میں بی بی فاطمہ سام کی زیارت پر گیا تھا جو حوض والے قبرستان میں ہے وہاں میں نے ایک آدمی دیکھا جو لکڑیوں کی ٹوکری سر پر رکھے حوض کے کنارہ پر آیا اُس نے لکڑیوں کا ڈھیر لگا دیا۔ پھر اس طرح وضو کیا جس سے مجھے بے انتہا تعجب ہوا غرضکہ اُس نے وضو کر کے بڑے آرام سے دو رکعت نماز پڑھی۔ مجھے اس کی پُرذوق نماز پڑھنے پر بھی حیرت ہوئی۔ اس کے بعد اُس نے حوض میں تین مرتبہ ٹوکرا دھویا پھر درود شریف پڑھ پڑھ کر ایک ایک کر کے سب لکڑیاں دھوئیں اس کے بعد اُس نے وہ دُھلی ہوئی ٹوکری پھر حوض میں تین مرتبہ ڈبو کر نکالی اور کنارہ رکھ دی تاکہ اس کا پانی ٹپک جائے۔ یہ سب دیکھ کر میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے صافہ میں سے ایک روپیہ نکال کر ان کو دیا لیکن اُس نے قبول نہیں کیا اور کہا مجھے معذور رکھئے۔ اس پر میں نے کہا آپ دو آنہ کے لئے اتنا بوجھا اٹھائے اتنی تکلیف کرتے پھرتے ہیں۔ اللہ نے آپ کو ایک روپیہ بھجوایا ہے یہ کیوں نہیں لیتے۔ اُس نے پھر وہی کہا مجھے معذور رکھئے تو اس پر میں نے کہا اچھا بتاؤ کیوں نہیں لیتے؟ اس پر اُس نے کہا بیٹھو تو بتاؤں چنانچہ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ اور اُس نے کہنا شروع کیا میرے والد بھی یہی کام کرتے تھے۔ میرے بچپن ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔ والدہ نے مجھے اللہ کے اتنے ہی احکام بتائے تھے کہ میں پنجوقتہ نماز پڑھا کرتا تھا۔ پھر والدہ نے اپنے انتقال کے وقت مجھے نزدیک بلا کر کہا میری گرہ میں ایک چیز رکھی ہے اسے نکالو۔

میں نے والدہ کی کمر سے وہ گرہ نکال کر ان کو دی تو انھوں نے وہ گرہ کھول کر اس میں سے کچھ روپے نکال کر مجھے دیتے ہوئے کہا میرے دفن کفن وغیرہ کے لئے ہیں۔ پھر اس گرہ میں کی باقی رقم بیس روپیہ تھی یہ بھی مجھے دیتے ہوئے کہا۔ تمہارے والد کی عمر بھر کی کمائی یہی ہے۔ یہ لو اور بازار جاکر اس سے لکڑیاں اور سبزی وغیرہ خرید کر فروخت کرنا اسی پر اپنی گزر بسر کرنا اور اس کے سوائے کسی دوسرے طریقہ سے کوئی چیز نہ لینا اور اسے اپنے استعمال میں نہ لانا۔ جب اُس لکڑی والے شخص نے یہ قصہ پورا کہہ دیا تو میں سمجھ گیا کہ یہ "ابدال" ہے اور ابدال کسی سے کوئی چیز بطور نذر یا تحفہ وغیرہ قبول نہیں کرتے ہیں۔ البتہ صرف مزدوری کرتے ہیں۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ بی بی فاطمہ سام کی قبر قصبہ اندر پت کے اطراف میں ہے اور ان کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ لیکن میں مولف اخبار الاخیار کہتا ہوں کہ بی بی فاطمہ سام کی قبر اب تک دہلی میں نخاس دروازہ کے اندر ایک کھنڈر میں ہے۔ جس سے عام طور پر لوگ ناواقف ہیں الاماشاء اللہ۔ بعض لوگ ان کو بی بی شام اور بعض بی بی صائمہ کہتے ہیں یہ دونوں غلط ہیں بلکہ ان کا اصلی نام بی بی فاطمہ سام ہے۔ اللہ آپ پر رحمتیں کرے۔

والدۂ شیخ فریدالدین گنج شکرؒ بہت ہی بڑی مستجاب الدعوات بی بی تھیں۔

حکایت ہے کہ شیخ فریدالدینؒ نے جب اجودھن میں سکونت اختیار کرلی تو شیخ نجیب الدین متوکل سے کہا جاؤ ہماری والدہ ماجدہ کو دہلی سے لے آؤ۔ شیخ نجیب الدین چلے اور شیخ شکر گنجؒ کی والدہ کو لا رہے تھے کہ راستہ میں پیاس لگی۔ آپ ان کو ایک درخت کے سایہ میں بٹھا کر پانی کی تلاش میں گئے۔ لوٹ کر دیکھا تو والدہ ماجدہ کو نہ پایا' حیران و پریشان ہو کر لاکھ ڈھونڈا نہ ملیں تو مجبوراً شیخ شکر گنجؒ کے پاس آکر ماجرا بیان کیا تو شیخ شکر گنجؒ نے کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا اور صدقہ بھی دیا۔ ایک عرصہ بعد شیخ نجیب الدین متوکل کا پھر اس جنگل میں گذر ہوا۔ چنانچہ وہ اُسی درخت کے نیچے اس خیال سے گئے کہ شاید والدہ ماجدہ شیخؒ کا کچھ پتہ ملے۔ لیکن اُس درخت کے نیچے اُن کو کچھ ہڈیاں ملیں جو آدمی کی معلوم ہوتی تھیں انھوں نے ان ہڈیوں کو اٹھا کر اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور دل میں کہا والدہ ماجدہ کو شاید کسی شیر نے مار ڈالا۔ غرضکہ وہ ہڈیوں کا تھیلا لئے شیخؒ کے پاس آئے اور پھر پورا ماجرا بیان کیا۔ اس پر شیخ گنج شکرؒ نے فرمایا لاؤ تھیلا لاؤ۔ جب وہ تھیلا کھول کر جھٹکا گیا تو اس میں سے ہڈی کا کوئی چورہ تک نہ نکلا۔

بی بی زلیخا شیخ نظام الدین اولیاء کی والدہ کا نام تھا۔ شیخ فرمایا کرتے تھے کہ والدہ ماجدہ کو اللہ سے خاص تعلق تھا۔ جب اُن کو کوئی کام درپیش ہوتا تو وہ پہلے ہی اس کام کی بابت خواب دیکھ لیا کرتی تھیں۔ اور اس کام کو انجام دینے میں انہیں اختیار حاصل ہوجاتا تھا۔ میری خود یہ حالت ہے کہ جب کوئی ضرورت پڑتی ہے تو میں والدہ ماجدہ کے مزار پر جاکر عرض کرتا ہوں اور میرا وہ کام تقریباً ایک ہفتہ کے اندر اندر پورا ہوجاتا ہے۔ اور ایسا بہت کم اتفاق ہوتا ہے کہ اس کے پورا ہونے میں ایک مہینہ لگے۔ میری والدہ ماجدہ کو ان کی زندگی میں جب کوئی ضرورت ہوتی وہ پانچ سو مرتبہ درود شریف پڑھ کر اپنا دامن پھیلا کر دعا مانگتی تھیں۔ اور جو چاہتی تھیں پورا ہوجاتا تھا۔ میری والدہ ماجدہ کا دستور تھا کہ جب گھر میں کھانے کو کچھ نہ ہوتا تو فرماتی تھیں آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ ان کی اس بات سے مجھے ایک خاص ذوق حاصل ہوا ہی تھا کہ اچانک کوئی آدمی ایک اشرفی کا غلہ ہمارے گھر ڈال گیا وہ اتنے دنوں تک چلا کہ میں اس کے ختم نہ ہونے سے تنگ آگیا۔ اور اس ذوق کا منتظر رہا جبکہ والدہ ماجدہ فرمائیں گی آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ غرضکہ اس غلہ کے ختم ہونے پر والدہ ماجدہ نے فرمایا آج ہم اللہ کے مہمان ہیں۔ اُن کی اس بات سے مجھے وہ ذوق چین سکون اور آرام ملا جسے بیان نہیں کرسکتا

حکایت ہے کہ سلطان قطب الدین بن سلطان علاؤ الدین خلجی نے شیخ نظام الدین اولیاء سے جھگڑنا چاہا۔ اور جھگڑے کا ابتدائی سبب یہ ہوا کہ اُس نے قلعہ سیپری میں ایک جامع مسجد بنائی اور تمام مشائخین وعلماء کو حکم دیا کہ وہ جمعہ کی نماز اس جامع مسجد میں پڑھیں۔ شیخ نظام الدینؒ کو بھی پہلے جمعہ میں وہاں نماز پڑھنے کے لئے طلب کیا لیکن آپ نے کہلا بھیجا کہ ہمارے نزدیک ہی ایک مسجد ہے اور یہ قریب کی مسجد زیادہ حق دار ہے اس لئے میں یہیں نماز جمعہ پڑھوں گا۔ چنانچہ آپ مسجد سیپری نہ گئے۔ دوسرا سبب نزاع یہ ہوا کہ حکم شاہی کے موافق ہرماہ کی چاندرات کو تمام مشائخین، علماء، رئیس اور معززین شہر نئے چاند کی مبارکباد پیش کرنے بادشاہ کے حضور حاضر ہوتے لیکن شیخ نظام الدین خود نہ جاتے بلکہ اپنی طرف سے اپنے ملازم خاص اقبال کو روانہ کردیا کرتے تھے۔ حاسدوں نے یہ بات بھی بادشاہ سے لگا کر اس کو آپ کی دشمنی پر اور اُبھارا۔ چنانچہ بادشاہ نے شاہی غرور میں آکر حکم دیا جو کوئی آیندہ نوچندی جمعرات کو نہ آئے گا تو اسے ہمارے دربار میں حاضر کیا جائے ہم اس کو سزا دیں گے۔ یہ سن کر شیخ نے کچھ نہ کہا بلکہ سیدھے اپنی والدہ کے مزار پر گئے اور دعا کرتے ہوئے کہا۔ بادشاہ وقت سلطان قطب الدین نے

مجھے تکلیف دینے کی ٹھانی ہے۔ اگر اگلے مہینہ کی پہلی تاریخ کو اس نے ٹھانی ہوتی منزا مجھے دی تو میں آپ کی زیارت کے لئے نہ آسکوں گا۔ اور یہ جملے اپنی والدہ سے نازو ادا کے ساتھ کہے۔ اور پھر اپنے گھر میں آکر بیٹھ گئے۔ آیندہ مہینہ کی پہلی تاریخ کو بادشاہ پر یہ بلا ٹوٹی کہ خسرو خاں پروان نے جو بادشاہ کا درباری بھی تھا بادشاہ وقت کو جان سے مار ڈالا اور محل میں سے اس کی لاش اٹھا کر باہر پھینک دی۔ جیسا کہ مشہور ہے۔

حکایت ہے شیخ نظام الدین اولیاء فرماتے تھے کہ جمادی الاول کی پہلی تاریخ میری والدہ کی تاریخ وفات ہے۔ میرا قاعدہ تھا کہ نوچندی کو چاند دیکھ کر میں اُن کی پابوسی کیا کرتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ نوچندی کے دن چاند دیکھ کر میں نے والدہ ماجدہ کی قدم بوسی کی تو انھوں نے فرمایا آیندہ نوچندی کو کس کے پاؤں پر سر رکھو گے ؟ میں سمجھ گیا کہ اب نہ رہیں گی۔ میری حالت غیر ہو گئی اور میں رونے لگا اور میں نے روتے ہوئے کہا اماں جان! مجھ غریب بے چارہ کو کس کے سپرد کیجئے گا ؟ فرمایا، کل صبح بتائیں گے۔ پھر فرمایا آج رات شیخ نجیب الدین متوکل کے گھر آرام کرو۔ چنانچہ میں اُن کے گھر جا کر سو گیا۔ میں سو ہی رہا تھا کہ رات کے اخیری حصہ میں جبکہ صبح ہونے والی تھی ماما آئی اور اس نے کہا بی بی آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔ جب میں پہونچا تو فرمایا۔ کل تم نے ایک بات پوچھی تھی جسے بتانے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ اب کہتی ہوں پھر میرا سیدھا ہاتھ پکڑ کر کہا اے اللہ! اسے تیرے حوالہ کیا۔ بس اتنا کہا اور جان بحق ہو گئیں۔ آپ کا روضہ مبارک شیخ نجیب الدین متوکل کے مقبرہ کے پاس ہے اسی مقام پر اپنی زندگی میں رہا کرتی تھیں۔ بی بی نور جہاں عام طور پر خواتین بکثرت جاتی ہیں اگر درحقیقت یہ بی بی نور کا مزار ہے تو اس کے عقب ہی والدہ مرحومہ کا مزار واقع ہے۔ اللہ آپ سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔

بی بی اولیاء اپنے زمانہ کی صالح صالحہ و بزرگ بی بی تھیں۔ کہتے ہیں کہ چلہ کھینچتے وقت آپ اپنے ساتھ چالیس لونگین لیجایا کرتی تھیں اور جب چلہ سے باہر نکلتیں تو لوگ دیکھتے کہ آپ نے صرف چند لونگیں کھائی ہیں اور باقی ویسی ہی رکھی ہوئی موجود ہیں۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق بادشاہ وقت آپ کا پکا معتقد تھا باقی حال اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ کا مزار دہلی میں قلعہ علائی کے باہر ہے۔ آپ کی بکثرت اولاد ہے جن میں سے ہر ایک عورت کا نام اولیاء ہی ہے۔ نیز آپ کی اولاد میں سے ایک شخص شیخ احمد نہایت پختہ کار تھے جو اکثر و بیشتر

مشائخین کے صحبت یافتہ تھے۔ اللہ آپ دونوں اور سب پر اپنی رحمتیں نازل کرے۔ آمین۔

تکملہ

یعنی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے خاندانی حالات

سلطان محمد علاؤالدین خلجی کے روشن زمانہ میں ہمارے جدامجد آغا محمد ترک بخاری اپنے وطن بخارا سے دہلی تشریف لائے۔ چونکہ یہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے اس لئے بہت سے ترک جو آپ کے رشتہ دار، مُرید اور تابع تھے وہ بھی آپ ہی کے ساتھ بخارا سے دہلی آگئے۔ بادشاہ کی نظر عنایت کے باعث عزت و عظمت کے بلند ترین منصب و مرتبہ پر فائز ہوئے۔

علاؤالدین خلجی ممالک گجرات سر کرنے کے ارادہ سے نکلا اور اپنے ساتھ چند امیروں اور آپ کو بھی ہمراہ لیا۔ راستہ میں اُس نے پڑاؤ ڈالا اور یہیں ایک دن اُس کے مصاحبوں و رفیقوں سے کسی معاملہ میں رنجش پیدا ہوئی چنانچہ وہ بحکم الٰہی اپنے ان تمام حکام سے کٹ کر جدامجد آغا محمد ترک کی جانب مزید متوجہ ہوا اور پہلے سے زیادہ منصب و عہدہ پر سرافراز کیا۔

سلطان علاؤالدین خلجی کے دورِ حکومت کے بعد سلطان قطب الدین اور سلطان محمد تغلق کے زمانہ میں جدامجد کے تمام فرزند جو ذاتی فضیلت و برتری اور کمال میں ماہر تھے سب کے سب دولت و نعمت سے سرفراز ہوئے۔ اور اپنے اپنے زمانہ کے عزت دار و دولتمند کہلائے۔ اور مال و فرزند دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اس حکم الٰہی کے پیش نظر ان سب نے داد عشرت دی اور بامراد و کامیاب رہے۔ اللہ نے آپ کو (۱۰۱) نرینہ اولاد دی۔ ان کے علاوہ آپ کی زندگی میں آپ کے پوتے وغیرہ اور بھی تھے۔ لیکن تھوڑی ہی مدت بعد آپ کے تمام بیٹے بحکم الٰہی انتقال کر گئے جن میں سے اللہ کی حکمت بالغہ نے آپ کے صرف ایک بڑے فرزند ملک معزالدین کو زندہ رکھا تمام فرزندوں کی وفات کی وجہ آپ کی آسائش و فراغت سب کی سب رنج و غم سے بدل گئی آپ نے ملک کے اعلیٰ رتبہ اور تمام لاؤ لشکر وغیرہ کو چھوڑ کر سیاہ لباس پہنا اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں بغرض اعتکاف بیٹھ گئے۔ ایک عرصہ بعد بشارت ہوئی کہ موجودہ فرزند ملک معزالدین کی بکثرت اولاد ہوگی اور رہتی دنیا تک ان کی اولاد باقی رہے گی۔ اللہ نے ملک معزالدین کو اُن کے سو بھائیوں کی فضیلت، استعداد اور نعمتوں سے مالامال کیا اور بے انتہا صلاحیتوں سے

نوازا۔ اور اپنے بیٹے ملک موسیٰ کو اپنی دولت وغیرہ حوالہ کرکے ۸۳۹ھ میں وفات پائی۔ عید گاہ شمسی کے عقب میں آپ کا مزار ہے۔

ملک موسیٰ بھی مملکت کے بڑے عہدہ دار اور رئیس وقت تھے ماوراء النہر گئے اور وہاں سے صاحب قرآن امیر تیمور گورگاں کے معزز عہدیدار کے طور پر دہلی تشریف لائے۔ اور اپنے ابا و اجداد کا سلسلہ تازہ کیا اور دہلی ہی کو وطن بنالیا۔ ان کی اولاد میں سے پھر کوئی باہر نہیں گیا۔ ملک موسیٰ کے کئی فرزند تھے جن میں ایک کا نام شیخ فیروز تھا جو میرے والد کے حقیقی دادا تھے۔ یہ شیخ فیروز تمام فضائل ظاہری و باطنی سے موصوف تھے اور دینی و کسبی نعمتوں سے مالامال تھے۔ فن جنگ میں اپنی مثال نہ رکھتے تھے۔ جنگی ترکیبوں میں اپنی قوت طبع، جودت اور سلیقہ کے لئے بے نظیر تھے تعلیم شاعری، دلیری، سخاوت، ظرافت و لطافت، عشق و محبت اور دیگر تمام عمدہ صفات میں لاجواب تھے نیز دولت و حشمت، جاہ و عزت، سرفرازی و عظمت میں یکتائے روزگار تھے۔ ہمارے گھر میں شیریں کلامی، ذوق شاعری اور خوش طبعی آپ ہی کی وجہ سے ہے۔ آپ بزمانۂ حکومت سلطان بہلول بقیہ حیات تھے۔ آپ نے سلطان حسین شرقی کی آمد اور سلطان بہلول سے جنگ کا قصہ نظم کیا۔ ہے جو ہمارے پاس تھا لیکن اس وقت موجود نہیں ہے۔ البتہ اُس کے دو شعر یاد ہیں جو منجانب حسین شرقی، سلطان بہلول کو مخاطب کرتے ہوئے کہے ہیں۔

اشعار

ایا قابض شہر دہلی شنو حیاتت چو خواہی ازیں جا برو
منم قابض ملک ماراست ملک خدا داد مارا خدا راست ملک

شیخ فیروز ۸۶۰ھ میں بھرائچ گئے تھے جہاں جنگ میں شہادت پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ جنگ میں جاتے وقت آپ کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ اُمید سے ہوں۔ آپ نے جواب دیا انشاء اللہ بیٹا پیدا ہوگا اور اس سے بکثرت اولاد ہوگی۔ پیٹ کے فرزند اور تم دونوں کو اللہ کے سپرد کیا۔ جنگ میں نمعلوم کیا ہو۔ غرضکہ اللہ نے ان کو بیٹا دیا جن کا نام سعد اللہ تھا اور وہ میرے حقیقی دادا تھے۔ یہ بھی اپنے والد بزرگوار کی طرح فضیلت، لطافت وظرافت، خوش مزاجی عشق و محبت وغیرہ میں ہمہ صفت موصوف تھے۔ بچپن ہی میں آپ کے چہرہ بُشرہ سے رشد و ہدایت اور بزرگی کے آثار ظاہر تھے۔ دولت علم سے فراغت کے بعد مصباح العاشقین شیخ محمد منگن کے مُرید ہوئے جو اپنے وقت کے کامل شیخ و بزرگ تھے جن کا تذکرہ

ہم اسی کتاب میں کر چکے ہیں۔ غرضکہ ان کی خدمت میں خوب ریاض کیا اور پیر و مرشد کی مہربانیوں کی وجہ خصوصی قبول حاصل کر کے ان کے خلیفہ بنے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے بڑے فرزند شیخ رزق اللہؒ کو بھی شیخ محمد منگن سے بیعت کرائی۔

میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدینؒ فرماتے تھے کہ ہمارے والد ماجد شیخ سعد اللہؒ ہر وقت ذوق و شوق، ریاضت و مجاہدہ، طلب فقر و فنا میں مشغول رہتے۔ راتوں کو بہت دیر تک بیدار رہتے اور دربار الٰہی میں گریہ و زاری کرتے ہوئے عاشقانہ اشعار پڑھتے تھے۔ ان میں سے امیر خسرو کے یہ اشعار مجھے یاد رہ گئے ہیں جو اخیری رات میں پڑھا کرتے تھے

اشعار

ہمہ شب رود رہی راکہ مرا صبا نشستہ ہر کس بخواب راحت من مبتلا نشست

غرض ورائے امکاں چہ خیال فاسد ست ایں ہوس جمال سلطان بدل گدا نشست

میرے چچا شیخ رزق اللہؒ فرماتے تھے کہ ایک دن میں نے اپنے والد شیخ سعد اللہؒ سے پوچھا ابا جان! کبیر شاعر جولے سے پڑھا کرتا تھا یہ مسلمان تھا یا کافر؟ فرمایا موحد تھا۔ اس پر میں نے کہا کیا غیر کافر، مسلمان اور کافر بھی موحد ہوتا ہے۔ جواب دیا۔ ابھی یہ سمجھنا مشکل ہے انشاء اللہ آیندہ سمجھ جاؤ گے۔ غرضکہ دادا صاحب شیخ سعد اللہؒ نے بروز جمعہ ۲۲۔ ربیع الاول ۹۲۸ھ کو وفات پائی۔ اور اس وقت میرے والد صاحب شیخ سیف الدینؒ کی عمر (۸) سال کی تھی والد صاحب فرماتے تھے کہ جب ہمارے والد ماجد کا وقت قریب ہوا تو صبح سویرے مجھے اپنے ساتھ لے کر کوٹھے پر گئے۔ تہجد کی نماز پڑھ کر مجھے اپنے سامنے کھڑا کیا اور کہا۔ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں نے اپنے دوسرے لڑکوں کی تربیت کی اور ان کے حقوق ادا کئے۔ لیکن اس کو یتیم، بیکس، چھوڑے جا رہا ہوں۔ ابھی اس کے حقوق ادا کرنا میرے ذمہ تھے۔ اس لئے اس کو تیرے حوالہ کر رہا ہوں تو ہی اس کا متولی اور مربی ہے۔ یہ دعا کر کے فوراً ہی کوٹھے سے اتر آئے۔

غرضکہ دادا صاحب کے وصال کے بعد میرے والد بزرگوار شیخ سیف الدینؒ میں اپنی ذاتی استعداد اور والد کی دعا کی بدولت آثار ترقی و قبول جھلکنے لگے۔ آپ نے اپنے بھائیوں کی موجودگی میں اپنی والدہ کی ہاتھ پاؤں اور زبان وغیرہ سے خوب خدمت کی خرچ کی تنگی اور زمانہ کے موانع کے باوجود تعلیم حاصل کرنے لگے۔ شاعری، فضیلت، قبولیت، ذوق و شوق، محبت

والفت خوش مزاجی، بے تعلقی، وارستگی، خوش کلامی، حضور قلب، ذکر الٰہی، لطائف وظرائف، باریک بینی و دور رسی میں یکتائے زمانہ اور مُلک کی یادگار ثابت ہوئے۔

شہر والے کہتے تھے کہ دلی ان بھائیوں کی وجہ سے دہلی ہے اور آباد ہے۔ مرتبہ عقلی اور تمیز محبت کے باوجود والد ماجد نے درویشانہ طریقہ اختیار نہیں کیا نیز درویشوں کی خدمت کا انہیں خیال تک نہ ہوا۔ باوجودیکہ اپنے ہم زمانہ رئیسوں اور مالداروں سے اپنی کفاف معیشت کے حصول میں ملتے جلتے رہتے تھے لیکن ان میں سے کسی کو بھی آپ کے فقر و فنا کا علم نہ ہو سکا۔ شہر کے صرف گنے چنے لوگ ہی میرے چچا صاحبان اور والد بزرگوار کے حالات درویشانہ سے واقف تھے۔ باقی شہر بھر کے تمام لوگ ان کے علم و فضل، سخن فہمی، سخن شناسی، سخن گوئی، خوش مزاجی کی تعریف کرتے اور اسی اعتبار سے ان سے واقف تھے۔ ہاں جو ان کی خلوت کے ساتھی تھے وہ ان کے فقر و فنا سے واقف تھے۔ اور باوجود تمام ظاہری اور باطنی وسیلوں کے دنیا کی شوکت اور حشمت کی طرف رُخ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ تمام ہمت اور پوری نیت کے ساتھ صرف قلب اور باطن کی جانب متوجہ رہتے تھے۔ قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمیں دنیا کی طلب، مال و دولت کی زیادتی، مال داری اور سرمایہ داری کا شوق نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا دلی رُجحان صرف محبت الٰہی اور فقر کی طرف ہے۔ جب نفس کی گفتگو ہوتی ہے تو اُدھر دل لگا جاتا ہے۔ نیز فرماتے تھے مجھے اُن لوگوں پر حیرت آتی ہے جو اپنا اعتبار بڑھانے کے لئے لوگوں کے کام کرتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ لوگوں سے کیا واسطہ۔ صرف خدا سے وابستہ رہنا چاہیئے۔ فرماتے تھے کہ مجھے سات سال کی عمر سے جس میں ادراک، شعور اور عقل کی ابتدا ہوتی ہے۔ مدد محبت، طلب الٰہی اور معرفت کا شوق دامن گیر تھا اور اسی ذکر فکر میں عمر کٹی ہے۔ نیز فرماتے تھے کہ مجاہدہ اور ریاضت کے زمانے میں میں نے وہ وہ حالات دیکھے ہیں جن کا اظہار نہ کرنا ہی اسرار اور رازداری ہے اور یہی چیز فقیروں کے لئے ضروری ہے۔ فرماتے تھے کہ لذت دنیا کی مثال بالکل لذت احتلام کی طرح ہے جو ایک لمحہ بعد زائل ہو کر اپنی کثافت و کدورت باقی رکھتی ہے۔ نیز فرماتے تھے ابتدائی زمانہ میں نسبت یادداشت برقرار رکھنے کی کوشش کیا کرتا تھا اور اب یہ حالت ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی غافل ہونا چاہوں تو یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے علاوہ ازیں ابتدائی زمانہ میں مجھے اس راہ میں ایسی مشکلات درپیش ہوئیں کہ جان نکلنا باقی رہ گیا تھا۔ اور اتنی وحشت ہوتی تھی کہ اپنی جان دیدی جائے۔ میں نے اکثر ارادہ کیا کہ کسی کنویں میں

وقت لگاؤں اور موجودہ کشمکش سے نجات پاؤں لیکن پروردگار نے اپنی مہربانی سے مجھ پر فتوح وا کئے اور کشادگیاں نصیب کیں اور اپنی گرانمایہ نعمتوں سے نوازا۔ فرماتے تھے کہ راہ معرفت وحقیقت کے طلب گار جو نوافل ومستحبات ادا کرتے ہیں میں نے وہ بالکل نہیں پڑھے۔ البتہ عاجزی، حسرت ندامت اور فنائیت پر عمل کیا کافی یہ سب بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو جائیں اور یہ جملے آپ نے اس مجلس میں کہے جبکہ مشرب قلندریہ کا آپ کے روبرو تذکرہ ہوا اور آپ سے کہا گیا تھا کہ آپ نے زیادہ سے زیادہ نوافل ومستحبات ادا نہیں کئے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فرائض کی تکمیل کرتے دوسرے لوگوں کے رسوم وعادات ناجائز کو ناکارہ فرماتے اور خوش دلی سے قلب کو اللہ کی جانب مائل کرتے تھے۔ فرماتے تھے میں بذاتہ کچھ نہیں ہوں اور جو کچھ ہوں وہ سب اسی راہ معرفت کے مشرب کے سبب سے ہوں۔

آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت وارادت تھی اور دوسرے سلسلوں کے ذریعہ بھی اجازت ونسبت حاصل تھی۔ مشغولی باطن کی وجہ اخیری عمر میں سلسلہ نقشبندیہ پر قائم ہو گئے تھے اور زیادہ سے زیادہ آپ پر مشرب توحید غالب تھا۔

فرماتے تھے میں جب علماء وفضلا کو طلب عزت وجاہ اور کثرت اموال میں لوگوں سے نزاع برپا کرتے دیکھتا ہوں تو شکر الٰہی بجالاتا ہوں کہ بہت زیادہ پڑھ کر بہت بڑا آدمی نہ بنا اکثر اوقات مجھ سے فرماتے تھے کہ علم کے بارے میں کسی سے تکرار نہ کرنا اور کسی کو مشقت میں نہ ڈالنا۔ اور اگر فریق مخالف، حقیقت پر ہو تو اس کی بات بلاچوں وچرا مان لینا اور جب تم حقیقت وصداقت پر ہو تو اپنے فریق مخالف کو دو تین مرتبہ سمجھانا تاکہ وہ صداقت قبول کرلے وگرنہ آخرش اس سے کہو کہ ہمیں یہی بات معلوم ہے جو ہم تم سے کہہ رہے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی امر واقعہ ہو۔ لیکن اصل نزاعی مسئلہ صداقت وبُطلان کا باقی ہی رہ جاتا ہے اور اگر یہ گفتگو تمہارے کسی استاذ، پیر سے ہو تو ان سے اپنی محبت وخوش اعتقادی کو برقرار رکھو اور کسی صورت میں بھی ان سے جنگ نہ کرو۔ ان سے تعصب نہ کرو۔ کیونکہ محبت کرنے والوں کا کام ہی یہ ہے کہ وہ محبت سے کام لیں۔ یاد رہے کہ اساتذہ ومشائخ کی محبت ہی سود مند ہے اور لڑائی جو کی جاتی ہے وہ اپنے نفس کے لئے ہوتی ہے دوستوں سے کوئی لڑتا نہیں۔

طلب گار کو چاہیئے کہ اپنے پیر کے کہے پر پکا بھروسہ کرے اور کامل طور پر ان کے احکام پر کاربند رہے۔ اگرچہ اُس مسئلہ میں اختلاف رکھتا ہو لیکن اس کی بابتہ کوئی شک وشبہ نہ

کرتے ہوئے پیر و مرشد کے حکم پر امنّا و صدّقنا کہے۔ نیز یہ وہ راستہ ہے کہ اس میں شروع ہی سے پیر و مرشد کے کہے کو بے چوں و چرا مانتا رہے وگرنہ آگے چل کر خسارہ اور خلجان کا شکار ہو جاتا ہے پہلے پہل پیر و مرشد کی پیروی و اعتقاد میں مشغول رہے اور پھر رفتہ رفتہ ان کی صحبت اور اپنے ذوق و شوق، فطرت سلیمہ کے مطابق تحقیق و یقین کے مرتبہ پر فائز ہو جائے۔

فرماتے تھے کہ ابتداً مجھے خود توحید کے معنی و کیفیت کے عقیدہ میں ایک وسوسہ و خلجان تھا۔ کوششوں کے باوجود راہ تحقیق ہاتھ نہ آتی تھی۔ میں اپنے دل میں کہتا۔ اتنے زیادہ اولیاء اللہ اور مشائخین عظام، راہ توحید پر گامزن ہیں۔ کیا یہ سب نعوذ باللہ گم کردہ راہ ہیں؟ اور ان شخصیتوں کی موجودگی میں مجھ ادنیٰ کی کیا حیثیت ؟۔ آخر کار اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ لاکھوں حیلے بہانے بھی کروں تب بھی راہ توحید کے بارے میں مجھے کوئی شبہ آتا ہی نہیں۔

فرماتے تھے میں جب کسی کی جانب نظر کرتا ہوں تو پہلے اس میں ایک اجمالی بسیط نور کی کیفیت دکھائی دیتی ہے اس کے بعد تفصیلی حالات و کوائف ان شخص کی صورت و شخصیت ظاہر کرتے ہیں۔

آپ کی علالت کے اخیری زمانہ میں آپ کے ایک دوست تیمارداری کے لئے آئے آپ نے ان سے فرمایا دوست! جانتے ہو مشاہدہ کی کیا حالت ہے واقعہ یہ ہے کہ اللہ کو مظاہر کونیہ میں اس طرح دیکھتے ہیں جیسے آئینہ میں صورت اس طرح دیکھی جاتی ہے کہ آئینہ درمیان میں نہ رہے اور صورت، پیش نظر رہے۔ فقیروں کی اس دنیا میں دید کی یہی صورت ہے اور آخرت میں ان کے دیکھنے کا اک دوسرا ہی طور ہے۔

طریقت کے کئی راستے ہیں اور صاحبان ہمت نے متفرق راہیں اختیار کر لی ہیں لیکن اصلیت یہ ہے کہ معیت حق کو اس طرح پیش نظر رکھا جائے کہ کسی وقت، کسی معاملہ اور کسی چیز میں غیر حق نہ دکھائی دے۔ اور فوراً ہی اس دیدار الٰہی سے خیال منتشر نہ ہو جائے۔ ہاتھ سے دنیا کے کام کرتے رہو اور دل کو یار کی طرف لگائے رکھو۔

شعر

دائم ہمہ جا باہمہ کس در ہمہ کار　　می دار نہفتہ چشم دل جانب یار

اللہ کی معرفت اس طرح کرے کہ اس نے ہم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے اس طرز پر عمل کرنے کا اس نے حکم دیا ہے کہ اس کی رویت کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دے

اور دنیاوی طور پر مطلق اللہ کی پاکیزگی، رویت اور اعتبار دنیا والوں کی آنکھوں میں محفوظ ہے۔
فرماتے تھے جب تک حقیقت کے معنی مثالی طور پر معلوم نہیں ہوتے اس وقت تک شک و شبہ باقی رہتا ہے۔ اور جب معنی و حقیقت پیش نظر ہو جاتے ہیں تو پھر کسی قسم کا شک و شبہ آتا ہی نہیں ہے۔ فرماتے تھے کہ یہ دولت مجھ کو شیخ امان اللہؒ سے حاصل ہوئی۔
فرماتے تھے میں کتنی ہی کوشش کروں کہ معنی توحید کے سوائے کسی اور صورت ظاہر ہو لیکن اس کا امکان ہی نظر نہیں آتا۔ وحدت سے کثرت میں آنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ہے لیکن فطرت سلیم بتاتی ہے کہ یہ صورت بھی فطری طور پر صاحبان فطرت سلیمہ کو میسر ہوتی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ذوق صحیح اور فہم سلیم عنایت کر دیتا ہے۔
فرماتے تھے کہ حضور و توجہ اور ذکر و اذکار کی حالت بھی غفلت کے منافی اور برعکس ہے۔ حضور و توجہ کی صحیح نسبت حاصل ہو جانے کی علامت یہ ہے کہ خورو نوش، غضب و نزاع کے وقت بھی ہر ایک شخص سے ہوشیار رہے اور توجہ و حضوری قلب کو کسی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہ دے۔
فرماتے تھے جب چاہو میرا امتحان لے لو کہ میں اس نسبت سے واقف ہوں یا نہیں ایک مرتبہ دو فقیر باہم ایک دوسرے کے حضور قلبی کا امتحان لینا چاہتے تھے چنانچہ وہ دونوں ایک دن ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور میں وہاں پہونچا تو ان میں سے ایک نے کہا اس آنے والے کو پہچانتے ہو؟ دوسرے نے کہا ہاں وہی ہے جسے تم جانتے ہو۔ ان کے اس سوال جواب سے مجھے معلوم ہوا کہ آگاہی وحضور قلبی کی گفتگو تھی چنانچہ میں نے اپنے دل میں کہا میں اپنے بارے میں ان دونوں کے حضوری قلب کا امتحان لوں گا۔ میں ابھی اسی خیال میں تھا کہ ایک نہایت شاندار بارعب بزرگ اچانک اس مجلس میں آ گئے۔ ان دونوں ہی سے ایک نے دوسرے سے کہا ان بزرگ کو جانتے ہو یہ کون ہیں؟ دوسرے نے جواباً کہا بخدا میں ان سے واقف نہیں۔ اس پر پہلے والے نے کہا یہ بھی وہی شخص ہیں جنہیں تم جانتے ہو۔ اور مقام غفلت میں ہوشیار رہنا نہایت دشوار و مشکل ہے۔
فرماتے تھے خورو نوش بھی ایک قسم کی غفلت ہے، اور شخص ہشیار کا مشاہدہ ہے کہ وہ غذا کی لذت، اُس کی آمد لذت کی وجہ اور غذا دینے والے کی لذت سے بھی واقف ہوتا ہے۔
فرماتے تھے کتابت و تحریر کی حالت بھی عجیب مشاہدہ دکھاتی ہے۔ پردۂ غیب سے مختلف

حروف اپنی متفرق صورتیں خارج سے وجود میں لاتے اور وحدت علم و ارادۂ قلبی کی عجیب و غریب مثالی صورتیں وحدت سے کثرت میں ظاہر کرتے ہیں۔ اور اپنے تمثالی و علمی وجود سے احکام و آثار و ماہیت کے ذریعہ علمی صورتیں جلوہ گر کرتے ہیں۔

فرماتے تھے کہ مطابق مقصود تمثالی کی ایک مثال حضرت جبریل کا وحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہونا ہے۔ یہاں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ جبریل اپنی برتری، قدرت، ارادہ کاملہ کے باوجود احکام کی تعمیل کے پیش نظر بصورت افادی جلوہ گری کرتے تھے اور دحیہ کلبی کے مانند جسم و لباس اختیار کر کے بارگاہ رسالت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ اور اسی کے ساتھ وہ اپنی ذات میں بغیر کسی قسم کے تغیر و تبدل اور حلول کے موجود رہا کرتے تھے۔ بحکم الٰہی جبریل چاہیں تو ایک ہی وقت میں ہزاروں صورتوں میں ظاہر اور نمودار ہو سکتے ہیں۔ بغیر تشبیہ اسی طرح اللہ تعالیٰ مظاہر صوری و معنوی میں جلوہ گر ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے ہیں۔

پیرو مرشد شیخ امان اللہؒ اس جملہ کی بکثرت تکرار کیا کرتے تھے" اللہ تعالیٰ اپنی وحدت و اطلاق کے باوجود ہر ایک ذرہ میں موجود اور کار فرما ہے" نیز والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ نور کی تقسیم کرنا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ناممکن ہیں۔ اگر ایک چراغ سے لاکھوں چراغ روشن کریں تو اس پہلے والے چراغ میں کسی قسم کی کمی نقصان پیدا نہیں ہوگی۔ اسی طرح وجود الٰہی ہے جو تمام کا مصدر ہونے کے باوجود اپنی حالت تجرد و اطلاق پر قائم و برقرار ہے۔

فرماتے تھے روحیں کیا چیز ہیں؟ سنو! یہ اللہ کی مہربانیوں اور اس واجب الوجود کے تعینات کے حصے ہیں جو مختلف ماہیتوں میں تقسیم ہوئے ہیں اور یہ تقسیم اس قسم کی نہیں ہے جسے عقل و شعور اپنے دوسرے مقتضیات پر محمول کرے۔ اس عبارت کو آپ نے پھر ایک نئی انتج سے یوں ظاہر فرمایا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ بچے ایک ہانڈی میں بہت سے سوراخ کر کے اس میں جلتا ہوا چراغ رکھتے ہیں جس کی روشنی اس ہانڈی کے سوراخوں میں سے نکلتی رہتی ہے اور وہ چراغ اپنی اصلی روشنی برقرار رکھتا ہے جس کی روشنی میں کسی قسم کا تجزیہ تقسیم اور حصے نہیں ہوتے۔ بلا تشبیہ بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اپنے اطلاق حقیقی پر باقی قائم و برقرار ہے اور کائناتی ماہیتوں کے روزنوں اور دریچوں سے تاباں و درخشاں ہے۔

فرماتے تھے علماء و مشائخ کا بیان ہے کہ عالم از واست، بدواست بلکہ ہمہ اوست۔ لیکن

یہ بات کہنا زیادہ بہتر ہے کہ ہمہ از دوست یعنی تمام کائنات اسی کے سہارے قائم ہے اور یہ دل کا کام ہے جس کا زبان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ زبان سے صرف یہی کہنا چاہیئے جو شریعت کے بالکل موافق ہو۔ اور اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ "از دوست" کے وہی معنی ہیں جو "ہمہ اوست" کے ہیں۔

فرماتے تھے کہ اللہ کے سوا کون چیز ہو سکتی ہے اور کیسے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ نے خود فرمایا ہے کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُن مَعَہٗ شَیْئٌ۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ اللہ کی بدولت ظاہر ہوئی اور اللہ تعالیٰ جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے یعنی وہ پہلے بھی اللہ تھا اور اب بھی اللہ ہی ہے اور اس کے ساتھ کوئی چیز اس کی شریک نہیں ہے۔

شعر

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر سوی اللہ واللہ مافی الوجود

فرماتے تھے لوگ ہمارے سامنے اللہ کی بات کچھ بھی کہیں ہم تو اس سے توحید کے معنی ہی سمجھتے ہیں۔ عالم کا مخلوق ہونا یا اللہ کا مظہر ہونا ان دونوں جملوں کا مطلب ہمارے نزدیک بالکل ایک ہے۔ اپنی جوانی میں اس قسم کی باتیں کرنے سے ذوق حاصل ہوتا تھا لیکن اب جو کوئی اس طرح باتیں کرے تو اس کے منہ پر تھپڑ مارنے کو جی چاہتا ہے تاکہ پھر وہ اللہ کی توحید مطلقیت و موجودگی کے بارے میں کوئی غیر غلط بات نہ کہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات مذکورہ اس شخص سے بیان کی جا سکتی ہیں جو ہم راز، ہمدم، اور سچا طلبگار ہو۔ میرے والد بزرگوار اپنی فطرت کے لحاظ سے عشق و محبت کا مشرب رکھتے تھے۔ انھوں نے فرمایا ہے۔

مصرعہ

کہ ایں لذت بشیر آمد دروں باجاں بروں آید

اور ان کی خود بذاتہٖ یہی کیفیت و حالت تھی۔

وہ فرماتے تھے کہ میں اپنی پانچ چھ سال کی عمر میں مکتب جایا کرتا جہاں ایک لڑکا میرا ہی ہم عمر تھا اور مجھے اس سے عشق تھا۔ اور کیفیت یہ تھی کہ اس زمانہ میں مجھے عشق و محبت کے معنی تک معلوم نہ تھے۔ بچپن سے اب تک عشق کا سودا سمایا ہوا ہے۔ عشق بازی اگر رسوائی و ذلت کا سبب نہ ہو تو اس بڑھاپے میں بھی عشق کو جی چاہتا ہے۔ میرا دل آتش محبت سے کباب بن

گیا ہے اور جان، راہ شوق میں خستہ وخراب ہو چکی ہے۔

فرماتے تھے ایک مرتبہ ہم تغلق آباد کے بالا حصار میں بیٹھے ہوئے تھے۔

والد بزرگوار فرماتے تھے ہم ایک دن قلعہ تغلق آباد کے بالا حصار پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک وہاں سے اُسے دیکھا جس سے ہم کو لگاؤ تھا، بس فوراً ہی ہم زمین پر آرہے۔ اس وقت تو قلعہ کے بالا حصار سے زمین پر گرنے کی چوٹ محسوس نہیں ہوئی لیکن اب بڑھاپے کی وجہ اُن چوٹوں کا درد محسوس ہو رہا ہے۔ میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب دونوں جب خلوت میں ہوتے تو ذوق وحال ان پر طاری رہتا۔ یہ درد آمیز باتیں اور دل آویز حکایتیں بیان کرتے لیکن اب بحالت موجودہ کسی شخص میں بھی حال وذوق نظر نہیں آتا۔ ان بزرگوں کی مجلس شروع سے آخر تک شوق وگریہ اور درد ومحبت سے بھرپور رہا کرتی تھی۔

چچا صاحب شیخ رزق اللہ رح کی مثال اس چنگاری کی طرح تھی جو راکھ میں چھپی ہوتی ہے اور ذراسی تلاش پر وہ انگارہ بن جاتی ہے۔

والد بزرگوار اس چیز کی مانند تھے جس سے پانی ٹپکتا ہو۔ جو ذرا سا دھکا لگنے پر بہنے لگے۔ وہ بڑے ہی رقیق القلب اور سریع التاثیر تھے۔ جب درد ومحبت کی کوئی گفتگو ان کے سامنے کی جاتی تو وہ متاثر ہو کر گریہ وزاری کرنے لگتے تھے۔ میں نے خیام کی یہ رباعی جب اُن کے سامنے پڑھی تو اُن پر گریہ کی کیفیت اور جذبہ طاری ہو گیا حالانکہ میں اس رباعی کو روزانہ بارہ مرتبہ پڑھتا ہوں

رباعی

ایں کوزہ چومن عاشق زارے بودہ است در بند سر زلف نگارے بودہ است

ایں دست کہ در گردن او می بینی دستے است کہ در گردن یارے بودہ است

والد بزرگوار فرمایا کرتے تھے کہ مجلس سماع میں حال وجذبہ صرف ایک لمحہ کے لئے پیدا ہوتا ہے اور اس وقت عقل وشعور بالکل مفقود ہوتا ہے۔ اس کی مثال بجلی کی چمک کی طرح ہے جو آنکھ جھپکتے ہی چمکی اور ختم۔ غرضکہ ایک لمحہ کے اثرات سے جو حال، جذبہ، گریہ وفریاد، تجلی لطیف پیدا ہوتا ہے وہ ایک دو منٹ یا دس گیارہ منٹ تک رہتا ہے اس سے زیادہ اس کی تاثیری قوت اور کیا ہو سکتی ہے؟

فرماتے تھے کہ فقہا کا یہ قول کہ سماع، نفاق پیدا کرتا ہے۔ میری سمجھ سے باہر رہا نفاق ومنافقت کو گانا سننے سے کیا تعلق؟ سماع کے وقت تو خود اپنی ہی خبر نہیں رہتی اس حالت میں نفاق کی

آمیزش کیسے ہوتی ہے؟ اور یہ حال خاص بندگان الہٰی کا ہے کہ وہ اس کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔ باقی اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔

میرے والد بزرگوار اور چچا صاحب قبلہ کی یہ حالت تھی کہ یہ دونوں جب کسی کی جانب توجہ کرتے یا اس کی تربیت فرماتے اور طلبگار میں ذرا سی بھی قابلیت ہوتی تو وہ متاثر ہو کر اثرات، تربیت اور توجہ قبول کرتے ہوئے لیاقت مآب ہو جاتا۔ مجھ فقیر کو یقین ہے کہ انھوں نے اپنی محبت والفت کی خاص نظروں اور عنایت فرمائیوں سے جو انسانی طبیعت کا خاصہ ہے مجھے مخصوص فرمایا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ والد بزرگوار کے سامنے میں ایک دن ایک علمی مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا۔ وہ میری جانب متوجہ تھے چنانچہ انھوں نے دونوں ہاتھ میرے مُنہ پر ملتے ہوئے مجھے دعا دی۔ اور فرمایا مجھے تمہارے چہرہ پر ایک تجلی اور نور جھلکتا ہوا دکھائی دیا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ جانتا ہے کہ وہ کیا کیفیت تھی۔

فرماتے تھے درویشوں اور علماء کی صحبت سے ہمارا یہ حال ہے کہ ہر آدمی کی حقیقت حال بآسانی پہچان لیتا ہوں۔" میں نے اُن کی اس صفت کا بارہا تجربہ کیا ہے کہ جس میں جو صفت پیدا کی وہ اُس میں اگر اسی وقت ظاہر نہ ہوئی تو آخر میں لازماً وہ اس صفت معلیہ میں کامل و ماہر ہو گیا۔

مبالغہ اور شدومد سے فرمایا کرتے تھے اندھیری رات میں بھی کسی کو چھولوں تو اُس کی حقیقت حال بیان کر دوں گا۔

فرماتے تھے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو کسی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن وہ کسی کو کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچاتے۔

فرماتے تھے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تصنع، تکلف، منافقت اور دکھاوا کرتے رہیں اور خود کو ایسا ظاہر کرتے ہیں گویا ان کو مخلوق سے کسی قسم کی کوئی طلب نہیں ہے۔ اور حقیقتاً ہونا بھی یہی چاہیئے کہ تصنع و تکلف برطرف کر کے تمام مخلوق سے صداقت والفت کا برتاؤ کیا جائے۔ انسان کا ظاہر و باطن یکساں ہونا چاہیئے۔ اور اصل معاملہ تو اللہ کے ساتھ راستی و راستبازی کا ہے جو ہمیشہ ٹھیک رہنا چاہیئے۔

والد بزرگوار نے بہت سی غزلیں، رباعیاں، مثنویاں نظمیں اور قصیدے لکھے لیکن وہ بیاض میں لکھنے سے پہلے ہی ضائع ہو گئے۔ شہر کا ایک مشہور بدمعاش آپ کے کلام کے صندوقچے اس خیال سے چرالے گیا کہ ان میں کچھ زر نقد وغیرہ ہوگا۔ لیکن اُس نے تمام مسودات کلام کو راز فاش

ہوجانے کے خوف سے نذرِ آتش کر دیا۔

والد بزرگوار فرماتے تھے کہ میں جوانی میں بعض تقاریب کے موقع پر اشعار کہا کرتا تھا۔ اور اشعار سنا کر خوش ہوا کرتا تھا۔ لیکن شعر گوئی میری فطرت میں نہ تھی۔ میں نے فن شعر پر ایک دو کتابیں بھی لکھی تھیں۔

ایک دن پیر و مرشد شیخ امان اللہ رحمۃ نے فرمایا کہ ہمارے پاس اکثر و بیشتر لوگ آتے ہیں لیکن معلوم نہیں کہ وہ ہمارے ذوق و مشرب سے لذت و فیض حاصل کرتے ہیں یا نہیں۔ انہیں چاہیئے کہ کوئی بات پوچھنے میں جھجک اور شرم نہ کریں جس پر میں (عبدالحق) نے کہا فقیر کی یہ مجال نہیں جو آپ کے سامنے کچھ کہہ سکے۔ البتہ اگر اجازت ہو تو کچھ لکھ کر بغرض درستی پیش کروں۔ کیونکہ وہ اعلیٰ قوت فصاحت و بلاغت نہیں کہ سخن آرائی اور فضل و کمال کا دعویٰ کر سکوں۔ اور زور کلام کے دریا بہاؤں۔ پیر و مرشد نے مجھے لکھ کر دکھانے کی اجازت سرفراز فرمائی چنانچہ میں نے اپنی بے بضاعتی کے پیش نظر فقیرانہ و عاجزانہ طور پر پیر و مرشد کے حکم کی تعمیل میں ایک رسالہ کاشفات مرتب کیا جس میں لکھا ہے کہ حقیقت مطلقہ کا بلا کم و کیف ادراک تین طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ مرتبۂ جمعیت میں بلحاظ شمول و احاطہ اس کا بلا کم و کیف اس طرح ادراک ہو کہ وہ تمام اشیاء میں جاری و ساری نظر آئے اور یہ وہ حالت ہے جو عین مرتبہ کم و کیف میں نمودار ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ حقیقت مطلقہ کو بلا کم و کیف بلحاظ مماثلت و واسطہ سرورِ عالم اس طرح ادراک کرے کہ سیرت نبوی میں وہ دکھائی دے۔ اور اس لحاظ سے ہر اس انسان کو جو اپنے ترکیب عنصری کو تحلیل کر دے حقیقت مطلقہ کا ہر چیز کے ذریعہ بخوبی ادراک ہوتا ہے۔ اگر انسان کے تمام حواس ظاہری و باطنی جنہیں انسان کے اعضائے رئیسہ کہتے ہیں اگر بفرض محال محو و فنا ہو جائیں تب بھی اس کے وجود و جسم کے لحاظ سے اس کو انسان ہی کہتے ہیں اور یہ دوسری بات ہے کہ صاحب عقل و شعور ہی کو انسانیت لوازِ انسان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور در اصل جبکہ انسان اپنی خواہشات وغیرہ کو تصور محویت فنا کر دیتا ہے تو بلا کم و کیف حقیقت مطلقہ کا ادراک ہوتا ہے جیسا کہ اللہ نے اپنی توحید کو یوں بیان فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔ اور اپنی جامعیت کو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا کے ذریعہ ظاہر کیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی ایک مثنوی سلسلۃ الوصال ہے جس میں تقریباً پانچ سو اشعار ہیں جس کے متعلق فرماتے تھے کہ غلبہ شوق کی وجہ یہ پوری مثنوی ایک دن میں لکھی اور پھر اس پر نظر ثانی نہیں کی اگر اس میں کوئی غلطی پائی جائے تو پڑھنے والے اصلاح کر لیں۔ چنانچہ پیر و مرشد شیخ امان اللہ رح کی مدح میں لکھا ہے۔

قصیدہ

ہرچہ زن در سخن آمد یقین — ہست ہم از صحبت آن مرد دیں
ورنہ چہ حدے است کہ راز درون — از دہنِ چوں منی آید بروں
من کیم و کیستم و چیستم — از دم عیسیٰ نفسے زیستم
اوست دریں راہ مرا رہنما — خاکِ درش چشم مرا توتیا
ہست دلِ او بحق آویختہ — آب صفت در ہمہ آمیختہ
دستِ من و دامنِ او بالیقیں — مقصد و مقصودِ من آں شاہِ دیں
عشق رُخش ہمدم و ہمسازِ من — دردِ غمش مونس و ہمراز من

نمونۂ غزل

سازی نمودہ در ہمہ اعیاں چناں عیاں — کز غایتِ ظہور نہاں است در نہاں
از نام وز نشاں کہ تو اندنشاں دہد — گویا ہزار نام و نشاں ست بے نشاں
پیش از ظہور بود و کما کان شیٔ معہ — بعد از ظہور ہست علی ما علیہ کاں
کون و مکاں بہ پرتو حسن جمال اوست — دیں طرفہ تر نگر کہ نہ کون ست نے مکاں
نزدیک عارفانِ محقق، محقق است — کو عین عالم است ولیکن ورائے آں
گہ روئے پوش ہمچو عروسان جلوہ گر — گہ باہزار شور و شغب جا بجا دراں
سیفی بخویش نسبتِ ہستی گمان تست — اے ولے برکسے کہ بماند دریں گماں

ایک دوسری غزل

ہمائے سدرہ نشینی و مرغ بالائی — زبہر دانہ فتادی بدام رسوائی
شراب شوق بکام تو کے رسد از حرص — پری بگرد شکر چو ذُباب حلوائی
زدشمنی است کہ نفس تو بہر پارۂ ناں — بساخت است ترا ہر در لئے ہر جائی
مدام در چمن از دست ساقی مہوش — چہ خام مشربی ار بادہ را نہ پیمائی
لباس بوریا گر پوشی از ریا ندہد — ہزار مرتبہ بہتر ز صوفِ دارائی
برد بمیکدہ سیفی و بنگر از سرِ ہوش — کہ عارفانِ خدا یند زیر یکتائی

فرماتے تھے کہ سیفی بخاری بہت بڑے شاعر ہیں میں ان کی برابری نہیں کرتا اور میں خود سیفی تخلص رکھنا پسند بھی نہیں کرتا ہوں۔ چونکہ میرا نام سیف الدین ہے اس لئے بعض دوستوں

کے اصرار پر مجبوراً سیفی تخلص رکھا ہے۔
غرضکہ پدر بزرگوار اپنے بڑھاپے کے زمانہ میں جبکہ موت وفنا کا اُن پر غلبہ تھا۔ کھانے پینے پہننے، فراغت و آسائش، صحبت اور ادب و شاعری وغیرہ سے بالکل الگ تھلگ ہو گئے تھے اگر اُن کے علاج معالجہ کی کوشش کی جاتی تو فرماتے میں نے آج تک کون سا اچھا کام کیا ہے جو آیندہ کے لئے صحت و تندرستی کی خواہش کروں۔ میرا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ آپ پر خوف الٰہی اتنا غالب ہو گیا تھا کہ کبھی بھی خشیت الٰہی سے فارغ نہ بیٹھتے اور فرماتے میں اپنی ذات میں کوئی ایسی اچھی چیز نہیں دیکھتا جس پہ ناز کروں اور اسے بارگاہ الٰہی میں پیش کر سکوں۔ اس کے بعد خوب روتے تھے۔
اگر کوئی آپ کی تسلی کے لئے کہتا خوف الٰہی کی وجہ ایک آنسو بھی دوسری عبادتوں سے افضل تر ہے اور آپکے تو اتنے زیادہ آنسو نکل چکے ہیں اب نہ روئیے تو فرماتے کہ حیرانی ہے۔ میری نگاہ جب اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور استغنا پر پڑتی ہے تو اپنی تمام عبادتیں اور اطاعتیں برباد نظر آتی ہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ انجام کیسا ہو گا اور آخر دم کیا طور ہو گا اسی وجہ سے ہر دم رونے کو جی چاہتا ہے۔
آخر زمانہ میں آپ بے انتہا گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔ میں گھر میں بوقت تلاوت قرآن کریم اُن آیات کو بالکل آہستہ پڑھتا جن میں عذاب کا تذکرہ ہے اور اگر کبھی ذراسی رمق اُن کے کان میں آیات عذاب کی پڑجاتی تو وہ بے انتہا روتے اور جان بلب ہوجاتے۔ البتہ رحمت و کرم الٰہی کی آیات بوقت تلاوت اونچی آواز سے پڑھتا جس کے سننے سے اُن میں تازگی اور بشاشت پیدا ہوتی۔ بیماری کے زمانہ میں ایک رات یہ حالت رہی کہ تین گھنٹہ تک وہ بے سُدھ رہے۔ پھر رات کے اخیری حصہ میں جب ان کو ذرا ہوش آیا تو میں نے پورے شوق اور خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت پر پہونچا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ ترجمہ۔ (جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا مربی، تربیت کرنے والا اور پالنے والا ہے پھر اپنے اس قول پر ثابت قدم رہتے ہیں تو فرشتے ان لوگوں کے پاس آکر کہتے ہیں تم کسی قسم کا خوف و ملال نہ کرو۔ تم کو جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے از مترجم اقبال الدین احمد)

میری زبانی یہ آیت سُنکر ان کو بڑی مسرت ہوئی اور فرمایا بیٹے! رحمت ہو اور ہزار بار تم پر رحمت ہو۔ اللہ تمہارے ذوق و شوق اور عمر میں اضافہ کرے۔ انشاء اللہ تم خوش نصیب ہو گے اور نیک اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔

چنانچہ آج تک مجھ فقیر عبدالحق کو پدر بزرگوار کی یہ دعائیں یاد ہیں اور اُمید ہے کہ اُن کی یہ دعائیں میرے لئے دنیا و آخرت میں انشاء اللہ سرمایہ ہوں گی۔ والد بزرگوار نے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا وہ اشعار اور دعائیں جو عفو و مغفرت کے لئے مناسب حال ہوں ایک کاغذ پر لکھ کر میرے کفن کے ساتھ رکھ دینا اور یہ رباعی بھی۔

رباعی

دارم دل کہ غمیں بیا مرز و مپرس　　　صد واقعہ در کمیں بیا مرز و مپرس
شرمندہ شوم اگر بپرسی عملم　　　اے اکرم الاکرمیں بیا مرز و مپرس

اور یہ دو شعر بھی۔

شعر

قَدَّمتُ علی الکریم بغیر زاد　　　مِن الحَسَنات والقلبِ السلیم
وَحَملُ الزَّادِ اَقبَحُ کُلِّ شیئٍ　　　اِذا کان القدومُ علی الکریم

اس کے بعد فرمایا منکر نکیر کے جواب میں لکھو۔

اللہ میرا رب ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ میرے نبی ہیں اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ میرے شیخ ہیں۔

ایک دن فرمایا ہم کو دنیا سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے اس کے تیسرے دن عصر کی نماز کے وقت حالت غیر ہو گئی۔ میں (عبدالحق) اس وقت مسجد میں تھا مجھے وہاں سے بلوایا۔ میں نے آکر دیکھا تو اس وقت آپ میں ایک عجیب قسم کا ذوق و شوق اور تازگی کے آثار تھے جسے تحریر نہیں کر سکتا چنانچہ فرمایا بابا! اب ہم کو کسی قسم کا رنج و غم اور تکلیف نہیں ہے۔ شوق در شوق اور طلب در طلب کا معاملہ پیش ہے۔ اب ہمارے جسم میں کسی قسم کی بیماری، دُکھن، چبھن اور تکلیف نہیں ہے۔ اب تم مشغول عبادت ہو کر دعا کرو کہ اللہ ہم کو جلد اپنے پاس بلالے۔ میری عمر بھر کا سرمایہ مقصود ہاتھ آگیا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ ہاتھ سے نکل جائے۔ میں سیف الدین عمر بھر یہی دعا کرتا رہا اے اللہ تو مجھے اپنی یاد میں مشغول رکھ اور اپنے ذوق و شوق ملاقات میں دنیا سے اُٹھالے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس وقت جمال بامراد بطریق مکمل جلوہ گر ہے۔ اگر اس

حالت میں اللہ اپنے پاس بلالے تو اس کا بڑا ہی لطف و کرم ہے۔ نیز اس زمانہ میں آپ کے جو دوست وغیرہ عیادت کو آتے اُن سے فرماتے دعا کرو کہ جلد خاتمہ بخیر ہو جائے۔ اگر کوئی کہتا کہ اللہ آپ کو شفا اور تندرستی دے تو اُس سے ناراض ہو کر کہتے خدا کے لئے یہ نہ کہو بلکہ دعا کرو کہ اللہ جلد تر مجھے اپنے پاس بلالے۔ کبھی فرماتے اگر کوئی آدمی دو تین دن سرائے میں رہے تو عاجز و تنگ ہو جاتا ہے اور میں نے ستر سال اس سرائے دنیا میں بسر کئے ہیں بتاؤ میں غمگین اور ملول کیوں نہ ہوں؟

آپ نے کھانا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ فرماتے تھے دل ہی نہیں چاہتا کھاؤں کیسے؟ اور کھانے سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ نیز اس خوف سے بھی نہیں کھاتا کہ اس سے مزید بقائے حیات کا سبب ہو جاتا ہے یہاں جو گھڑی گزر رہی ہے وہ مصیبت معلوم ہو رہی ہے میرا دل تو صرف اللہ کی طرف لگا ہوا ہے۔ ایک شخص آپ کی حالت علالت میں گلاب کا پھول لایا آپ نے اُسے سونگھ کر درود شریف پڑھا اور فرمایا گلاب کی خوشبو اور درود شریف دونوں بارگاہ نبوت میں پیش ہوتے ہیں اور گلاب کا جسم یہاں تم لوگوں کے سامنے موجود رہتا ہے۔ اس کے بعد حوض سلطان اور اس کے اطراف واکناف کے مقامات اور اپنے اوقات عبادت یاد کر کر کے خوش ہوئے اور فرمایا انشاء اللہ عنقریب ہم پھر ان مقامات کی دل کھول کر آزادی سیر کریں گے۔ آپ پر سکرات کا عالم طاری تھا کسی نے پوچھا آپ کیا دیکھ رہے ہیں؟ فرمایا باغ، چشمے اور سادات بخارا موجود ہیں انہیں دیکھ رہا ہوں۔

زمانہ علالت میں ایک دن فرمایا حضرت غوث الثقلین کا فرمان آیا ہے۔ پڑھو کیا لکھا ہے۔ میں فقیر (عبدالحق) نے عرض کیا کیسا فرمان کون لایا ہے؟ فرمایا ایک صالح وسعادت مند لایا ہے ذرا ٹھیک ٹھیک پڑھو کیا لکھا ہے؟ ایک دن میں فقیر (عبدالحق) نے آپ کی علالت ہی کے زمانہ میں عرض کیا انسان کی عاجزی کیا کوئی عجیب وغریب بات ہے؟ فرمایا حقیقتِ عاجزی یہ ہے کہ ضرورت وحاجت جو ماہیت امکانی کے لئے لازمی ہے اس کو وجدان کے ذریعہ معلوم کریں اور ساتھ ہی اس ذوق معنی کا ادراک بھی ہو۔ اس حالت کو عاجزی کہتے ہیں اور یہی انوکھی چیز ہے۔

ایک دن فرمایا بیٹے! اخوندِ آسماں حافظ تمہارے دوست ہیں انہیں بلواؤ کچھ قرآن شریف سُنیں گے۔ اس کے بعد فوراً ہی فرمایا رہنے بھی دو۔ تم خود ہی دن رات ہمارے پاس بیٹھے

قرآن شریف پڑھتے ہو بس یہی بہت کافی ہے۔ اب کسی قسم کی خواہش نہیں۔ یہ عبودیت کا وقت ہے اللہ جب چاہیں گے کسی کو بھیج کر بلالیں گے۔

اسی دن آپ کے انتقال سے پہلے میں نے سنت طریقہ پر آپ کو تلقین کی اور عرض کیا درویش اس وقت پاس انفاس میں مشغول رہتے ہیں تو آپ نے آنکھیں کھول کر آہستہ سے کہا ہاں "پاس انفاس" اس وقت کارآمد ہوتا ہے کیونکہ تمام اعضائے جسمانی بیکار ہو گئے ہیں اور سانس لینے کی بھی قوت نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے بلند آواز سے کئی مرتبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فرمایا اور خاموش ہو کر دل میں اللہ کی یاد کرنے لگے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دل میں سے کلمہ طیبہ کی آواز آتی ہے۔ اور اس کے چند لمحہ بعد آپ ۲۷۔ شعبان ۹۹۰ھ کو رحمت حق سے پیوستہ ہو گئے۔ بعض لوگوں نے آپ کی تاریخ وفات دلی تحت القباب بھی نکالی ہے۔

خاتمہ کتاب

مؤلف پیدائش محرم ۹۵۸ھ ـــــــــ وفات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۵۲ھ

مؤلف اخبار الاخیار کے چند ابتدائی واقعات جنھیں اللہ تعالیٰ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔

والد بزرگوار اپنے بڑھاپے کمزوری اور اخیری زمانہ میں میری دلدہی کی جانب زیادہ متوجہ تھے۔ جوانی ختم ہو جانے اور یاروں کے مرجانے کی وجہ سے وہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے اس زمانہ میں میری عمر تقریباً چار سال کی تھی۔ میں آپ کی بیماری میں دلدہی کیا کرتا تھا آپ رات دن شفقت وعنایت فرمایا کرتے انھیں دنوں جبکہ میں بچہ تھا صوفیوں کے اقوال سناتے اور میری باطنی تربیت کرتے۔ اور میں بھی فطری طور پر ان باتوں کے سننے کا متوالا تھا۔ وہ باتیں کرتے کرتے خاموش ہو کر بالکل از خود رفتہ ہو جاتے۔

جس زمانہ میں میری عمر ڈھائی سال کی ہوگی اس وقت کی اکثر باتیں اب تک مجھے یاد ہیں اور یہ وہ باتیں ہیں جو دانشمندوں کی آگاہی کے لئے بے انتہا ضروری اور مفید ہیں۔ غرضکہ جس زمانہ میں پدر بزرگوار کی مہربانیوں کے ظہور کا وقت آیا تو میں تحصیل علوم میں مشغول ہو گیا اور شب وروز ذکر و تذکرہ اور بحث و تکرار میں بسر کرنے لگا۔ اکثر اوقات وہ بذات خود مجھ سے علمی مباحث سنتے اور خوش ہو کر خاص طور سے علم توحید کے مسائل اس طرح سمجھاتے گویا علم شہود اور آنکھوں دیکھی باتیں کر رہے ہیں۔ جب مقدمات علمی کے لحاظ سے علم شہود وحقیقت کے سمجھنے میں مجھے

کوئی دغدغہ رہ جاتا تو فرماتے اسی قسم کے شکوک وشبہات ان مسائل میں اکثر و بیشتر پیدا ہوتے رہتے ہیں اور انشاء اللہ تمام شبہے آیندہ دور ہو کر تم خود بہ جمال یقینی ان کا مشاہدہ کرلوگے۔ تاہم جتنی ہوسکے کوشش کرتے رہو اور ہمیشہ اسی خیال میں رہو کہ مسائل بخوبی ازبر ہوجائیں۔ اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

شعر

لنگ ولوک وخفتہ شکل وبے ادب　　سوئے او می خیزد او را می طلب

میں نے بغیر حروف تہجی پڑھے پہلے پہل دو تین سپارے قرآن کریم کے اس طرح پڑھے کہ والد ماجد مجھے ایک ایک سبق لکھ کر دیتے اور میں پڑھتا جاتا۔ اس کے بعد ان کی تربیت و شفقت کا یہ اثر ہوا کہ روزانہ جتنا قرآن کریم پڑھتا وہ ان کو سنادیا کرتا۔ چنانچہ اس طرح دو تین مہینہ کے اندر میں نے پورا قرآن کریم پڑھ لیا۔ اور جس طرح معلم صاحبان مدرسہ میں اپنے شاگردوں کو رٹاتے ہیں میں نے رٹا نہیں۔ والد ماجد نے مجھے قایا قاف تک تختی لکھائی تھی اس کے بعد شاید ایک مہینہ میں مجھے لکھنے پر قدرت حاصل ہوگئی اور میں انشاء لکھنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے والد ماجد میں یہ اثر و خاصیت رکھی تھی کہ کوئی شخص چاہے کتنا ہی غبی ہو اُن کی توجہ اور تربیت سے اُس غبی شخص میں صلاحیتیں ظاہر ہوجاتی تھیں۔ اور مجھے جو کچھ ملا وہ صرف والد بزرگوار کی توجہ مہربانی وعنایت کا اثر ہے۔ اور انھوں نے اپنے پورے حقوق پدری میری تربیت وتعلیم پر صرف فرمائے بوستاں وگلستاں دیوان خواجہ حافظ اور نظم کی مروجہ کتابیں خود پڑھائیں۔ بچپن سے لے کر قرآن کریم ختم کرلنے تک اور اس کے بعد میزان منشعب سے لے کر کافیہ کی بھی خود ہی تعلیم دی پڑھانے کے زمانہ میں اکثر و بیشتر فرمایا کرتے انشاء اللہ تم جلد عالم بن جاؤ گے۔ اور اس تصور سے مجھے بڑی مسرت ہوتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تم کو درجہ کمال عطا کرے گا اور میں تمہارے دائرہ درس وافادیت پر اپنے بڑھاپے میں تکیہ کروں گا۔ کبھی چند کتابوں کے نام لے کر فرماتے بس یہ کتابیں پڑھ لو عالم ہوجاؤ گے۔ فرماتے ہر علم کی تھوڑی تھوڑی کتابیں پڑھو جو تمہارے لئے کافی ہیں اور اس کے بعد انشاء اللہ برکت وسعادت کے دروازے تم پر کشادہ ہوجائیں گے۔ اور تم تمام علوم بلا تکلف حاصل کرلو گے۔ والد ماجد کے ان پاکیزہ جملوں نے وہ اثر کیا کہ کتب متداولہ و مروجہ میں نے جلدی جلدی پڑھیں اور کم مدت میں زیادہ سے زیادہ علوم حاصل کئے علوم کے مدنظر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برسہا برس اور بہت بڑی مدت حصول تعلیم میں صرف ہوئی ہو۔

علوم نحو میں کافیہ، لُب الالباب اور ارشاد وغیرہ کے بعض اوقات ایک نشست میں سولہ سولہ صفحے پڑھ جاتا اور شوق کا یہ حال تھا کہ جب کوئی کتاب حاشیہ والی مل جاتی تو اسے استاذ سے نہ پڑھتا بلکہ اکثر اوقات اسے خود ہی پڑھ کر سمجھ لیتا۔ ہاں اگر کوئی مشکل باب ہوتا تو اسے لازماً استاذ کے روبرو پڑھ کر سمجھتا تھا۔ اللہ ہی جانے میں اپنے ابتدائی زمانہ طالب علمی میں کیا پڑھتا اور کیا سمجھتا تھا البتہ اتنا یاد ہے کہ کتاب کی اصل عبارت اس کے حاشیہ کے ذریعہ بخوبی سمجھ لیا کرتا تھا۔ میرے ہاتھ جو کتاب پڑتی میں اس کے اول و آخر کا لحاظ کئے بغیر اُسے کھول کر اخیر تک پڑھ لیا کرتا مطالعہ کو وقت کا تقاضا اور ضروری لازمہ سمجھتا کیونکہ علم حاصل کرنا میرا النصب العین تھا۔ بارہ تیرہ سال کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد نسفی پڑھی۔ اور پندرہ سولہ برس کی عمر میں مختصر معانی اور مطوّل ختم کی اور لوگوں کے خیال سے بیس برس کی عمر میں فلسفہ ادب، اور فقہ وحدیث وغیرہ پڑھ چکا تھا۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کے بعد ایک سال کچھ دنوں میں قرآن کریم بھی حفظ کیا اور کلام اللہ کی حفاظت میں آیا اور وہ نعمت پائی جس کے ایک حرف کا شکریہ بھی سو سال میں ادا نہیں کر سکتا۔ غرضکہ تمام کتب مروجہ پر میں نے عبور حاصل کیا پھر ادب، فلسفہ، علم کلام وغیرہ میں مہارت اور پڑھانے کی مشق کے لئے ماوراء النہر گیا۔ اور وہاں تحصیل علوم میں اتنا مشغول رہا کہ تعلیم ومطالعہ کتب سے شب وروز میں دو تین گھنٹے کی فرصت ملتی تھی۔ جب اساتذہ کرام کے روبرو اثنائے سبق میں انوکھی بحث کرتا یا مفید بات کہتا تو وہ فرماتے اے عزیز! ہم تم سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور تمہارے شکر گذار ہیں۔ اللہ جانے وہ کیا شوق تھا اور وہ کیسی طلب تھی۔ اگر اتنا ذوق وشوق طلب الٰہی اور باطن کی صفائی میں ہوتا تو نہ معلوم آج کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔

ایک مرتبہ جبکہ میں کافیہ وغیرہ پڑھا کرتا تھا کہ ہمارے ساتھی طالب علم بیٹھے آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے حصول علم کے بعد کیا کرو گے؟ بعض نے بناوٹ کے طور پر کہا ہمارا مقصد معرفت الٰہی ہے۔ بعض نے سادگی کے ساتھ صاف صاف کہا ہمارا مطلب تو دنیا طلبی ہے۔ پھر مجھ سے پوچھا بتاؤ تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا مجھے بالکل نہیں معلوم کہ تحصیل علم کے بعد معرفت الٰہی میں مشغول رہوں گا یا دنیا طلبی میں البتہ اندنوں صرف اتنا معلوم کرنا ہے کہ قدیم عقلمندوں اور عالموں نے کیا کہا ہے اور کشف حقیقت ومعلومات مسائل میں کون کون سے موتی پروئے ہیں۔ اس کے بعد جو حالت پیش ہوگی دیکھا جائے گا کہ عیش وعشرت دنیاوی

کی طرف متوجہ ہوں گا یا محبت الٰہی وطلب عقبیٰ کی راہ چلوں گا۔

بچپن ہی سے میں نہیں جانتا کہ کھیل کود کیا چیز ہے، خواب وخورش، مصاحبت و دوستی، سیر وتفریح اور آرام و آسائش کیا معنی رکھتی ہے۔

شعر

شب خواب چہ و سکوں کدام است خود خواب بعاشقاں حرام است

شوق علم وعمل میں کسی وقت پر کھانا نہ کھایا اور بروقت آبائی محل میں نہ سویا۔

موسم سرما کی سخت ٹھنڈی ہواؤں اور موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں گھر سے روزانہ دو مرتبہ صبح و دوپہر مدرسہ جاتا۔ مدرسہ ہماری محل سرا سے تقریباً دو میل تھا۔ دوپہر کو مدرسہ سے لوٹ کر دوسروں کی طرح قوت ارادی وقوام حرکت جسمانی کے لئے صرف چند نوالے کھا لیتا۔ صبح کو تڑکے اٹھ کر پہلے ایک دو جزو چراغ کی روشنی میں پڑھتا اور پھر اول وقت مدرسہ پہونچ جاتا۔ اس پر طرّہ یہ کہ گھر پر جتنا وقت ملتا اس میں کوئی لمحہ بیکار نہ بیٹھتا بلکہ مطالعہ کتب، بحث وتکرار، اعادۂ اسباق، شروح وحواشی کے معائنہ میں اپنا پورا وقت صرف کرتا۔ رات دن پڑھتا۔ نہ رات کو اور دن کے کسی نہ کسی حصہ میں خوشخطی بھی لکھتا۔

میرے والدینؒ ہمیشہ فرماتے کسی وقت تو محلہ کے لڑکوں سے مل کر کھیلو کودو اور دل خوش کرو۔ اور رات کو لیٹے پاؤں کرکے آرام سے سو۔ لیکن میں عرض کرتا کھیل کود سے جب دل خوش کرنا ٹھیرا تو میں اس سے خوش ہوتا ہوں کہ کچھ پڑھتا اور لکھتا رہوں۔

عام طور پر لوگ اپنے بچوں کو اسکول جانے اور پڑھنے کی تاکید کرتے ہیں اس کے برعکس مجھے کھیل کی جانب متوجہ کیا جاتا تھا۔

پڑھتے پڑھتے جب رات کے بارہ بج جاتے تو والد ماجد فرماتے بابا کیا کر رہے ہو تو میں فوراً ہی لیٹ جاتا تاکہ جھوٹ نہ کہوں اور پھر عرض کرتا جی میں سو رہا ہوں فرمائیے ارشاد کیا حکم ہے! اس کے بعد پھر اٹھ کر پڑھنے لگتا۔ اکثر ایسا ہوا کہ چراغ کی لپ سے میرے عمامہ اور سر کے بالوں میں آگ لگ گئی اور مجھے اس وقت پتہ چلا جب حرارت میرے دماغ پر پہونچی۔

اشعار

چہ وہ دماغ چراغ کہ در دماغ نرفت کدام بادۂ محنت کہ در ایاغ نہ رفت
کدام خواب وچہ آسائش وکجا آرام چہ خار خار کہ در بستر فراغ نہ رفت

بحیرتم زدل خود کہ عمر رفت و ے ز کنج غمکدہ ہرگز بصحنِ باغ نرفت

تحصیل علم کے شوق کے باوجود نماز، وظیفے، شب خیزی، مناجات وغیرہ میں اپنی فطرت کے مدنظر بچپن ہی سے اتنا مشغول تھا کہ لوگ حیرت کرتے تھے۔

ذوق سحر خیزی اور ہر وقت کام میں مشغول رہنے کی وجہ سے اب تک اللہ کے فضل نامتناہی اور اس کی توفیق کے تحت کافی نعمتیں ملی ہیں۔ اور پہلے سے بھی زیادہ محنت و ریاضت تعلیم وافادیت میں مشغول ہوں۔ اور دنیا کے نیک و بد سے الگ تھلگ گوشہ غربت میں پڑا ہوں جس کی وجہ کسی قسم کی فکر و تکلیف نہیں نیز لوگوں کی دشمنی یا دوستی سے دوراور فارغ البال ہوں۔ اور نحوی جملوں زید و عمر کے قصوں سے پاک وعلیحدہ ہوں۔

رباعی

صد شکر کہ با ہیچ کسم کارے نیست واز من بدل ہیچکس آزارے نیست

گر بر دل دشمنان من بارے نیست بر خاطر دوستانِ من بارے نیست

پروردگار عالم نے جس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا میرے بس میں نہیں اس نے مجھ غریب کو اپنے ذوق وشوق کی اس حالت سے مخصوص اور مالا مال کیا ہے کہ میرا دل اور میرا تمام وقت صرف اُس کے حضور میں مشغول رہتا ہے اور لوگوں کے میل جول وغیرہ سے الگ ہوں۔ میں اپنے خیال میں مگن ہوں اگرچہ وہ رازہائے سربستہ کا مراہی ہو یا مالیخولیا لیکن یہ مقطع میرے حالات کا آئینہ دار ہے۔

حقی کجا وصحبتِ کس کز خیالِ دوست دارم بخود چہ مردم دیوانہ عسالے

بحکم والد ماجد کہ " ملائے خشک و ناہموار نہ بننا" میں بچپن ہی سے ہمیشہ عشق ومحبت کا دم بھرتا ہوں اور غم خواری و دردمندی کی راہ چلتا ہوں۔

شعر

بیہدہ دایم ہرگز از عشق دائم دل دردناک داریم

اُمید ہے کہ صاحب قدم کی بدولت میرا دل کار فرمائی کرے اور اصل کام یہ ہے کہ نفس کو بیکار کر دیا جائے میں بیکار نہ رہوں۔ اور میں اپنا جی اس طرح خوش کروں کہ کام کے آغاز یا اس کے دوران میں جن چیزوں کے ذریعہ قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور دل کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں وہ تمام دقتیں میرے سامنے آئیں۔ اور پھر پردۂ غیب سے میری دستگیری ہو اور کارخانۂ نفس و

شیطان پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ غلبہ پاکر مجھے گوشہ نشین بنادے اور دوسروں سے میں اپنی روزی طلب کرنے کے بجائے صرف اللہ ہی سے ہر چیز کا طلبگار ہو جاؤں ـــــ گذستہ زمانہ میں ایک عرصہ تک عقل کی مزاحمت کی وجہ توحید کی صورت نظر نہ آئی اور نقشہ مقصود بحالت درستی وصفائی حاصل نہ ہو سکا۔ حالانکہ طلبگاران حقیقت کے لئے اولین شرط یہی ہے کہ توحید الٰہی ان کو حاصل ہو جائے۔ آخر کار جب مخلوق کے مشوروں سے مقصد برآری نہ ہوئی تو مجبوراً اللہ ہی سے طلب خیر کی اور اس طلب میں عقل کی گتھیاں سلجھائیں تاکہ دیوانگی کا ساتھ نہ چھوٹے۔

شعر

زین خرد بیگانہ می باید شدن　　دست در دیوانگی باید زدن

غرضیکہ راحت و آرام کے حصول اور خطرات و وسواس کے زوال کے بعد جس کا نتیجہ مایوسی ہوا کرتا ہے۔ میں تمام کاموں سے ہاتھ دھو اور لوگوں سے آنکھیں بند کر کے درِ دل پر اس انتظار میں بیٹھ گیا کہ اب کیا ہوتا ہے اور کونسی راہ کھلتی ہے۔ چنانچہ "جس نے دربار الٰہی میں توبہ کی وہ مایوس نہ رہا اور جس نے اللہ کے حضور التجا کی وہ کامیاب ہوا" کے احکام کے پیش نظر اچانک بیکسوں کے چارہ گر اور آوارہ لوگوں کے راہنما نے مجھے اپنی طرف بلایا اور خانماں بربادی کی گردن میں زنجیر شوق ڈال کر اپنی گھر کی جانب گھسیٹ لیا۔ اور مجھ نامراد کو منزل مقصود پر پہونچایا۔ یعنی اپنے حبیب پاک ؐ کے دربارِ دُر بار فیض آثار میں پہونچا اور حریم عنایت و کرم سے سرافراز فرمایا گیا۔

شعر

حاشا وان یحرم الراجی مکانہ　　او یرجع الجار منہ غیر محترم

مجھ فقیر حقیر کو حضرت بشیر و نذیر ؐ کے انعامات و اکرامات سے جو کچھ بشارت ملی ہے وہ بیان میں نہیں آسکتی۔ اور یقین ہے کہ یہ آثار و انوار نیک لوگوں کے لئے انشاء اللہ ضامن و کفیل ہوں گے۔

اگرچہ میں خود اپنے کثیر ذاتی نقائص اور کمی استعداد نظر کے باوجود قدرے مطمئن نہیں کہ مطلوب و مقصود پوری طرح حاصل کر سکوں لیکن دست امید دراز ہے اور پائے یقین مضبوط ہے کہ کشتی نوح میں بیٹھا ہوا ہوں اور انشاء اللہ ساحل نجات پر پہونچ جاؤں گا۔ جہاں پہونچ کر جمال الٰہی سے مسرور ہوں گا۔ اور جو کوئی دنیاوی کشتی میں بیٹھ کر سرکشیاں اور غرور کرے تو وہ اس کا بھی یقین کرلے کہ آتش دوزخ کے طوفان سے اس کو ہرگز ہرگز نجات نہیں مل سکے گی۔

میرا مرکز اعتماد ان صاحب قدم پر ہے جو مالک رقاب اولیاء ہیں۔ اور کوئی رہ رو ایسا نہیں جو اُن کی خدمت میں اپنے سر کے بل نہ جائے اور ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھے۔ اور یہ سب کچھ خود ان ہی کی سرفرازی۔ اُن کی صفت یہ ہے کہ رسول اللہؐ کے وہ قدم بہ قدم گامزن رہے بلکہ عالم ہی کی طرح قدم بہ قدم چلتے رہے۔ اور سعادت اسی کو ملی جس نے آپؐ کے قدموں پر سرِ تسلیم خم کیا اور بہر نوع آپ کے احکام کی تعمیل کی۔ رسول اکرمؐ و حضرت علیؓ کی وراثت سے تمام بزرگوں کو جو کچھ ملا وہ صرف خلف صادقؒ کے حصہ میں آیا۔ اور یہ بڑی تونگری و امارت ہے اگرچہ رسول اکرمؐ کے وارث بکثرت تھے لیکن جو کچھ ان خلف صادقؒ کو ملا وہ دوسروں کو نصیب نہ ہو سکا۔ دولت و مال میں تمام ورثاء کو برابر مقررہ حصہ ملتا ہے لیکن وراثت حال و کیف میں ایک کو دوسرے کے برابر حصہ نہیں ملا کرتا کیونکہ حال و کیف اور مراتب وہ دولت ہے جس کے مستحق ہی کو یہ دولت بیش قیمت سرفراز فرمائی جاتی ہے۔ اگر دوسرے لوگ قطرہ ہیں تو یہ خلف صادق قطب الاقطاب ہیں۔ اگر دوسرے سلطان ہیں تو یہ خلف صادق شہنشاہ سلاطین ہیں اور آپ کا اسم گرامی حضرت شیخ سید سلطان محی الدین عبدالقادر گیلانیؒ ہے جنھوں نے دین اسلام کو دوبارہ زندہ کیا۔ اور طریقہ کفار کو یکسر ختم کر دیا۔ رسول اکرمؐ نے بھی یہی فرمایا ہے الشیخ یُحیی و یُمیت۔ شیخ کی بلندیٔ مرتبہ کا اس سے بھی اندازہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ جو حی و قیوم ہے اُس نے ہم کو اسلام عنایت فرمایا اور غوث الثقلین نے اس کو دوبارہ زندہ کیا۔ غوث الثقلین کے معنی ہی یہ ہیں کہ جنات اور انسان سب اس کی پناہ میں آتے ہیں چنانچہ میں بیکس و محتاج بھی ان ہی کی پناہ کا طلبگار اور ان ہی کا درباری غلام ہوں۔ مجھ پر اُن کی عنایت و کرم ہے اور ان کی مہربانیوں کے بغیر کوئی فریاد رس نہیں ہے۔

مناجات

غوث اعظم دلیل راہ یقیں — کن یقیں رہبر اکابر دیں
شیخ دارین و ہادی ثقلین — زبدۂ آل سید کونین
بادشاہ ممالک قربت — رہ نوردِ مسالک قربت
اوست در جملہ اولیا ممتاز — چو پیمبر در انبیاء ممتاز
اولیا بندہ اش از دل و جاں — قدم او بگردن ایشاں
وصف تعریف او ز من نہ نکوست — خود کراماتِ او معرفِ اوست

من کہ پروردۂ نوال ویم — عاجز از مدحت کمال ویم
ہمہ دم غرق بحر احسانم — اے فدائے درش دل وجانم
در دو عالم با وست اُمیدم — سہت با وے اُمید جاویدم

امیدوار ہوں کہ اگر راستہ سے ٹھیک جاؤں تو وہ رہبری کریں اور اگر ٹھوکر کھاؤں تو وہ مجھے سنبھال لیں۔ کیونکہ انھوں نے اپنے دوستوں کو بشارت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے ایک رجسٹر بنا دیا ہے جس میں قیامت تک ہونے والے مریدوں کا نام لکھا ہوا ہے نیز حکم الہٰی ہو چکا ہے کہ میں نے ان سب کی بخشش کر دی ہے اور ان کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ کاش میرا نام بھی آپ کے مُریدوں کے رجسٹر میں ہو۔ اندریں صورت مجھے کیا غم ہے کیونکہ میری حسب مرضی کام پورا ہو گیا ہے۔ میں نامرادبھی حضرت غوث الثقلین کا مُرید بن گیا ہوں۔ قبول کرنا یا انکار کر دینا اُن کے ہاتھ میں ہے۔ میں ان کے خواہشمندوں میں ہوں اور ان کا چاہنا یہ ان کے اختیار میں ہے۔ حقیقی طور پر مُرید ہوتا یہ مجھ مجازی آدمی سے کیسے ہو سکتا تھا۔ کسی بے نمازی کے درود شریف پڑھتے رہنے سے ہمیشہ فائدے نہیں ملا کرتے ہیں۔ چونکہ میں نے خود کو اُن کی جانب منسوب کر لیا ہے اور انہی کی بارگاہ میں پناہ کا طلب گار ہوں۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جبکہ ازل سے یہ سعادت میری قسمت میں لکھی تو لازماً ابد تک میرے ساتھ ہی رہے گی۔ اور میری حالت یہ ہے کہ جس زمانہ میں مجھے عقل و شعور نہ تھا اس زمانہ سے میں اپنے لوحِ دل پر آپ کا اسم گرامی لکھتا ہوں۔

شعر

نا بعشق تو نہ امروز گرفتار شدیم — کہ گرفتاری ما با تو ز روزِ ازل است

ان کا جاذبہ محبت خود ہی مجھے کھینچ رہا ہے جس کی مجھ میں سکت نہیں اور ان کا کرشمہ عنایت خود ہی مجھے مخاطب کر رہا ہے جس کا مجھے عقل و شعور تک نہیں ہے۔

شعر

ہنوز از دم ہستی اثر نبود مرا — کہ جذبہ عشق تو از خویش می ربود مرا

یہ آپ ہی کا فیض باطن ہے جس نے میرے ظاہر و باطن کو محفوظ رکھا ہے اور اول و آخر کو معصوم و محفوظ قرار دیا ہے۔ والد ماجد بھی آپ ہی کے در کی خاک تھے۔ اور اسی نسبت کے زیر اثر تربیت دیتے اور تقویت پہونچاتے تھے۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اس بادشاہ عالم کی

جناب بغیر کسی وسیلہ کے بڑھنا چاہا لیکن وسیلہ کے بغیر کوششیں رائگاں ہوئیں۔ مجھے اکثر و بیشتر بشارت ہوئی کہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ اور اس فضیلت کے حاصل کرنے کے لئے جس وسیلہ ونسبت کی ضرورت ہے وہ سلسلہ ارادت ہے۔ میں نے بہت کوشش کی تھی کہ کسی سے باطنی طور پر اسلامی نسبت قائم کروں اور قرابت جسمانی کو رشتہ روحانی سے منسلک کروں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنی پوری زندگی اس کے قدموں میں گذاروں چنانچہ آخر کار میری سچی نیت نے کام کیا اور میرا درخت مراد بارآور ہوا اور جس طرح یرزقہ من حیث لا یحتسب۔ اللہ تعالیٰ بغیر شان وگمان کے رزق پہونچا دیتا ہے۔ بالکل اس طرح اللہ نے میرے پاس اس عیسیٰ نفس کو بھیجا جس کی ہر سانس میں آسمان معرفت کے دستر خوان بچھے اور عیش ونشاط کے جھگھٹے ہوتے۔ وہ موسیٰ مقام تھے جن کا جمال آتشی شہر وحدت کا طلوع تھا اور طور حقیقی کی درخشانی ان کا نور تھا۔ وہ باقی رہنے والے خلیل جس رخسار زیبا میں باغوں کی بہار اور باغ ملت اسلامیہ کے پھول کھلے ہوئے تھے وہ مصطفےٰ جمال جن کا چہرہ نمکدان خوان انا املح تھا اور اُن کی زبان قرآن کی بہترین فصاحت واضح کرتی تھی۔ وہ مرتضیٰ کمال تھے جن کا دل دروازہ شہر علم اور ان کے ضمیر پر دروازہ اسرار وکشف کھلے ہوئے تھے۔ وہ حسن صورت جو خلق عظیم کی وراثت کے مرتبہ اور مسلمانوں پر مہربان کے مرتبہ پر فائز تھے۔ وہ حسین سیرت تھے جو آیت تطہیر اور مودت قربیٰ کے مصداق تھے۔ ان کا اسم گرامی زین العابدین والامام الصادقین سید تقی نقی علوی علی الہدیٰ حضرت کلیم اللہ تھا جو محبوب حبیب خدا تھے۔

رباعی

احمد خوئے کہ عالمے بندۂ اوست یوسف روئے کہ ماہ شرمندۂ اوست
عیسیٰ نفسے کہ جان ودل زندۂ اوست موسیٰ کہ لقائے دوست خواہندۂ اوست

قرآن کریم میں جو صفت آئی ہے وہ آپ پر صادق آتی ہے اور آپ کی حالت کے عین مطابق ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو موسیٰ کا دل دیا گیا ہے مگر آپ دراصل رسول اکرم کے جگر گوشہ ہیں۔

رباعی

اے دیدہ بیا بلقائے منظور بہ بیں آں جبہہ وآں جمال وآں نور بہ بیں
در وادیٔ ایمن محبت بگذر ہم موسیٰ وہم درخت وہم طور بہ بیں

آپ حمیدہ صفات جانشین حامد و وارث مقام محمود ہیں۔ اور ایسے حامد و حمد کرنے والے

ہیں کہ آپ کی تعریف و توصیف میں زبان سے بے اختیار "ناقابل شمار تعریف" نکلتی ہے۔ غرضکہ یہ آفتاب دولت دنیا و دین جب طلوع ہوا تو میں نے یقین کرلیا کہ یہ میرے ہی مقدر میں ہے۔ اور جونہی ان کے جمال جہاں نما سے آنکھیں روشن ہوئیں تو دل میں کچھ اور ہی نور سرور جلوہ گر ہوا۔ پہلی ہی ملاقات میں دل ہاتھوں سے جاتا رہا اور میں ان کے پاؤں پر گر پڑا۔

شعر

مرتے بود کہ مشتاق لقایت بودم لاجرم روئے تُرا دیدم واز جا رفتم

تھوڑے عرصہ کے بعد میں نے اپنے حالات عرض کرنے کی جسارت کی لیکن میرے معروضہ سے پہلے ہی انھوں نے اپنے صفائے باطن کے ذریعہ میرے حالات معلوم کرلئے تھے اور میرا مطلب ومقصد سمجھ گئے تھے۔ لیکن میری صداقت کی بھوک پیاس کی تفتیش وتحقیق کی خاطر پھر میرے حالات خود دریافت فرماتے ہوئے کہا اے ہمارے اسلو !! ہم تم سب ایک ہی نہر کے پیاسے ہیں اور ایک ہی دریا کی نہریں ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم سمندر کے طلبگار بن کر میرے پاس آئے ہو۔ اور میری حالت یہ ہے کہ میں بھی دوسروں کی طرح خود کو دریا کی ایک نہر کہتا ہوں اچھا کہو تم جس نہر کو زیادہ شیریں اور اس کے پانی کو زیادہ صاف شفاف سمجھو اس کی طلب میں کوشش کرنا۔ اور اگر یہ نہیں چاہتے کہ اپنے اختیار کو کام میں لاؤ اور صرف امتحان مدنظر ہو تو پھر خود کو سمندر کے حوالہ کردو اور اس کی توجہ کے منتظر رہو تاکہ وہ تمہیں جس راہ سے چاہے بلائے اور جہاں چاہے پہونچادے اس پر میں نے ایک چیخ لگائی اور عرض کیا میں سراب تخیل میں حیران وپریشان ساحل حیرت پر پڑا ہوا ہوں۔ سمندر کو مجھ سے کیا واسطہ ہے جو میری آواز سنے اور اس کو کیا پڑا ہے جو میری چیخ و پکار پر کان دھرے۔ میں نے خود کو آپ کے حوالہ کردیا ہے اب آپ جہاں چاہیں پہنچا دیجئے۔

ارشاد فرمایا مایوس نہ ہو۔ تم کو سمندر سے خاص واسطہ وتعلق ہے۔ اور بفرض محال اگر کوئی شناسائی نہ ہو تب بھی وہ دریائے رحمت تمام پر محیط ہے چاہے کوئی چھوٹا ہو یا بڑا۔ ناقص ہو یا کامل۔ یاد رکھو وہ ضرورت کے وقت فریادرسی کرتا ہے اور تنگی کے زمانہ میں دستگیری کرتا ہے۔

غرضکہ میں آپ کے اشاروں پر تیزی سے گامزن ہوگیا اور پہلی ہی رات میں اپنے مطلب برآری اور مقصود حاصل ہونے کی میں نے بشارت پائی۔ چنانچہ بے اختیار ہوکر بغیر کسی توقف کے میں نے اُن کی بیعت کرلی۔ اور ان کی خدمت کرنے لگا۔ اور یہ واقعہ ۶۔ شوال ۹۸۵ھ کا ہے سارے تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ علاوہ ازیں ایک اور سعادت اور عظیم ترین نعمت حاصل ہوئی

جس کو ظاہر کئے بغیر صبر نہیں کر سکتا اگرچہ وہ راز ہائے سربستہ ہیں جن کو چھپایا ہی جاتا ہے۔

مصرعہ

لیکن از شوق حکایت بزباں می آید

سنئے! جب سعادت ازلی نے مجھے نعمت ابدی سرفراز فرمائی تو میں ہمیشہ اسی اشتیاق میں رہا کہ میرے مقصود کی مجھے بشارت مل جائے تاکہ تسلی واطمینان کے ساتھ راہ سلوک میں تیزی سے آگے قدم بڑھاؤں۔ اور اگر طلب فرقت کی سوزش ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کتنی بڑی آرزو ہے اور مقصد کتنا عظیم الشان ہے۔

شعر

من و وصال تو ہیہات بس عجب ہوس است ہمیں کہ نام تو ام بر زباں رود نہ بس است

ہمیشہ اسی خیال میں رات دن کاٹ رہا تھا کبھی راتوں کو اس لئے بیدار رہتا کہ بارقہ جمال نظر آئے دن کو یہی جستجو رہتی کہ خواب وخیال ہی میں اس کے وصال کی نشانی مل جائے۔

قطعہ

اگر تو وعدۂ وصلم دہی بہ بیداری حرام باد سر خود اگر بخواب آرم
وگر بخواب نمائی جمال خود یکدم بروز حشر نخواہم کہ سر ز خواب آرم

اور یہ حالت اس وقت تک رہی جبکہ عقل کا پردہ اور طلب کی خواہش درمیان سے اٹھ گئی اور اللہ کے فضل وکرم نے اپنا کام کر دکھایا۔ مجھ غریب کو براہ راست اپنی چوکھٹ پر پہونچا دیا۔ اور اس تمام بیداری کے نتیجہ میں وہ خواب دیکھا جو ہزار بیداریوں سے بہتر و برتر ہے۔

شعر

بخیالے ز تو راضی و بخوابے خوشنود حاصل از وصل تو خوابی وخیالے دارم

یہ اس قصہ کا مجملی بیان ہے جس کو زبان قلم سے ادا ہی نہیں کیا جاسکتا۔

شعر

حقا بیان شوق بپایاں نمی رسد کوتاہ ساز قصۂ درد دراز را

اب مجھ فقیر کی بارگاہ رب العزت میں ایک مناجات ہے اور ایک ضرورت ہے جسے میں اس کی بارگاہ میں پیش کر رہا ہوں جس میں سے چند جملے ان اوراق میں لکھ رہا ہوں تاکہ جب چاہوں انہیں پڑھ کر اپنی خوش وقتی بناؤں۔ اور اگر کسی دوسرے شخص کی بھی میری ہی جیسی

حالت ہو تو وہ بھی اس سے اپنا وقت خوش کر سکے اور عین ممکن ہے کہ وہ میرے لئے بھی دعا کرے جو حصول مقصد کا سبب بن سکے۔ اور اللہ تعالیٰ قریب و مجیب ہے۔

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

اے پروردگار تو میرے ساتھ وہی سلوک کر جو ایک کریم و محسن آقا اپنے کمزور اور مجرم نوکر کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اور وہ سلوک نہ کر جو ایک منصف و با اقتدار حاکم اپنے مفسد و عیار و بدکار ڈاکوؤں کے ساتھ کرتا ہے۔

اے اللہ اگر تو ہم کمزوروں کے ساتھ انصاف کرے گا تو ہم تیرے حضور اپنی عاجزی اور بیجانہ صبر کو پیش کریں گے۔ اگرچہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی لیکن کیا کریں سوائے عاجزی کے ہمارے ہاتھ میں اور کیا ہے۔ اے اللہ تو نے اپنے بندوں کو پیدا ہی اس طرح کیا ہے کہ اپنا ہی نفع چاہتے ہیں۔ مخلوق میں یہ خصلت تو نے ہی بخشی ہے جس کے استعداد و قابلیت اور ماہیت بیان کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے۔ اے اللہ ہم نے قرآن کریم میں پڑھا ہے اور تیرے حبیب پاکؐ نے ہمیں بتایا ہے کہ اللہ جسے چاہتا ہے فنا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ اے اللہ تو نے اپنا یہ فرمان ہمارے دل نشین کر دیا ہے "مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا" اے اللہ تیری صفت حی و کریم ہے۔ تو اپنی تخلیق میں تبدیلی نہیں کرتا اور جو کچھ ہونے والا ہے اسے تیرا قلم لکھ کر خشک ہو گیا۔ تیرے افعال کی بابت کسی میں تجھ سے وجہ دریافت کرنے کی کوئی قوت نہیں ہے۔ اور تیری بارگاہ میں کوئی بات بدلی نہیں جاتی۔ تو بڑا ہی رحیم و کریم ہے۔ اگر تو نے انسان میں فاعل ہونے کی قدرت رکھی ہے اور اسے شرط اولین قرار دیا ہے تو اس درد بے دوا کا قیامت تک علاج نہیں ہو سکتا۔ اے اللہ تیرے ہی لئے امر سزاوار ہے کہ تیرے دربار میں کوئی دردمند نہ رہے گا۔ اے اللہ تو ہم پر رحم کر کرم کر۔

اے اللہ ہم کو حضوری قلب عنایت فرما کیونکہ اس کے سوائے کوئی اور چیز مفید نہیں اور وہ کشادگی اور فارغ البالی دے جس کے ذریعہ دنیا اور آخرت کے تمام مقصود پورے ہو جائیں استغفر اللہ مجھے ان باتوں سے کیا سروکار۔ میں نہایت کمزور فقیر بھیک منگا ہوں۔ مجھے یقین کی قوت عنایت کر اور وہ سرمایہ دے کہ پھر مخلوق کی حاجت نہ رہے اور وہ عطیے

سرفراز کر جن سے ظاہر و باطن معمور ہو جائے۔

اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے دل میں کتنی اُمیدیں اور آرزوئیں ہیں۔ اور ساتھ ہی مجھے اپنی کمزوری اور بے بسی کا یقین ہے میں اپنا کوئی مقصد مقرر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ کیا معلوم کہ میرے مقصد کے خلاف ہی میں فائدہ اور بھلائیاں ہوں۔ البتہ آخرت کے درجات جو مقرر ہیں۔ اُن کا آرزو مند ہوں۔ کبھی دل میں خیال آتا ہے۔ کہ یہ خواہش بھی طریقہ بندگی سے دور ہے۔ بندہ کو کوئی آرزو نہ کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ بہت بڑی بات ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بندہ سراسر عاجز، آرزو مند اور خواہش مند ہے۔ اے اللہ مجھے یقین ہے کہ تمام دنیاوی خواہشوں کے درمیان موت حائل ہے۔ جو بالکل ہیچ ہے۔ اسی لئے میں تجھ سے رضامندی کا طلب گار ہوں۔ تیرے راستے میں ثابت قدمی، حق پر قائم رہنے، قوتِ یقین اور شک و شبہ کو زائل کرنے کے لئے عقل شعور کا خواہشمند ہوں۔ مرنے کی محبت دے۔ تاکہ دنیا سے کوچ کرنا دشوار معلوم نہ ہو فقیروں کی محبت عنایت کر تاکہ موت سے الفت ہو سکے۔

اے اللہ اسباب و سامان جمع کرنے کی قوت نہیں اور بغیر کسی سامان کے کوئی کام نہیں ہوتا۔ مجھے غریب کے کام بغیر سبب کے پورے کر اور اگر بغیر سبب کے نہیں کرنا چاہتا تو اسباب آسان کر دے۔ یا مُفتّح الابواب اور یا مسبب الاسباب۔ ہمارے لئے سامان فراہم کر دے جن کے حاصل کرنے کی ہم میں سکت نہیں ہے۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میرے کاموں کے بنیاد کی تکمیل کی امید نظر نہیں آتی۔ صرف تیرے ہی دربار سے امیدوار ہوں کہ تو اپنے خاص لوگوں کے وسیلہ سے بغیر کسی انسانی کوشش کے پورا کر دے۔ اے اللہ اگر مخلوق کے متوقع خیالات پورے نہ ہوں تو اپنی بے صبری اور بے طاقتی سے ہلاک ہو جائیں گے۔ اے اللہ وہ حالات پیدا کر جو دل کی گرہ کھول دیں۔ دل بارغ ہو جائیں اور دلوں کی فراغت نصیب ہو۔ اے سب سے زیادہ رحم و کرم کرنے والے۔ جنات اور انسانوں کی دستگیری کرنے والے اور اے بہترین مددگار اللہ تعالیٰ تو ہی مدد کر۔ اے اللہ ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے لیکن اُس سے پہلے بشارت دیدے تاکہ دل خوش ہو جائے اور تکلیفیں دُور ہو کر یقین کی دولت مل جائے۔ اے اللہ تمام دنیاوی کام ہمارے لئے آسان کر دے اور ان کے وجود و عدم کو یکساں کر دے۔ اے اللہ تو دنیا کو میرا مقصدِ اعلیٰ نہ بنا، دنیا میں گرفتار نہ رکھ، دنیا ہی مبلغ علم، دنیاوی اعلیٰ تعلیم تک مقید نہ رکھ۔ اُن لوگوں کو حاکم نہ بنا جو مسلمانوں پر رحم نہیں

کرتے۔ اے اللہ میں نے تجھی پر بھروسہ کیا ہے اور تیرے ہی دربار میں عاجزانہ دعا گریاں ہوں۔
اے اللہ توکل اور بھروسے کی حقیقت تیرے کمالِ معرفت اور شہود کے بغیر ناممکن ہے۔ معرفت وشہود وہ مرتبہ کمال ہے جس کی ہم ناقص اور ناکارہ طلب نہیں کر سکتے۔ مجھ جیسا اندھا بے دست و پا تنہا اس جنگل میں پڑا ہوا ہے جسے مصیبتیں گھیرے ہوئے ہیں اے اللہ میں اندھا بے اختیار اور مجبور تیرے دربار میں فریاد کر رہا ہوں اب تو ہی دستگیری کر اور فریاد رس بن جا۔ اگر بفرضِ محال دستگیری نہیں کی جا سکتی تو میں اندھا استغاثہ وگریہ وزاری کے سوائے کیسے بسر کر سکتا ہوں۔
اے اللہ بندہ اگر تجھ سے دُور ہے تو کیا؟ تو خود تو پاس ہے۔ ہماری فریادرسی فرما۔
اے اللہ تو جانتا ہے کہ اسباب و سامان فراہم ہونے سے پہلے میرے دل میں کیسی کیسی امیدیں تھیں لیکن اب سامان پر نظر پڑتی ہے تو پرانے خیالات میں کوتاہی نظر آتی ہے اور قدم ہمت سُست ہو جاتا ہے۔
اے اللہ ہماری پُرانی امیدیں نئے سرے سے نئی کر دے اور بجھے ہوئے دل میں تازگی دیدے۔ جو چیز دینے کے قابل نہیں اس کی خواہش ہمارے دل سے دُور کر دے۔ اور جو چیز دینے کے قابل ہے۔ اُس کے لئے ہمت دے تاکہ کوشش کریں اور یقین عنایت کر تاکہ وقت سے پہلے جلدی نہ کریں۔
اے اللہ جوانی میں جہالت اور فطرت کی وجہ ہر طرح دنیا جمع کرنے کی خواہش تھی لیکن اب آخرت کی فکر ہے۔ آخرت کی فکر اور دنیا کا غم یکجا ہو گیا ہے۔ دنیا اس طرح عنایت کر جس سے دین میں کوئی خلل اور خرابی پیدا نہ ہو سکے اور دل سے آخرت کا غم نہ نکلے اور آخرت کا غم اس طرح عنایت فرما کہ آخرت کے غم کے سوائے کوئی اور غم نہ ہو۔ اور میں اپنے سینے کو اپنے ناخنوں سے نہ چھیلوں۔
اے اللہ میرے کاموں میں ترقی دے اور تنزل و ذلت ہم سے دور کر دے۔ اے اللہ تیری رضامندی درکار ہے۔ جس طرح چاہے اپنی خوشنودی سے ہمیں مالا مال کر۔ اگر بھی انسانی جلد بازی اور طبیعت کے میلان کی وجہ کوئی ایسی چیز چاہی جائے جو ظاہر میں اچھی اور باطن میں خراب ہو تو ہماری مدد کر اور جسے تو چاہتا اور پسند کرتا ہے اُس کی توفیق دے اور جسے تو ناپسند کرتا ہے اُس سے دُور رکھ۔ اے اللہ تجھ پر ہر کام آسان ہے۔ آسان کیا معنی بلکہ

ہر قسم کی نعمت جس کا تصوّر کیا جا سکتا ہے وہ تو نے اپنے بندوں کو عنایت کی ہے۔ دنیاوی عزت، شان و شوکت عظمت و رفعت، مذہب و ملت علم و ہدایت حق و معرفت، اور قرب و کرامت وغیرہ سب ہی تو نے اپنے بندوں کو دیئے ہیں۔ میں کس چیز سے مایوس ہوں اور کیوں مایوس ہوں۔ البتہ مشیت تیرے ہاتھ ہے جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔ خواہش در اصل تیری ہی خواہش ہے مجھے یقین ہے کہ تیری خواہش کے بغیر کسی انسان میں کوئی خواہش پیدا ہی نہیں ہوتی اور کوئی فائدہ بھی نہیں دیتی۔ اس پر بھی انسان بے چارہ مجبور ہے وہ اپنی خواہشات پر صبر نہیں کر سکتا۔ اور آرزو بھرا دل تیرے حضور پیش کرتا ہے

اے اللہ میں تیرے قرآن کریم اور تیرے محبوب کی سنت کے وسیلہ سے دعا کر رہا ہوں تو میری دعا قبول فرما۔

اے اللہ میں جب دعا کی قبولیت کی شرطوں کو دیکھتا ہوں تو مایوس ہو جاتا ہوں اور دعا کرنے میں سستی کرتا ہوں۔ لیکن اگر تیرا یہی آخری فیصلہ ہے کہ بغیر شرائط دعا کے تو کوئی دعا قبول نہیں کرتا، تو مجھے شرائط دعا کی جلد از جلد توفیق عنایت کر اور پھر میری دعائیں قبول کرلے۔ اور میرے جرائم پر نظر کئے بغیر گوہر مقصود سے میرا دامن بھر دے۔

اے اللہ جب تک تو میرے مطلوب کی بشارت، دلیل اور یقین سے عنایت نہیں کریگا اس وقت تک تیرا یہ کمترین بندہ تیرے دربار ادب میں اسی طرح چیخ پکار اور گریہ و زاری کرتا رہے گا۔ کیونکہ روئے بغیر دل کو قرار ہی نہیں آتا اور اگر میری دعائیں تیری بارگاہ میں قبول نہ ہوئیں تو پھر افسوس ہی افسوس اور مایوسی ہی مایوسی ہوگی۔

اے اللہ تو مجیب الدعوات ہے ہماری دعائیں قبول کر اور تو ہی کریم و رحیم ہے اس لئے اپنے ذلیل بندہ کی عاجزی قبول فرمالے۔

اے اللہ نفس و شیطان کے خوف سے میرے اوقات کو تشویش سے بچا جب نفس و شیطان غلبہ کرے تو اس وقت قرآن کریم تلاوت کرنے کی توفیق دے تاکہ تلاوت کلام پاک کے ذریعہ تمام رنج و غم دور ہو کر راحت قلبی میسّر ہوتی رہے۔

اے اللہ اپنے کلام سے محبت و الفت عنایت کر تاکہ اس میں مستغرق رہوں اور تیرے ذکر کے علاوہ ہر چیز سے دست بردار ہو جاؤں۔

اے اللہ میرے غم کی کیفیت و حقیقت تیرے سوائے کوئی نہیں جانتا۔ میں جس سے اپنی

مشکلات بیان کرتا ہوں وہ حقیقت حال پر غور کئے بغیر وہ بات کہتا ہے جو میرے لئے کارآمد نہیں اور میرے درد کا علاج نہیں۔ نیز اکثر لوگ میری تکالیف سن کر کچھ دوسری ہی غرض سمجھتے ہیں

اے اللہ تو میری حقیقی حالت میری غرض میرے مقصد میرے مطلب اور میری نیت سے بخوبی واقف ہے۔ میں اپنی سچی نیت کا تو دعویٰ نہیں کرتا کیونکہ تجھ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اس پر بھی میں اپنی سچی نیت اور اپنے اعمال کا تجھ رحیم و کریم سے سوال کر رہا ہوں۔

اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو تیرے دربار کے لائق ہو کیونکہ میرے تمام اعمال میں فساد نیت و کمی عمل شریک ہے۔ البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ میلاد مبارکؐ کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا اور نہایت ہی عاجزی و خاکساری محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاکؐ پر درود و سلام بھیجتا رہا۔

اے اللہ وہ کونسا محل و مقام ہے جہاں میلاد مبارکؐ سے زیادہ تیری خیر و برکت اور کرم و رحمت کا نزول ہوتا ہے؟ اس لئے اے ارحم الراحمین مجھے پکا یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی بیکار نہ جائے گا بلکہ لازماً تیری بارگاہ میں قبول ہوگا اور جو کوئی درود و سلام پڑھے اور اس کے ذریعہ دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہو سکتی۔

اے اللہ! میرے درد طلب میں اور اضافہ کر اور صداقت کی پیاس زیادہ بڑھا تو نے جو نعمتیں دی ہیں انہیں نہ چھین اور جو رزق دیا ہے وہ واپس نہ لے تو نے اشاروں اشاروں میں جو بتایا ہے اُسے ظاہر کر دے اور جو بشارت دی ہے اسے پورا کر دے۔ کیونکہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ میری خواہش ہے کہ ہر لمحہ اک نئے طرز سے تیرے دربار میں سوالی بن کر حاضری دوں۔ اور جو کچھ دل میں ہے وہ زبان پر لاؤں۔ تو نے میرے دل میں اپنا جو درد رکھ دیا ہے اسے مجھ سے زیادہ تو ہی خوب جانتا ہے۔ اور انجام کار جو چیز میرے دل میں نہیں سماتی اُس سے بھی تو ہی اچھی طرح واقف ہے۔

اے اللہ۔ میں اپنی گریہ و زاری سے تجھ پر کوئی حکم نہیں چلاتا بلکہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں وہ سب عاجزی، خاکساری، بے بسی اور مجبوری ہے کیونکہ انسان کو کمزور فطرت عطا کی گئی ہے۔

اے اللہ! نیک لوگ چلے گئے اور جوانمرد رخصت ہو گئے۔ اب وہ زمانہ آیا ہے جس میں نیک بن کر رہنا دشوار ہو گیا ہے بلکہ نیکی کا تصور بھی محال ہے۔ لیکن اگر تو قوت دیدے اور

تائید فرمادے تو ہر مشکل آسان ہے۔ اے اللہ جو تھوڑے سے نیک لوگ باقی ہیں ان کی حفاظت کر تاکہ وہ نیکی پھیلاتے رہیں۔ ان کی نیکی سے نیکی کی مزید شاخیں اور پھل پیدا کر۔ ہماری امیدوں کو شاخ در شاخ اور ہمارے دلوں کو اس طرح باغ باغ بنادے جیسا تونے شجرہ طیبہ کی جڑ مضبوط کر کے اس کی شاخیں آسمانوں میں پھیلا دی ہیں جن کے پھل تیرے احکام کے بموجب نیک لوگ کھا رہے ہیں۔

آخر میں دعا ہے اے اللہ تمام تعریف تیرے ہی لئے ہے تو تمام جہانوں کا رب ہے میں نے اپنے تمام کام کاج تیرے حوالہ کردیئے ہیں اور تو اپنے بندوں کا خیر خواہ اور رکھوالا ہے۔

شعر

سپردم بتو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

اور درود وسلام ہو رسول اکرمؐ پر آپ کے آل واصحاب پر اور سب نیک لوگوں پر۔ آمین ثم آمین۔

اب میں اپنے نعتیہ قصیدہ پر یہ کلام ختم کرنا چاہتا ہوں تاکہ انجام اچھا ہو یہ قصیدہ اگرچہ ہند میں لکھا تھا لیکن مدینہ طیبہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے پر سردار کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پڑھا گیا۔ اور موقف قبولیت حاصل کرکے میرے مقاصد حقیقی کے حصول کا سبب بنا۔ اس پر بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے

قصیدۂ نعتیہ

بیا اے دل دمے از ہستیٔ خود ترک دعویٰ کن — میفگن چشم بر صورت نظر در عین معنی کن

فگندی چوں نظر در عین معنی بعد ازاں اے دل — چو عنقا از سر عزت بقاف فقر ماویٰ کن

زچاک سینہ ہر دم صد نوائے درد دل بشنو — بدیں قانون الفت ترک بزم اہل دنیا کن

چو زیں دار فنا قصد سفر سوے دگر داری — چرا غافل نشینی اے دل اسباب مہیا کن

بصد خون جگر در زیر راں کش توسن نفست — بدیں ساں راہ راحل گیر و قصد راہ عقبیٰ کن

پس انگہ بر سر کوئے فنا نہ پائے استغنا — وجود خویش را گم در شہود نور مولیٰ کن

اگر خواہی تماشائے جمال شاہد معنی — نخست ایں چشم صورت بیں ہمیل عشق اعمیٰ کن

بشاگردی درآ در مکتب جاں بیں بلوح دل — بتعلیم دبیر عشق حرف شوق املا کن

ببند اے خفته دل چشم تماشا سر فرو مگن ببین عبرت آخر سیر صنع حق تعالی کن
چه حاجت کز پئے خلوت روی در کنج تنهائی بیا و دوست خود را از خیال غیر تنها کن
بیا در انجمن خلوت گزین واز رو دیگر بچشم دل جمال دوست را ہردم تماشا کن
بسرش غیر را محرم مگرداں بلکه در خلوت چناں پوشیده کن ذکرش که از دل نیز اخفا کن
چو نفی ماسوی کردی چه دل کو جاں همه ایچند دلیلیت کل شیئ هالک الا وجہ را کن
چو فرق واضح آمد درمیاں مہلک وہالک ہلاک و نیستی را حکم بر ہر چیز حالا کن
کش از پرکار الا خط عدم بر صفحۂ عالم بساں دائرہ آنرا محیط جملہ اشیاء کن
پس انگہ نقطۂ ذاتست کامد مرکز ہستی بروں زیں دائرہ آں نقطہ را ثابت بہ الا کن
بروں از روئے صورت وز رہ معنی دروں ذاتش میاں نقطہ وآں دائرہ غیریت افنا کن
ہماں نقطہ تحرک کردہ آمد دائرہ پیدا مثال از بہر ایں از نقطہ جوالہ پیدا کن
چو بینی نور مطلق خویشتن را در میاں ناری ہو الحق از انا الحق بعد ازیں مختار اولی کن
مسمی واحد و سماے او از حد عد بیروں بہر اسمے شہود نور ذات آں مسمی کن
در اسمائے حقیقی ملتد مسمی میں ہر اسمے عجب مشکل حدیث است ایں بگوش وہوش اصغا کن
معمائیت مشکل در حساب عاقلاں وحدت بتحصیل کمال نفس حل ایں معما کن
کمال نفس وہم تہذیب اخلاقت بدست آید اگر ایں را ہوس داری بنائے شرع برپا کن
حقیقت از شریعت نیست بیش عارفاں بیروں مثال آں بکشتی ساز وشبہ آں بدریا کن
بریں کشتی نشیں تا بگذری زیں بحر بے پایاں نہ چوں فرعون خود را غرق بحر کفر و اغوا کن
زباں بکشا بنا فرمودہ شارع سخن ایں است پئے اسمائے توفیقے زبان عجز گویا کن
دہاں را قفل خاموشی نہ و سربستہ دار آں در کلید امرش آور دل در سربستہ را وا کن
وگر خواہی زباں بکشائی ومذ راہ سخن پوئی ثنائے بادشاہ یثرب وسلطان بطحا کن
سریرآرائے ملک آفرینش احمد مرسل کہ پیش از وے نشد در ملک ہستی کار فرما کن
بشد تا بر سر منشور عالم خاتم حکمش ز دیوان ازل آمد برآں منشور طغرا کن
بیان قربت او قاب قوسین است او ادنیٰ بمقدار علو قدر او ایں نیز ادنیٰ کن
قیاس رتبہ و مقدار فضل از انبیا تا وے ز قطرہ تا بدریا ز ذرہ تا بہ بیضا کن
حبیب اللہ بود او انبیاء را داں محب اللہ قیاس کار از اسری بعید و جاء موسیٰ کن
بخود معرفت موسیٰ لیکن او را حق بخود بردش ز رفتن تا بہ بردن فہم فرق انتکارا کن

خود برد مرا ورا در حق او قدر آئی گفتند   بموسیٰ لن ترانی فہم تفضیلش ازیں جا کن
خطاب با عتاب ان تولیتم اگر خواندی   بایں والی و والا قدر ملکِ دیں تولا کن
اگر خیریت، دنیا و عقبیٰ آرزو داری   بدرگاہش بیا و ہرچہ می خواہی تمنا کن
بیا اے دل قدم نہ برسر کوئے وفا وانگہ   ز راہ صدق جاں را خاکِ راہ آں کفِ پا کن
سر و تن را براہ جلوہ آں سرو بالا کش   دل و جاں را فدائے حسن آں رخسار زیبا کن
ثنائش گو ولے چوں نیست ایفائش ز تو ممکن   بایں یک بیت مدحش را علی الاجمال ایفا کن
مخواں او را خدا از بہر امر شرع و حفظِ دیں   وگر ہر وصف کش میخواہی اندر مدحش املا کن
چو از انشار تفصیل صفاتش عاجزی اے دل   بیا و عرضِ حال خویش بر خدا مش انشا کن
خرابم در غم ہجر جمالت یا رسول اللہ   جمال خود نما رحمے بجانِ زار شیدا کن
اسیران تو جاں دادند در ہجر لب لعلت   دہاں بکشا و از راہ کرم احیائے موتیٰ کن
جہاں تاریک شد از ظلمت ظلم سیہ کاراں   بیا و عالمے را روشن از نور تجلا کن
زیاں کاراں بہ بازار ہوا سودائے زر دارند   شکست و رونق و گرمی ایں بازار و سودا کن
ہمہ بے ہمتان دہر بخل آئین خو کردند   بلطف اعمال مبین و از کرم احیائے مجیا کن
ز ظلم ظالماں شور است و غوغا ہر طرف آخر   بعدل و رافت خود بر طرف ایں شور و غوغا کن
بسنگ سیم و زر جاہل گراں بار است از عالم   بمیزانِ عدالت قدر ہر یک را ہویدا کن
بصدیق صداقت پیشہ فرما تا قدوم آرد   طریق صدق و آئین وفا را باز پیدا کن
عمرؓ را باز بنشاں بر سریر معدلت آئیں   بدیں آئیں میان خلق رسم عدل احیا کن
ہمہ کس راست از عجب و تکبیر دعویٰ اندر سر   ز سر بفرست عثمانؓ را و قطع امر شورا کن
بدفع حیلۂ ایں روبہاں بفرست شیرِ حق   بفرمائش کہ قلع باغیاں و قمع اعدا کن
بزور بازوئے خیبر کشا بنیاد جہل افگن   رواج رونق بازار علم و کار تقویٰ کن
وگر نائی تو با یاراں بظلم آباد ایں دنیا   بدفع ظالماں حکم نیابت را بہ عیسیٰ کن
بہر صورت کہ باشد یا رسول اللہؐ کرم فرما   بلطف خود سر و سامان جمع بے سر و پا کن
محب آل و اصحاب توام کار من حیراں   بلطف خویش ہم امروز و ہم در روز فردا کن
بیا حقی مدہ تصدیع خدام جنابش را   کہ احوال تو معلوم است اظہارش مکن یا کن
بقسمت باش راضی دم مزن الا بشکر حق   سکونت ورز و تسکینِ دل خود از قسمنا کن

تمت بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب اخبار الاخیار مکمل ہوئی لیکن حقیقتاً اس وقت مکمل ہوگی جبکہ زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب، فضیلت مآب، مظہر تجلیات الٰہی، مصدر برکات نامتناہی، امام ربانی، مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رح کے قدرے حالات تحریر کئے جائیں۔[1]

من مصنف کو اخیر عمر میں آپ سے نسبت حاصل ہوئی اس لئے آپ مقدم ترین کاملین وسابق ترین واصلین الی اللہ کا تذکرہ اس کتاب کے آخر میں ہی زیادہ مناسب ہے۔ اور اگر حقیقت پر نظر کی جائے تو اول و آخر سب ایک ہی چیز ہے۔ میرا آپ سے رجوع ہونا تو حضرات کی زبانی بھی مشہور بات ہے جیسا کہ کتاب کے آخر میں انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رح

غرضکہ (۲۸) واسطوں کے ذریعہ حضرت فاروق اعظم سے آپ کا نسب ملتا ہے۔ ۹۷۱ھ میں آپ پیدا ہوئے۔ کمترین عرصہ میں علوم عقلی و نقلی

پیدائش ۹۷۱ — وفات — ۱۰۳۴ھ

سے فراغت حاصل کی اور اپنے والد بزرگوار سے سلسلہ چشتیہ، قادریہ، سہروردیہ اور کبرویہ کی اجازت حاصل کی۔ پھر حجاز تشریف لے گئے جہاں سے واپسی پر دہلی آئے اور یہاں حضرت خواجہ محمد باقی رح سے بیعت کی اور عرصہ تک ان کی صحبت میں رہے۔ لیکن صرف دو ماہ اور چند دنوں کی خدمت کے بعد سلسلہ نقشبندیہ کی مکمل تعلیم و اجازت لی۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے اپنے ایک دوست کو لکھا ہے کہ سرہند میں ایک بہت بڑے عالم و عامل ہیں جن کا نام شیخ احمد رح ہے۔ انھوں نے چند دنوں میرے پاس نشست و برخاست کی۔ جس میں میں نے ان کے عجیب عجیب حالات دیکھے ہیں۔ اور ان کے اوقات و اعمال صالحہ کے پیش نظر یقین ہے کہ وہ عنقریب ایسا روشن آفتاب ہو کر چمکیں گے جس سے ساری دنیا جگمگا جائے گی۔

نیز خواجہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں جن کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں تارے چھپے ہوئے ہیں۔

غرضکہ خواجہ محمد باقی رح نے آپ کے مناقب و فضائل بکثرت تحریر فرمائے ہیں جن میں سے خرداے چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

---

[1] شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح نے اخبار الاخیار ۹۹۹ھ میں مکمل فرمائی۔ از مترجم

چنانچہ دہلی آنے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں آپ کی عالمگیر شہرت ہوگئی اور آپ کے آستانہ پر صاحبان علم و کمال سبھی جمع رہنے لگے۔ علماء دور سے آتے اور رئیس ترکستان وتاشقند وغیرہ سے آپ سے ملاقات کے لئے حاضری دیتے۔ مشائخ زمانہ آپ کے معتقد اور اکابرین وقت آپ سے عاجزانہ ملتے تھے۔ آپ کی وجہ تانبا سونا بنا اور ذرّے آفتاب کہلائے۔ آپ کی بابرکت ذات اللہ تعالیٰ کی نشانی اور اس کی خاص نعمت تھی۔ علماء کرام اور صوفیائے عظام کے درمیان ایک ہزار سال سے جو نزاع و تکرار تھی وہ آپ نے صاف کرائی اور احادیث کے موافق ان دونوں کو ملا دیا۔ جیسا کہ مشہور کتاب حضرات القدس میں ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ رسالتمآبؐ کا ارشاد ہے۔ "میری اُمت میں ایک ایسا شخص ہوگا جسے لوگ صلہ کہیں گے اور اس کی سفارش سے اتنے اتنے اشخاص جنت میں جائیں گے۔" اور یہ لفظ آپ ہی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ ہی نے علماء و صوفیا کا درمیانی تنازعہ ختم کرایا اور آپ ہی نے مسئلہ وحدت الوجود کی جانب دونوں کو ایک راہ لگائی۔ چنانچہ اس تحریر کے بعد آپ نے خود تحریر کیا ہے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے بحرین کے درمیان مجھے صلہ بنایا ہے۔

آپ لوگوں کے اندرونی اور قلبی حالات سے واقفیت رکھتے، پوشیدہ باتیں بتاتے اس عالم تکوین میں تصرف دکھاتے غرضکہ آپ کے خوارق عادات جو کتابوں میں تحریر ہیں وہ سات سو سے زیادہ ہیں اور ان تحریر شدہ کے ماسوا اور بھی بہت سی کرامتیں ہیں۔

چونکہ حکم ہے اگر سب نہیں پا سکتے تو سب کو ترک بھی نہ کرو۔ چند خوارق حوالہ قلم کئے جاتے ہیں۔

۱۔ کہتے ہیں کہ آپ سفر میں تھے اور ہوا سخت گرم تھی۔ دوستوں کے اصرار پر آپ نے بارش کی دعا کی تو فوراً ہی صاف آسمان پر بادل آیا اور بارش ہوگئی۔

۲۔ ایک آدمی نے عرض کیا میں اس سال پھر حج کرنے جا رہا ہوں۔ آپ نے جواباً کہا میدان عرفات میں تم مجھے دکھائی نہیں دیتے۔ اگرچہ تم کئی مرتبہ حج کے ارادہ سے گئے لیکن حج کرنا تم کو نصیب نہ ہوا۔

۳۔ آپ کے ایک مرید جان محمد کا بیان ہے کہ ایک شام حضرت شیخؒ نے میرے ہاتھ میں ایک جوز دیا اور فرمایا حافظ باغ میں چند درویش مقیم ہیں ان میں ایک شخص جیک روپے جاؤ

اوراس کو یہ جوز دو اور اسے اپنے ساتھ لیتے آؤ۔ غرضکہ آپ کے بتائے ہوئے پتہ پر میں پہونچا دیکھا کہ چند قلندر جمع ہیں اور اُن سے تھوڑے فاصلہ پر ایک چیک زدہ فقیر بیٹھا ہے اس نے مجھے دیکھتے ہی کہا حضرت شیخ نے تم کو میرے پاس بھیجا ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں اور پھر وہ جوز دیتے ہوئے حضرت شیخ کا پیغام پہونچایا۔ اس پر اُس فقیر نے کہا۔ ہم کو بلایا ہے اور خود نہیں آئے۔ غرضکہ وہ فقیر میرے ساتھ حضرت شیخ کے پاس آیا۔ حضرت شیخ نے مجھ جان محمد سے قہوہ منگوایا۔ میں قہوہ لایا تو آپ نے فرمایا پہلے ان درویش کو دو۔ میں نے جو درویش کی جانب دیکھا تو وہاں خود آپ کو بیٹھا پایا اور انھوں نے فرمایا کہ پہلے حضرت شیخ کو دو۔ غرضکہ میں نے جدھر رُخ کیا حضرت شیخ ہی کو جلوہ گستر پایا۔

ان درویش نے مجھ جان محمد کی بابت حضرت شیخ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا یہ جان محمد فلاں قلندر کے فرزند ہیں۔ اس پر اُس درویش نے کہا وہ تو ہمارے دوست تھے۔ اب یہ جان محمد کس سلسلہ میں بیعت ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا سلسلہ قادریہ میں جس پر اس درویش نے کہا میں سفارش کرتا ہوں کہ ان کو حضرت غوث الاعظم رضؓ تک پہنچا دو۔ چنانچہ حضرت شیخ نے اٹھ کر قطب تارے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا۔ جان محمد تم قطب تارہ پہچانتے ہو خوب غور کرکے بتاؤ یہی ہے یا دوسرا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ قطب تارہ میں سے ایک شخص کالا لبادہ اُوڑھے تیز تیز چلتا ہوا حضرت شیخ کے پاس آیا۔ پھر حضرت شیخ نے مجھ جان محمد سے فرمایا لو حضرت غوث اعظم رضؓ کی خدمت میں حاضری دو۔ اس کے بعد حضرت غوث اعظم رضؓ پھر قطب تارہ کی جانب متوجہ ہوئے اور غائب ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد مسجد میں اُس درویش نے مجھ سے کہا۔ حضرت غوث اعظم رضؓ سے تم نے ملاقات کی؟ میں نے جواب دیا جی ہاں۔

حضرت شیخ کے الہامات و مبشرات بھی بکثرت ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے میں نے تمہیں اور اس شخص کو جس نے تمہیں بالواسطہ یا بغیر واسطہ قیامت تک وسیلہ بنایا، بخش دیا ہے۔ الحاصل جو کوئی حضرت شیخ کے تفصیلی کرامات، کشف، الہامات اور مبشرات وغیرہ دیکھنا چاہے وہ آپ کی حضرات القدس، برکات احمدیہ، معارف جدیدہ اور معارف نادرہ وغیرہ کا مطالعہ کرے جو آپ کے نورانی قلم سے لکھی گئی ہیں۔ آپ وہ آفتاب تھے جن سے منکروں کی آنکھیں چوندھیا تی اور حاسدوں کے دل اندھے ہوجاتے ہیں۔ یہ معارف

وحقائق اور ہدایات وارشاد جو سُنے اور دیکھے جارہے ہیں یہ اُس ذات والاصفات کے ہیں جو علی علی کہتے تھے۔ آپ مجدد ہیں۔ سو سال کے بعد کے مجدد نہیں بلکہ حضرت علی کے ہزار سال کے بعد والے مجدد ہیں۔ اور یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں بلکہ بہت بڑا فرق ہے۔ کاش تم لوگ اس سے واقفیت حاصل کرلو۔

آپ کے حسن اخلاق، عمدہ سیرت کی بابت مختصراً عرض ہے کہ صبر و تحمل، رضا و تسلیم اور ہر شخص کی تعظیم، مخلوق الہٰی پر شفقت، اُن کے ساتھ صلہ رحمی، مستحقین کی امداد، السلام علیکم کرنے میں سبقت، آہستہ و نرم گفتگو آپ کی سیرت و خصلت تھی۔ آپ کا مسلک قرآن کریم وحدیث شریف تھا۔ اور آپ کی یہ ایک فضیلت دوسری تمام فضیلتوں سے سبقت لیگئی ہے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنا کارخانہ ارشاد وطلاب اپنے بیٹوں کے حوالہ کر کے خلوت نشین ہو گئے تھے۔ اور خلوت سے جلوت میں بہت کم آیا کرتے۔ وفات سے بہت پہلے سے اشاروں میں اپنی وفات کو کہا کرتے تھے۔ ایک دن صاف فرمایا مجھے بتایا گیا ہے کہ چودہ پندرہ دن میں بارہ محرم ۱۰۱۲ھ سے پہلے انتقال کروں گا۔ چنانچہ آپ نے منگل کے دن صبح کے وقت جبکہ ذرا سا سورج نکلا تھا سرور عالم کی عمر شریف کی مانند (۶۳) سال کی عمر میں اس دنیا سے بہشت جاوداں کی جانب کوچ کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے انتقال، غسل اور اس کے بعد کے واقعات میں جو عجیب وغریب چیزیں دیکھنے میں آئیں وہ کتاب مقامات میں ناظرین ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ (میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت خواجہ باقی باللہ رح کے مرید و خلیفہ شیخ حسام الدین رح کو ایک خط لکھا ہے) اس خط کے اظہار کا ابتداء میں تذکرہ کیا گیا ہے چنانچہ اس وعدہ کو اب آخر میں پورا کیا ہے۔

مجھ فقیر عبدالحق کو حضرت شیخ احمد سرہندی رح نے جو حقائق باطن عنایت فرمائی ہے وہ بے حد و شمار ہے۔ حضرت شیخ نے ہمارے درمیان کوئی پردہ بشریت و حجاب باقی نہیں رکھا۔ آپ نے طریقت، انصاف اور عقلی تمیز جو بزرگوں کا خاصّہ ہے اس دنیا کے اندر میرے باطن میں بطریقۂ ذوق، وجدان وغلبہ کے پوری طرح جاگزیں کر دیا جس کے اظہار سے زبان عاجز ہے۔ تمام تعریفیں اور پاکیزگی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو دلوں کو بدلتا اور حالات درست کرتا ہے۔ بعض لوگ شاید اس کو دور کی بات سمجھیں۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ اب میری کیا حالت ہے اور کیا طریقہ ہے۔

لاکھوں درود و سلام ہوں رسول اکرم پر آپ کے آل و اصحاب پر اور تمام صالح اشخاص پر۔ اے ارحم الرحمین تو ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ آمین

بعض دوستوں نے اس کتاب کی تاریخ نکالی ہے

طیب اللہ حقی انفاسک زادک اللہ قوۃ و غنی
نام و تاریخ این کتاب عزیز گرگنی ذکر اولیا احسن
۹۹۹ھ

لہ اے اللہ تو اس کتاب کے اصل مصنف اور مجھ ناچیز مترجم، طابع و ناشر اور ناظرین کا خاتمہ بخیر کر۔ آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ خاتم النبین وآلہ واصحابہ اجمعین۔ یارب العالمین۔ اقبال الدین احمد۔ مترجم کتاب